مفتی عبدالرؤف سکھروی
خلیفہ مجاز حضرت مفتی اعظم پاکستان قدس سرہ

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مد ظلہم العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمدللہ وکفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد!

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب کمالات سے نوازا تھا۔ علم وفضل اور صلاح وتقویٰ کا بحر ناپیدا کنار ہونے کے باوجود ان کی تواضع اور فنائیت ہر دیکھنے والے کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی تھی آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے تھے ان خلفاء میں سے جن کے بارے میں حضرت حکیم الامت نے نام لے کر فرمایا تھا کہ انشاء اللہ میرے بعد ان حضرات کا فیض پھیلے گا۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے آپ کو مسند اصلاح وارشاد سے اتنا دور تصور کرتے رہے کہ اپنی زبان فیض ترجمان سے ہزاروں انسانوں کی زندگی میں خوشگوار دینی انقلاب رکھنے کے باوجود کبھی یہ خیال بھی نہیں گذرا کہ کوئی اصلاحی مجلس سجائیں جہاں لوگ اپنی اصلاح کی غرض سے آیا کریں بلکہ جب بھی لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ کی کوئی اصلاحی مجلس ہونی چاہیے تو ہمیشہ طرح دے گئے اور اس تجویز کو منظور نہیں فرمایا۔ کبھی کسی نے زیادہ اصرار کیا تو صاف صاف جواب دیا کہ "میں کیا؟ اور میری مجلس کیا؟ مجلس تو حکیم الامت قدس سرہ جیسے حضرات کی ہوتی تھی' میں اس لائق کہاں کہ کوئی اصلاحی مجلس منعقد کروں؟ اور اگر کر بھی لوں تو کون ہے جو اصلاح کی غرض سے اس مجلس میں آئے گا؟"

اسی تواضع کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۴۸ء میں پاکستان آنے کے بعد تقریباً دس سال تک حضرت والد صاحب کی کوئی ہفتہ وار اصلاحی مجلس نہیں ہوتی تھی۔ البتہ ایک مسجد

میں روزانہ درسِ قرآن دینے کا معمول تھا' نیز حسبِ موقع وعظ بھی فرماتے تھے اور اگر کوئی شخص اصلاح کیلئے رجوع کرتا تو انفرادی طور پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے حکم کی تعمیل میں اس کے ساتھ اصلاحی تعلق بھی قائم فرما لیتے تھے لیکن کوئی باقاعدہ مجلس کا سلسلہ نہیں تھا۔

بالآخر غالباً ۱۹۵۶ء میں حضرت والد صاحب قدس سرہ کے ایک بے تکلف دوست نے' جو صوفی صاحب کے نام سے مشہور تھے اور حضرت حکیم الامت ﷫ سے بیعت بھی تھے' ایک مرتبہ کچھ اس انداز سے حضرت والد صاحب پر زور دیا کہ والد صاحب انکار نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ حضرت حکیم الامت کی مجلسوں میں آپ نے حاصل کیا۔ وہ آپ کے پاس ایک امانت ہے' اور حضرت حکیم الامت ﷫ نے آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دیکر ایک طرح سے آپ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچائیں' لہٰذا آپ محض اپنی تواضع کی بنیاد پر لوگوں کو اس سے محروم کیوں کرتے ہیں؟

یہ بات صوفی صاحب مرحوم نے نہ صرف کہی بلکہ ایک اتوار کو عصر کے بعد کچھ لوگوں کو لیکر آگئے' اور فرمائش کی کہ آپ کے پاس حضرت حکیم الامت کے جو ملفوظات لکھے ہوئے ہیں' وہ ہمیں سنائیے۔

بس اس طرح اس مجلس کا آغاز ہوگیا۔ اس وقت ملک میں ہفتہ وار چھٹی اتوار کو ہوا کرتی تھی' اس لئے لوگوں کی سہولت کی وجہ سے اتوار کے دن عصر کے بعد مجلس کا وقت طے پایا' حضرت والد صاحب نے لسبیلہ ہاؤس کے قریب اشرف منزل کے نام سے جو مکان بنایا تھا' اس کے بیرونی چمن میں یہ مجلس شروع ہوگئی۔ مجلس کے شروع میں عموماً ختم خواجگان ہوتا' اس کے بعد حضرت والد صاحب قدس سرہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے وہ ملفوظات سنایا کرتے تھے جو خود آپ نے حضرت کی مجالس میں تحریر فرمائے تھے' اور مدت سے کپڑے کی ایک گٹھڑی میں محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ یہ گٹھڑی حضرت والد صاحب کو بہت عزیز تھی' ہجرت کے وقت بہت سا ساز وسامان چھوڑ آئے' بہت سا منتقل ہونے کی کارروائیوں میں گم ہوگیا' لیکن یہ گٹھڑی ہمیشہ ساتھ رہی' اور حضرت والد صاحب نے جان کی طرح اس کی حفاظت فرمائی۔

اس وقت جو حضرات اس مبارک مجلس میں عموماً حاضر ہوتے تھے' ان میں سورتی صاحب تو مجلس کے محرک ہی تھے (اور ان کی یہ نسبت اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ ان کا نام بھی اب مجھے یاد نہیں رہا) اس کے علاوہ حضرت حکیم امداد اللہ صاحب' حاجی محمد ابراہیم صاحب' مولانا جمیل احمد صاحب' احقر کے خسر جناب شرافت حسین صاحب کے نام اس وقت یاد ہیں' بہت سوں کی صورتیں یاد آرہی ہیں' نام یاد نہیں' خلاصہ یہ کہ رفتہ رفتہ اس مجلس میں حاضری بڑھتی گئی اور بہت سے حضرات کی زندگیوں میں انقلاب آگیا۔

جب تک حضرت والد صاحب لسبیلہ ہاؤس کے مکان میں مقیم رہے' یہ مجلس وہیں جاری رہی' پھر جب دارالعلوم کورنگی میں سکونت اختیار فرمائی تو چونکہ دارالعلوم شہر سے دور تھا' اس لئے حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں بہت سے حاضرین کو اتنی دور آنے کی زحمت دینا نہیں چاہتا' اس لئے یہ مجلس شہر کے محلہ نانک واڑہ میں واقع دارالعلوم کی مسجد میں شروع فرما دی۔ ہر اتوار کو آپ خود اہتمام کے ساتھ شہر تشریف لیجاتے اور مجلس وہیں منعقد ہوتی تھی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک مختلف بیماریوں اور ضعف نے آپ کیلئے شہر جانا سخت مشکل نہیں بنا دیا۔ اس مرحلے پر خود حاضرین مجلس نے درخواست کی کہ مجلس کو دارالعلوم کورنگی ہی میں منتقل کر دیا جائے' چنانچہ پھر یہ مجلس دارالعلوم کورنگی میں شروع ہو گئی اور حضرت والد صاحب کی وفات سے تین دن پہلے تک جاری رہی' جب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ گھر سے اٹھ کر قریبی مسجد تک جاسکیں تو گھر ہی میں چارپائی پر بیٹھے بیٹھے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔

شروع میں حضرت والد صاحب نے حضرت حکیم الامت کے وہ ملفوظات سنانے شروع کئے تھے جو خود آپ نے قلمبند فرمائے' ان ملفوظات کی تشریح آپ خود فرمایا کرتے تھے' مدتوں یہ سلسلہ چلا۔ اس کے بعد آپ نے "ملفوظات حسن العزیز" پڑھنے شروع کئے اور مدت دراز تک وہ سلسلہ جاری رہا' آخر دور میں طریقہ یہ ہو گیا تھا کہ حاضرین مجلس میں سے کوئی صاحب ملفوظات کی کوئی کتاب پڑھتے اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جہاں ضرورت سمجھتے' تشریحی بیان فرماتے تھے۔ اس زمانے میں ملفوظات پڑھنے کی یہ خدمت عموماً عزیز گرامی مولانا عبدالرؤف صاحب انجام دیا

کرتے تھے۔

جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اس مجلس میں شرکت کی سعادت عطا فرمائی وہ جانتے ہیں کہ اس مبارک مجلس میں کیا تاثیر تھی؟ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس محفل میں پہنچ کر انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر ایک عجیب نورانی فضا میں پہنچ گیا ہے۔ یہ وعظ و ارشاد کی کوئی عام مجلس نہ تھی جس میں رسمی تقریر و خطابت کے جوہر دکھائے جاتے ہوں، یہ ایک ایسی شفقت آمیز محفل تھی جس میں ہر شریک ہونے والے کو ایک پیکر شفقت مربی کا سایہ محبت ملتا تھا، اس میں دین کے اسرار و معارف بیان ہوتے تھے، اس میں دلوں سے شبہات کے کانٹے نکالے جاتے تھے، اس میں زندگی کے آداب سکھائے جاتے تھے، اس میں لوگوں کی مشکلات کے عقدے حل کئے جاتے تھے، غرض زندگی کے مسائل کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جس پر یہاں ہدایت کی ٹھنڈی روشنی میسر نہ ہوتی ہو۔

بارہا احقر کو خیال ہوا کہ مجلس کی باتیں ضبط تحریر میں لائی جائیں، لیکن اول تو بعض مرتبہ اپنی غفلت اور بعض مرتبہ دارالعلوم کی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے احقر کو مجلس میں پابندی سے حاضری کا موقع نہیں ملتا تھا، دوسرے آخر میں یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ بفضلہ تعالیٰ مجلس کی باتیں ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ ہو رہی ہیں، اس مجلس کے ایک حاضر باش مولوی محمد علی صاحب مرحوم اہتمام کے ساتھ مجلس ٹیپ کیا کرتے تھے، اور انہی کے پاس یہ ٹیپ محفوظ بھی رہتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ حضرت والد صاحب قدس سرہ کے انتقال کے موقع پر مہمانوں کی آمد و رفت کا جو ہنگامہ رہا، اس میں یہ تمام ٹیپ کہیں ضائع ہو گئے اور ان سے استفادے کا کوئی راستہ موجود نہ رہا۔

مجلس کے بعض حاضرین اپنی اپنی بساط کے مطابق بہت سی باتیں نوٹ کیا کرتے تھے، لیکن وہ بھی منتشر تھیں اور کسی کے پاس کوئی مکمل ریکارڈ محفوظ نہ تھا۔

احقر کی معلومات کی حد تک اگر کسی کے پاس مجلس کی سب سے زیادہ یادداشتیں جمع تھیں تو وہ عزیز گرامی قدر مولانا عبدالرؤف صاحب کے پاس تھیں جو آخر دور میں سالہا سال مجلس میں پابندی سے حاضر ہوتے رہے بلکہ ملفوظات پڑھنے کی خدمت بھی وہی انجام دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت والد صاحب کی مجلس سے ماشاء اللہ

بہت فیضیاب کیا، وہ حضرت والد صاحب کی طرف سے مجاز بیعت بھی ہیں اور ماشاء اللہ قابلِ رشک حالات رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں کو قسط وار ماہنامہ البلاغ میں شائع کرنا شروع کیا، اور اب یہ کتاب انہی یادداشتوں کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے مختلف عنوانات کے تحت عمدہ طور پر مرتب فرمادیا ہے۔

الحمدللہ، اس کتاب میں حضرت والد صاحب کی مجلس کی بہت سی باتیں محفوظ ہوگئی ہیں اور اس طرح ایک حد تک اس نقصان کی تلافی ہوگئی ہے جو کیسٹ ریکارڈ کے تعطل سے ہوا تھا۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس کتاب میں حضرت والد صاحب کی مجلس کی باتوں کی اجمالی مختصر تلخیص شامل کی گئی ہے جس سے بعض ضروری باتوں کا مرکزی مفہوم تو سامنے آجاتا ہے، لیکن اس سے نہ مجلس کے مجموعی رنگ کا اندازہ ہوسکتا ہے، نہ اس کی پوری تاثیر سامنے آسکتی ہے، اور نہ یہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ تمام باتیں اپنے پورے سیاق وسباق اور ضروری قیود وشرائط کے ساتھ درج ہوئی ہیں۔ مولانا عبدالرؤف صاحب نے مجلس میں حاضری کے دوران وقتی طور پر جو بات جن الفاظ میں قلمبند فرمائی وہ اسی طرح اس کتاب میں درج ہے۔ یہاں تک کہ الفاظ کی تقدیم وتاخیر کا بھی ہر جگہ لحاظ نہیں ہے۔ لہٰذا اس کتاب کو اپنی اصلاح کی خاطر پڑھا جائے، اور اس سے اپنے عمل میں رہنمائی حاصل کی جائے تو انشاء اللہ مفید ہوگی لیکن اس کے ایک ایک لفظ کو موجودہ شکل میں حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی طرف منسوب کرکے اس سے کوئی علمی نتیجہ نکالنا درست نہیں ہوگا۔ اس کیلئے حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی خود اپنی تصانیف کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ عین ممکن ہے کہ ان ملفوظات کی ترتیب میں کوئی ایسی بات قلمبند ہونے سے رہ گئی ہو جس کے موجود نہ ہونے سے سیاقِ کلام بدل جاتا ہو۔

اس اہم نکتے کو مدنظر رکھتے ہوئے انشاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا، اور حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب اس کی ترتیب وتالیف پر شکریے اور تبریک کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو مسلمانوں کیلئے نافع بنائیں اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۱۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

فہرست مضامین

باب دوم عبادات ۷۷

مجلس : ۶ صحیح تلاوت قرآن کریم کا معمول بنائیے ۱۰۵

مجلس : ۷ نفلی صدقہ اور اس کا مفہوم عام ۔۔۔۔۔۔ ۱۱۴

مجلس : ۸ ہدیہ کے آداب ۱۲۵

حیا اور اس کی قسمیں ۱۲۸

باب سوم معاملات ۱۶۹

باب چہارم معاشرت ۱۸۹

مجلس: ۱۸ شرعی سزائیں ۲۲۲

معاشرت کے متعلق متفرق ارشادات ۲۲۸

باب پنجم اخلاقیات ۲۳۵

مجلس : ۲۰ طریقت شریعت کا ایک حصہ ۲۴۳

چند ارشادات ۲۵۰

چند ارشادات ۲۸۵

مجلس ۲۵ مہلکات و رذائل ... ۲۸۶

رذائل کے متعلق متفرق ارشادات ... ۲۹۰

مجلس : ۲۶ اصلاح قلب کا طریقہ ۲۰۷

مجلس : ۲۷ اللہ والوں کی محبت کا صلہ ۲۱۴

مجلس : ۲۸ فلاح کی حقیقت ۲۱۷

چند ارشادات

مجلس : ۳۴ محاسبہ نفس ۲۶۵

مجلس : ۳۵ دل میں گناہوں کا خیال لانا ۲۷۲

مجلس : ۵۵ ادب اور اس کی تفصیلات ... ۵۰۱

چند ارشادات ۵۰۶

مجلس : ۵۶ رجوع الی اللہ ... ۵۰۷

چند ارشادات

اخلاقیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

یہ ناکارہ و آوارۂ روزگار حق تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کرے کم ہے کہ اس نے محض اپنے لطف و کرم سے ناچیز کو سیدی و مرشدی و استاذی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں برسوں علمی اور عملی استفادہ اور حاضری کا شرف بخشا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی

حضرت والا کی زیارت اور خدمت نصیب ہوئی اور صاف محسوس ہوا کہ

یہ وہ جہان میکدہ، غم کا گزر جہاں نہیں
گردشِ جام ہے یہاں گردشِ آسماں نہیں

اس کے بعد حضرت والا کی مجلس میں بارہا شرکت کی سعادت ملی۔ شروع میں یہ مجلس اتوار کو عصر سے مغرب تک دارالعلوم کراچی میں ہوتی تھی اس کے بعد جمعہ کو گیارہ بجے سے بارہ بجے تک ہونے لگی جس میں قرب و جوار اور شہر کے لوگ ذوق و شوق سے شریک ہوتے جس میں وہ حضرات بھی شریک ہوتے تھے جن کو حضرت سے بیعت و اصلاح کا تعلق تھا اور عام لوگ بھی شریک ہوتے۔ حضرت والا کی مجلس بڑی پُر اثر ہوتی تھی، حضرت کے بیان سے آنکھیں بھر آتیں، دل گداز ہو جاتا، گویا حاضرین مجلس پر بے ساختہ گریہ طاری ہو جاتا اور بعض کی چیخیں نکل جاتیں، دلوں کا زنگ دور ہو جاتا، آخرت کی فکر ہو جاتی اور آخرت سامنے محسوس ہونے لگتی، اس مجلس میں

شریک ہر شخص کا یہی جذبہ ہوتا کہ وہ حضرت کے بیان کے مطابق ضرور اپنی اصلاح کرلے اور یہی چاہتا کہ حضرت والا کی آواز سے اپنا دامن بھرتی رہے۔ بقول حضرت مجذوبؔ۔۔۔

پھر ذرا مطرب اسی انداز سے
ہی اٹھے میرے تیری آواز سے

وفات سے ایک دو سال پہلے نماز فجر کے متصل بھی، حضرت والا نے اپنی آرام گاہ پر طالبین کو ایک خاص اجازت اور عنایت فرمائی تھی کہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں اور دس منٹ خاموش بیٹھ کر چلے جایا کریں۔ احقر بھی کئی بار اس مجلس میں شریک ہوا۔ اللہ اللہ! حضرت کی اس مجلس کا عجیب عالم ہوتا، چند طالبین خاموش سر جھکائے حضرت کے سامنے ہوتے اور حضرت والا ان کے سامنے تسبیح لئے چارپائی پر آرام فرما ہوتے اور ذکر اللہ میں مشغول رہتے۔ کمرہ میں مکمل خاموشی ہوتی، کبھی کبھی حضرت کی زبان مبارک سے ذکر کا کوئی جملہ قدرے بلند ہو جاتا تو اس سے اس خاموش مگر پرکیف فضا میں عجیب لرزہ ہو جاتی، ذہنوں میں ایک نئی حیات محسوس ہوتی، توجہ الی اللہ میں اضافہ ہو جاتا، اکثر یہ جملہ حضرت کی زبان مبارک سے نکلا:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

کبھی کوئی طالب اپنا کوئی باطنی اشکال پیش کرتا (جس کی اجازت تھی) تو حضرت والا اس کو اسی طرح آسان انداز میں حل فرماتے کہ قلب پوری طرح مطمئن ہو جاتے، اس دوران کبھی حضرت کا بیان طویل بھی ہو جاتا جس میں تصوف و طریقت کے جو ابہام نظر آتے، اشکال سے ختم ہوتے، شریعت کی راہیں منکشف اور سہل ہو جاتیں۔ بقول مجذوبؔ۔۔۔

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں کہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے
ترا ہاتھ ہاتھ میں آگیا تو چراغ راہ کے جل گئے

دس منٹ کی یہ مجلس ایک دل کی غذا ہوتی کہ دل کی حالت بدلتی ہوئی صاف محسوس ہوتی اور حضرت والا بھی ایسے لگتے جیسے انوار و تجلیات میں ڈوبے ہوئے ہوں، بہرکیف حضرت والا کی ہر مجلس کا اثر ایسا عجیب و غریب ہوتا کہ کبھی کبھی چلتا مجلس

لکھ لوں، لیکن تیز لکھنے کی مشق نہ تھی کبھی خیال آتا خلاصہ لکھ لوں مجلس کے بعد یہ بھی نہ کر پاتا اور کبھی ٹیپ کرنے کا ارادہ ہوتا مگر اس وقت ٹیپ ریکارڈر کی سہولت پوری طرح حاصل نہ تھی تاہم کچھ مجالس بفضلہ تعالیٰ ٹیپ کر لیں اکثر یہی جی چاہتا کہ بس تن حضرت والا کو دیکھتا رہوں اور ان کی باتیں دل و دماغ میں بسالوں کیونکہ توجہ کے ساتھ سننے کا فائدہ سب سے زیادہ محسوس ہوتا تھا اور دوسرے طریقوں میں ذہن منتشر ہوتا تھا جس سے زیادہ اثر نہ ہوتا اس لئے بندے نے زیادہ مجالس بھی ٹیپ نہیں کیں البتہ بعض دوسرے احباب نے لکھنے اور ٹیپ کرنے کا اہتمام کیا۔

بہر حال مسیحاء وقت کی ان گرانقدر مجالس کا سلسلہ جاری تھا اور روز بروز لوگوں کا رجوع بڑھ رہا تھا جو اس مسیحا کے لئے رخصت ہونے کی خبر دینے لگا تھا اور ہر وقت اس جدائی کا دھڑکا لگا رہتا تھا، خود حضرت والا بھی بعض بعض طلباء کرام سے وعظ کے دوران فرمایا کرتے عزیزو! میری باتیں سن لو ان پر عمل کرو، میرے بعد ایسی باتیں سنانے والا نہ ملے گا.......... حضرت والا اور حضرت سیدی ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی رحمہما اللہ کا مزاج و مذاق بہت ملتا جلتا تھا، دونوں ہی شفقت و رحمت کی دو مجسم شکل تصویریں تھیں اس لئے حضرت عارفی نے بھی اپنے اشعار میں یہی فرمایا ہے ؎

ابھی سے سن لو جو سننا ہے، غم کی داستاں میری
کہاں سے لاؤ گے پھر کوئی دل میرا، زباں میری

اے عارفی اپنے دل پر شوق کی باتیں
اچھا ہے کہ تو اپنی زباں ہی میں سنائے
ممکن ہے کوئی کاشف اسرار محبت
پھر محفل احباب میں آئے کہ نہ آئے

اکثر حضرت عارفی یہ بھی فرمایا کرتے تھے ؎

محفل سوز و گداز غم کو، گرمائے گا کون
اہل دل کو اپنے درد دل سے تڑپائے گا کون

موجزن ہے کس کے دل میں آتش سیال غم
مستی خون جگر آنکھوں سے برسائے گا کون

کس پہ طاری ہے جنون عشق کی وارفتگی
یوں زباں پہ والہانہ راز دل لائے گا کون

عارفی میرے ہی دل ہے محرم ناز و نیاز
بعد میرے حسن و عشق سمجھائے گا کون

بالآخر ۱۰/ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ میں رات کو تقریباً ۱۲ بج کر ۱۹ منٹ پر عشق و محبت، شفقت و رحمت اور عجز و تواضع کا پیکر اور علم و تقویٰ کا آفتاب ہمیشہ کے لئے افق آخرت میں غروب ہو گیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مد ظلہم العالی نے اس موقع پر تحریر فرمایا

> حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک زندہ اور چلتا پھرتا نمونہ ایک بے مثال فقیہ، مفکر، علم حدیث کا ایک درخشندہ ستارہ، بے سہاروں اور ضرورت مندوں کا سہارا، طریقت کے اسرار و حکم کا بے مثل خزانہ، سالکین کا ایک مشفق مربی، عزیز و اقارب کے سروں کا سایہ شفقت و رحمت، طالبان علم کا ایک مشفق استاد اور ہمارا ایک عدیم النظیر مشفق روحانی باپ، سب کو یتیم کر کے آخر اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (مفتی اعظم نمبر ص ۱۰۳)

حضرت والا کے وصال پر حضرت ہی کے یہ شعر کس قدر موزوں ہیں ؎

وہ بزم اب کہاں، وہ طرب کا سماں کہاں
ساقی کہاں، وہ جام وہ مئے ارغواں کہاں

ڈھونڈیں ہم اب نقوش سبک رفتگاں کہاں
اب گرد کارواں بھی نہیں، کارواں کہاں

ایک ناتمام غزل کے یہ شعر ملاحظہ ہوں ۔

لب پہ دمِ اخیر ترا نام آ گیا
رکتا ہوا یہ سانس بہت کام آ گیا
بیمار عشق لے کے ترا نام سو گیا
مدت کے بے قرار کو آرام آ گیا

حضرت حکیم سید محمد ابراہیم رزمی فرماتے ہیں ۔

یہ حالت ہو گئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے
کہ خم کے خم بھرے ہیں مے سے اور میکدہ خالی ہے

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

بہرحال حضرت والا کے وصال پر اصلاح و تربیت کا باب بند ہو گیا، ہر طرف ظلمت، تاریکی اور مایوسی چھا گئی، در و دیوار افسردہ معلوم ہوتے تھے، کوئی چیز اچھی نہ لگتی تھی، ایک عرصہ تک یہی کیفیت قائم رہی، پھر رفتہ رفتہ غم ہلکا ہونے لگا، اور حضرت والا کی انمٹ یادیں ذہن میں ابھرنے لگیں، اور مجلس کی باتیں یاد آنے لگیں، اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے دل میں بار بار یہ تقاضا پیدا ہونے لگا کہ حضرت والا کے قیمتی ملفوظات و مجالس کو جمع کیا جائے اور استفادہ کیا جائے اور عام مسلمانوں کے نفع کے لئے انہیں مرتب کر کے البلاغ میں بھی شائع کیا جائے تاکہ حضرت والا کو اس کا ثواب ملے اور بندگانِ خدا کو ہدایت ملے، اسی جذبے کے تحت جہاں سے جو کچھ ملا تھوڑا تھوڑا مرتب کر کے بنام خدا البلاغ میں دینا شروع کیا۔

حضرت والا کے کچھ ملفوظات احقر کی ڈائری میں لکھے ہوئے تھے اور کچھ بھائی غلام قادر صاحب مدظلہ کی کاپی میں درج تھے انہیں جمع کیا، ملفوظات کا سب سے بڑا ذخیرہ صوفی محمد علی صاحب مرحوم کے پاس تھا مگر وہ ایسا پیچیدہ لکھا ہوا تھا کہ ان کے سوا کوئی دوسرا انہیں نہیں پڑھ سکتا تھا، اور وہ ایک کمپنی میں ملازم تھے، انہیں اتنی

فرصت نہ تھی کہ وہ سارا ذخیرہ صاف کر کے بھیجتے 'تاہم پھر بھی انہوں نے کچھ ملفوظات صاف کر کے بھیجے 'اور کچھ ایسے اوراق روانہ کئے جن میں ان کی تحریر قدرے صاف تھی '' احقر نے ان کاغذات سے حضرت ؒ کے ملفوظات جمع کئے 'اس کے بعد حضرت ؒ کی مجلس کے خاص حاضر باش اور محب صادق محترم جناب ریاض الدین منشی صاحب ؒ کی ایک کاپی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم نے عنایت فرمائی جس میں منشی صاحب نے حضرت والا کی بہت سی مجالس قلمبند کی ہوئی تھیں 'ان کی تحریر بھی بہت صاف اور مضمون بھی اکثر پورا ہی قلمبند تھا 'اس کو دیکھ کر خوشی کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ یہ بڑا قیمتی ذخیرہ تھا جو مناسب موقعہ پر دستیاب ہوا چنانچہ پھر اس سے کافی عرصہ مجالس کا سلسلہ البلاغ میں جاری رہا .... پھر کچھ ملفوظات و مجالس حضرت والد ماجد ؒ کی ایک کاپی میں ملیں جو اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں جب بھی وہ صحت کے زمانہ میں حضرت والا ؒ کی خدمت میں رمضان المبارک گزارنے کراچی آیا کرتے تھے ' چنانچہ ان میں اکثر مجالس حضرت ؒ کے لسبیلہ والے مکان کی ہیں 'اور کچھ مجالس احقر نے اور بھائی غلام قادر صاحب مدظلہم نے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لی تھیں ' مولانا عبداللہ میمن صاحب کو اللہ پاک بہت ہی جزاء خیر عطا فرمائے آمین انہوں نے ان مجالس کو کاغذ پر منتقل کر دیا 'اس طرح اب سے کچھ عرصہ پہلے تک مجالس مفتی اعظم کا یہ مبارک سلسلہ البلاغ میں جاری رہا۔

ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ حضرت ؒ سے محبت کا تعلق رکھنے والے بھائی انوار احمد صاحب کا خط موصول ہوا جس میں انہوں نے ان مجالس کو ترتیب دینے اور کتابی شکل دینے کی فرمائش کی جس سے ان مجالس کو مرتب کرنے کا داعیہ پیدا ہوا 'اور اس وقت تک مجالس کی تعداد بھی تقریباً پچاس تک پہنچ گئی تھی جو کتابی شکل دینے کے لئے ایک معقول مقدار تھی 'اس دوران ایک اہم چیز اور سامنے آئی وہ یہ کہ حضرت ؒ اپنی حیات طیبہ میں ماہ رمضان المبارک کی نماز فجر کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کی مسجد میں محاسن قلب اور رذائل نفس پر بڑا ہی جامع اور نافع درس دیا کرتے تھے ' احقر بھی ایک مرتبہ اس میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکا ہے 'شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی نے انہیں قلمبند فرما کر ''دل کی دنیا'' کے دلکش عنوان

سے البلاغ کے ابتدائی شماروں میں شائع فرمایا ہے' وہ مجموعہ بھی اس میں شامل کر لیا ہے' فالحمدللہ علی ذالک۔

احقر نے ان تمام مجالس کو پانچ باب پر تقسیم کیا ہے 'عقائد' عبادات' معاملات معاشرت اور اخلاق اور ہر باب کی ہر مجلس کے عنوان کے مطابق اس کے آخر میں اس کے مناسب ملفوظات جمع کئے ہیں تاکہ مجلس کے ختم پر اس کا خلاصہ ملفوظات کے ذریعہ ذہن نشین ہو اور آسانی سے عمل میں آجائے اور جو مجالس کسی خاص عنوان کے تحت نہ آسکیں انہیں آخر میں متفرقات کے عنوان کے ذیل میں جمع کر دیا ہے جامعہ دارالعلوم کراچی کے کتب خانہ کے ناظم مولانا ابو طاہر صاحب سلمہ کو اللہ تعالیٰ بہت ہی خیر اور جزاء احسن عطا فرمائے آمین ماشاءاللہ انہوں نے ان مجالس کی ترتیب میں بہت تعاون فرمایا اور حسب ہدایت بہت سلیقہ سے ترتیب کا کام انجام دیا۔

گو حضرت ﷺ اب دنیا میں نہیں رہے' لیکن حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے حضرت والا کے اخلاص وللہیت کے صدقے مجالس کا یہ قیمتی مجموعہ مرتب کروا دیا جو آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام "مجالس مفتی اعظم" ہے اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے لئے اس کو قبول فرمائیں' نافع اور مفید بنائیں اور جن جن حضرات کی کاوشیں اسمیں خرچ ہوئی ہیں ان سب کی مغفرت اور نجات آخرت کا ذریعہ بنائیں اور حضرت ﷺ کا دائمی صدقہ جاریہ بنائیں آمین' وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

بندہ عبدالرؤف

۱۵/ ۱۲/ ۱۴۱۵ھ

باب اول

عقائد

تقدیر کی حقیقت ' رزق کی کنجی ' محفل سیرت کا
صحیح طریقہ ' عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم '
بدعت کی تعریف اور اہل بیت کی محبت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس :۱

عید میلاد النبی ﷺ

یاد گار منانا بے اصل ہے

جس فضیلت کو واقعی اللہ پاک نے جتا دیا یا اس کے رسول پاک ﷺ نے فرما دیا وہ اپنی جگہ مسلم ہے مثلاً رمضان یا شعبان یا محرم الحرام یا عیدین وغیرہ اور پھر ان کے لئے ہدایات اور احکامات رسول کریم ﷺ نے فرما دیئے یہ سب تسلیم اور قابل عمل ہیں اور جن کے متعلق آپ نے ہدایات نہ دی ہوں مثلاً رسول پاک ﷺ نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی' طائف تشریف لے گئے۔ جنگ بدر' جنگ احد اور دیگر غزوات میں حصہ لیا جس جگہ قدم مبارک آپ کے پڑ گئے کتنی فضیلت اس جگہ کی ہوگی کہ سارے زمین و آسمان سے بڑھ کر قیمت اس جگہ کی ہو گئی۔ اور بہت سے بیشتروں ایسے واقعات پیش آئے کہ ہر واقعہ ہر لمحہ ہر لحظہ بیشتہ برکت والا اور عظمت والا ہے لیکن کہیں اس کی ہر بری یا تقریب منانے کا حکم نہیں ہے۔ کوئی ہدایت نہیں ہے۔ لہذا بغیر حکم وہدایت کے اس کو اپنانا صحیح نہیں ہے۔

حضرت حلیمہ کے یہاں آپ کا جانا۔ فرشتوں کا آپ کے دل مبارک کو دھونا۔ آپ کا غار حرا میں تشریف لیجانا وہاں انوار الٰہی کا ظاہر ہونا۔ پھر نبوت کا عطا ہونا' وحی کا نازل ہونا جب وحی نازل ہوئی اور تین سال تک آپ نے چھپ چھپ کر عبادت الٰہی کی اور دین کی تبلیغ کی' پھر آپ کو فکر ہوئی کہ لوگ استہزاء کرتے ہیں گے' وحی نازل ہوئی کہ آپ ان کے استہزاء کی فکر نہ کیجئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان پانچ آدمیوں کو جو مشرکین میں سے تھے جن سے سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ حرم شریف میں جا کر انگلی کا اشارہ کیا جس سے وہ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے اور میدان تبلیغ

کے لئے صاف ہو گیا۔پھر آپ نے کوہ صفا پر جا کر اللہ کا کلمہ بلند کیا۔
اسلام کا کلمہ بلند کرنے کا وہ سب سے پہلا دن تھا کیا وہ دن مقدس نہیں ہے؟
ہمیشہ ہمیشہ یادگار رہنے کا دن تھا۔
رسول کریم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر قدم اور ہر ہر واقعہ ایسا ہے کہ یادگار منانے والے اگر ان کو مرتب کریں تو ہزاروں سے بڑھ کر ان کی تعداد ہوگی مگر اسلام ہر اس رسم کو توڑنے آیا جو اسلام سے قبل جاری تھیں اس لئے ان کی یادگاریں بنانے کا حکم نہیں دیا۔
مکہ سے ہجرت اور غار ثور کا قیام بدر کی پہلی رات ہر دن اور ہر رات اپنے اندر خاص خاص برکات لئے ہوئے ہیں لیکن اس کے لئے نہ خدا کے احکام ہیں نہ رسول پاک ﷺ کے احکام ہیں حالانکہ ہر ایک ان میں سے اس قابل ہے کہ اس کا جشن منایا جاتا' لیکن اسلام ایک فطرت کا دین ہے۔اس میں ان یادگاروں کے منانے کی گنجائش نہیں ہے۔

عید میلاد یقینی بدعت ہے

تم بتاؤ آپ کی ساری تریسٹھ سال کی زندگی میں ہر سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں سے کونسا دن ایسا ہے اور کونسے دن کا کونسا گھنٹہ ایسا ہے جو یاد رکھنے اور اس پر قربان ہونے کے قابل نہیں ہے؟ لیکن کیا کبھی آپ نے فرمایا تھا کہ کوہ صفا کا دن مناؤ مکہ سے ہجرت کا دن مناؤ انہیں میں سے پیدائش اور وفات کے دن ہیں ان کے لئے آپ کے کوئی خصوصی احکام نہیں ہیں۔
آپ کی ولادت کا دن مقدس اور مبارک ہے اور اسکے ذی شان ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن چونکہ آپ کا اس کے متعلق کوئی حکم نہیں اور صحابہ کرام کا کوئی عمل اس سلسلہ میں نہیں اس لئے اپنی طرف سے ہمارا یہ ہنگامہ کرنا صرف بدعت میں داخل ہے کیا صحابہ کرام یا تابعین سے زیادہ دعویٰ ہے ہم کو حضور اکرم ﷺ سے محبت کا یہ یوم ولادت ان کے سامنے بھی ہر سال آتا تھا پھر آپ کی وفات کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے حساب لگانے والوں نے بتایا ہے کہ حجۃ الوداع جمعہ کا دن تھا اور اس

سے ٹھیک اسی روز بعد پیر کے دن وفات ہوئی مگر ۱۲ ربیع الاول اس سال کے حساب سے پیر کا دن نہیں ہوتا۔ غرض اور بھی اختلاف ہیں اس تاریخ میں۔

شب قدر کی عبادت ثابت ہے

غرض آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس قابل ہے کہ اس کی یادگار منائی جائے لیکن آپ کے ارشادات سے یادگاروں کو منانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور ہم آپ کے منع کرنے کے باوجود عید منائیں اس دن کو مقرر کرکے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ ہاں شب قدر کے لئے فرمایا اس رات کو عبادت کیا کرو، جاگا کرو۔ اللہ سے معافی چاہا کرو۔ اس رات میں اتنی بخشش ہوتی ہے۔ جس کا کوئی شمار نہیں۔ مگر کوئی روایت کوئی حدیث آپ کی ان ہوس جلوس، نعروں کی ضعیف یا قوی کوئی ہے؟ اگر ہے تو لاؤ۔ کوئی روایت نہیں اب ایک بے وقوفی کی بات یہ ہے کہ ان رسومات کے خلاف کچھ کہو تو وہ کہتے ہیں یہ وہابی ہے۔ بس ان کے نزدیک وہابی ایک گالی ہوگئی۔ مگر عقل سے نہیں سوچتے کہ جن کی ہدایت ہمارے پیارے رسول ﷺ نے نہ دی ہو اور ہم اپنی طرف سے گھڑ کر کریں اس کے لئے فرمایا ہے سب سے بدتر کام دین میں وہ ہیں جو اپنی طرف سے کرو، چونکہ اس میں معاذ اللہ یہ الزام ہے کہ ہمارے لئے نفع کا ایک کام تھا وہ حضور ﷺ نے ہم کو نہیں بتایا گویا یہ آپ کو الہام ہوا ہے کہ ہاتھی گھوڑے جلوس میں نکالو، نعرے لگاؤ اور ایک فتنہ کھڑا کرو۔

شیطانی دھوکے

ہندوستان میں تو مسلمان دو چکی میں پستے تھے اوپر انگریز نیچے ہندو پھر پیسہ بھی اتنا نہ تھا، حکومت بھی نہ تھی یہاں آکر اللہ میاں نے دولت دی، حکومت دی، آزادی دی اب تک گئے اچھے کورٹ دین کے نام پر دین کا کام تو ہوتا نہیں کہ رشوت چھوڑیں نمازیں پڑھیں اس میں تو محنت ہے بس ہمارے شیطان نے ہم کو یہ سکھایا ہے کہ تم پکے مسلمان ہو، اسلام تمہارا ٹھیک ہے یہاں عبادات کی ضرورت

تمہیں سود کھانے جاؤ جائز کو ناجائز کیے جاؤ عورتوں کو ننگا پھراتے رہو بس دنیا میں اسلام
کی زندگی کا یہ ثبوت پیش کر دو کہ جلوس نکالو جھنڈے ہاتھ میں لو اور نیا کام ایجاد کر و ان
کھیل تماشوں کا نام اسلام رکھ دو ساری دنیا میں تم سب سے اونچے ہو جاؤ گے۔
ابلیس نے ہم کو بیوقوف بنا کر کے چھوڑ دیا' ہندوستان میں تو گائے کا گوشت کھانے
کا نام اسلام تھا یہاں پر گانا بجانا' شور مچانا اس کا نام اسلام رکھ دو' روزے میں نماز
میں' قرآن پڑھنے میں تو تم کو تکلیف ہوگی اسلام کے احکام پر چلنے میں تو بھوکے ننگے
ہو جاؤ گے بس یہ شور ہنگامہ کر لو اور اسلام کا کھیل نکالو۔
اللہ نے دو عیدیں عطا کیں تمہیں ہم تین عیدیں کریں گے بلکہ عید پر اتنے کھانے
والے نہیں ہوتے جتنے اس تیسری عید پر ہوتے ہیں' بھوکے کو کھانا کھلانا منع نہیں مگر
اس کا تماشا کرنا اور اس کو دین سمجھنا درست نہیں' ایک عقل کی بات یہ بھی ہے کہ
وفات کے دن عید منانے میں خوب ان کو شیطان نے سمجھایا ہے بھلا وفات کا دن بھی
خوشی منانے کا دن ہے اور اگر پیدائش کے دن عید مناتے ہو تو نبوت ملنے' ہجرت
کرنے' جنگ بدر' فتح مکہ' فتح خندق کون کون سی عیدیں مناؤ گے؟ اب یہ کیسی حق تلفی
ہے کہ آپ کی زندگی کے تریسٹھ سالوں میں سے صرف معراج اور وفات یا ولادت کو
تو عید منا دیا اور باقی دن کیا ہوئے؟ زیادہ نہیں تو کم از کم آپ کی عمر مبارک کے تریسٹھ
سالوں میں سے تریسٹھ دن کی تو عید مناتے مگر کچھ نہیں محض رسم کو پورا کرنا ہے۔

بے مثال مذہب

افسوس ہے کہ ایک ایک چیز کو فنا کر رہے ہیں' جس طرح بٹی بٹی ہوئی رسی
کٹتی ہے تو ایک ایک تار کٹتا ہے اسی طرح دین کا ایک ایک تار کٹ رہا ہے اور یاد رکھو
دین تو نہیں مٹے گا ہم مٹ جائیں گے۔ یہ سنتوں کا ختم اور ان کی جگہ کھیل تماشے پیدا
کرنا کس قدر خرابی کی بات ہے۔ ارے ایسا پاکیزہ مذہب جو دنیا کے لئے قابل مثال
قابل تقلید ہے اس کو تم صورت سے' سیرت سے توڑ مروڑ کر کیوں ہنسی اڑاتے ہو اپنی
بھی اور دین کی بھی' چاہے عمل میں کوتاہی ہو مگر اعتقاد تو صحیح رکھو اسی طرح شیخ
عبدالقادر جیلانی کی گیارھویں ہر مہینہ میں ہوتی ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈیڑھ

لاکھ سے زائد ہیں ان میں سے کوئی اس قابل تم نے نہ سمجھا کیا یہ سارے شیخ سارے اولیاء اور صوفیاء ایک صحابی کے برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

عیدیں منانے لگو گے تو دفتر نہ جا سکو گے

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد فوراً ہی دیکھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سارے دنیا کے کفار اور ان کی ذریات مل جائیں اور حجر و شجر مل جائیں اور میرے ساتھی بھی ساتھ نہ دیں میں اکیلا اسلام کو زندہ رکھنے اور سنت کو جاری رکھنے کے لئے نپٹ کر دن گنا دوں گا کیا یہ دن عید منانے کے قابل نہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریاؤں میں گھوڑے ڈال دیئے ایک پیالہ رہ گیا دریا پر لاٹھی مار کر پیالہ طلب کیا اور دریا نے لا کر دیا کیا وہ دن یادگار منانے کے قابل نہیں' سرور کائنات ﷺ کے غلاموں کے یہ کام ہیں ایک صحابی راستہ بھولتے ہیں جنگل میں کھڑے ہو کر کہتے ہیں میں رسول کریم ﷺ کا غلام ہوں یہ جگہ خالی کر دو ہم آج بسیرا کریں گے' دیکھنے والوں نے دیکھا جانور اپنے منہ میں بچے لیکر بھاگے چلے جا رہے ہیں' یہ دن تھا عید منانے کے قابل اگر عیدیں منانے پر آؤ گے تو نہ دفتر جا سکو گے نہ دکان جا سکو گے عیدوں میں ہی الجھ کر رہ جاؤ گے سال کے بارہ مہینوں میں سے گیارہ مہینہ تو سوتے رہتے ہیں کبھی رسول کریم ﷺ یاد نہیں آتے کوئی کام کرتے وقت آپ کا خیال نہیں آتا آپ کے احکام کی تلاش نہیں ہوتی۔ بچپن سے اسکول میں پڑھ کر بے دین رہے پھر دفتر یا دکان میں بیٹھ گئے' دین کہاں سے آئے' اللہ کا پیغام رسول کے احکام ان کو کیسے پہنچائے جائیں اب یہ سب تماشہ کے نام پر جمع ہو جاتے ہیں چلو جلوس تماشوں سے جمع ہوئے تو جا کر مولوی صاحب نے اللہ اور رسول کا پیغام پہنچا دیا' مولوی صاحب کا صرف رسول پاک ﷺ کا پیغام ان تک پہنچا دینا مقصد تھا مگر اب وہ جلسہ بھی پیچھے لگا اور جلوس میں بدل گیا اور یہ مقصد بھی ختم ہوا۔

محفل سیرت کا صحیح طریقہ

یاد رکھو جتنی محبت حضور ﷺ سے زیادہ ہوگی اتنا ہی دین آئے گا۔ جتنی محبت

سے دوری ہوگی اتنی ہی دین سے دوری ہوگی۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ کے
حیاتِ طیبہ کے تذکرہ کے لئے صرف کسی مہینہ مقرر نہ کریں ہر مہینہ ہر جمعہ محفلیں،
وعظ و سیرت کے مقرر کر کے اہتمام سے کرائیں اور سنت کے مطابق درود کی کثرت
کریں اور عمل کی اللہ سے توفیق مانگیں "گلزارِ سنت" رسالہ دیکھ کر اعمال سیکھیں حضور
ﷺ والے اسی طرح آپ کی سنت پر جو قدم ہمارا پڑے گا دین مضبوط ہوگا۔

عید میلاد النبی منانے کی بنیاد

حق تعالیٰ نے یوم بدر کو یوم الفرقان کہا ہے تو جس دن کی تعریف اور اس کا
ذکر خداوند کریم قرآن میں کریں کیا وہ دن عید منانے کا نہیں ہے۔ دراصل یہ ڈے
اور دن یہود و نصاریٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں جو مخصوص طور پر مناتے ہیں۔ جن کے
پاس کچھ ہے نہیں وہ موت، پیدائش کوئی ڈے منا لیتے ہیں جن کے پاس بھری پڑی
ہیں نعمتیں اللہ کے فضل و کرم سے ان کو کیا ضرورت ہے ایسے ڈے منانے کی؟ یہ تو وہ
منائیں جو خالی ہیں کسی نعمت سے بیچارے بھٹک گئے ہیں کوئی راہ عمل ملتی ہی نہیں،
مسلمانوں کے لئے حضور ﷺ کے قدم مبارک جہاں جہاں پڑ گئے ہیں وہ ان کے لئے
متبرک ہے لیکن ان کے جانثار صحابہ کرام اب تک کوئی ثبوت نہیں کر سکا کہ وہ کوئی
ڈے مناتے تھے کیا ان سے بھی زیادہ محبت کا دعویٰ ہے ہم کو؟ غرض یہ کہ عیدیں
کہاں تک مناؤ گے حضور ﷺ نے جو عمل کیا یا کہہ فرمایا وہ دنیا بھر کی خوشیوں سے بالاتر
ہے اور عید منانے کے قابل ہے لہٰذا جو طریقہ آپ نے فرمایا ہے اسی پر عمل کرنا ہماری
کامیابی ہے یہ سیرت کے بیان روزانہ ہوں یا کم از کم ہفت وار تو ہوتے رہیں یہ ایک
سال بعد ایک دن رسوم دھوم دھڑکا مچا لیا اور گیارہ مہینہ خاموش بیٹھ گئے یہ کونسی شریعت
ہے؟ لہٰذا ان رسمی خود طریقوں سے بچو اور سنتوں پہ چلو، حق تعالیٰ توفیق بخشے۔

عقائد سے متعلق متفرق ارشادات

بدعت کی تعریف

فرمایا بدعت کہتے ہیں مقاصد شرعیہ کے بدلنے کو، غیر مقصود کو مقصود بنا دے یا مقصود کو غیر مقصود بنا دے۔

راہ سنت اور بدعت

سنت یہ ہے کہ ارادہ کرے آخرت کا۔ جس طرح دنیا کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کی کوشش بھی اس کے مناسب کرتے ہیں کپڑے کی تجارت کے لئے لوہا منڈی میں پھرنا بیکار ہوگا۔ سبزی منڈی میں کپڑے کی تجارت نہیں ہوگی ہر چیز کا ایک طریقہ ہے آخرت کی کوشش کرنی ہو تو آخرت کے مناسب ہو اور وہ ہے طریقہ حضور ﷺ کا جو آپ نے اپنے قول سے اور عمل سے بتائے ہیں بس وہی صحیح کوشش ہے اس کے علاوہ ساری کوششیں بیکار ہیں۔

آخرت کے عمل کے مناسب سعی وہی ہے جو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمائی ہے۔ ذکر اللہ ہو، تلاوت ہو، حج، نماز، روزہ ساری طاعتیں اگر سنت سے ہٹ کر کی گئیں وہی بدعت ہیں۔ وہی ضلالت ہیں وہی گمراہی ہیں۔

دیکھنے میں ان کے اعمال جو بدعتی ہیں بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں ان بچاروں کو کون سمجھائے؟ کہتے ہیں کھڑے ہو کر درود پڑھ لیا تو کیا برا کیا۔ لیکن ان سے پوچھئے کہ حضور ﷺ نے یہ پابندیاں کہاں لگائی تھیں؟ صحابہ کرام نے کب کھڑے ہو کر درود پڑھا اور کب اس سے نفرت کی جس نے کھڑے ہو کر نہ پڑھا۔ بس یہ پابندی جو خلاف سنت ہے یہی بدعت ہے۔

یہ گیارہویں، بارہویں کا کھانا پکانا کھلانا کب منع ہے مگر یہ سمجھ کر کرنا کہ یہ طریقہ حضور ﷺ نے فرمایا بس یہ بدعت ہے۔

حالانکہ صدقہ اور سلام کرنا یہ گناہوں کا زبردست کفارہ ہے ہمارا عمل یہ ہے

کہ منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں سنت تو یہ ہے جس کے خلاف جا رہے ہیں۔ مفت میں دعا حاصل ہو جاتی ہے سلام کرنے میں۔ معلوم نہیں کونسی گھڑی میں یہ دعا قبول ہو جائے۔ سلامتی کی بڑی دعا ہے گناہوں کا کفارہ ہے اس کو تو ہم عمل میں نہیں لاتے۔ آپس میں محبت بڑھے' اللہ پاک راضی ہوں اپنے گناہوں کا کفارہ ہے کیسی برکت کی چیز ہے۔

دوسرا گناہوں کا کفارہ ہے کھانا کھلانا۔۔ یہ کوئی شرط نہیں۔۔ یہ کوئی شرط نہیں کہ کس کو؟ اور کس وقت؟ اور رات کے وقت تہجد کی نماز جبکہ لوگ سو رہے ہوں کتنا بڑا ثواب ہے۔

اب سمجھئے کہ سلام اور کھانا کھلانا اور تہجد' یہ تین طریقے گناہوں کے کفارہ کے ہیں لیکن بعض وقت سلام بھی ممنوع ہے مثلاً اذان کے وقت آپس میں سلام کرنا مکروہ ہے اس وقت کا حکم اذان کا جواب دینا ہے اسی طرح واعظ کو' مدرس کو' اسی طرح کھانا کھانے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے کیسی آسانیاں ہیں شریعت میں۔ اس میں ایک راز ہے یا تو کھانے والا جواب بھی دے اور کھانا بھی کھا رہا ہے۔ یہ تو بدتمیزی ہے یا شریک کرنے میں تکلیف ہوگی۔ یا اس کے پاس وقت نہیں۔ اس سے اس کو ایذاء پہنچے گی۔ تواضع نہ کرنا بھی ظلم ہوا یا کوئی اور ضروری بات ہے کہ وہ آپ کو بلا نہیں سکتا۔ یہ رعایت ہے اس کا اصول یہ ہے کہ کھاتے وقت سلام نہ کرو تاہم سنی وہ معتبر ہے جو اللہ کے نزدیک مناسب ہو۔

اسی طرح کھانا (کھلانا) غلط طریقہ سے ہو وہ گناہ ہو جائے گا۔ رشوت کی خاطر کھلانا یہ حرام ہے ثواب کو گناہ بنا لیا تاریخ مقرر کر کے کھانا۔۔۔۔ جو خدا کے رسول اور صحابہ سے ثابت نہ ہو اس کی پابندی کر کے اپنے اوپر وبال بنا لیا ایک ثواب کو گناہ سے بدل دیا۔

غرض سنت کے مطابق جو کام ہوگا ثواب ہے۔ جو کام سنت کے خلاف ہوگا وہ گناہ ہوگا۔ غرض چار چیزیں آخرت کے حصول کی یہ ہیں۔ ایمان ہو' ارادہ ہو' ارادہ کے ساتھ کوشش ہو اور کوشش بھی مناسب ہو بس یہی حصول آخرت ہے ایک شخص نے شیطان پر کنکری مارنے کی بجائے حج کے دوران کسی اور جگہ کر دی اور کہا

کہ ہم نے تو بیعت کر لی تھی شیطان کو مارنے کی نہیں بھائی! یہ درست نہیں ہوئی۔ حج کو جاؤ شیطان پر کنکری مارنے کی جو جگہ مقرر کی ہے اللہ کے رسول نے بس اسی کے مطابق کرو۔ ہر وہ کوشش جو مناسب ہو سنت سے بس وہ عمل صحیح ہے اور جو کوشش سنت کے خلاف ہو وہ نامناسب ہوگی۔

خلاف سنت عمل

یقین کیجئے کہ عبادات کا جو طریقہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار نہیں کیا، وہ دیکھنے میں کتنا ہی دلکش اور بہتر نظر آئے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اچھا نہیں۔

مزارات پر پھولوں کی چادر چڑھانا

انبیاء اولیاء اللہ کے مزارات پر پھول چڑھانا بڑی غلطی ہے کیونکہ وہ حال سے خالی نہیں یا تو ان کو ادراک ہے یا نہیں؟! اگر ادراک نہیں تو پھول چڑھانے سے کیا فائدہ؟! اور اگر ادراک ہے تو جو شخص جنت کے تمام روائح (خوشبوئیں اور ہوائیں) اور عطریات کو سونگھ رہا ہو اس کو ان پھولوں کی خوشبو سے کیا راحت پہنچ سکتی ہے، بلکہ اس کو تو الٹی ایذا ہوتی ہوگی!!!

دین کی حیات پر حملہ

آج کل غیر اسلام کو اسلام بنانا اور غیر قرآن کو قرآن بنانا ہے انفرادی حیثیت سے ہمیشہ یہ کام ہوتا رہا ہے مگر صرف اپنے ایک مخصوص حلقے تک محدود رہا اور اب اجتماعی صورت اختیار کر چکا ہے چنانچہ قانون بنائے جا رہے ہیں اور اسلام کا نام لیکر کفر اختیار کیا جا رہا ہے یہ وہ بلا ہے کہ اگر اس میں مبتلا ہو گئے تو نجات نہیں۔ دین کی حیات پر یہ حملہ ہے۔ جب کوئی گناہ خفیہ ہوتا ہے تو اس کا وبال صرف کرنے والے پر پڑتا ہے اور اگر اجتماعی ہو اور اس کو کوئی نہ روکے تو اس کا وبال سب پر پڑتا ہے۔ آج

دنیا کے روپیہ کے نقصان پر سب کو تکلیف ہوتی ہے دین پر آرے چل جائیں کسی کو کچھ خیال نہیں ہوتا۔

حکومت نے لاکھوں روپیہ خرچ کرکے ایک ادارہ قائم کیا "تحقیقات اسلامیہ" لیکن آج تک کسی ایک مسئلہ کو شریعت کے مطابق حل کرکے نہیں بتایا۔ بلکہ اس کے برعکس تحریف دین کے درپے ہیں۔

دین میں تحریف کرنا

کچھ دن پہلے سود کے جواز کا اعلان ہوا۔ ان تعلیم یافتہ جاہلوں کے پاس عمدہ طباعت میں تحریف دین کے سوا کچھ نہیں اب زکوۃ پر ہاتھ ڈالا ہے۔ کہا ہے کہ چودہ سو برس پہلے ڈھائی فیصد زکوۃ اس وقت کے ماحول کے مطابق تھی۔ اب اس سے بڑھا کر آج کل کے حالات کے تحت کرنا چاہئے۔ نہ مانو گے تو جیلوں میں بند کر دیئے جاؤ گے۔ آج ان کا ہاتھ اس قدر دراز ہو گیا ہے کہ تحریف دین کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں کب اس کا احساس ہو گا۔ کیا چند مولویوں کے چیخنے چلانے سے کچھ تدارک ہو جائے گا۔ وہ جانتے ہیں ان چند ملاؤں سے کیا ہو گا۔ عام مسلمان اس مسئلہ پر بالکل خاموش ہیں۔ آج یہ ہو رہا ہے کل اس سے زیادہ ہو جائے گا۔

دین بدلنے والا خود مٹ جائے گا

اگر عوام میں یہ جان نہیں ہے تو یاد رکھو پاکستان میں اسلام نہیں رہے گا ـــــــ آج جو یہ کھلا اعلان ایک ملحد بے ایمان نے کیا ہے کہ سود اور زکوۃ کے مسائل ہم اپنے ہاتھ سے توڑ مروڑ دیں گے اور یہ سن کر ہم خاموش بیٹھے ہیں۔ اسی ادارہ میں لاکھوں روپیہ وہ کھا رہا ہے اور پھر اسلام کی ہی جڑیں کاٹ رہا ہے۔ ہم کو ایسا ادارہ نہیں چاہئے ہم کو ایسا نیا اسلام نہیں چاہئے۔ جس اسلام نے پاکستان بنایا ہے وہ وہی چودہ سو برس پہلے کا اسلام ہے اس میں نہ شراب حلال ہے نہ سود۔ نہ زکوۃ میں تبدیلی ہے کان کھول کر سن لیں کہ اس دین کی حفاظت کا خدا نے وعدہ کیا ہے یار

رکھو۔ ہم ایک دن نہ ہوں گے۔ لیکن اسلام قیامت تک اسی آب وتاب کے ساتھ قائم رہے گا۔ اکبر کا مذہب اس کی قبر میں چلا گیا۔ اسلام ہمیشہ سے اسی طرح قائم ہے جیسے چودہ سو برس پہلے تھا جو پرانے اور ہمیشہ رہنے والے اسلام کی حمایت نہیں کرے گا۔ وہ بھی مٹ جائے گا۔

آج اگر زکوۃ میں ترمیم ہے کل نماز میں ہوگی اگر آپ نے برداشت کیا اس چیز کو تو کل اس کا علاج نہ ہو گا۔ یہ توہین ہے قرآن کی۔ یہ اسلام کی توہین ہے اس کی توہین کرنے والوں کو عہدے ملے اور ہمارے سروں پر بٹھایا جائے اس کا ابھی سے تدارک ضروری ہے۔

اس کیلئے دعا بھی کریں اور دوا بھی کریں اور اللہ پاک سے مدد چاہیں اللہ تعالیٰ ہم کو اس کام کیلئے کھڑا کرے آمین!

تقدیر کی پوری حقیقت معلوم کرنا گناہ ہے

تقدیر کے مسئلہ کی کنہ اور حقیقت معلوم کرنا گناہ ہے اور اس کی ممانعت ہے۔ تقدیر کے مسئلے میں گفتگو کرنے کی ممانعت ہے اور ممانعت ہی سبب گناہ ہے ہاں جتنا رسول کریم ﷺ نے بتلا دیا ہے اتنا اعتقاد رکھو باقی اس کی اصل حقیقت اللہ کے سپرد کرو۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ تقدیر کی کنہ تو جنت میں بھی معلوم نہ ہوگی کیونکہ یہ صفات خداوندی کا مسئلہ ہے اور صفات کی کنہ ذات کی کنہ معلوم ہونے پر موقوف ہے اور یہ ثابت ہو چکا کہ ذات باری کی کنہ کا علم ہو نہیں سکتا اس لئے تقدیر کے مسئلہ کی کنہ بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین کیں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

جس طرح عنقا کا کوئی شکار نہیں کر سکتا اس کے لئے جال پھیلانا۔ کوشش کرنا لاحاصل ہے اسی طرح ذات باری کے ادراک کی فکر کرنا اور سوچ بچار کرنا لاحاصل ہے۔ کلما خطر ببالك فهو هالك والله اعز من ذالك ـــہ

اے برادر بے نہایت درگہیست   ہرچہ بروے میرسی بروے مایست
اندریں رہ رخیہ کی آید بدست   حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نہایۃ اقدام العقول عقال وغایۃ سعی العالمین ضلال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا سوی ان جمعنا فیہ قیل وقالوا

ہم کو تو محسوسات تک کا علم نہیں پہلے عقلاء کہتے تھے کواکب بسیط ہیں اب کہتے ہیں ان میں آبادی ہے پتہ نہیں کون صحیح کہتا ہے۔

تقدیر کا مسئلہ یوں سمجھ لو کہ تم مجبور محض ہو نہ مختار محض ہو۔ جس طرح دنیا کے کاموں میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھتے۔ دین کے کاموں میں بھی کوشش کرو۔

انبیاء در کار دنیا جبری اند   کافراں در کار عقبیٰ جبریہ
انبیاء در کار عقبیٰ اختیار   کافراں را کار دنیا اختیار

علم پر ناز نہ کرو!

اگر کسی کو اپنے علم پر ناز ہو تو سن لے۔ حضور اکرم ﷺ کے برابر تو کسی کو علم عطا نہیں ہوا حق تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتے ہیں "ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد لک بہ علینا وکیلا۔" یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو دیئے ہوئے علوم سلب کر لیں۔ "ثم لا تجد لک بہ علینا وکیلا" پھر آپ کا کوئی کارساز بھی نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے کتنا ہولناک خطاب ہے۔ آپ ڈر گئے ہوں گے اس لئے آگے فرمایا "الا رحمۃ من ربک" بس رحمت خداوندی ہی ساتھ دے سکتی ہے اور کوئی ساتھ نہیں دے سکتا۔ اگلے کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو بڑی خشیت ہو گئی تھی اس لئے آگے جملہ بڑھایا "ان فضلہ کان علیک کبیرا" چونکہ حق تعالیٰ کا فضل آپ کے شامل حال ہے اس لئے بالفعل رحمت آپ کی دستگیر ہے۔ آپ کسی طرح کا خطرہ نہ کریں۔ ایسا ہو گا نہیں۔ محض اظہار قدرت اور تصحیح عقیدہ امت کے لئے ایسا فرمایا ہے جب حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یہ گفتگو ہے تا دیگراں چہ رسد۔ علم پہ ناز کرنا حماقت ہے علوم پہ کیا ناز ہو ان میں سے کوئی تو مکتسب نہیں سب عطائے حق

ہے۔ان کو اپنی چیز سمجھنا کبر ہے اور کبر بہت سی گندگیوں کی جڑ ہے۔ غصہ بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک آدمی کو کسی بزرگ نے تکبر سے چلتے ہوا دیکھا۔ ٹوکا۔ اس شخص نے کہا ھل عرفت من انا۔ بزرگ نے کہا نعم اولک نطفۃ مذرۃ و آخرک جیفۃ قذرۃ و انت بین ذالک تحمل العذرۃ۔ جو ہر وقت ہر مجلس میں غلاظت اٹھائے پھرتا ہو اگر کسی طرح اس کا اظہار ہوتا رہتا تو ساری شیخی کرکری ہو جاتی کبھی گندہ دہنی اور کوڑھ کے ذریعہ مشاہدہ کرا دیتے ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر رحمت خداوندی یاد آجائے۔

نفاذ قانون کیلئے روحانی عقیدہ

"دنیا کا تجربہ اس بات کا گواہ ہے کہ نرا قانون کبھی کسی قوم کی اصلاح نہیں کر سکا اور جب تک قانون کی پشت پر ایک "مضبوط روحانی عقیدہ نہ ہو ظلم و استحصال کو روکا نہیں جا سکتا"۔

ساز و سامان کی کمی بیشی منجانب اللہ ہے

ایک دفعہ سفر حج میں ایک مالدار اور ایک غریب کا ساتھ ہو گیا۔ غریب کو تکلیف میں دیکھ کر مالدار نے کہا۔ ناخواندہ مہمان کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ ہم کو بلایا ہے دیکھو کیسے آرام سے آئے ہیں۔ غریب نے کہا تم سمجھے نہیں۔ ہم تو گھر کے آدمی ہیں۔ تقریبات میں گھر کے آدمی کی خاطر نہیں ہوتی۔ مہمانوں کی تواضع کی جاتی ہے۔

انبیاء کرام کو ظاہری سامان کم ملتا ہے لیکن مدارج کس قدر بلند ہوتے ہیں خدا کے معاملات ہر شخص سے جدا جدا ہیں۔ بعض بزرگ بھی بڑی شان سے رہے اور بعض تکلیف میں۔ خدا کی قدرت کسی قانون کی محتاج نہیں ہے۔ ہم کسی کو مقبول و مردود نہیں کہہ سکتے۔ نہ کسی کی عیش و عشرت دیکھ کر بدگمانی کرو اور نہ کسی کے فقر و فاقہ سے بدگمان ہو۔ ہر ایک کے معاملات خدا کے ساتھ جدا ہیں۔

ایک صاحب پہلی ایک مسجد میں آئے لوگ ان کے لئے کھانا لیکر آئے۔

انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ کھانا میرے لئے نہیں۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔
دیکھا تو ایک شخص مرغ پلاؤ لایا۔ انہوں نے وہ لے لیا اور کہا کہ ہاں یہ کھانا میرے
لئے ہے۔ دریافت پر انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ گھر میں کچھ دال وغیرہ پکی تھی جو ان کو
پسند نہ تھی۔ انہوں نے کہہ دیا کہ نہیں کھاتا تو نفس نے کہا اب تیرے لئے مرغ پلاؤ تو آنے
سے رہا۔ اس نے کہا کہ اب تو جب خدا مرغ پلاؤ دیگا تو کھاؤں گا ورنہ کھانا ہی نہ
کھاؤں گا۔ چنانچہ اس دن سے آج تک ہمیشہ مرغ پلاؤ ہی ملتا ہے۔ تو کسی پر کوئی کلام
نہ کرنا۔ معلوم نہیں کس کی کیا دعا مقبول ہو جائے اور کون خدا کی نظر میں مردود ہو
جائے۔

حضرت غوث الاعظم شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے جو لباس کوئی بادشاہ نہ خرید
سکتا وہ یہ خرید کر پہنتے تھے اور دوسری طرف حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں
پیاسے کنوئیں اور ڈول کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک ہرن آیا کنوئیں
کو دیکھا کہ بہت گہرا ہے۔ اس نے گردن اوپر اٹھائی۔ خدا کی طرف دیکھا۔ گویا خدا سے
التجا کی۔ پانی جوش کھا کر اوپر آ گیا۔ اس نے پیا۔ ابراہیم ادھم بھی اس کی طرف چلے۔
یہ پہنچے تو پانی پھر نیچے ہو گیا۔ ان کو بڑا رنج ہوا۔ اور دل میں کہا۔ مولا تیری شان! فوراً
آواز آئی۔ ابراہیم! تم میں اور اس جانور میں کتنا فرق ہے۔ ہرن نے صرف ہماری
طرف دیکھا اور تم ڈول رسی کو تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ پھر وہ جانور ہے بے عقل
تم کو ہم نے عقل دی۔ غرض عجب شان ہے خدا کی۔ اسی طرح حضور ﷺ کے ہاں
بعض کو سہ ماہی مرغن ملتی تھیں۔ بعض کو تکالیف اور پہچاننا مشکل ہے کہ ان دونوں
میں سے کون زیادہ مقبول ہے۔

تنگی رزق

تنگی رزق کی شکایت پر فرمایا کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ رزق جتنا
مقدر ہوتا ہے اتنا ہی ملتا ہے۔ اس (کو بڑھانے) کا کوئی خاص وظیفہ نہیں۔ بس دعا کرنی
چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سکون بہتر کرے۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھ جاتا ہے پھر پریشانی نہیں
ہوتی اور تعلق پیدا کرنے کی بڑی ترکیب یہ ہے کہ خوب مانگا کرے۔

تمام غموں کا علاج

فرمایا: حدیث میں ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھنا سب افکار (غموں) کو دور کر دیتا ہے۔

اہل بیت کی محبت سے مراد

"حب اہل بیت اظہار جزو ایمان ہے اُن پر وحشیانہ مظالم کی داستان بھلانے کے قابل نہیں۔ حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کی مظلومانہ اور دردانگیز شہادت کا واقعہ جس کے دل میں رنج و غم اور درد پیدا نہ کرے وہ مسلمان کیا انسان بھی نہیں لیکن اس کی سچی اور حقیقی محبت، عظمت اور ان کے مصائب سے حقیقی تاثر یہ نہیں کہ سارے سال خوش و خرم پھریں کبھی ان کا خیال بھی نہ آئے اور صرف عشرہ محرم میں واقعہ شہادت سن کر رولیں، یا ماتم برپا کرلیں، یا تعزیہ داری کا کھیل تماشہ بنائیں، سارے سال گرمی کی شدت کے زمانہ میں کسی کی پیاس کا خیال نہ آئے اور محرم کی پہلی تاریخ کو اگرچہ سردی پڑ رہی ہو کسی کو ٹھنڈے پانی کی ضرورت نہ ہو شہدائے کربلا کے نام سے سبیل کا ڈھونگ بنایا جائے بلکہ حقیقی ہمدردی اور محبت یہ ہے کہ جس مقصد عظیم کے لئے انھوں نے قربانی دی اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی اپنی ہمت کے مطابق ایثار و قربانی پیش کریں۔ ان کے اخلاق و اعمال کی پیروی کو سعادت دنیا و آخرت سمجھیں"۔

باب دوم

عبادات

اتباع سنت ' زکوۃ کی ادائیگی ' آداب تبلیغ ' ادب کی حقیقت ' حفظ قرآن کریم ' نفلی صدقہ ' ہدیہ ' نصاب تعلیم و نظام تعلیم ' ختم خواجگان ' جہاد ' راحت کی کنجی ' ثواب کے بجائے عذاب ' معاصی سے بچنا ' بے عمل کی تبلیغ ' حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تاکید

مجلس : ۴

اتباعِ سنت

آپ کو معلوم ہے کہ اس محفل کا مقصد کوئی علمی تحقیق نہیں بلکہ جانی بوجھی چیز پر عمل کی توفیق ہو جائے بہت سی چیزیں ہم جانتے ہیں مگر اس پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس کا طریقہ سوائے بزرگوں کی صحبت اور مجلس کے اور کچھ نہیں' ظاہر ہے کہ بزرگوں کی مجلس اب کوئی نہیں۔ اس لئے ان کے ملفوظات سنا دیا کریں کہ یہ ان کا قائم مقام ہے' چونکہ ملفوظات مظہر ہوتا ہے تمام چیزوں کا اور بسا اوقات انسان کو حق تعالیٰ کی معرفت نہ جانتی ہے' ہم کو تو بیس سال تک حضرت کی مجلس کی توفیق ملی' بڑے بڑے علماء فضلاء آتے تھے اور معلوم یہ ہوتا تھا کہ آج پہلا دن ہے سینہ پر حق بات کھلنے کا۔ حضرت حاجی صاحب کے ذریعہ آپ کو وہ رابطہ اللہ پاک سے ملا تھا جیسا کہ کسی بڑے سے بڑے شبلی اور جنید کو ملا تھا' حضرت کے یہاں شان تربیت کا ایک خاص طریقہ تھا' باقاعدہ تنبیہہ ہوتی تھی۔

اتفاق سے ایک رسالہ میرے سامنے آیا شیخ محی الدین ابن عربی کا انہوں نے شیخ و مرید کے کچھ حالات لکھے ہیں وہ سارے تربیت کے اصول پہلے تھانہ بھون میں جاری تھے' میں نے وہ کتاب حضرت کی خدمت میں پیش کی' حضرت بہت خوش ہوئے' فرمایا خدا کا شکر ہے مجھے تائید مل گئی کہ یہ بدعات نہیں ہیں اس کا ترجمہ بھی شائع ہو رہا ہے۔

اتباعِ سنت بھلائی کا راستہ ہے

حضرت ابن عطاء اللہ اسکندری بڑے بزرگ اور حکیم ہیں ان کا ایک ملفوظ ہے "جب تم رسول کریم ﷺ کی اتباع کرو گے اتنا ہی بھلائی کی طرف چلو گے' جتنا اتباع سے دوری ہوگی' اتنی ہی ہلاکت ہوگی" فرمایا اللہ کے نزدیک آج قبولیت کے

دروازے بند ہیں بجز جناب نبی کریم ﷺ کے اور آج کوئی نجات نہیں پا سکتا بغیر کامل اتباع کے۔

اتباع سنت دو قسم پر ہے

آگے فرمایا کہ متابعت دو طرح کی ہے ایک ظاہری اعمال میں نماز، روزہ، معاشرت، معاملات، اخلاق میں اس کے جتنا قریب ہوں گے اتنا ہی اس کا وزن بڑھے گا، باطن کے انوار جن پر ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں اتباع سنت کی برکات کے انوار کیا ہیں، آج لوگ نئی چیز کو پوچھا کرتے ہیں کوٹ پتلون جوتا وغیرہ میں کتنا ہوں گی ساری دنیا اس بلا میں مبتلا ہے ہم اس کو ناجائز تو نہیں کہتے مگر جو انوار و برکات اس سادہ لباس میں ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استعمال کئے وہ ان میں ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح وضع قطع عادت خصائل، صورت و سیرت میں جتنی قربت ہوگی اتنا ہی وزن ہو گا آپ کی محبت مدار ہے ساری چیزوں کا جتنا اس سے دور ہوں گے اتنا ہی نحوست آئے گی۔

اور دوسری چیز ہے باطنی متابعت کہ ہم اپنے دل لگائیں خدا کی یاد میں ہم نے سینکڑوں تعلقات باندھ رکھے ہیں، دنیا بھر کے جھگڑے اپنے دل کے ساتھ باندھ رکھے ہیں بس یہ نہ ہو، حقوق تو سب کے ادا ہوں، خیال سب کا ہو مگر قلب ہمیشہ خدا کی یاد میں لگا رہے۔ حضور ﷺ کی یہی شان تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ظاہری اعمال تو ہم دیکھتے ہیں، حضور ﷺ کے گھر کے اندر کیا اعمال تھے؟ آپ نے فرمایا گھر کو صرف عبادت خانہ نہیں بنایا تھا بلکہ حسب ضرورت گھر کے دھندے سب میں ہاتھ بٹاتے تھے مگر کوئی کام دین کا آگیا تو سب چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے، یا دین کے خلاف کوئی بات کرتا تو آپ کو غصہ آجاتا باطنی کیفیات یہ ہیں کہ قلب کو مشغول رکھیں اللہ کی یاد میں۔

فرمایا جیسے ہم کو نماز میں خشوع حاصل نہیں ہوتا تو اس مرض کو پہچانو مختلف علاج ہیں اس کے ابن عطاء اللہ فرماتے ہیں اللہ پاک متوجہ ہوں بندے کی طرف اور بندہ متوجہ نہ ہو اس میں روگ ہے کوئی بیماری ہے اللہ کے ذکر سے زیادہ لذت کسی

چیز میں نہیں ہے۔ اگر اس میں لذت نہ آئے تو یہ بیماری ہے اس کا علاج کرو۔

عجب اور تکبر میں فرق

حضرت سے کسی نے سوال کیا ذکر میں دل نہیں لگتا کوئی وظیفہ بتا دیجئے فرمایا اگر وظیفہ بتاؤں اس میں بھی دل نہ لگے تو پھر دوسرا وظیفہ اس میں دل لگنے کا بتاؤں اس طرح کہاں تک سلسلہ جائے گا تو فرمایا قلب کی حضوری نہ ہونا بیماری ہے۔ یہ قرآن سے پوچھو کیا بیماری ہے قرآن کریم میں ہے میں اپنی آیات سے پھیر دیتا ہوں ان کے قلوب جو تکبر کرتے ہیں لیجئے بیماری کی تشخیص ہو گئی' اس سے کون خالی ہے' لوگوں کو اپنی بیماری کی اطلاع نہیں ہوتی۔ ایک شخص جماعت کی پابندی کرتا ہے اچھی بات ہے مگر دوسرے اور عیوب ہیں اس پر نظر نہیں یہ تکبر ہے اپنے عمل کو اچھا سمجھنا۔ ہم کوئی نیکی کرتے ہیں تو کمال سمجھتے اور اسی عمل میں دوسرے کو کمزور دیکھے اور تکبر کرے یہ معصیت سے زیادہ برا ہے یہ تمام اعمال ضائع کر دیتا ہے اس لئے نماز میں خشوع نہ ہونا تکبر ہے اس کو تلاش کرو کس جگہ چور ہے' دار ومدار متابعت پر ہے ظاہر اور باطن دونوں میں اتباع ہو ولی اللہ سے کے لئے خالص رکھو اس میں کسی اور کو نہ سمجھے دو اور اگر یہ روگ دور نہیں ہوتا تو نیک بندوں کی مجالست اختیار کرو صحبت سے یہ روگ جائے گا۔ اور کوشش کرو کہ اپنے اعمال کی پسندیدگی نہ آئے' اس سے یہ مطلب نہیں کہ نماز کو اچھا نہ سمجھے' یا صدقہ کو اچھا نہ کہے لیکن اس اچھے کو اپنی طرف منسوب نہ کرے کہ توفیق اسی نے دی ہے ورنہ میں کہاں اس قابل تھا کہ یہ عمل مجھ سے ہو جاتا' اللہ ہی دل میں یہ ارادہ دیتا ہے' ہاتھ پاؤں میں طاقت اسی نے دی میں نے کیا کیا'' اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے اسی کو عجب کہتے ہیں' عجب کا تعلق اپنے عمل کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے اور تکبر کہتے ہیں دوسروں کو حقیر سمجھے اپنے مقابلہ میں' یہ فرق ہے عجب اور تکبر میں یہ دونوں روگ ہیں بڑے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اولیاء اللہ کے دل سے سب سے بعد جو رذیلہ نکلتا ہے وہ کبر اور عجب ہے اس میں بڑے بڑے اولیاء مبتلا ہیں حالانکہ آپ میں اتباع سنت کی تمام حدود موجود تھیں۔ فرماتے ہیں میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں' اب تک یہ رذیلہ

نہیں گیا اس کا علاج یہ ہے کہ اس کو پاس نہ پھٹکنے دیا جائے۔

اتباعِ سنت تمام نیکیوں کی کنجی ہے

فرماتے ہیں کہ اللہ نے ساری نیکیاں ایک مکان میں جمع کر دیں اور اس کی کنجی اتباع رسول ﷺ ہے اب اتباع کیا ہے مجاہدت کرو قناعت میں 'حرص میں نہ پڑو' رزق کی زیادہ فکر نہ کرو' دنیا بقدر ضرورت بھی آپ نے جمع نہ کی' تم بقدر ضرورت تو جمع کر لو لیکن ضرورت سے زیادہ جمع نہ کرو' بھیک بھی مانگنا نہ پڑے اور فضولیات میں بھی نہ پڑ جاؤ۔ یہ عام مسلمانوں کو حکم ہے کسی کو کچھ دو تو کچھ روک کر بھی رکھو۔ آپ ﷺ نے بعض لوگوں کا ایک تہائی سے بھی کم قبول کیا' باقی واپس کر دیا اور ایک شخص کو بالکل واپس کر دیا جو اپنے سارے کا سارا لایا تھا اس سے تنگی بھی ظاہر کی یہ تو عام معمول تھا اور اپنے لئے اور خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے خصوصیت تھی کہ ابوبکر ؓ کا سارا مال قبول کر لیا' ان کے درجات اور ہیں' غرض اعتدال سے جمع کرنے کا حکم ہے' آج دل کو پکڑے پھرتے ہیں' کھانا ہضم نہیں ہوتا کہ دنیا کی سب زینت حاصل کرنے کا روگ ہو گیا ہے بغیر فرنیچر کے چین نہیں آتا۔

اور مجاہدت کرو فضول باتوں' فضول مجلسوں' فضول کاموں' فضول کھانے' غرض ہر فضولیات سے بچو جہاں چار آدمی بیٹھے ہیں غیبت اور لایعنی ہوتا ہے' یہ بڑا عذاب لگ گیا ہے قوم کے متقی لوگ بھی اس سے نہیں بچے۔

ظلم بڑی لعنت ہے

فرمایا مومن کا اسلام جب کامل ہوتا ہے جب لایعنی کو چھوڑ دے۔ آج ظلم کا نام اصلاح رکھ لیا ہے' مجھے ایک آدمی بتا دو جس نے اصلاحی نظم دیکھ کر توبہ کر لی ہو اپنے برے اعمال سے یہ سب بد معاشی کا دروازہ ہے اس میں کچھ اچھا کام بھی ہو تو وہ گندگی کے حوض میں پاک پانی ڈالنا ہے یہ سب سے بڑی لعنت ہے الٹی کی۔ اس دروازہ پر سب سے سخت پہرہ بٹھایا حضور ﷺ نے۔ اگر کوئی جاننا چاہے کہ مجھ سے خدا

ناراض ہے یا راضی تو دیکھے اگر لایعنی میں لگا ہے تو ناراض ہے۔ کمزوروں کے لئے یہ بڑا اچھا نسخہ ہے لا یعنی کو چھوڑ دو تقویٰ اختیار کرو، نماز دین کی ہیں جب، متابعت کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کی غیبت زبان سے، یا دل سے نہ کرو، ایذا رسانی سے بچے۔

جس پر اتباع کا دروازہ کھل گیا وہ اللہ کو محبوب ہو گیا۔

مجلس : ۳

اتباع سنت کا صحیح طریقہ کار

سیرت کا اہم پہلو اسوۂ حسنہ

سیرت طیبہ کے لئے قرآن کریم کا سب سے واضح اور جامع ہدایت نامہ یہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی حیات طیبہ میں بہترین نمونہ ہے' ان لوگوں کے لئے جو اللہ (کی رحمت) اور یوم آخرت سے امید رکھتے ہیں' اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔

اس آیت نے ہمارے سامنے رسول کریم ﷺ کے حالات ومقالات پڑھنے اور سننے کے مقصد کو واضح کیا ہے۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کے حالات ومقالات کو عام دنیا کے بادشاہوں' فلسفیوں' دانشوروں اور لیڈروں کی طرح محض ایک تاریخ اور سوانح نہ سمجھا جائے' بلکہ درحقیقت سیرت طیبہ ایک عملی قرآن کا نام ہے جس میں تمام اسلامی تعلیمات اور ان پر عمل کرنے کے طریقے سموئے ہوئے ہیں۔ وہ ایک "صبغۃ اللہ" (خدائی رنگ) ہے جس میں پوری دنیا کو رنگنے کے لئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے تھے۔ یہ وہی "صبغۃ اللہ" ہے جس کی معجزانہ تاثیر نے بڑی بڑی طاقتوں کے مقابلے اور ہزارہا مخالفتوں کے نرغے میں رہتے ہوئے صرف تیئس سال کی مختصر مدت میں پورے جزیرۂ عرب کو مسخر کر لیا اور خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک ہی میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد انسان جن میں مرد وعورت اور چھوٹے بڑے سب شامل ہیں' اس رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ ان کے دیکھنے والوں پر بھی پہلی نظر ہی میں یہ رنگ چڑھنے لگتا تھا۔ ان کی شان یہ تھی

کہ الذین اذا رأوا ذکر اللہ یعنی جب ان پر نظر پڑتی ہے تو خدا یاد آتا ہے۔

عملی نمونہ اشاعت اسلام کا باعث ہے

چنانچہ اسلام کی تاریخ میں ایسے واقعات بے شمار ہیں کہ دنیا کے اطراف میں جب اس نرالے رنگ کے مسلمان تجارت اور کاروبار کے لئے کہیں کہیں پہنچ گئے تو وہاں کے لوگ ان کے حالات و معاملات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ مثلاً مالا بار میں اسلام پھیلنے کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ نہ وہاں کوئی تبلیغی مشن گیا' نہ کوئی تبلیغی کانفرنس منعقد ہوئی' اور نہ دعوت و تبلیغ کے معروف اور رسمی طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا۔ بلکہ وہاں صرف چند مسلمان تاجر اور مزدور پہنچ گئے تھے اور معاملات میں ان کی صفائی سچائی اور عصمت و عفت کے حیرت انگیز واقعات دیکھ کر وہاں کے لوگوں میں ان کے دین کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا جذبہ پیدا کیا جو بالآخر انہیں کشاں کشاں اسلام کی طرف لے گیا۔

جس چیز نے انسانوں کے افکار و اعمال میں یہ حیرت انگیز انقلاب برپا کیا وہ درحقیقت عبادت و طاعت' حسن معاملہ' حسن اخلاق' حسن صورت' حسن سیرت' حسن معاشرت' عدل و انصاف' رحم و کرم' عفت و عصمت اور امانت و دیانت کا وہ دلآویز رنگ تھا جو رسول اکرم ﷺ کی رفتار و گفتار' نشست و برخاست اور آپ ﷺ کی ہر ہر حرکت و سکون سے مترشح تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس رنگ کو سیکھنے اور اپنانے کے لئے اپنی عمریں وقف کی ہوئی تھیں' چنانچہ ان کی زندگیاں سیرت رسول ﷺ کے رنگ کا نمونہ تھیں ان کی بیشتر مجلسیں اور باہمی ملاقات و گفتگو اسی رنگ کو تازہ اور گہرا کرنے کے لئے ہوتی تھیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حکیم الامت کا لقب رکھتے تھے' ان سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم یہ کہا کرتے تھے کہ:

اِجلِس بِنَا نُؤمِن سَاعَۃً

(کچھ دیر کے لئے ہمارے ساتھ بیٹھ جائیے تاکہ ہم ایمان تازہ کرلیں)

اتباعِ سنت کا اہتمام

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک ایک فرد کا حال یہ تھا کہ اپنے رہن سہن، نشست و برخاست، سونے جاگنے اور کھانے پینے کے تمام احوال میں انکو کوئی ایسی چیز برداشت نہیں تھی جو سیرت مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ہو۔ ان حضرات کا حال یہ تھا کہ انھوں نے خواہ کسی کام کا کتنا پختہ عزم کر رکھا ہو، کسی مقصد کے لئے خواہ کتنا مستحکم منصوبہ بنا رکھا ہو، اگر ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ عمل سیرت مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ہے تو اس پورے منصوبہ کو چھوڑ دینے میں انہیں مطلق تامل نہیں ہوتا تھا اور اس کے لئے انہیں بڑی سے بڑی قربانی بھی گوارا تھی۔ حضرت معاویہ ؓ کا یہ واقعہ ابو داؤد ؒ اور ترمذی ؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ ؓ اور سلطنت روم کے درمیان جنگ بندی کا ایک معاہدہ ہوا۔ حضرت معاویہ ؓ نے صلح کی مدت کے دوران ہی فوجوں کو سرحد کی طرف روانہ کرنا شروع کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ جونہی صلح کی مدت ختم ہوگی فوراً حملہ کر دیا جائے گا۔ رومی حکام اس خیال میں ہوں گے کہ ابھی تو مدت ختم ہوئی ہے، اتنی جلدی مسلمانوں کا ہم تک پہنچنا ممکن نہیں، اس لئے وہ حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور اس طرح فتح آسان ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جیسے ہی مدت پوری ہوئی، آپ نے فوراً پوری قوت سے رومیوں پر یلغار کر دی۔ ظاہر ہے کہ رومی اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہونے لگے۔ عین اسی حالت میں جبکہ حضرت معاویہ ؓ کا لشکر فتح کی امنگیں دل میں لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ پیچھے سے ایک شہسوار آتا دکھائی دیا جو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ "اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفاء لا غدر" (اللہ اکبر اللہ اکبر مومن کا شیوہ وفا ہے، غدر و خیانت نہیں)۔

یہ شہسوار قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمرو بن عبسہ ؓ صحابی ہیں۔ حضرت معاویہ ؓ کی ذاتی رائے میں یہ چیز غدر و خیانت نہیں تھی کیونکہ حملہ جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد ہو رہا تھا۔ لیکن حضرت عمرو بن عبسہ ؓ نے فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهُ حَتّٰى يَمْضِيَ أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ.

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو وہ اس عہد کو نہ کھولے نہ باندھے (یعنی اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے) تاوقتیکہ یا اس معاہدے کی مدت گذر جائے' یا کھلم کھلا معاہدے کے اختتام کا اعلان کر دیا جائے"۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ اس حدیث کی رو سے جنگ بندی کے دوران جس طرح حملہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح دشمن کے خلاف فوجیں لیکر روانہ ہونا بھی جائز نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے وہ مرحلہ کس قدر نازک تھا؟ اس کا اندازہ بھی شاید ہم آپ اس وقت نہ کر سکیں۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی نصیحت اور مطالبہ پر عمل کرنے سے پہلے ان کی ساری اسکیم فیل ہو رہی تھی۔ ان کا وہ منصوبہ پیوند زمین ہو رہا تھا جو انہوں نے نہ جانے کب سے سوچ رکھا ہو گا' ساری فوج کے مشقت آمیز سفر کی محنت اکارت جا رہی تھی' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لشکر کی فتح کی امنگیں مجروح ہو رہی تھیں' لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سننے کے بعد ان تمام مصلحتوں کو قربان کر کے لشکر کو فوراً واپسی کا حکم دیدیا (مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الامان) اس وقت نہ کوئی حکمت و مصلحت آڑے آئی' نہ ارشاد نبوی ﷺ میں کسی تاویل کا کوئی خیال آیا' بلکہ انہوں نے اپنے اس عظیم اقدام کو فوراً واپس لے لیا' اور مفتوحہ علاقہ تک دشمن کے حوالے کر دیا۔

مشرکہ عورت کے نکاح سے اجتناب

حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں اسلام سے پہلے عناق نامی ایک عورت سے ان کے تعلقات تھے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے انہیں کسی کام سے مکہ مکرمہ بھیجا، وہاں عناق ان سے ملی اور حسب سابق اپنے تعلقات جتانے۔ لیکن حضرت مرثد ؓ نے جواب میں فرمایا کہ "اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے" اس پر عناق نے ان سے نکاح کی درخواست کی، لیکن حضرت مرثد ؓ نے فرمایا کہ "میں نکاح پر راضی ہوں لیکن جب تک رسول اللہ ﷺ سے مشورہ نہ کر لوں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا" چنانچہ مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے آپ ﷺ سے مشورہ کیا۔ اس پر یہ آیت قرآنی نازل ہوئی کہ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (یعنی مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں) چنانچہ حضرت مرثد ؓ نے اس امر الٰہی کے سامنے سر جھکا کر نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔

(تفسیر مظہری ص ۲۵۵ ج ۱)

حضور ﷺ کے اتباع میں جان و مال قربان

غرض صحابہ کرام کا حال یہ تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت کے لئے اپنی جان و مال، اور جذبات و خواہشات کو ہر آن قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، اپنی ہر ہر نشست و برخاست کو آپ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنے کی فکر میں رہتے تھے اور اس معاملہ میں ان کے جذبۂ اطاعت کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے۔ اور جب منبر پر بیٹھ گئے تو کھڑے ہوئے لوگوں سے فرمایا "بیٹھ جاؤ" اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ مسجد کی طرف تشریف لا رہے تھے اور ابھی دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ آپ کی یہ آواز کانوں میں پڑی۔ حضرت ابن مسعود ؓ نے یہ حکم سن کر ایک قدم آگے بڑھنا گوارا نہ کیا، اور وہیں دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کا یہ جاں نثارانہ جذبہ اطاعت دیکھا تو اس کی تعریف فرمائی اور پھر اندر بلا لیا (کنز العمال ص ۲۲۸ ج ۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سیرت طیبہ کی اتباع اور آنحضرت ﷺ کی ایک ایک ادا کی نقل اتارنے کا اس قدر شوق اور اتباع سنت کا اس قدر اہتمام تھا کہ وہ اس معاملہ میں غیروں کے استہزاء سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے بلکہ مخالف سے مخالف

ماحول میں اپنی وضع اور اپنے طرز زندگی پر ثابت قدم رہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت جثامہ بن مساحقؓ کو ہرقل بادشاہ روم کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا' وہ ہرقل کے دربار میں پہنچے تو ان کے اکرام کے لئے ہرقل نے انہیں سونے کی ایک کرسی پر بٹھایا۔ حضرت جثامہؓ فرماتے ہیں کہ میں شروع میں بے خیالی کے عالم میں اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ لیکن جب احساس ہوا کہ یہ سونے کی کرسی ہے تو اس سے فوراً اتر کر کھڑا ہو گیا۔ ہرقل نے میرے اس عمل پر ہنس کر پوچھا کہ ہم نے تو اس کرسی کے ذریعہ تمہارا اکرام کیا تھا' تم اتر کیوں گئے؟ میں نے جواب میں کہا کہ

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے کہ آپ نے اس جیسی (سونے کی چیز) پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے"۔

(کنز العمال ص ۱۵۰ ج ۵ و الاصابہ ص ۲۲۲ ج ۱)

حضرت عثمانؓ کی سنت کی پیروی

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عثمانؓ آنحضرت ﷺ کے ایلچی کی حیثیت میں مکہ مکرمہ پہنچے اور مکہ مکرمہ کے سرداروں سے ملنے کے لئے جانے لگے تو ان کا ازار طریق سنت کے مطابق ٹخنوں سے اوپر تھا۔ مکہ مکرمہ کے سرداروں کے عام رواج کے مطابق یہ طریقہ کسی سردار کے شایان شان نہیں سمجھا جاتا تھا' چنانچہ حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا زاد بھائی نے ٹوکا کہ آپ مکہ کے سرداروں کے پاس جا رہے ہیں' وہ آپ کی اس وضع کو نہ جانے کیا سمجھیں گے' اس لئے اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے کر لیجئے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے پاس ایک ہی تسلی بخش جواب تھا کہ:

هٰكَذَا اِزْرَةُ صَاحِبِنَا

ہمارے آقا (ﷺ) کا ازار اسی طرح ہوتا ہے (کنز العمال ص ۲۰۹ ج ۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس طرح کے واقعات سے بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اہل علم کے مجمع میں اس قسم کے واقعات زیادہ سنانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن توجہ دراصل اس طرف دلانی ہے کہ اسلام نے دنیا کی تاریخ میں جو

خوشگوار اور حسین انقلاب برپا کیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ کے جاں نثاروں نے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے ایک ایک جز کی پوری پوری نقل اتارنے کی کوشش کی، اور اس معاملے میں نہ کسی قسم کی ذہنی مرعوبیت اور کسی قسم کی تاویل و تحریف کو آڑے آنے دیا اور نہ اس راہ میں دوسروں کے طعن و تشنیع اور تمسخر واستہزاء کی کوئی پرواہ کی۔ اگر وہ حضرات آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے صرف زبانی تذکرے پر اکتفا کرتے تو دنیا کو اسلام کی عمرانی کی برکات نصیب نہیں ہو سکتی تھیں۔

سیرت طیبہ پر عمل کے طریقے

لہٰذا میری گذارش کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ رسول مقبول ﷺ کی سیرت طیبہ اور حالات ومقالات کا سننا سنانا بجائے خود بھی نور ہی نور اور نفع ہی نفع ہے اس لئے مسلمانوں کے جتنے بھی اجتماعات منعقد ہوں وہ ناکافی ہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ہم سیرت طیبہ کو ہر تعلیمی ادارے اور ہر مسلمان گھر تک پہنچانے کی فکر کریں لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ حقیقت ہر آن پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ہم دنیا کے دوسرے لیڈروں کی طرح محض کسی شخص کی تاریخی سوانح نہیں پڑھ رہے بلکہ دین و آخرت کی صلاح وفلاح کا ایک نسخۂ اکسیر ہے اور وہ رہے ہیں جس کا صرف پڑھ لینا اور سمجھ لینا کافی نہیں بلکہ اپنے جسم اور روح پر اس کا استعمال ضروری ہے لہٰذا سیرت طیبہ کے لئے منعقد ہونے والی ہر محفل کا ہم سے ایک تقاضا ہے اور وہ تقاضا یہ ہے کہ اس محفل کے دوران ہم بار بار اپنے آپ سے یہ محاسبہ کریں کہ ہم نے کس کی حیات طیبہ کو اپنا موضوع بنایا ہے، اور خود ہماری زندگی کو اس سے کیا نسبت ہے یہ فریضہ یوں تو ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے لیکن ہم لوگ چونکہ عام مسلمانوں تک سیرت طیبہ پہنچانے کا ذریعہ ہیں اس لئے ہم پر اس فریضے کی اہمیت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ سیرت طیبہ کے بارے میں ہماری ہر تقریر اور ہر مقالہ ہم سے یہ سوچنے کا مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اپنی عملی زندگی میں کس مقام پر کھڑے ہیں؟ ہم نے دنیا و آخرت کی صلاح وفلاح کے اس نسخۂ اکسیر سے عملاً کتنا فائدہ اٹھایا ہے جسے قرآن ہمارے لئے بہترین نمونہ قرار دیتا ہے اور جس کے فضائل ومناقب میں ہم خود رطب اللسان ہیں۔ سیرت طیبہ کے لئے

اجتماعات بہت ہوتے رہے ہیں اور انشاء اللہ تاقیامت ہوتے رہیں گے، لیکن درحقیقت صرف وہ اجتماع ہماری انفرادی و اجتماعی سعادت کی صبح صادق ثابت ہو گا جو ہمارے دلوں میں ان سوالات کا کھرا کھرا جواب تلاش کرنے کی بے تابانہ لگن پیدا کر سکے، جو ہمارے فکر و عمل سے متعلق تاویلات کی غلاف نہیں اتار کر ہمیں سیرت طیبہ کے آئینہ میں اپنی صحیح صورت دکھا سکے اور جس کے بعد ہم سیرت طیبہ کی صرف نظری اور فلسفیانہ تعریفیں کرنے کے بجائے اتباع سنت کی اس راہ پر گامزن ہو سکیں جس پہ ابوبکر و عمر، عثمان و علی اور دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقوش قدم ثبت ہیں۔ لہٰذا ہم میں سے ہر شخص پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس مبارک اجتماع کو صرف حاضرین کی کثرت وقلت اور مقالات کے حسن وقبح کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس عملی معیار پر کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ اور جب ہم اس اجتماع سے لوٹیں تو سیرت طیبہ کا صحیح اتباع کرنے اور کرانے کا جذبہ ہمارے دلوں میں پہلے سے زیادہ بیدار ہو۔ اور ہم سیرت طیبہ کا محض نظری فلسفہ نہیں بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی دنیا کے سامنے رکھ سکیں۔

تین عملی تجاویز

آخر میں میری گذارش یہ ہے کہ سیرت کانفرنس کے اس آخری اجلاس میں ہم اپنے آپ سے یہ پوچھیں کہ کیا ہم ایک ہفتے کی بحث کے بعد کسی عملی اقدام تک پہنچے ہیں یا نہیں؟ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ سوال صرف میرے دل میں پیدا نہیں ہوا بلکہ اکثر مندوبین کے دل میں پیدا ہو رہا ہے۔

چنانچہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کانفرنس کے اختتام تک پہنچنے سے پہلے ہم کم از کم کچھ عملی تجاویز مرتب کرلیں۔ ان میں سے بعض تجاویز عام مسلمانوں کے لئے ہوں، بعض اہل علم وفکر کے لئے اور بعض مسلمان حکومتوں کے لئے۔ میرے ذہن میں تین تجاویز ہیں اگر ان کو اس کانفرنس کی طرف سے منظور کر کے شائع کر دیا جائے تو امید ہے کہ یہ اجتماع جس پر مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں انشاء اللہ دینی فائدے سے خالی نہیں ہو گا۔ وہ تجاویز یہ ہیں:

(۱) یہ کانفرنس ہر دور اور ہر جگہ کے مسلمانوں سے یہ اپیل کرے کہ ان میں سے ہر ایک روزانہ تھوڑا سا وقت سیرت طیبہ کے مطالعہ کے لئے نکالے خواہ یہ وقت آدھا گھنٹہ یا اس سے بھی کم ہی کیوں نہ ہو سیرت کے واقعات اپنے اہل خانہ کی موجودگی میں پڑھے جائیں اور اپنے نفس کا محاسبہ کیا جائے کہ وہ ان پر کس حد تک عمل پیرا ہیں؟

(۲) یہ کانفرنس تمام مسلمان حکومتوں سے مطالبہ کرے کہ وہ۔

(الف) سیرت نبویہ ﷺ کو ہر قسم کی تعلیم کے ہر مرحلے اور تمام کالجوں اور اسکولوں میں لازمی مضمون قرار دے۔

(ب) نشر و اشاعت کے تمام اداروں میں سیرت پر مشتمل ایک پروگرام روزانہ پابندی سے نشر کیا جائے۔

(۳) یہ کانفرنس تمام اہل علم و فکر سے مطالبہ کرے کہ وہ:

(الف) تمام مسلمانوں میں سیرت طیبہ کو عام فہم طریقے سے پھیلانے کی کوشش کریں۔

(ب) قرآن و سنت کو نئے نظریات کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ہر ایسے اقدام سے احتراز کریں جو تحریف کی حد تک پہنچتا ہو۔ اس کے بجائے سیرت طیبہ کو اپنی صحیح اور اصلی صورت میں مسلمانوں کے تمام مسائل کے حل کے لئے زندگی کے ہر شعبے میں نمونہ بنائیں۔

دعاء فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو سنت نبوی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

چند ارشادات

اتباع سنت کیا ہے

فرمایا حضور ﷺ کی طرز عادت وہ ہے جو تالب و مستمر ہو' اس کا اتباع کرنا اتباع سنت ہے' اتفاقی واقعات کا نام سنت نہیں۔

راہ اعتدال سے تجاوز

دنیا کے مسلمات اور علوم متعارفہ میں سے ہے کہ کوئی چیز خواہ کتنی ہی محبوب اور بہتر ہو' جب حدود سے تجاوز کرتی ہے تو مضر اور آفت ہو جاتی ہے' پانی اور ہوا انسان کے لئے مدار حیات ہیں لیکن ذرا اعتدال سے زائد ہو جاتی ہیں تو یہی چیزیں مہلک ہو جاتی ہیں۔

ثواب کے بجائے عذاب

اسلام میں تمام عبادات نماز' روزہ' ذکر اللہ' تلاوت قرآن وغیرہ سب کیلئے کچھ آداب و شرائط اور حدود وقیود ہیں جن کی رعایت کے ساتھ یہ عبادات ادا کی جائیں تو بہت بڑا ثواب اور فلاح دنیا و آخرت ہے اور ان حدود وقیود سے ہٹ کر کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے تو ثواب کے بجائے عذاب اور گناہ ہے۔

خطرناک غلطی

بدعات و محدثات کے ایجاد کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے عموماً حضرات صوفیاء کرام اور مشائخ طریقت کی پناہ لیتے ہیں اور انہی کی طرف منسوب کرتے ہیں' یہاں تک کہ بہت سے عوام اس خیال میں ہیں کہ "شریعت اور طریقت دو متضاد چیزیں ہیں' بہت سے احکام جو شریعت میں ناجائز ہیں طریقت ان کو جائز قرار دیتی ہے اور یہ ایک خطرناک غلطی ہے کہ جس میں مبتلا ہونے کے بعد دین و ایمان کی خیر نہیں کیونکہ انسان کو تمام گمراہیوں سے بچانے والی صرف شریعت ہے' جب اس کی مخالفت کو جائز سمجھ لیا گیا تو پھر ہر گمراہی کا شکار ہو جانا سہل ہے۔

مجلس : ۴

اکابرؒ کے پُر حکمت جوابات اور آداب تبلیغ

حضرت ﷺ نے فرمایا' شاہ عبدالعزیز صاحب ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ہندوستان میں جمعہ کی نماز "جو دارالحرب ہے" پڑھنا کیسا ہے؟ حالانکہ یہ سوال غلط ہے اس لئے کہ انگریزوں کی حکومت سہی مگر نماز کی آزادی ہے' سوال علمی تھا جواب دیا جیسے جمعرات کی نماز ایسی ہی جمعہ کی نماز' ایک صاحب نے دریافت کیا فاحشہ کی نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا جو اس کے آشناؤں کا حکم ہے وہی اس کا حکم ہے' مسئلہ وہی تھا مگر اللہ نے دماغ ایسا دیا تھا کہ لطف آجائے اور شک وشبہ باقی ہی نہ رہے' انگریزوں نے اول تو جتنیں لڑیں مسلمانوں کو خوب پیا کرنا چاہا مگر اللہ پاک نے ان کو ایسی شکست فاش دی کہ سمجھ گئے کہ مسلمانوں کو فنا کرنا ہمارا کام نہیں۔ پھر انہوں نے پادریوں کو بھیج کر عیسائیت پھیلانا شروع کی' جگہ جگہ تبلیغ عیسائیت کی ہوتی تھی مناظرے ہوتے تھے' ان کا مشہور پادری فنڈر مقابلہ کو آیا۔ حضرت حاجی صاحب ﷺ (اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی) انگریزوں کے نزدیک واجب القتل تھے اس لئے ان دونوں بزرگوں نے ہجرت کرلی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ﷺ سے ایک پادری نے کہا کہ ہم سوال کرتے ہیں اور جواب ایسا معقول چاہتے ہیں منقول نہ ہو۔ پادری صاحب نے سوال کیا کہ تمہارے پیغمبر ﷺ حبیب اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا' ہاں' پادری صاحب نے کہا تمہارے پیغمبر ﷺ نے بوقت قتل امام حسین ﷺ فریاد نہ کی حالانکہ حبیب کا محبوب زیادہ تر محبوب ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ ضرور توجہ فرماتا۔ جناب مولانا صاحب نے جواب دیا کہ :

پیغمبر صاحب جواب کیلئے جو تشریف لے گئے پردۂ غیب سے آواز آئی کہ ہاں تمہارے نواسہ پر قوم نے ظلم کرکے شہید کیا لیکن ہم کو اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰ کا

صلیب پر چڑھانا یاد آیا ہوا ہے۔ یہ سن کر پیغمبر ﷺ صاحب خاموش رہے۔ پادری صاحب مان گئے۔ (مجموعہ کمالات عزیزی ص ۶)

محفل میلاد کا جواب

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ ایک گاؤں میں تشریف لے گئے پوچھا گیا محفل میلاد کا کیا حکم ہے؟ جواب دیا نہ تو اتنا برا ہے جتنا لوگ کہتے ہیں نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگ کہتے ہیں کچھ تو اتنا اچھا کہتے ہیں کہ نماز روزہ کی ضرورت نہیں میلاد پڑھا لو اور قصہ ختم' اور نہ اتنا برا کہ جو لوگ کریں وہ کافر ہو جائیں' سبحان اللہ (کیا عجیب جواب ہے!)

حضرت مولانا اسماعیل شہید ؒ لکھنؤ گئے وہاں سے صبح کو بندوق لے کر شکار کو نکل گئے ایک خرگوش شکار کیا لا کر رکھ دیا ایک شیعہ ان سے ملنے آئے ان کے یہاں خرگوش حرام ہے آپ کا کتا آیا اتفاق سے ادھر سے گذر کر چلا گیا۔ شیعہ نے کہا مولانا آپ کے شکار کو کتے بھی نہیں کھاتے' مولانا نے فرمایا ہاں یہ شکار کتوں کے کھانے کا نہیں ہے۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی جرات اور تبلیغ

دہلی میں بھی شیعوں کا عروج رہا ہے شاہ ولی اللہ کے انگوٹھے کاٹ دیئے تھے' شاہ عبدالعزیز ؒ کو پانچ دفعہ نکال دیا تھا۔ مولانا اسمٰعیل شہید ؒ کے زمانہ میں اتنا زور نہ تھا۔ آپ نے لکھنؤ جا کر اعلان کیا عیدگاہ میدان میں جلسہ ہوگا اور شیعہ مذہب پر تقریر ہوگی' مسافر تھا اور پردیس میں ایسا اعلان نام آپ کا مشہور تھا ہی شیعوں نے بڑے اہتمام سے اپنے مجتہدین کو جمع کیا اور بڑے زعم میں آئے مولانا ممبر پر آئے تقریر شروع کرنے سے قبل ایک نوجوان شیعہ نے کھڑے ہو کر کہا آپ مجھے اجازت دیں پہلے میں ایک بات کہہ دوں' انہوں نے کہا ہاں آ جائیے! وہ مجھے یہ کچھ گالیاں دیگا مگر اس نے کہا میرے دل میں ابھی ایک خیال آیا اس کا غلبہ اتنا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے سنی ہو جاؤں یہاں مجتہدین جمع ہیں یا تو کوئی جواب دیں یا میں شیعہ مذہب سے پھر جاتا ہوں' سوال یہ ہے کہ ایک مخلص آدمی ایک بات کو حق سمجھ رہا ہے

وہ اپنے مخالفین میں جاکر ڈھنڈورا پیٹ دے اور ہمارے خلاف کہنے کے لئے اتنی جرات کرے (آخر یہ کیا بات ہے؟) اور ہمارا مذہب کہتا ہے کہ عمر بھر علی ﷺ نے تقیہ کیا یعنی اتنی طاقت بھی نہ تھی جیسے ان ضعیف بزرگ میں ہے یعنی وہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ میں ایک حق بات نہ کر سکے تو اول تو ان کی بزرگی میں مجھے شک ہے ورنہ کم از کم وہ اس درجہ پر ہیں جس پر یہ سنی کہتے ہیں 'وہ جوان یہ کہہ کر بیٹھا ہی تھا کہ دوسرا جوان کھڑا ہوا اس نے بھی یہی بیان دیا کہ میں سنی ہوتا ہوں' سانپ سونگھ گیا تمام مجتہدین پر سینکڑوں شیعہ بول گئے اب مولانا نے فرمایا بھئی میں تقریر کیا کروں حق تو خود سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔ غرض ان بزرگوں نے بڑی جدوجہد کی بدعات اور باطل کو مٹانے کی اور اللہ پاک نے بڑی مدد فرمائی ان کی 'اللہ کا وعدہ ہے کہ تم میرے دین کی مدد کرو میں تمہاری مدد کروں گا آج جو ہمارے ساتھ مدد الٰہی شامل نہیں ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہماری کوتاہی سے ہم دین کی مدد نہیں کر رہے۔

فاحشہ عورتوں کو تبلیغ

یہ بھی مولانا کا ہی ذکر ہے کہ فاحشہ عورتوں کو جو مسلمان ہیں کوئی تبلیغ نہیں کرتا ان بیچاریوں کو کہیں موقعہ نہیں ملا چنانچہ طوائفوں کے مشہور مرکز جہاں جمعہ کو ایک بار ساری طوائفیں جمع ہوتی تھیں مرتی نام تھا اس کا وہاں کی بڑی فاحشہ تھی آپ پہنچ گئے دروازہ پر گئے فقیروں کی طرح صدا لگائی اندر سے کوئی لڑکی آئی کچھ دیا آپ نے واپس کر دیا کہ فقیر اپنی صدا سنائے گا بعد میں بھیک لے گا باندی نے جاکر یہی کہا اس نے کہا جاؤ کون ہے وہاں سے بھگا دو اس کو کہو کہ بھیک لے اور جائے آپ نے پھر وہی فرمایا اب لوگ سارے بھرے ہوئے سارا مجمع تفریح کی خاطر بلا لیا آپ نے سورۃ و التین پڑھی اور تفسیر کی اس کی آگے کچھ نہیں کہا فرمایا اللہ پاک نے انسان کو دنیا میں حسین ترین بنایا پھر اگر اس نے ہمارے احکام کی اتباع نہ کی تو اس کی سزا یہ ہے کہ پھر اس کو اسفل السافلین کر کے رکھ دیا' بس یہ انجام ہوا کہ جس کے ہاتھ میں طبلہ تھا طبلہ پھینک دیا سارنگی پھینک دی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے سینکڑوں

کی تعداد میں اس پیشہ سے توبہ کی اور متقی ہو گئے۔ جو آدمی اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا ہے اور توبہ کرتا ہے اللہ پاک اس کو بہت اونچا مقام دیتے ہیں بخلاف اس کے کہ جو گناہ کو ہلکا سمجھیں اور کبر میں مبتلا ہوں ان کو یا تو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی یا پھر سطحی دل سے توبہ کے الفاظ نکال دیتے ہیں۔

غرض اس محفل میں جتنے تھے سارے تائب ہو گئے اللہ کو ان کو دولت دینا تھی' مل گئی۔ پتہ چلا ہے کہ وہ رنڈی موتی آئی بڑی متقی اور پارسا ہوئی کہ اس وقت مسلمانوں پر سکھوں کے وحشیانہ مظالم ہو رہے تھے مولانا نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا بڑا لشکر لے کر گئے اللہ نے پشاور کی طرف ان کو کامیابی دی پھر ساتھیوں نے کچھ غداری یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہو گئے شہادت کے وقت وہ موتی آپ کے گھوڑے کی خدمت کرتی تھی اور اسی میں اس کی جان بھی گئی اب کسی کو دیکھ کر کوئی اندازہ کیا لگا سکتا ہے۔ اس موتی کو پہلے جن لوگوں نے دیکھا ہو گا کیا اپنے اندازہ میں اس کو سمجھا ہو گا اور کیسا ایمان پر خاتمہ اور کیسی اونچی ہستی کی خدمت پر اس کا انجام ہوا۔

مفتی سعد اللہ اور مولوی تراب علی تھے گفتگو ہوئی مولوی تراب مولود کے قائل تھے مفتی صاحب مخالف مولوی تراب نے کہا ابھی تک آپ کا انکار ہی چلا جاتا ہے مفتی صاحب نے کہا اور آپ کا اصرار ہی چلا جاتا ہے مولوی صاحب نے کہا ہم حضور ﷺ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ مفتی صاحب نے کہا (ہم متابعت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے منع کرتے ہیں) محبت تو متابعت کا نام ہے فرمایا الحمد للہ دونوں کی نجات ہے' درحقیقت ذکر مبارک ﷺ سے کون روکتا ہے مگر پابندیاں اور قیود اور بدعات فضولیات جو اس میں شامل کی جائیں وہ بری ہیں۔

آداب تبلیغ

تبلیغ کے بھی کچھ آداب ہیں جو اصول سے واقف نہ ہو غلطی کرتا ہے فرمایا تبلیغ امر بالمعروف نہی عن المنکر واجب ہے یہ (کسی خاص انداز کے ساتھ خاص) نہیں بلکہ کوئی سنت متروک ہے اس کو زندہ کرو اور خلاف شرع کام ہے اسے روک

دو، یہ واجب ہے بشرطیکہ مخاطب کو حق نہ پہنچا ہو اور اگر لوگوں نے اس کو کہہ دیا ہو اسے معلوم ہے پھر نہ مانے تو تبلیغ واجب نہیں مستحب ہے کہے تو اچھا ہے ایک شخص نماز نہ پڑھتا ہو کہ تبلیغ اس کو کرنے سے یہ ہم کو نقصان پہنچائے گا اور وہ تکلیف ہماری برداشت سے باہر ہوں تو تبلیغ واجب نہیں ہے اسی طرح ضرر کا خوف نہیں مگر یہ خوف ہے کہ شریعت کو گالیاں دینے لگے گا تو اور زیادہ کفر میں پڑ جائے گا۔ وہاں بھی تبلیغ واجب نہیں ہے۔

کسی کا بیٹا نافرمان ہے باپ کو چاہیے اس کو حکم دے ہی نہیں اس لئے کہ جتنے مرتبہ وہ حکم عدولی کرے گا وہ نافرمانی کے عذاب میں مبتلا ہو گا اور باعث تم ہوگے، ہاں مشورہ دو یہ بات اچھی ہے یہ بری ہے مگر اپنی طرف سے حکم نہ دو چونکہ باپ کا حکم نہ ماننا گناہ کبیرہ ہے اسی طرح بیوی بھائی کے بارے میں ہے۔ غرض جب معلوم ہے کہ ایک شخص کو کہنے سے اور ضد ہو جائے گی اس کو تبلیغ نہ کرو۔

ادب کی حقیقت

فرمایا لوگ آج کل بزرگوں کا ادب مصنوعی کرتے ہیں۔ ادب کی حقیقت ہے آرام پہنچانا، اس کی ضرورت کو پہچاننا ایک وقت مصافحہ کرنا اس کی مرضی کے خلاف ہے وہ تھکا ہوا ہے تو مصافحہ خلاف ادب ہے دین کا سب سے بڑا کام دوسروں کو ایذاء سے بچانا ہے اور ایذاء پہنچانے سے نہ صرف بے ادبی ہوتی ہے بلکہ گناہ لازم ہو جاتا ہے شیخ کے بتائے ہوئے طریقوں میں لگا رہے تو اس کو شیخ کی کرامت دیکھنے کی فکر نہیں ہوتی۔ غرض فکر لگ جائے آخرت کی اور یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

معاصی سے بچنا کمال ہے

فرمایا انسان کا کمال تو یہی ہے کہ معاصی کا میلان تو ہو مگر پھر بھی اپنے کو قابو میں رکھے اگر میلان ہی نہ رہا تو تم میں اور ایک دیوار میں کیا فرق ہے کمال تو یہ ہے کہ میلان بھی ہو اور قابو بھی رکھے۔ شیخ کی کرامت طالب کے اندر اہتمام دین پیدا کرنا ہے اور جس کے پاس بیٹھ کر یہ بات پیدا ہو جائے وہی شیخ کامل ہے۔

چند ارشادات

اسلام کیسے پھیلا؟

فرمایا "اسلام کام سے پھیلا ہے" اسلام نام و نمود سے نہیں پھیلا اور کام بھی وہ جو خلوص کے ساتھ محض اللہ کے واسطے تھا۔

دین کا کمال دو باتوں پر ہے

فرمایا" دین کا کمال دو باتوں پر موقوف ہے' ایک اپنی تکمیل پھر دوسروں کی تکمیل اور دوسروں کی تکمیل تواصی (نیکیوں کی تلقین) اور تبلیغ سے ہوتی ہے۔

تبلیغ کون کرے

فرمایا حق یہ ہے کہ تبلیغ وہ کرے جو اپنی اصلاح کر چکا ہو' تبلیغ میں رعایت بدون اس کے نہیں ہو سکتی۔

فرمایا تم میں قصداً (سوچ سوچ کر) رونا ممنوع ہے۔

فرمایا صحبت نیک بڑی دولت ہے

بے عمل بھی تبلیغ کر سکتا ہے

یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بے عمل یا فاسق کے لئے دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنا جائز نہیں اور جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو وہ دوسروں کو اس گناہ سے باز رکھنے کی تلقین نہ کرے کیونکہ کوئی اچھا عمل الگ نیکی ہے اور اس اچھے عمل کی تبلیغ دوسری مستقل نیکی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک نیکی کو چھوڑنے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ دوسری نیکی بھی چھوڑ دی جائے' جیسے ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ روزہ بھی ترک کر دے۔

دین کی اصل فکر کیا ہے

فرمایا: اصل دین کی فکر یہ ہے کہ دیکھے مسلمان کس کس غلطی میں مبتلا ہیں ان کو تبلیغ کرے۔ اصل فکر یہ ہے کہ یہ دین کس طرح چلے ورنہ نری مدرسی سے کیا ہوتا ہے ایک پیٹ کا دھندا ہے۔

فرمایا: فتوے میں دیکھتا رہے کہ عام مسلمانوں کو نفع پہنچے ان کو ضرر سے بچایا جائے۔

مولانا شفقت علی فرماتے تھے کہ یہ نماز، یہ لباس، داڑھی روزہ یہ لوگوں کی اور کی وجہ سے ہے کہ بدنام کریں گے۔ اللہ واسطے کیا کام کرتے ہو دیکھنا یہ ہے۔

فرمایا: تبلیغ دین اس لئے پڑھوائی تھی کہ آدمی اپنے عیوب تلاش کریں۔ خالی مطالعہ مقصود نہیں ہے۔ جو غلطیاں مسلمان کریں اسے بیان کرے اور ان کو اس کا صحیح طریقہ بتائے۔

حضرت تھانوی ؒ کا طرز عمل

فرمایا: حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب نے حضرت مولانا تھانوی ؒ کا ایک ملفوظ نقل کیا "کہ میں لوگوں کو شرعی باتیں پہنچا دیتا ہوں۔ عمل پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ ہاں خلاف شرع عمل کرتے ہوئے دیکھ کر شکایت ہوتی ہے اور کسی کو ایذا پہنچاتے ہوئے دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے"[١٤]۔

مجلس : ۵

قرآن کریم حفظ کرنے کی اہمیت

آج اتفاق سے بجلی چلی گئی اور آج کے انسانوں کا حال یہ ہے کہ وہ بجلی سے چلتے ہیں' بجلی سے بولتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دکھاتے رہتے ہیں' انسان ایک بڑا بجلی تیار کرتا ہے اور ایک سکرو ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ سارا کیا دھرا بیکار ہو جاتا ہے' یہ اللہ کا کرشمہ ہے وہ کبھی کبھی دکھاتے رہتے ہیں جو ایک قسم کی تنبیہات ہیں۔ اللہ کے کارخانے کے سارے کام چل رہے ہیں نہ کبھی سورج ایک سیکنڈ آگے پیچھے ہٹتا ہے نہ ستارے اپنا راستہ چھوڑتے ہیں نہ ہوائیں اپنا کام روکتی ہیں اگر یہ سورج چاند ستارے ایک سیکنڈ کے لئے رک جائیں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے جیسے انسان کی انگلیوں میں ایک ذرا سی بات مانع ہو جائے تو سب کچھ دھرا رہ جاتا ہے تو انسان کا ڈھانچہ اس کا اپنا نظام' اس کا اپنا وجود سب ذات باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری ساری ہوا یہ سارے نظام قدرت کے ایک اشارے کے ماتحت ہیں جب اور جیسا وہ چاہتے ہیں کرشمہ دکھاتے ہیں اس وقت بجلی بند ہونے سے ہم مایوس نہ ہوں بلکہ سبق لیں ان تمام چیزوں سے کہ اپنے پروردگار کو پہچانا اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے یہ سب سے بڑی دلیل ہے اللہ کی وحدانیت اور سچائی کی۔

حفظ قرآن بڑا انعام ہے

بہرحال اس وقت اختصار سے بات کرنی ہے مقصد تو آج یہ تھا کہ اس ادارہ کے کچھ بچوں نے حفظ قرآن کیا ہے یہ اللہ کا بڑا کرم ہے اس کا بڑا انعام ہے ان کے والدین کے اوپر سارے مسلمانوں کے اوپر آپ اندازہ لگائیں ایک بچے نے حفظ کیا کتنی دنیا کو اس سے فائدہ پہنچے گا یہ اس کا بڑا انعام ہے اللہ سلامت رکھے ہمارے قاری صاحب

محمد صاحب کو ان کی محنت سے کتنی دین کی خدمت جاری ہے۔ قرآن کی تلاوت کا ایک تعلق اللہ کے ساتھ ہے اور ایک بندوں کے ساتھ ہے اللہ کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ قرآن میں اللہ نے اعلان کر دیا ہے ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ کسی سے قرآن کی خدمت لے لیں

آپ کا اللہ میاں محتاج نہیں۔ وہ خود جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں یہ ان کا کرم ہے کہ اس کام کے لئے ہم کو آپ کو منتخب کرتیں۔ آپ اگر چاہیں گے کہ اللہ کے نیک بندوں میں آپ حصہ لیں تو اللہ پاک آپ کی نیک بختی اور نجات کے لئے آپ کو یہ انعام عطا فرمائیں گے وہ تو اپنے قرآن کی حفاظت خود کرے گا چاہے ہم ہوں نہ کوئی اور ہو کسی سے وہ کام لے گا۔ دوسرا معاملہ ہمارا یہ ہے کہ اگر ہم اپنی فلاح دارین چاہتے ہیں تو قرآن کو پکڑ لیں اس کے ساتھ لگ جائیں ہماری دین دنیا کی کامیابی اسی سے ہے قرآن کا رنگ ہمارے چہرہ سے ظاہر ہو قرآن کے الفاظ ہماری زبان پر ہوں قرآن کے مطالب ہمارے قلوب میں ہوں قرآن کے اعمال ہمارے اعضاء سے ظاہر ہوں یہ ہم قرآن پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ خدا کا یہ احسان ہمارے اوپر ہے۔

حافظ کے والدین کو تاج پہنانے کی وجہ

اللہ پاک کا وعدہ روزہ پر نماز پر زکوٰۃ پر نہیں ہے ہاں قرآن پر وعدہ ہے کہ اس کے ماں باپ کو تاج پہنایا جائے گا یہ عزت قیامت کے دن اس کو ملتی ہے۔ دس آدمیوں کی سفارش حافظ کرے گا پھر اس کے لئے تو کیا ہی کچھ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ بچوں کو تو شعور بھلائی برائی کا ہوتا نہیں ان کے ماں باپ کی محنت کو بڑا دخل اس کے حفظ میں ہے اس لئے یہ انعام ماں باپ پر بھی بہت بڑا ہے۔ بہرحال جو بچے حفظ کر چکے ان کے اور ان کے ماں باپ کے لئے بڑا شکر کا مقام ہے اور جو بھی والدین اس کی

کوشش کریں کہ ان کی اولاد بھی حفظ کے کام میں لگ جائے اللہ پاک جس سے خوش ہوں اس کو اس کام میں لگاتے ہیں حروف قرآن کی ادائیگی صحیح ہو لب ولہجہ کی نقل کی کوشش ہو۔ پھر تلاوت کے معانی ومطالب بھی نہ سمجھے اچھی آواز اور تجوید سے قرآن کو پڑھے تو دل پر براہ راست اثر کرتی ہے مسلمانوں کے ہر گھر میں قرآن پڑھنے اور صحیح پڑھنے کی کوشش ہونی چاہئے۔ مرد عورت بچے سب سیکھیں یہ ایک مستقل نیکی ہے اور محنت کرنے سے زیادہ حاصل ہوتی ہے جتنا مقدور ہو محنت کریں۔

قرآن کریم چھوڑنے پر مصائب کی آمد

(بیلی سے لاؤڈ اسپیکر نکال دیا گیا) لیجئے آج کل کے انسان کی روح اتنی ہماری روح ایسی ہے جو خود بنے بگڑنے میں بھی متاثر ہے آج جتنی مصیبتیں مسلمانوں پر نازل ہو رہی ہیں اصل بات یہی ہے کہ قرآن کو چھوڑنے سے آرہی ہیں جب تک مسلمان نے قرآن کو پڑھا اس کو سمجھا اس پر عمل کیا بس ترقی کرتے چلے گئے اخلاق ہو سیاست ہو معاش ہو معاشرے کے سارے شعبے قرآن سے متعلق ہیں اور مسلمان کی ہر بیماری کا علاج قرآن پاک ہے۔

قرآن کریم اور ہمارے فرائض

اب کرنا کیا ہے؟ ہر مسلمان جائزہ لے کہ اتنے افراد ہیں اس میں کون پڑھنا نہیں جانتا سارے کام سے مقدم کام یہ ہے کہ قرآن اس کو پڑھائیں خود نہیں پڑھا سکتے کسی سے پڑھوائیں یہ سب سے پہلا فرض ہے پھر دوسرا فرض یہ ہے کہ پڑھتے ہیں تو صحیح پڑھتے ہیں یا غلط چونکہ قرآن کے غلط پڑھنے سے الٹا وبال آتا ہے تیسری بات یہ کہ قرآن چند الفاظ کا نام نہیں یہ اصول زندگی ہے ہم اس پر کتنا عمل کرتے ہیں؟ ہر مسلمان اپنی جگہ یہ جائزہ لے اگر دنیا میں اس کو مسلمان رہنا ہے تو اپنے گھر میں جائزہ لے پھر جو پڑھے ہوئے ہیں وہ پڑھتے بھی ہیں یا نہیں اتفاق کرنا رکھیں اور پھر یہ سوچنا ہے کہ اس پر عمل کتنا ہو رہا ہے یہ جو تاج پہنانے کی حدیث ہے اس میں شرط بھی ہے

حرام سے بچئے اور حلال حاصل کرنے کی اور جو بچہ یا عورت بوڑھا کوئی بھی ہو اس کو قرآن پڑھائیں اور جو بالکل ایسا بوڑھا ہے کہ نہ دکھائی دیتا ہے نہ سنتا ہے نہ بول سکتا ہے اس کو قرآن کھول کر دکھنا بھی عبادت ہے دین میں دو چیزوں کا دیکھنا عبادت ہے بیت اللہ اور کلام اللہ اور اس کی عظمت اور تعظیم بھی عبادت ہے غرض قرآن سے کسی حال مومن کی علیحدگی نہ ہونا چاہئے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس چوبیس لاکھ کی کراچی کی بستی میں چوبیس ہزار بھی اگر پڑھتے ہوں تو یہ نسبت ایک لاکھ پر آپ سے پھر مصائب جو ہم پر ہیں ہم اس کا کس طرح شکوہ کر سکتے ہیں۔ بس بچوں کیلئے آج اس سے بہتر کوئی دوست نہیں کہ وہ قرآن پڑھیں! اور جو قرآن پڑھتے ہوں وہ کسی جاننے والے کو سنا دیں اطمینان کریں کوئی غلطی ہو تو نکال لیں۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ تلاوت روزانہ کرنے میں پابندی لگا لیجئے اپنے اوپر اور گھر کے سب لوگوں پر قرآن کے معانی اور حقائق تو ضرور ہے اگر صرف ہم تلاوت ہی پر دوام کرلیں تو کر کے دیکھئے یہ قوم کتنی بلند ہو جاتی کی دنیا کو فتح ہی الفاظ قرآن نے کیا ہے ان الفاظ میں ہی برکت اور کشش ہے اس میں مستقل تزکیہ کا نسخہ ہے صرف تلاوت ہی نسخہ کیمیا ہے اس کے دل کو اعمال کو درست کرے گا پھر عمل تو علیحدہ رہا۔ حضرت امام احمد بن حنبل نے خدا سے پوچھا وہ عمل بتا دیں جس سے بندہ آپ کا زیادہ قرب حاصل کرے اللہ پاک نے فرمایا قرآن میرے قرب کا بڑا ذریعہ ہے یہ نسخہ کیمیا ہے جس کا جی چاہے کر کے دیکھے معنی بھی نہیں جانتے پھر تلاوت کرو! دیکھو! انشاءاللہ باطن کا تزکیہ اور ولایت کا درجہ عطا ہوگا تقرب الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے پابندی سے تلاوت کریں اللہ کی نعمتوں کا آج فائدہ اٹھاتے ہیں کم از کم اتنے کلام کو تو روزانہ پڑھیں اور جتنے بچوں نے قرآن پڑھا ہے ان کی حفاظت رکھیں تاکہ یہ بھولنے نہ پائیں اور اس کے سمجھنے کے لئے علم دین حاصل کریں حلال حرام یہ ساری چیزیں فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں بہشتی زیور عورتوں کیلئے بہت کار آمد ہے اللہ پاک ہم کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

مجلس : ٦

صبح تلاوت قرآن کریم کا معمول بنایئے

خطبہ ماثورہ کے بعد فرمایا: میرے عزیزو! میرے لئے یہ بڑا مسرت کا مقام ہے کہ میں اپنے نونہال بچوں کے سامنے تقریر کر رہا ہوں۔ تم قوم کی بنیاد ہو۔ آئندہ تم ہی اس عمارت کے اونچا اٹھانے والے اور اس میں بسنے والے ہو۔ وقت مختصر ہے۔ اور دیکھا جائے تو رات کا وقت ہی مختصر ہے۔ کچھ وقت گزر گیا اور جو کچھ باقی ہے معلوم نہیں کب پورا ہو جائے حقیقت شناسی سے کام لیا جائے تو ہر انسان کا وقت تھوڑا ہے۔ زندگی محدود ہے اس زندگی میں جو مختصر ہے سب سے زیادہ ضروری تعلیم کا حصول ہے۔ عمر کو ضائع نہیں کرنا اس کو ٹھکانے لگانا ہے۔ کام زیادہ ہے، وقت کم ہے، گویا اتنا وسیع میدان ہے کہ ہر ایک کی پرواز ختم ہو جاتی ہے مگر علمی میدان ختم نہیں ہوتی۔ مجھے اس وقت اس ضمنی نکات میں سے ایک سیرت کا نکتہ بیان کرنا ہے۔

دنیاوی پیش کش اور حضور ﷺ کا انکار

جس وقت مکہ کے سرداروں نے اور خواجہ ابو طالب نے نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ بات رکھی کہ آپ بت پرستی کے متعلق کچھ نہ کہا کریں۔ اس کے علاوہ اور سب باتوں میں ہم صلح کر لیں گے۔ اگر آپ کو مال و دولت چاہئے، حسن و جمال والی عورت چاہئے ہو، بادشاہت اور سرداری کی خواہش ہے تو ہم سب باتیں آپ کی پوری کریں گے مگر آپ ان بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میرے بزرگ ہو۔ تم یقین کرو کہ جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اور تم کو پیش کر رہا ہوں، یہ ایسا تحفہ، نعمت و دولت ہے کسی نے تم کو نہیں دی ہے

اور دوسرے ملک پر' سوچو اگر شیطان کوئی فریب کرتا تو کیا اپنے گھر والوں کے ساتھ کرتا۔
اپنے ہی بھائی بھتیجوں پر ظلم کرتا۔ اگر جھوٹ بولنا ہی مقصود ہوتا تو کیا اپنے بیٹوں کے
سامنے بولتا اور ان ہی سے دھوکا کرتا۔ سوچو میں کیا لکھ رہا ہوں میں دو چیزیں لکھ کر آیا ہوں' تم
کو کسی نے آج تک نہیں دی ہے۔ اور یہی تعلیم و احکام واسطہ در واسطہ ہم تک پہنچے
ہیں اور ہم نے ان کو تسلیم کر لیا ہے۔

دنیا کو کون چلا رہا ہے

اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب ہی دیکھ رہے ہیں۔ سورج' چاند' بارش'
ہوا' پیدائش' نتائج' توالد سب ہی کر ایک کارخانہ ہے جو چل رہا ہے۔ اب سوچنا یہ ہے
کہ اس کارخانے کو چلا کون رہا ہے؟ وہ نظروں سے اوجھل ہے اس کو میں واضح کرنا
چاہتا ہوں۔

مثال کے طور پر یہ لاؤڈ اسپیکر میری آواز دور تک پھینک رہا ہے' یہ پنکھے
چل رہے ہیں، پنکھے چل رہے ہیں سب دیکھ رہے ہیں۔ ان کو چلانے والا کون ہے تو
حقیقت نے کہا بجلی چلا رہی ہے۔ بجلی کہاں سے آئی؟ انجن سے۔ انجن میں کہاں سے آئی
جواب ہے بھاپ کسی طرح بن کر پانی اور تیل سے۔ پانی اور تیل کس نے بنایا؟ عقل
لاجواب ہے کہیں گے قدرت نے پیدا کیا ہے۔ یہ پنکھے کا کارخانہ چل رہا ہے۔ بجلی
دکھائی نہیں دیتی مگر مانتے ہیں کہ پاور ہاؤس سے بجلی آ رہی ہے۔ اگر بجلی نہ آئے تو
سب سامان اکارت ہو جائے، بے کار ہو جائے۔ پاور نہیں تو پنکھا بھی بے کار ہے۔
بجلی کا پاور دکھائی نہیں دیتا مگر مانتے سب ہیں کہ یہ سب اسی کی کارفرمائی ہے۔ یہاں تو
سائنس کام کرتی ہے آگے پوچھئے کہ یہ پاور کہاں سے آیا۔ یہ طاقت کس نے پیدا کی۔
پانی کی قوت سے۔ پھر سوال ہے کہ یہ پانی کس نے پیدا کیا اور پانی کے اندر قوت میں اتنی
قوت کس نے رکھی ہے؟ یہ کسی انسان کے بس کا نہیں ہے۔

جس طرح ایک گنوار قمقمے کے نور کو اسی کا نور سمجھتا ہے لیکن سمجھدار آدمی کہہ
سکتا ہے کہ یہ قمقمہ کا ذاتی نور نہیں ہے۔ یہ پاور ہاؤس کی مہربانی ہے۔ اگرچہ پاور
دکھائی نہیں دیتا۔

خدائے پاک موجود ہے

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں جو سمجھاتے ہیں کہ اس مخلوق کی طاقت سے آگے بڑھ کر یہ تمام اشیاء یعنی کس نے کی ہیں ہوا پانی کس طرح چلا اور کس نے بنایا۔ یہ کہاں سے آیا جب اس جگہ پہنچو گے تب حقیقت کھلے گی اور معلوم ہوگا کہ یہ سارا دھندا ایک مخفی طاقت سے ہوتی ہے جس طاقت و قدرت والے کو ماننے کے لئے نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ اس مخفی طاقت کا نام اللہ ہے اس کے حکم سے یہ سارا جہان چل رہا ہے۔ عقل کی پرواز یہاں تک نہیں ہے۔ سائنس و عقلیات کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو ایک جگہ جمع کر کے صحیح طریقے سے جوڑتا ہے باقی ان اشیاء کو پیدا کرنا۔ عناصر اربعہ کا پیدا کرنا سائنس کا کام نہیں۔ جہاں تک عقل کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اس سے آگے پھر۔ آخر ماننا پڑے گا کہ خدا کی طاقت موجود ہے وہی کارساز ہے۔

سب کچھ اللہ پاک کی ملک ہے

میں نے یہ آیت پڑھی ہے وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ یہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے۔ اس کارخانہ دنیا میں اس کے مالک کا ایک ایسا محکم نظام چل رہا ہے جو سوائے اس کے اور کوئی توڑ نہیں سکتا۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں ہی سب کچھ کر رہا ہوں۔ یہ سورج بھی ایک مشین ہے۔ مشین انسان کی بنائی ہوئی گھس جاتی ہے لیکن یہ اللہ کی بنائی ہوئی مشین ہے مجال ہے جو ایک سیکنڈ کا بھی فرق ہو جائے۔ ابتدائے آفرینش سے اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر انسان بناتا تو اس میں مرمت ہوا کرتی۔ کہ کل آٹھ دن کے لئے سورج مرمت کے لئے جائے گا۔ یہ بھی ایک پردہ ہے کہ سمجھو یہ آفتاب خود ہی چل رہا، بلکہ اس کو کوئی چلا رہا ہے۔ اسی نظام پر تیری نگاہ گئی اور اس کے حاکم سے غافل ہو گیا۔

ہاں انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس نظام کو توڑ کر دکھایا جاتا ہے وہ اس نظام کو
ختم کر دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ نظام ان کا خانہ زاد نہیں ہے۔ ان کی خود
کچھ حقیقت نہیں ہے۔ یہ محکوم ہیں یہ کسی اور کے ہاتھ اور طاقت کے زیر فرمان ہیں۔
چاند کے دو ٹکڑے کئے۔ سورج چھپ کر واپس آگیا۔ اور حضرت ابراہیم ﷺ کی آگ
کو حکم دیا یٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ. نظام یہ ہے کہ آگ جلایا کرتی
ہے۔ مگر یہ نظام یہاں توڑ دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان پر اور کوئی قادر ہے۔ پانی
نے فرعون کو ڈبو دیا اغرقوا فادخلوا نارا۔ اس کا نظام تھا مگر حضرت موسیٰ
ﷺ اور ان کی قوم کے لئے اسی پانی نے راستہ دیدیا۔ معلوم ہوا کہ پانی پر ایک حاکم
موجود ہے۔ یہ سارا کارخانہ اور کاروبار چل رہے ہیں تو کون چلا رہا ہے اس بات کو
انبیاء بتلاتے ہیں آج کل کے بڑے بڑے مفکر اس سے آگے نہیں بڑھتے کہ رنگین
قمقموں میں الجھے ہوئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی کا اصل مشن یہی ہے کہ آپ کو اس جہان کے چلانے
والے سے روشناس کرائیں۔ بیشک دنیا ترقی کر رہی ہے اور کرے گی اور ہر دور میں
ترقیاں ہوتی رہی ہیں۔ مادی ترقی کا اس وقت انتہائی عروج ہے مگر نبی کریم ﷺ کا
فرمانا ہے کہ مادیات ہی میں نہ رہ جاؤ۔ آگے بڑھو اس مادہ کو کون پیدا کرتا ہے۔ پانی
میں رطوبت اور آگ میں سوزش کون پیدا کرتا ہے؟

انسان دو چیز سے مرکب ہے روح اور جسم۔ اگر انسان میں روح نہ ہو تو یہ
ڈھانچہ ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ زمین میں گاڑھ دینے کے لائق ہے دنیا اس مادہ
میں سارا زور لگا رہی ہے جو فانی ہے نبی کریم ﷺ نے آکر اصل حقیقت کو بتایا ہے کہ
یہ برقی بھاپ جو آپ کے سامنے ہے یہ ان کے پیدا کرنے والے کے پیدا کرنے سے
وجود میں آیا ہے۔

اصلی انسان

رہا کھانا۔ پینا۔ سونا جاگنا یہ تو جانور بھی کرتے ہیں۔ مادی جتنی بھی ترقی کریں
گے اتنے ہی ہوشیار جانور ہو جائیں گے۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست آدمیت جز رضائے دوست نیست

روٹی کپڑا، جائے رہائش یہی مقصد زندگی ہے تو گائے بھینس، بیل ہم سے زیادہ ان مسائل میں۔ مادہ اور مادی ترقیات جس کا حاصل اس جسم کو آرام دینا ہے۔ اسکا خاصہ بدن کو آرام دینا۔ بدنی خواہشات پوری کرنا کہ وہ بآسانی پوری ہوسکیں یہ تو ایک جانور بکری گھوڑا بھی کرتا ہے اور چاہتا ہے۔

انسان کیا ہے۔ اس کو نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ انھوں نے واقعی ایسا تحفہ دیا ہے جو کسی نے نہیں دیا۔ آج کی ترقی انسانی ترقی نہیں حیوانی ترقی ہے۔ انسان کی ترقی یہ ہے کہ اس مادے کو پیدا کرنے اس کو چلانے والے کو پہچانے جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے انہوں نے انسانیت کی طرف دنیا کو دعوت دی اور انسان کو واقعی انسان بنایا۔

مادیت کی بہت بڑی دوڑ یہ ہے کہ چاند میں چلا جائے اور کہیں چلا جائے لیکن اس سے اپنا انجام تو معلوم نہیں ہوتا کہ میرا آخر انجام کیا ہے؟ میں یہاں کیوں آیا؟ کہاں سے آیا اور کہاں جانا ہے؟ کھانا پینا ہی مقصد ہے یہ تو جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ آپ کو کارخانوں پر ناز ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ کے ان جانوروں میں سے ایسے جانور بھی ہیں کہ ان کو سو سو روپے کی کھال دے رکھی ہے۔ اس سے تم ٹوپی بناتے اور سرپہ اور رکھتے ہو۔ جانوروں کو مفت دیدی اور تم کو مشکل سے ملتی ہے۔ اگر آپ کی زندگی کا مقصد کھانا پینا ہی ہے تو جنگل میں جائیے۔ آپ سے ان مقاصد میں جانور اچھے ہیں۔ کیوں کہ ان جانوروں کے مکان دیکھ کر آپ مکان بناتے ہیں۔ ان کی ساخت دیکھ کر آپ ایجادات کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی چھتہ بناتی ہے اس کو پیمائش کرکے دیکھا مسدس و مخمس خانے کیسے ہموار اور یکساں ہوتے ہیں۔ انجینئروں کی تعمیر میں فرق آجاتا ہے مگر مکھی کے مخمس کتنے صحیح ہوتے ہیں سو اٹھنا بیٹھنا، مکان بنانا یہ تو حیوانات کا کام ہے یہ انسان کی نہیں جانوروں کی ترقی ہوگی۔ مادی تعلیم حیوانی تعلیم ہے اصل تعلیم تو وہی ہے جسے رسول کریم ﷺ لیکر آئے۔

تو انسان ہے۔ ہاتھی، بیل، بکری نہیں ہے اور ان کی ہیئت شکل وصورت تجھ سے بالکل مختلف ہے تو مخدوم کائنات ہے تو ان سے اوپر دوسری ہستی خالق کائنات

کا خادم ہے اسی نکتہ کو تمام کلام پاک میں بیان کیا ہے یہ دنیا کے عام رفارمروں کا
طریقہ نہیں ہے جو مسلمون بہبودی کو سامنے رکھ کر کام کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ وہ
طریقے لیکر آئے کہ اس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ آج دنیا بے چین ہے
جرائم بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ روکنا چاہتے ہیں دنیوی قوانین ٹوٹ جاتے ہیں اور
جرائم باہر نکل جاتے ہیں جتنی قانون سازی ترقی پر ہے اتنی ہی جرائم کی تعداد میں
روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے یہ قانون دراصل قانون ہی نہیں ہیں۔ ان جرائم کے
انسداد کا صرف ایک ہی قانون ہے جسے اسلام کہتے ہیں ورنہ غیر اسلام کا حال سامنے
ہے "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" رسول کریم ﷺ یہ لیکر آئے کہ خدا کو پہچانو
اس کو مانو۔ اس کو مان کر اس کے بھیجے ہوئے احکام سے فائدہ اٹھاؤ۔

اصلی ترقی کیا ہے؟

یہ نہ سمجھو کہ یورپ دہریت پنا اختیار کر کے ترقی کر رہا ہے وہ ترقی کیا ترقی ہے
کہ دل کو چین نصیب نہ ہو۔ ترقی کا حاصل تو یہ ہے کہ دل کو سکون و اطمینان۔ ملے اور
وہی نہ ملا تو یہ کیا ترقی ہوئی۔ زحمت و مشقت ہے اور کچھ نہیں' دیکھ لو کسی ملک کو چین
نہیں ہے' راحت و چین اگر ہے تو وہ صرف اسلام میں ہے۔ چاہے چاند چھوئیں یا
آسمان میں چلے جائیں۔ راحت و سکون حضور اکرم ﷺ کی تابعداری میں ملے گا۔ تمام
حوائج کے لئے رسول کریم ﷺ کا پیغام کافی ہے۔ ان ترقیوں میں کبھی بھی چین
و سکون نہیں ملے گا۔ دیکھ لو جب بھی رسول کریم ﷺ کے اصولوں کو لوگوں نے اپنایا
ہے سکون و راحت میں رہے جب چھوڑا سکون سے محروم کر دیا گیا۔ انسان ہی نہیں
درندوں اور مویشیوں کو اطمینان ملا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے زمانے میں
بھیڑیا اور بکریاں ایک جگہ بیٹھی رہتی تھیں اور ایک دوسرے سے بالکل مطمئن تھے
چین اسی کا نام ہے کہ ایک دوسرے سے کسی کو ایذا نہ پہنچے یہ تعلیم نبوی بھی ہے۔

مال و دولت کی حقیقت

اہلِ اسلام کی نگاہ میں مادیات کی قدر نہیں اخلاقیات کی قدر ہے۔ دیکھو حضرت عمر ؓ کے زمانے میں ان کے پاس مالِ غنیمت آیا۔ سونا چاندی، جواہرات کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ مسجد نبوی کا صحن بھرا ہوا تھا وہیں بیٹھے بیٹھے سارا کا سارا تقسیم کر دیا۔ اگر جمع کرتے تو سونے کی دیوار کھڑی کر لیتے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ اسی لئے تقریر کی اور کہا کہ اے لوگو یہ اللہ کا مال ہے اس کا وہی مالک ہے حسب ضرورت تم لیجاؤ۔ نقد ہے۔ آج کل کی طرح وعدہ کر کے چیک نہیں دیا گیا۔

آج کی دنیا جو ہیرے جواہرات میں کھیلتی ہے اس ملک میں جا کر دیکھو وہ یہ کہہ سکتے نہیں کہ ضرورت مندوں جتنی ضرورت ہے لے جاؤ۔ ہر ملک والوں کا یہ حال ہو کا کٹ مریں گے۔ یہ مہذب دنیا قتل ہو جائے گی۔

حضرت عمر ؓ اعلان کرتے ہیں اور لوگوں میں سناٹا ہے۔ غربا حاجت مند بھی ہیں مگر لینے کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھتا دوبارہ اعلان کیا تیسری بار اعلان کے بعد ایک نوجوان کہتا ہے۔ اے عمر آپ نے کہہ دیا کہ لے لو تمہارا حق ہے؟ تو کیا ہم سب کے سامنے بے غیرت بن کر اٹھانے جائیں۔ آپ امین ہیں آپ کا کام ہے کہ خود پہنچائیں آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری کیا حاجات ہیں۔ آپ امیر المومنین ہیں۔ آج کا بادشاہ ہوتا تو ایسے شخص کو حکم عدولی کے الزام میں پھانسی دیدیتا مگر حضرت عمر ؓ نے ساری رعیت کا جائزہ لیا اور حاجت مندوں کے گھر پہنچایا۔ آخر یہ تہذیب کہاں سے آئی۔ آپ سمجھے پورے مجمع اور حضرت عمر ؓ پر اس تعلیم نبوی کا اثر ہے۔

بیشک مادے کی جتنی ضرورت ہے اسے ضرورت کے مطابق کام میں لاؤ کون روک سکتا ہے؟ میں اس سے قائل نہیں کرتا۔ مدافعت کرنا ضروری ہے۔ اتنا کام کرو کہ خدا سے غافل نہ ہو دین سے باہر نہ جاؤ! مثلاً گاندھی نے لکھا تھا کہ کانگریس کو چاہئے کہ ابوبکر و عمر کی سی حکومت کرے ایک ہندو نے تو یہ کہا کہ اس سے بہتر حکومت نہیں ہو سکتی۔ نہ ان کے پاس بم تھے نہ ذاتی آبادی تھی اس لئے میں کہتا ہوں کہ فلاح دنیا کی طرف آؤ۔ اخلاق حاصل کرو۔ آخرت کی فکر اور آخرت کی جوابدہی سے ڈرو۔

انسان تو درندے بن گئے۔ تم قانون بناؤ مگر چلانے والے درندے ہوں تو وہ

قانون کیسے چل سکتا ہے جب دل میں خدا کا خوف نہ ہو گا قانون کیا کرے گا۔

انسان انسان بنے

نبی کریم ﷺ نے اس پر زور دیا کہ انسان انسان بنے جب یہ انسان بن جائے گا امن و چین خود آجائے گا۔ انسان ہوتا وہی ہے جو دوسرے کو ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ پہنچائے۔

امام غزالیؒ جن کو حجۃ الاسلام کہتے ہیں ان کے پاس اسلام کی حقانیت کے دلائل ہیں۔ اگر اسلام میں کوئی کسر ہوتی تو غزالی و رازی اسلام میں نہ آتے۔

جانوروں سے سبق

اے عزیزو! انسان ہونا تو بڑی چیز ہے جانوروں کو دیکھو وہ نفع ہی پہنچاتے ہیں۔ گھوڑا سواری دیتا ہے۔ گائے بکری دودھ دیتی ہے۔ بیل ہل چلاتا ہے۔ اونٹ بوجھ اٹھاتا ہے۔ ان کا گوشت کھاتے ہیں ان کی کھال، ہڈی، اون سے نفع اٹھاتے ہیں۔ زندہ ہوں تب نافع مردہ ہو جائے تب بھی فائدہ مند۔

دوسری قسم کے ایسے جانور ہیں جو انسان کو نقصان پہنچاتے ہیں جیسے سانپ بچھو درندے لیکن ان سے پھر بھی نفع ہے ان کے اجزاء بھی انسان کے کام آتے ہیں۔

تیسری قسم کے وہ جانور ہیں کہ نہ ان سے نفع ہے نہ ضرر ہے جیسے حشرات الارض ان کے تو نام بھی معلوم نہیں۔ کیڑے مکوڑے نہ ان سے نفع ہے نہ نقصان ہے مگر انسان کے کسی حیثیت سے کام ضرور آتے ہیں۔

ان جانوروں کو انسان نفع مند بناتا ہے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے مگر خود انسان جانور درندہ بننے کی فکر میں ہے۔ اب سارا فکر یہی سوار ہے کہ روٹی، کپڑا، مکان ملے۔ کمیونزم کا خلاصہ یہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں یہ تو ایک جانور کا کام ہے۔

اسلام انسانیت سکھاتا ہے

انسان وہ تھے کہ ان کو کہا جاتا ہے کہ سونا پیلو مگر نہیں لیتے اور اب اس سونے کا ہونا معلوم ہو جائے تو چوری کریں گے یا ڈاکہ ڈالیں گے۔ قتل کر دیں گے یہ تعلیمات ہی کا اثر ہے۔ اگر وہی اسلام کا قانون آجائے تو انسان انسان بن جائیں پھر قوانین کے بغیر چین آجائے۔

آپ کی اس تعلیم میں جسے مادی تعلیم کہا جائے جب تک رائج رہے گی انسان کو آرام و چین نہیں ملے گا۔ مادہ ہی کی طرف نگاہ مرکوز ہو گئی ہے پھر کوئی سا افسر تبدیل کر دو چین نہیں آئے گا بے چینی بڑھتی چلی جائے گی۔

جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں مبارک ہو۔ مادیات میں لگو مگر اسے اپنی حد پر رکھو اور اس سے ایک قدم اور آگے بھی بڑھو۔

تلاوت قرآن کریم کا اہتمام کرتا

وہ مختصر یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو۔ الفاظ ہی کی کرو اسے فرض ولازم کر لو۔ آج کل کی نئی روشنی نے تلاوت قرآن پر بھی ظلم کیا ہے ان کو یہ سمجھا دیا کہ بغیر معنی سمجھے رٹنے سے کیا فائدہ؟ اللہ کی کتاب کو اور کتابوں پر قیاس نہ کرو حقیقت کو نہیں سمجھتے تو مان ہی لو اس قرآن کے تو الفاظ میں بھی نور ہے اور معنی تک تو الفاظ ہی کے ذریعہ پہنچتے ہیں۔ آخر ان ہی الفاظ نے کیا انقلاب عظیم پیدا کیا تھی فتوحات ہوئی ہیں۔ آپ تلاوت کر کے دیکھیں آپ کے دل میں ایک نور پیدا ہو گا۔ سکون ہو گا۔

یہ نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا تحفہ ہے۔ اتنا بھی غنیمت ہے کہ اسے جلسوں میں پڑھ لیتے ہیں۔ اس تعلیم کا اثر یہ ہے کہ فجر کی نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں پھر تلاوت قرآن مجید کرتے ہیں اس نئی تعلیم کا اثر یہ ہے کہ نو بجے سو کر اٹھتے ہیں پھر ان پڑھتے ہیں۔ اگر اتنا کام کر لیا کہ قرآن مجید کی تلاوت آپ کر لیا کریں تو یہ جلسہ کامیاب جلسہ ہو گا۔ سب دعا کرتا ہوں۔

مجلس: ۷

نفلی صدقہ اور اس کا مفہوم عام

پہلی حدیث

حضرت مقدام بن معدیکرب ﷺ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ما اطعمت نفسك فهو صدقة وما اطعم خادمك صدقة .

صدقہ ایسے خرچ کرنے کو کہتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ مال ہو۔ قول ہو یا کوئی کام ہو۔ مقصود اس سے اللہ کی رضا ہو۔ خواہ کسی مسلمان بھائی سے خوش ہو کر ملو۔ اپنے ڈول سے کسی دوسرے مسلمان کے ڈول میں پانی ڈال دو۔ کسی مسلمان کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے۔ صدقہ کا مفہوم عام ہے۔ صرف مال کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ نہ کسی آدمی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اپنے آپ کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے۔ بیوی بچوں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے۔ اگر کوئی شخص ہوتے ہوئے پھر کھانا نہ کھائے اور بھوکا مرجائے تو عاصی ہوگا۔

صوفیائے کرام کی نفس کشی کا مطلب

صوفیائے کرام کے یہاں جو لفظ نفس کشی بولا جاتا ہے وہ ان کی ایک خاص اصطلاح ہے ورنہ ظاہری معنی کیسے مراد لئے جاسکتے ہیں جبکہ حدیث شریف میں مصرح ہے وان لنفسك عليك حقا صوفیائے کرام کے نزدیک نفس کشی کا مطلب نفس کی ناجائز خواہشات کو مارنے کا نام ہے اور یہی طریق سلوک کا حاصل ہے کہ فنا حاصل ہو جائے۔

اپنے نفس کا بھی حق ہے

یہ وجود انسانی ایک سرکاری مشین ہے جو استعمال کے لئے دی گئی ہے۔ اس مشین میں تیل ڈالنا پڑے گا۔ اس کا تیل یہی خوراک کھانا ہے۔ یہ ہمارے پاس ایک امانت ہے اس کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ اگر اس میں تیل نہ ڈالا تو ایسا ہوگا کہ ملازم سرکاری مشین کو تیل نہ دے اور مشین کو گھس کر چلنے دے یہ مشین خدا کی بنائی ہوئی ہے ہماری ملک نہیں ہے لہٰذا اس پر ملک کا حکم ضرور چلنا چاہئے۔

نیت شرط ہے

مگر شرط یہ ہے کہ نیت خالص ہو کہ اس کھانے سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا ہے تو یہ کھانا کھانا بھی صدقہ ہو جائے گا۔ اور جب خود کھانا بھی صدقہ ہے تو بیوی بچوں کو کھلانا بھی باعث اجر و صدقہ ہوگا۔ نابالغ اولاد کو کھلانا تو والد کے ذمہ واجب ہے ویسے ہی غیر ناشزہ بیوی کو کھلانا واجب ہے اسی طرح خادم اور نوکر کو کھلانا بھی صدقہ ہے۔ حالانکہ یہ کام بظاہر دنیوی کام ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی صدقہ بنا دیا بشرطیکہ اطاعت حق کا ارادہ کرے۔

حضرت والا کا ارشاد

حضرت تھانویؒ نے ایک خط میں لکھا تھا کہ جتنے بھی دن بھر کے کام ہیں اگر ان میں نیت سیدھی ہو جائے تو سب کے سب عبادت ہو جائیں۔

دنیا کے اکثر پیشے عبادت الٰہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں مثلاً کپڑا پہننا ہے تو یہ نیت کرے کہ نماز بغیر کپڑوں کے پہنے نہیں ہو سکتی۔ ہم نماز اور ستر پوشی اور تجمل فی اللباس کے قصد سے بناتے اور خریدتے ہیں۔ یونہی کھانا کھانے اور کھلانے کے کام کے لئے بناتے اور خریدتے ہیں کھانا کھانا اور کھلانا بھی خدا کی عبادت ہے علیٰ ہذا القیاس ہاں اگر صرف پیٹ بھرنا ہی مقصود رہ جائے تو پھر وہ عبادت نہیں۔

دوسری حدیث

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَیْرُ الصَّدَقَۃِ مَا یَکُوْنُ عَنْ ظَھْرِ غِنًی ۔

صدقہ دینے کا یہ اصول ہو کہ اتنا صدقہ دیوے کہ صدقہ کر دینے کے بعد بھی غنا باقی رہے ۔ یعنی مالداری باقی رہے تم خود فقیر نہ بن جاؤ ۔ سارا مال لٹانے والے مجذوب ہوتے ہیں ۔ ثواب کی بات ضرور ہے مگر طریقہ کار اچھا نہیں ۔

حضرت ابراہیم بن ادہم ؒ کا واقعہ

لوگ کہتے ہیں دیکھو حضرت ابراہیم بن ادہم ؒ نے سلطنت کو ترک کر دیا ۔ مال و دولت لٹا دی ۔ تین چیزیں لیکر جنگل کو چل دیئے ۔ تکیہ ، ڈول رسی اور پانی پینے کا ایک پیالہ ۔ راستے میں دیکھا ایک شخص سر کے نیچے ہاتھ رکھے ہوئے سو رہا ہے تو کہا کہ یہ تکیہ فضول ہے ۔ آدمی ہاتھ کو تکیہ بھی لگا سکتا ہے لہذا تکیہ پھینک دیا ۔ آگے چلے کسی کو دیکھا کہ ہاتھوں کا چلو بنا کر پانی پی رہا ہے تو کہنے لگے کہ جب ہاتھوں سے پانی پیا جا سکتا ہے تو یہ پیالہ بھی فضول ہے ۔ آگے چلے جب پیاس لگی ایک کنوئیں کی طرف چلے وہاں دیکھا کہ بہت سی ہرنیں کنوئیں پر آئیں انہوں نے دیکھا کہ پانی کنوئیں میں بہت نیچے ہے یہ دیکھ کر انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی ۔ اللہ کی طرف نظر کی رحمت خداوندی سے پانی میں جوش اٹھا اور کنوئیں کا پانی منڈیر تک آ گیا ۔ ہرنوں نے پانی پیا اور چلے گئے حضرت ابراہیم بن ادہم نے جب یہ ماجرا دیکھا تو خود بھی پہنچے کہ لاؤ پانی پی لوں ۔ جب یہ کنوئیں پر پہنچے تو پانی پھر تہہ میں اتر گیا ۔ خیال ہوا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یا اللہ ابراہیم کی اتنی بھی قیمت نہیں ہے جو ان ہرنوں کی ہے ۔ ندا آئی ۔ اے ابراہیم ! اس واقعہ سے قیمت کا اندازہ نہ لگا ہمارا معاملہ ہر ایک کے ساتھ الگ الگ ہے ۔ ان ہرنوں کے پاس نہ ڈول تھا نہ رسی نہ ان کو قدرت تھی انہوں نے ہم پر نظر کی ہم ان کو اسی طرح پانی پلاتے ہیں ۔ تمہارے پاس ڈول رسی ہے ۔ طاقت ہے ۔ تم اس ذریعہ سے نکال لو ۔ پھر انہوں نے ڈول رسی بھی ترک کر دی ۔

نتیجہ

یہ ایک واقعہ ہے ۔ لاکھوں کروڑوں آدمیوں میں سے ایک آدمی نے ایسا کیا تو یہ شرعی حکم تو نہ ہوا ۔ اگر شریعت یہی حکم دیتی جو حضرت ابراہیم بن ادہم ؒ نے کیا ہے تو دنیا والے کیسے زندہ رہتے ۔ ہلاک ہو جاتے ۔ انبیاء علیہم السلام تو دنیا کو آباد کرنے ہی کی دعوت پیش کرتے ہیں ۔ اولیاء کرام کے اس قسم کے واقعات صحیح ہیں لیکن تعلیم نبوی نہیں ہے رسول کریم ﷺ اس لئے تشریف نہیں لائے تعلیم وہی ہے جو حدیث شریف میں ہے کہ وہ صدقہ ناپسند ہے جس سے تم فقیر ہو جاؤ ۔ جن اصول پر دنیا چل سکتی ہے وہ یہی ہے کہ دینے دلانے کے بعد کاروبار میں فرق نہ پڑے ۔ مگر لوگوں کا رجحان جتنا اولیاء عظام کے واقعات کی طرف ہوتا ہے اتنا حضور اکرم ﷺ کی حدیث کی طرف نہیں ہوتا حالانکہ

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

انبیاء علیہم السلام تو وہی اصول بتاتے ہیں جسے ساری دنیا کر سکے ۔ یہ ایک اصول ہوا ۔

اس حدیث کا دوسرا ٹکڑا

وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى — اوپر والا نچلے ہاتھ سے بہتر ہے ۔ اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والے کا ہاتھ ہے ۔ نیچے والے ہاتھ سے مراد لینے والا کا ہاتھ ہے کیوں کہ عادۃً دینے والے کا ہاتھ اوپر اور لینے والے کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے ۔ کیا عجیب تلقین ہے کہ تم دینے والا ہو لینے والا نہ ہو ۔ مجبوری ہی ہو جائے تو لینے میں عیب نہیں لیکن کوشش اس کی کرو کہ دینے والا ہو ۔ لوگوں سے مانگ کھانے کی خصلت نہ بناؤ ۔ ہر ایک کو یہی حوصلہ رکھنا چاہئے کہ دوسروں کو دیں نہ کہ لیں ۔

تجربہ شاہد ہے کہ جن کی لینے کی عادت ہوتی ہے وہ مانگنے کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں ۔ کتنا بھی ہو جائے وہ دوسروں پر خرچ کر ہی نہیں سکتے ۔ جذبہ ہو فکر ہو تو ہر ایک کے اندر یہ طاقت و استعداد رکھی ہے خواہ دس روپے میں سے ایک پیسہ خرچ کرے

گر کرے۔ لینے والوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آؤ گے تو کیا لاؤ گے اور ہم تمہارے پاس آئیں تو کیا دو گے؟ آج کل پیروں نے اس حدیث کو دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے کہ پیر صاحب کے سامنے ہتھیلی پر رکھو اس پر روپیہ رکھو اور پیر صاحب کے سامنے کرو تاکہ پیر صاحب کا ہاتھ اوپر رہے دینے والے کا نیچے رہے۔ نذرانہ لینے میں بھی ہاتھ اوپر رہے تاکہ پیر صاحب کا ہاتھ بہتر ہی رہے یہ سب لغو ہے۔

حدیث شریف کا تیسرا ٹکڑا

وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ جب صدقہ نکالو تو اس سے شروع کرو جو تمہاری عیال داری میں ہیں۔ بیوی کو، بچوں کو۔ جس کو بھی ضرورت ہو اس کی ضرورت پوری کر دیں ضرورت پوری کرنا صدقہ ہے۔ اور بقدر ضرورت دینا تو دینے بھی واجب ہے۔ واجب کی ادائیگی کے بعد نفلی صدقہ دینا ہو تو پہلے ان پر صرف کرو۔ یعنی واجب اخراجات کے علاوہ نوافل بھی پہلے ان پر خرچ کرو پھر ملازموں کو دیکھو۔ ان کی تنخواہ کم ہوتی ہے تو ان کو بطور انعام دیتے رہو۔ تنخواہ بھی دیتے رہو۔ زکوٰۃ کو اس تنخواہ میں محسوب نہ کرو اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ہاں تنخواہ کے علاوہ زکوٰۃ کی رقم ملازمین کو دی جا سکتی ہے۔ بعض لوگ باوجود ملازم کے مستحق ہونے کے ان کو زکوٰۃ نہیں دیتے کہ کہیں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی سو اگر اس دینے سے کام پر کوئی اثر نہ پڑے یعنی زکوٰۃ دیکر اس سے زیادہ کام نہ کرائے تو جائز بلکہ ثواب ہے۔

غلط رواج

بعض لوگ گھر والوں کو تنگ رکھتے ہیں اور دوستوں کو کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ ہوٹلوں پر بیٹھ کر بچوں کا حق بھی خرچ کر ڈالتے ہیں وہ احمق ہیں اور بڑے احمق ہیں بلکہ اگر ایک آدمی بھوکا مر رہا ہے تو وہ مقدم ہے۔ تمہارے پاس اتنا ہے کہ واجب نفل دونوں ادا ہو سکتے ہیں تو اس کی بھی رعایت کی جا سکتی ہے۔

تیسری حدیث

ایک مجلس میں آنحضرت ﷺ نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ایک شخص نے عرض کیا: رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے کہاں صدقہ کروں؟ مقصد یہ کہ کس کو دوں؟ فرمایا انفقه علی نفسك. اپنے نفس پر خرچ کر یہ بھی صدقہ ہے ایک دینار کوئی بڑی رقم نہیں ہے جس کو دوسروں پر بھی صدقہ کرے ایک دینار چار ماشہ یعنی سے کچھ زائد سونے کا سکہ ہوتا تھا اس لئے انہیں اپنے اوپر خرچ کر۔ قال عندی آخر اس نے کہا میرے پاس ایک دینار اور ہے قال انفقه علی زوجتك. آپ نے فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کر یہ سن لیا تو اس نے کہا عندی آخر میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے قال انفقه علی خادمك فرمایا اپنے خادم وملازم پر خرچ کر۔ معلوم ہوتا ہے اس سائل کے اولاد نہ تھی۔ اگر اولاد ہو تو ملازم سے پہلے اولاد کا حق ہے بلکہ اولاد تو بیوی سے بھی مقدم ہے۔ کیوں کہ اولاد کا نفقہ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا اور بیوی ناشزہ یعنی نافرمان ہو جائے تو اس کا نان نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔ تین درجے بترتیب ارشاد ہوئے "خود کا نفس" بیوی "خادم" اولاد کا اس حدیث میں بیان نہیں آیا۔ اس شخص نے کہا عندی آخر میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے قال انت ابصر یعنی پھر تم جانو۔ کوئی عزیز ہو ہمسایہ ہو اور محتاج ہو جس کو جانتے ہو اس کے حال سے واقف ہو اسے دیدو۔ لفظ ابصر سے معلوم ہوا کہ بصیرت سے کام لینا چاہئے کہ کہاں خرچ کرنا بہتر ہے اس سے اشارہ ہے کہ اس معاملے میں لاپرواہی نہ کرے۔

زکوٰۃ میں ادائیگی ضروری ہے

قرآن کریم میں آتوا الزکوٰۃ فرمایا ہے یعنی زکوٰۃ مستحق کو ادا کرو تو مقصود مستحق کو دینا ہے نہ کہ زکوٰۃ نکالنا۔ اگر زکوٰۃ کا صرف نکالنا ہی مقصود ہوتا تو تالاب کے بیچ میں ڈال دیتے فرض ادا ہو جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہے ورنہ یوں فرمایا جاتا و اخرجوا الزکوٰۃ

زکوۃ نکالو۔ سو مقصود زکوۃ نکالنا نہیں بلکہ مصرف صحیح میں خرچ کرنا مقصود ہے۔ ادا کرنا یہ ہے کہ مستحق کو پہچان کر دو پہلے صحیح مصرف پہچانو تو پھر اس کو دو۔ آج بہت سے ایسے سیٹھ بھی ہیں کہ ان کے یہاں زکوۃ کا حساب ہی نہیں بنتا اور جو نکالتے ہیں وہ مصرف نہیں دیکھتے۔ معلومات کرتا رہے فکر رکھے۔ جب وقت آئے ادا کرے۔

بے فکری

ایک شخص بہت روز سے آئے کہنے لگے کہ زکوۃ کے کپڑے بنے رکھے ہیں کس کو دوں؟ میں نے کہا کہ ہماری زکوۃ تو جلدی خرچ ہو جاتی ہے کیوں کہ فکر رہتا ہے اس لئے پوچھ پاچھ کرتے رہتے ہیں۔ بہت ضرورت مند ہیں اپنی قوم اور برادری میں بہت مل جائیں گے۔ جب فکر نہیں تو پڑوس کا بھی حال معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ لقد الصبر میں ہدایت کی گئی ہے کہ اعزہ اقرباء اور ماحول میں دیکھ بھال رکھا کرو کہ کون اہل ہے۔ کون ضرورتمند ہے۔ محض زکوۃ نکال کر جس کو چاہے دیدینا کافی نہیں ہے۔

حدیث

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو خادم تمہارا کھانا پکاتا ہے جب وہ تم کو کھانا کھانے کیلئے لائے تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اس کو بھی ساتھ کھلاؤ اور اگر اپنے ساتھ کھلانا کسی وجہ سے مناسب نہیں معلوم ہوتا تو دو چار لقمے کھانا اس کو دیدیا کرو۔ گویا اس کا یہ حق ہے اس نے محنت کی ہے اس کو کھانے کی خوشبو آئی ہے۔ اس کا بھی دل چاہتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ تو غلاموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخری لمحات میں جب کہ دنیا سے تشریف لے جارہے تھے یہ فرماتے تھے الصلوۃ وما ملکت ایمانکم کہ نماز کا خیال رکھنا اور غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں

کہ جس وقت وصال ہوا ہے آپ کا سر مبارک میرے سینے اور گود میں تھا میں نے کان لگا کر سنا تو آپ یہی نماز اور غلاموں کے متعلق فرما رہے تھے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تاکید

آپ غور کریں کہ نماز کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً پانچ سو جگہ آیا ہے پھر آخری سانسوں میں اسی کی تلقین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دین کا خلاصہ ہے۔ کیوں کہ الصلوۃ تو حقوق اللہ ہوئے اور ما ملکت ایمانکم حقوق العباد ہوئے اور سارا قرآن و سنت انہی حقوق اللہ و حقوق العباد کی تفسیر ہیں۔ نماز حقوق اللہ میں اعظم حق ہے اور عبادتیں تو ایک وقت ہوتی ہیں ایک وقت نہیں ہوتیں مگر نماز ایک دائمی روزانہ کا فریضہ ہے اور غلام باندیوں کے حقوق میں لوگ کوتاہی کرتے ہیں سمجھتے ہیں یہ ہمارے غلام باندی ہیں یہ کیا کر سکتے ہیں۔ ہماری ملک ہیں اور کے بھی کہے اور کسی کو کہے تو سنتا کون ہے؟ نہ لڑ سکتے ہیں نہ جھگڑا کر سکتے ہیں اس لئے حقوق العباد میں ان کا نام لیا۔ یہ آخری لمحہ حیات کی وصیت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس لفظ سے مراد صرف غلام و باندی ہی نہیں ہیں بلکہ ہر وہ شخص مراد ہوگا جو دوسرے سے اپنی داد رسی نہ کر سکے۔ اس کا کوئی حمایتی اور سننے والا نہ ہو۔ اگر تم اپنی چھوٹی اولاد یا بیوی کو تکلیف دو تو وہ کس سے کہیں۔ باپ یا خاوند ہی ظلم کرے تو کس سے کہیں سوائے اس کے تو خدا ہی کا خوف باز رکھ سکتا ہے۔ ورنہ دنیوی قانونی راستہ بالکل ناکافی ہے۔ اگر راحت و سکون مل سکتا ہے تو قرآن اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم میں مل سکتا ہے خدا کا خوف اور تقوی جب تک قلب میں نہ ہو ظاہری قوانین سے کیا بنتا ہے؟

نکاح کی تین آیات میں تقویٰ کی تاکید

نکاح کے خطبہ میں جن تین آیتوں کا پڑھنا مسنون ہے وہ تینوں آیتیں اتقو اللہ سے شروع ہوتی ہیں۔ آخر ان تینوں آیات کا کیوں انتخاب کیا اس لئے کہ ازدواجی

زندگی خوفِ خدا کے بغیر درست نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کوئی مار مار کر درست کر سکتا ہے۔ زوجین کی زندگی کے حسین بننے کے لئے صرف تقویٰ درکار ہے۔ اگر تقویٰ نہ ہو تو کوئی طاقت سنوار نہیں سکتی۔ مثلاً خاوند اچھی بات کرتا رہے اور آخر میں ایک جملہ ایسا کہہ دے جس سے تن بدن میں آگ لگ جائے تو دنیا کا کون سا قانون اس کو روکے گا۔ ایک شخص تھے ان کے یہاں کھانے پینے کو سب ہی راحت کا گھر میں سامان تھا مگر روحہ بنا کر چھوڑ دیتے تھے۔ اب اس پر قانون کیا حکم لگائے گا اور کیا انتقام لے گا۔ بیوی کی زندگی تلخ ہو رہی ہے خاوند کہتا ہے نہ میں نے مارا نہ گالی دی ہے اور بیوی شکایت بھی کرے تو والدین کیا روزانہ ان باتوں کا فیصلہ کرنے آتے ہیں۔ خوفِ خدا ہی اس رشتہ کو جوڑ سکتا ہے۔ لہٰذا آخری کلمات میں اسی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم سربراہ ہو تمہارے ماتحت غلام ہو یا بیوی بچے ہوں ان کا خیال رکھنا۔

اسلام کے اندر قرونِ اولیٰ میں غلاموں کا بھی وہ حال نہ تھا جو آج ماتحتوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جانوروں کے ساتھ وہ سلوک نہیں تھا جو انسانوں کے ساتھ کر گزرتے ہیں۔ افسروں کی یہ حالت ہے۔

قساوتِ قلبی

کسی کلرک نے درخواست دی جس کا تبادلہ ہو گیا تھا کہ میری بیوی سخت بیمار ہو گئی ہے اور میں اکیلا ہوں آپ تبادلہ نہ کریں مجھے یہیں رہنے دیں تو کہنے لگے وہ آفیسر بنے اور کہنے لگے دعا کرو اس کی بیوی ختم ہو جائے تو فرصت سے یہ دفتر کا کام کریں گے۔ یہ قساوتِ قلبی ہے۔ بے رحمی ہے اور ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ رحم دم ہی نہیں۔ کوئی رشوت دینے والا ہو تو جو چاہے کرا لو۔ اب تو عوام افسروں اور کلرکوں سب آوہ کا آوہ ہی بگڑ رہا ہے۔ درخواست دیکھی پھینک دی۔ کبھی کم کر دی۔ جو سلوک برے سے برے غلاموں کے ساتھ نہ ہوا وہ آج رعایا کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ بے چارگی سے لاچار ہوں ان کے حقوق کی بھی نگرانی کرو۔ ورنہ لاچار کا انتقام پھر اللہ تعالیٰ ہی لیتے ہیں۔

حدیث کی وضاحت

حدیث شریف میں ہے جو فرمایا جو تم کھاؤ ان کو کھلاؤ جو خود پہنو ان کو پہناؤ اس سے مراد وہی کھانا نہیں ہے جو تم کھاتے ہو وہی لباس نہیں ہے جو تم پہنتے ہو بلکہ اس قسم کا لباس ہو جس کے ذریعہ سردی گرمی سے حفاظت ہو سکے ولا تعذبوا خلق اللہ ۔ اللہ کی مخلوق کو تکلیف میں نہ ڈالو ۔ مخلوق عام ہے غلام ہو بیوی ہو اور کوئی ہو ۔

آنحضرت ﷺ تو یہ فرما رہے ہیں کہ اس کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاؤ ۔ آج یہ حال ہے کہ غلام تو کجا ملازم نوکر کو بھی ساتھ بٹھا کر کھانا نہیں کھلاتے ۔ ہاں بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ تم کو اپنی حیثیت برقرار رکھنی ہے ۔ تو پھر اس کو الگ ہی دیدو ۔

حدیث

حضرت ابو محذورہ ؓ سے روایت ہے ۔ یہ ابو محذورہ آنحضرت ﷺ کے موذن تھے ۔ ایک حضرت بلال ؓ دوسرے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ ایک اور صحابی ہیں اس طرح یہ چار موذن آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں تھے قال كنت جالسا عند عمر اذ جاء صفوان بن امية بجفنة کہتے ہیں میں حضرت عمر ؓ کی خدمت میں بیٹھا تھا اتنے میں حضرت صفوان بن امیہ جفنہ لیکر آئے ۔ جفنہ کے معنی تھال ۔ تسلہ جس میں کھانا کھاتے تھے اور یہ صفوان آخر میں مسلمان ہوئے ہیں ۔ فتح مکہ میں بھی بھاگ نکلے تھے پھر ان کے کسی عزیز نے ان کے لئے پناہ طلب کی تھی پناہ ملنے پر یہ واپس مکہ آگئے تھے ۔ آنے کے بعد بھی کفر پر قائم رہے جب غزوۂ حنین ہوا اس وقت یہ مسلمان ہوئے ۔ یہ جاہلیت کے رئیسوں میں سے ہیں جاہلیت کے زمانے کے دس رئیس مشہور تھے ان میں سے یہ ایک ہیں وہ جفنہ کافی بڑا تھا اس لئے دو آدمی کی طرح اس کو پکڑ کر لائے فوضعوها بين يدي عمر انہوں نے لاکر حضرت عمر ؓ کے سامنے رکھ دیا فدعا عمر مساكين الناس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مساکین اور غلاموں کو بلا لیا فاکلوا معہ انہوں نے سب نے مل کر اس جفنہ میں سے کھایا اور یہ فرمایا جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھلا کر کھانا کھانے سے عار کرتے ہیں وہ ہلاک ہو جائیں دراصل یہ صفوان رضی اللہ عنہ کو تعلیم دی تھی اور صفوان رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا تھا کہ کھانا تھوڑا رہے گا اس لئے غلاموں کو نہیں بلایا تھا۔ چوں کہ حضرت صفوان بھی صحابی ہیں ان کا فعل نہ بلانا ہے اس لئے کھانا مقدار میں کم ہو یا اور کوئی عذر ہو تو ساتھ بٹھلا کر نہ کھلانا جائز ہے لیکن جس سے پکوایا ہے اس نے کھانے کی خوشبو سونگھی ہے اس کا حق ہے کہ اس کو ضرور کچھ نہ کچھ دیدیا جائے اور اگر نفس کو ساتھ مل کر کھانے میں عار آتی ہو تو اس میں عجب کا علاج بھی ہے کہ ضرور ساتھ کھلائے اور اس میں نوکر کی تربیت بھی ہے کہ اگر خیال ہو قرینہ سے معلوم ہو کہ نوکر سر پر چڑھ جائے گا کام نہ کریگا تو اس کو الگ دیدیا جائے۔ صحابہ کرام میں حقوق سب کے برابر سمجھے جاتے تھے اب ان حقوق کی رعایت نہیں کی جاتی ہے اس لئے دونوں جانب کی مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہے کہ ساتھ کھلانا حق واجب نہیں ہے مگر ساتھ کھلانے کو اپنی توہین بھی نہ سمجھی جائے۔

مجلس : ۸

ہدیہ کے آداب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو فزارہ کے ایک بدو عرب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ میں ایک ناقہ دی۔ آپ نے قبول فرمائی مگر آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ ہدیہ کی مکافات فرمایا کرتے تھے اور یہ سنت ہے کہ ہدیہ دینے والے کو کچھ نہ کچھ دیدیا جائے۔ ناپ تول کر پورا پورا نہ سہی۔ کم و بیش ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدوی کو کوئی ہدیہ دیا تو وہ ناراض ہو گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہدیہ کے لینے دینے میں برابری نہیں ہوتی ہاں توجہ اور خیال اس کا حق ہے۔ اس کی ناراضگی دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ آئندہ قبیلہ انصاراوں اور ثقیف ان چار قبیلوں سے ہدیہ قبول کیا کروں گا یہ چاروں قبائل شرفاء شمار ہوتے تھے اور مکافات میں تھوڑے ہدیہ کو خوشی سے قبول کرتے تھے ناراض نہ ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی۔ بہر حال مہدی الیہ (جس کو ہدیہ دیا جائے) انتظار نہ کرے کہ جب اتنے ہدیہ کا انتظام ہو تب دوں گا۔ جو خوشی سے دینا چاہے دیدے اور مہدی مکافات میں آنے کا انتظار نہ کرے۔ آئے تو انکار نہ کرے۔ کیوں کہ بطیب خاطر کوئی دے تو ہدیہ قبول کرنا سنت ہے۔ حدیث میں ہے تہادوا تحابوا۔ گویا ہدیہ دینا اور ہدیہ قبول کرنا دونوں باعث ثواب ہیں۔ جب قبول کرنا ثواب ہے تو انکار کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ لے لینا کم از کم باعث برکت تو ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ آئندہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار قبائل کے علاوہ ہدیہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت غیر مقصودہ میں غلطی اور فساد شامل ہو جائے تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ ترک کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو گا۔ اسی لئے ولیمہ کی دعوت قبول کرنا سنت ہے لیکن اگر وہاں منکرات ہوں۔ شرع کے خلاف کام ہوں تو اس دعوت ولیمہ کو چھوڑ دینا

چاہئے۔ بیشتر ان دعوتوں میں بدعات و منکرات شامل ہو گئی ہیں اس لئے یہ دعوت بھی قابل ترک ہیں۔ اسی طرح محفل میلاد ایک طاعت و کار ثواب ہے۔ آپ کے حالات بیان کرنا عین اسلام ہے مگر اس میں خرافات ہونے لگیں گانا بجانا عورتوں کا اجتماع۔ موضوع روایات کا پڑھنا جن کا پڑھنا اور سننا حرام ہے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹی حدیثیں بیان کرنا اور ان کا سننا دونوں گناہ ہیں اور ناجائز ہیں۔ اس لئے صحابہ و سلف کا طریقہ جہاں تک ہے وہ بھی کچھ حدیث کے الفاظ نقل کرتے تھے۔ مفہوم اور معنیٰ بیان کرنے کا دستور نہیں تھا اور الفاظ بھی بہت احتیاط کے ساتھ نقل کرتے تھے اور وجہ اس کی یہی وعید ہے۔

اب واعظ پیشہ وروں نے ٹھیکہ ہی لے رکھا ہے کہ موضوع روایات ہی بیان کرتے ہیں۔ جب تک وہ گھڑی ہوئی روایات نہ سنائیں ان کو مزا ہی نہیں آتا۔ کیوں کہ ان کا مقصد تو مجلس کو گرمانا ہوتا ہے۔

شیخ احمد کا وصیت نامہ بے اصل ہے

یہ آج کل جو شیخ احمد کا وصیت نامہ چھپ کر تقسیم ہوتا ہے یہ بھی ان ہی موضوعات میں داخل ہے۔ اس سے ڈرنا نہ چاہئے۔ بچہ مر گیا۔ نقصان ہو جائے گا یہ سب لغویات ہیں۔ اور نیک کام کو کرنے ہی چاہئیں۔ بھلا جو بات آپ نے خطبہ میں فرمائی ہے اسی کے خلاف خواب میں کیسے فرما سکتے ہیں۔

اس قسم کی جہالت کی باتوں سے گرمانا ہی مقصود ہے اور جاہل تو جہالت ہی کی باتوں سے راضی ہوتے ہیں۔ میلاد میں بھی ناجائز باتیں شامل ہو گئیں اس لئے اسے روک دیا گیا ہے اور کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا ناجائز نہیں ہے مگر اس کو فرض قرار دینا جس کھڑے ہو کر پڑھنے کو اللہ نے واجب نہیں کیا تم کون ہو کہ اسے واجب سمجھو اور اس پابندی سے کرنے کا حکم نہیں آیا یہ پابندی کرنا گناہ ہے۔ پھر اس سے صرف نام و نمود اور رونق کرانا مقصود رہ گیا ہے۔ اس لئے وہ قابل ترک ہو گیا۔

ہدیہ قبول کرنا ضروری نہیں

نبی کریم ﷺ نے ہدیہ قبول کرنے کو روک دیا اس سے ایک شرعی قاعدہ ثابت ہوا۔ کہ وہ کام فرض، واجب، سنت موکدہ نہیں ہے مستحب ہے اس میں مفاسد شامل ہو جائیں۔ تو وہ کام ہی قابل ترک ہے ہاں فرض وواجب میں مفاسد شامل ہو جائیں تو فرض وواجب کو باقی رکھ کر ان مفاسد کی اصلاح کی جاوے گی۔ مثلاً اذان کے اندر درود وسلام شامل کر لیا تو اذان ترک نہ کریں گے۔ بلکہ اصلاح کریں گے کہ درود وسلام تمہارے اختیار میں نہیں ہے جہاں تمہارا جی چاہا وہاں لگا دیا۔ ہمیں تو نبی کریم ﷺ کی اتباع کرانی ہے اور لوگوں سے ان ہی کی اتباع کرانی ہے نہ کہ ان کو چھوڑ کر ان کے طریقہ کے خلاف اپنی اتباع کرانی ہے۔ اسی طرح نکاح مقصود شرعی ہے اس میں رسوم ملائی جائیں گی تو نکاح کو ترک نہ کریں گے بلکہ رسوم کی اصلاح کریں گے۔ جو سنن مقصودہ کو ترک نہ کریں گے۔

اب ہدیہ قبول کرنا سنن مقصودہ میں سے نہیں ہے۔ مگر پھر نہ لو تو کیا حرج ہے۔ اس میں مفاسد ہوں گے ترک کر دیں گے۔

حیا اور اس کی قسمیں

بے حیائی کی مذمت

حدیث ۔ پچھلے انبیاء علیہم السلام کے جو کلمات منقول ہیں۔ وہ کچھ باقی رہ گئے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے زمانے تک آئے اور آپ کی زبان مبارک سے بھی منقول ہیں ان میں سے ایک بات یہ ہے جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ نبوت کے کلمات میں سے تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں ان میں سے ایک یہ کلمہ ہے اِذَا مَا اسْتَحْيَيْتَ فَاصْنَعْ بِمَا شِئْتَ ۔ جب تجھے حیا نہ رہی تو جو تمہاری چاہے کر۔ اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں کہ اجازت دی جا رہی ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حیا کرو یہ بھی برائیوں سے روکتی ہے جب حیا ہی نہ رہی تو اچھا برا ہی دل سے نکل جاتا ہے اس لئے حیا کو روک رکھنے کا حکم دے رہے ہیں۔

حدیث ۔ الایمان بضع وسبعون شعبة وفي روایة ستون ۔ شعبہ شاخ کو کہتے ہیں ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں اور یہ کسی ایک حدیث میں لکھی نہیں ملیں گی مختلف روایات میں متفرق بیان ہوئی ہیں اس لئے بعض حضرات محدثین نے جہاں اس شعبہ ایمان کا ذکر آیا ہے ان احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے صحابہ و تابعین و سلف کو یہ باتیں سب زبانی یاد تھیں اب حالت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی خالص اصطلاحیں بھی یاد نہیں رہیں یہ سب ان جلسوں جلوسوں کی برکت ہے ان احادیث کو بیہقی نے جمع کیا ہے۔

عربی کے نام ضرور لینا چاہیں پھر ان کا مطلب سمجھا ہیں۔ اس نئی زندگی کی رٹ نے عربی کا ستیاناس کر دیا ہے۔ شکل تو مسلم و غیر مسلم سب کی یکساں ہو گئی اس عربی محاورے ہی سے مسلمان ہونا سمجھ لیجئے اب نام بھی لیں گے تو بی ایم اے ہیں۔ بی اے ہیں۔ عربی کے نام سے تو ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ جتنا اس سے دور ہو گا اتنی ہی نحوست ہو گی۔

سب سے افضل کلمہ

أفضلها لا اله الا الله اس کلمہ کو اصل مفہوم کا اعتقاد کرنا اصل ایمان ہے پھر اس کا کثرت سے ذکر کرنا یہ ایمان کا شعبہ ہے حدیث میں ہے أفضل الذكر لا اله الا الله (محمد رسول الله ﷺ) افضل الذکر گویا لا اله الا الله ہی ہے مگر دوسرا کلمہ محمد رسول اللہ بھی کبھی کبھی اس کے ساتھ ملاتا رہے۔ نیز اول بھی یہی کلمہ ہو آخر بھی یہی ہو اور بچے کو بھی پہلے یہی کلمہ سکھلاؤ۔ پھر آخر میں بوقت مرگ اسی کی تلقین کرو۔

حدیث میں ہے من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة اس لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سوتے وقت آخر میں یہی کلمہ پڑھ کر سوئے اور جب بیدار ہو تو یہی کلمہ پڑھے اور جاگنے کی دعا بھی پڑھ لے ان کو جمع کرنا درست ہے۔ آخری کلمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کو پڑھ کر مرنے والا خاموش پڑا رہے اگر بولا پڑا تو پھر پڑھ لے۔ مرنا تو اختیار میں نہیں ہے اس لئے پڑھ لینے کے بعد خواہ زندہ رہا مگر آخری کلمہ یہی منہ سے نکلے۔

ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا وقت آخر ہوا تو شاگردوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسی حدیث کی سند پڑھی پھر کہا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان آخر كلامه لا إله إلا الله بس اتنا کہتے ہی موت آگئی باقی حدیث تو شاید فرشتوں نے پڑھی ہوگی مگر ان کا خاتمہ لا اله الا الله پر ہوا۔

حدیث شریف میں ہے جددوا ایمانکم بقول لا إله إلا الله اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

تکلیف دہ چیزیں راہ سے ہٹانا

أدناها اماطة الاذى عن الطريق۔ اذى وہ ناگوار چیز ہے جس سے تکلیف ہو جائے۔ ٹھوکر لگ جائے، کانٹا چبھ جائے، کانچ، ٹین، آگ، روڑا، پتھر

ایسی چیزوں کو راستے سے ہٹا دو یہ ایمان کا ادنیٰ شعبہ ہے اور الحیاء من الایمان یہ درمیانی شعبہ ہے جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں اگر حیا ہوتی ایمان ہوتا۔ حیا علامت ایمان ہے۔

اس حدیث میں تین شعبے بیان کئے ہیں مگر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل ایک کتاب شعب الایمان لکھی ہے ان کے علاوہ اور محدثین نے بھی ایسی کتابیں لکھی ہیں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فروع الایمان کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اگر کوئی کتاب مطالعہ کرنی ہو تو کسی عالم دیندار سے مشورہ کرکے مطالعہ کرنا چاہئے اور جاہلوں کی کتابوں سے بچنا چاہئے۔

حیا کی چھ قسمیں ہیں

گناہوں سے حیا

ایک حیا یہ ہے کہ گناہ کرتے ہوئے شرمائے۔ حیا کا تعلق بھی ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام سے جب ایسی بات ہوئی تو اللہ تعالیٰ سے حیا کی وجہ سے پیچھے پھرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم سے کہاں بھاگو گے عرض کیا بھاگتا نہیں ہوں حیا کرتا ہوں فرار نہیں حیا مقصد ہے۔

حیا تقصیری

دوسری حیا تقصیری ہے کہ کام جس طرح کرنا تھا اس طرح وہ نہیں ہوا اس پر بھی حیا آنی چاہئے۔
ایک شخص نے ملنے کا وقت لیا۔ وقت مقررہ پر میں آ بیٹھا۔ مگر وہ نہیں آئے چار بجے کا وقت دیا تھا انتظار میں پانچ بج گئے۔ آخر انتظار کر کے چلا گیا پھر دوسرے دن وہ تشریف لائے اور باتیں کرنے لگے۔ معذرت بھی نہیں کی۔ کہنے لگے میں تاخر ایسا ہی ہوتا ہے۔ حضرت نے کہا ان کو حیا نہیں ہے لہٰذا اس دروازے سے سیدھے نکل جاؤ۔ تمہارے اندر حیا نہیں۔ تم انسان نہیں ہو آدمی کسی کام کا وعدہ کرے تو اس کا ایفا کرے ورنہ اپنی شرمندگی کا اظہار کرے ورنہ تو ایمان وانسانیت کا تقاضہ موجود نہیں۔

حیا کرم

تیسری حیا کرم ہوتی ہے یعنی آدمی شرافت کی وجہ سے شرماتا ہے نہ اس کا کوئی گناہ ہے نہ کوتاہی ہے۔ فقط کرامت نفس کی وجہ سے حیا آتی ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا تو ولیمہ کے کھانا کھانے کے بعد چند لوگوں نے لمبا

کلام کرنا شروع کر دیا اور وہیں جم کر بیٹھ گئے ۔ آیت حجاب ابھی تک نازل نہ ہوئی تھی ورنہ آپ فرما دیتے کہ اب دیر ہو گئی ہے جاؤ مگر حیا کی وجہ سے آپ نے ان سے کچھ نہیں کہا ۔ کسی سے ملنے ملاقات کرنی ہو تو فراغت کے بعد دریافت کر لو اور چلے جاؤ دوسرے کو گرانی سے بچاؤ ۔ اس کو گرانی ہوتی ہے مگر شرافت نفس کی حیا مانع ہے ۔

حضرت میاں جی ﷺ نے لکھ کر لگا رکھا تھا "زیادہ دیر بیٹھ کر دنیا اور دوسرے کا وقت ضائع نہ کیجئے" اگر کوئی کام نہ ہو بیٹھنا ہو تو مسجد میں تسبیح لیکر بیٹھ جاؤ ۔ جب وہ حضرات بیٹھے ہی رہے اور حضور اکرم ﷺ حیا سے فرما نہ سکے تو آسمان سے آیت اتری "وَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا" یعنی دعوت کھانے کے بعد رخصتی دے کر نہ بیٹھو ۔

آج کل ایک دعوت چلی ہے ایک گھنٹہ پہلے جاؤ پھر دو گھنٹے دعوت میں لگاؤ ایک دعوت میں تین چار گھنٹے سے کم خرچ نہیں ہوتے ۔ گپ شپ لگا رہتی ہے یہ انسانوں کا کام ہے؟

حیا جنسی

چوتھی حیا وہ ہے جو ایسی چیزوں کے کہنے سننے سے جو میاں بیوی کے تعلقات میں ہوتی ہے اظہار کرنے سے شرم آتی ہے جیسے حضرت علی ﷺ سے منقول ہے کہ ان کو مذی کثرت سے آتی تھی ۔ زوجہ سے ملاعبت کرتے وقت مذی آتی ہے ۔ اس کا قانون معلوم نہیں تھا کہ اس کے نکلنے کے بعد غسل کرنا ہے یا وضو کافی ہے اور سوال کرنا تھا آنحضرت ﷺ سے اور حضرت علی ﷺ داماد تھے خود یہ مسئلہ پوچھنے میں حیا آتی تھی اس لئے دوسرے صحابی حضرت مقداد ﷺ سے انہوں نے کہا کہ تم پوچھ آؤ ۔ چنانچہ حضرت مقداد ﷺ نے دریافت کیا اور حضرت علی ﷺ وہاں موجود رہے ۔ آپ نے فرمایا کہ مذی مثل پیشاب کے ہے جس سے وضو ہے اس کے بعد غسل واجب نہیں ہوتا ہاں اس سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے سو بدن اور کپڑا دھو ڈالیں اس کو حیا شرعی کہتے ہیں یہ بھی محمود ہے بعض لوگ حق کے اظہار کو عام کرتے ہیں ۔ غلط ہے ۔

حیا اجلالی

پانچویں حیا اجلالی ہوتی ہے کسی کو بڑا سمجھ کر اس سے حیا آتی ہے جیسے حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ کے حکم کے انتظار میں پر سمیٹے جھکے کھڑے ہیں یہ ان پر اللہ تعالیٰ کے جلال کا غلبہ ہے۔

حیا استحقار

چھٹی حیا استحقار ہوتی ہے کسی چیز کو حقیر سمجھ کر اس کے مانگنے سے حیا کرنا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ مجھ سے مانگو مگر ایک شے نمک کی حاجت ہے کہتے ہوئے شرم آتی ہے مگر حق تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ آٹے کا نمک اور بکری کا چارا بھی مجھ ہی سے مانگو وہ فی نفسہ تو حقیر شے ہے مگر اس کے پیدا کرنے میں بڑی حکمت ہے اس چیز کی حاجت پیدا کرنے میں غایت درجہ کی عظیم حکمت ہے۔

چند ارشادات

مال کی قدر کرو

فرمایا مال کی قدر کرو، مال دنیا کی زندگی کا سہارا ہے' اس کو ہوش و عقل کے ساتھ خرچ کرو، اور اگر خرچ کرنے ہی کا جوش ہے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو' اس میں حوصلہ آزمائی کرو۔

کم خرچ والا نکاح زیادہ باعث برکت ہے

فرمایا حدیث میں ہے أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً (جس نکاح میں خرچ کم سے کم ہوگا برکت اسی میں زیادہ ہوگی) اس سے صاف ظاہر ہے کہ جتنا زیادہ نکاح میں خرچ کیا جائے گا' برکت کم ہوگی۔

نفلی صدقہ بھی کرنا چاہئے

اپنی نماز کی ظاہری و باطنی اصلاح کرے' انفاق بھی کیا کرے۔ حضرت مولانا تھانوی ﷺ اپنی کمائی کا تہائی حصہ خیرات کیا کرتے تھے اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ﷺ اپنی آمدنی کا خمس خیرات کرتے تھے حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب ﷺ کے پاس تین چپاتی آتیں تو ڈیڑھ تو خود کھا لیتے۔ ایک چپاتی اور سالن کسی غریب آدمی کو دے دیتے اور نصف ہدیہ کر دیتے اور کھانے کی جھاڑن پرندوں کو دے دیتے' آدمی کو انفاق غیرواجبہ بھی کرنا چاہئے۔

صدقہ اور ہدیہ کا فرق

فرمایا صدقہ میں محض ثواب اور ہدیہ میں ثواب اور تطییب قلب دونوں مقصود

ہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ صدقہ اگر کسی محلہ میں صرف کیا جائے اور واپس آجائے تو دوسری جگہ صرف کیا جاتا ہے اور بعد میں یہ نہیں ہوتا اگر واپس ہو جائے تو خود صرف کر لیتے ہیں۔

برکت ہونے کا مطلب

ایک تشریح برکت کی تو حضرت والا ﷺ نے کی ہے کہ وہ اپنی ذات پر خرچ ہوتی ہے دوسروں کے کام نہیں آتی مثلاً ڈاکٹر وکیل وغیرہ کو نہیں دی جاتی ہے۔ بس اللہ میاں انہیں آفات سے بچائے رکھیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ برکت ہونے سے رات دن کے کام بہ سہولت ہو جاتے ہیں اور پیسے خرچ ہونے کا کم موقعہ آتا ہے اور بعض مرتبہ بالکل بچا رہتا ہے۔ اوروں کا کام وہ سو روپے میں ہوتا ان کا کام بیس روپے میں ہو گیا اور کوئی مفت ہی کر دیتا ہے۔ کوئی خود اللہ کی طرف سے ایسا سبب بن جاتا ہے کہ اس کے کام میں بہت آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ پورا ہو جاتا ہے۔ کسی کا سو روپے میں وہ کام ہوتا ہے اس نے پانچ روپے اللہ کی رضا کے لئے صدقہ کر دیئے تو اس کا کام انشاء اللہ پچانوے ہی میں کرا دیں گے۔ یہی کام دوسرے کا سو ڈیڑھ سو میں ہوتا۔

مال تجارت کی کونسی قیمت زکوٰۃ میں معتبر ہے

کسی صاحب نے دریافت کیا کہ میں نے تجارت کرنے کی نیت سے مکان تعمیر کرایا ہے تو اس کی قیمت کا کس طرح اندازہ لگاؤں۔ زکوٰۃ دینی ہے؟
فرمایا ہر تجارتی چیز کا اصول یہ ہے کہ جس روز زکوٰۃ نکالنی ہے اس روز یہ دیکھے کہ بآسانی یہ کتنے میں بک سکتی ہے۔ اگر بازار میں بیچیں تو کتنے میں بکے گی۔ وہ قیمت لگائی جائے۔ مکان اگر رہنے کیلئے ہے کوئی چیز استعمال کیلئے ہے یا کرایہ پر چلتا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ اگر تجارت کیلئے ہے تو اس پر زکوٰۃ ہے۔

مجلس : ۹

تین آدمیوں کا دوگنا ثواب

سنی ہوئی بات کی تحقیق ضروری ہے

حضرت عامر شعبی ؒ جو اکابر تابعین میں سے ہیں ان سے کسی شخص نے کہا کیا ایسا حدیث میں آیا ہے کہ اپنی باندی آزاد کرے پھر اس سے نکاح کرے۔ بظاہر تو یہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی قربانی کے جانور پر سوار ہو کر چلے۔ یہ اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس کا جواب حضرت عامر شعبی ؒ نے یہ دیا کہ سنی سنائی بات کی پوری تحقیق کر لینا چاہئے آج کل سنی سنائی بات پر عمل کر گذرنا عام ہو رہا ہے۔ اور یہ خرابی کی بات ہے۔ پھر اس پر یہ طرہ ہے کہ کوئی ٹھیک بات بتا دے تو ماننے بھی نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ثلثة لهم اجران ۔ تین آدمی اس قسم کے ہیں کہ ان کو ان کے عمل کا دوہرا اجر ملتا ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر نبی کریم ﷺ پر بھی ایمان لایا فله اجران۔ اس شخص کے دو ایمان ہوئے یہ دو پیغمبروں پر ایمان لایا لہٰذا اجر بھی اس کو دگنا ملے گا۔ دوسرے وہ عبد مملوک ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا اور اپنے آقا کا حق بھی ادا کیا۔ یعنی نماز روزے کا بھی پابند ہے اور اپنے آقا کی خدمت میں بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس میں نوکر بھی داخل ہے۔ جو نوکر حق اللہ یعنی احکام الٰہی کی پابندی کرتا ہے۔ اور جس کے یہاں ملازم ہے اس کا حق بھی پورا ادا کرتا ہے اس کے لئے دو اجر ہیں تیسرا وہ شخص ہے جس کے پاس باندی تھی۔ اس نے اس کو آزاد کر دیا پھر اس سے نکاح کیا اس کو تعلیم دی اور تادیب کی فله اجران اس کے لئے بھی دو اجر ہیں یہ شخص اگرچہ بغیر نکاح کے زن و شوہر کے تعلقات رکھ سکتا تھا۔ کیوں کہ ملکیت قائم مقام نکاح کے ہے۔ بیع میں ایجاب و قبول ہوتا ہے اور قیمت طے ہوتی ہے جس طرح نکاح میں ایجاب و قبول ہوتا ہے اور مہر طے

ہوتا ہے۔ نکاح کے ایجاب وقبول سے تو صرف تمتع و انتفاع کا مالک ہوتا ہے۔ بیع میں تو اس کی رقبہ کا مالک ہو جاتا ہے تو جب نکاح سے وطی کرنا درست ہے تو بیع جاریہ ہو جانے سے تو بدرجہ اولیٰ وطی کا مالک ہو جانا چاہئے اور ہر طرح کی خدمت لینا اس سے درست ہے۔

تین آدمی تو حدیث کی رو سے یہ ہوئے جن کو دوہرا اجر ملتا ہے ایک کا قرآن کریم میں ذکر ہے نعمل صالحا نوتہا اجرھا مرتین یہ ازواج مطہرات کے بارے میں آیت ہے۔ ان کے عمل کا اجر دوہرا ہے اس طرح گناہ کی سزا بھی دگنی ہے یضاعف لہ العذاب ضعفین۔

دوگنا ثواب ملنے کی وجہ

ان لوگوں کو دوا جر ان کے دو عملوں کی وجہ سے دیئے گئے تو اس میں ان ہی کی کیا تخصیص ہوئی۔ جو بھی دو کام کریگا اس کو دو ثواب ملیں گے۔ کوئی دس کام کریگا تو اس کو دس ثواب ملیں گے؟

تخصیص کا منشا یہ ہے کہ ان کو ہر عمل میں دوگنا ثواب ملے گا۔ نماز پڑھنے کا دوگنا ثواب روزے کا اوروں سے دگنا ثواب ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بقدر مشقت ثواب دیتے ہیں۔ اور ان امور میں بہت مشقت ہے دیکھئے ایک نبی پر ایمان لانے کے بعد دوسرے نبی پر ایمان لانا بہت مشکل ہے۔ آج کل دیکھئے اگر کسی فاسق وفاجر کو پیر بنا لیا تو اسے نبھاتے ہیں حتیٰ کہ خاندانی پیر جسے الف سے بے نہیں آتا اسے بھی نبھاتے ہیں۔ جانتے ہیں پھر نہیں چھوڑتے۔ تو جب پیر بنا کر اسے نہیں چھوڑ سکتے تو جو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ہو پھر اسے کہا جائے کہ تم خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لاؤ تو بڑی مشقت اور دشوار کام لگتا ہے۔ پہلے نبی کی پیروی چھوڑ کر آخری پیغمبر کی اتباع کرنا مشکل ہوتا ہے اور جب کہ ہر آنے والا پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبروں کو سچا جانتے اور ان کی تصدیق کرتے ہوں تو ان کے چھوڑنے میں بڑا وزن پڑتا ہے عقل پر بھی ذہن پر بھی اس لئے ان کو دوہرا اجر دیا

جائے گا۔

دوسرے غلام یا نوکر اسے بھی مشقت کا سامنا ہوتا ہے۔ایک طرف آقا نے کام بتایا۔ ادھر اذان ہوگئی حی علی الصلوٰۃ نماز کے لئے آؤ اب فکر میں پڑتا ہے کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے کہ دونوں حق پامال نہ ہوں۔کس قدر مشقت ہے لیکن اگر کسی وقت تضاد رفع نہ ہو تو حق اللہ مقدم ہوگا جو فرض وواجب ہو ایسے ملازم کو بھی ہر عمل کا دوہرا ثواب ملے گا۔

تیسرے آقا اپنی باندی سے ویسے ہی صحبت کر سکتا تھا اس سے نفع حاصل کرتا اور خدمت لے سکتا تھا۔لیکن اس نے آزاد کیا پھر اپنے اوپر مزید ذمہ داری بڑھائی۔ نان نفقہ اور مہر کا بار اپنے اوپر بڑھایا اس لئے دوا جر ملیں گے۔

کیا حضرت سلمان ﷺ حضرات خلفاء ؓ سے بڑھ گئے؟

اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابہ اہل کتاب تھے جیسے حضرت سلمان فارسی ﷺ یہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کو دوہرا اجر ملے گا اور خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اکہرا اجر ملے گا تو سلمان فارسی ﷺ خلفائے راشدین سے بڑھ گئے حالانکہ تمام امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سب سے افضل ہیں۔بالترتیب ان چاروں سے کوئی افضل نہیں ہے۔پھر ان چاروں کے بعد عشرۂ مبشرہ ہیں۔ان دونوں فضیلتوں میں بظاہر تعارض ہوگیا۔

دہرا یا اکہرا ہونے کا اثر اس وقت پڑتا ہے جب دونوں کی ایک جنس ہو مثلاً روپیہ ہے ایک آدمی کو دو روپے دیئے ایک کو ایک روپیہ دیا اس میں دو روپے والے کو فضیلت ہے لیکن اگر کسی کو ایک اشرفی دی اور دوسرے کو دو روپیہ دیئے تو ایک اشرفی اگرچہ صورتاً اکہری ہے مگر دو روپے سے جو دوہرے ہیں بڑھ جائے گی۔سو سنار کی ایک لوہار کی والا معاملہ ہے۔حضرات شیخین نے عمل کیا تو ایک موتی ملا اور حضرت سلمان ﷺ نے کمایا تو دو روپے ہے۔لہٰذا فضیلت تو خلفاء اربعہ ہی کو ہوگی۔

عامر شعبی نے یہ حدیث بیان کرکے کہا کہ جاؤ تم کو ایک نعمت دیدی ہے یہ

احسان جتلانا نہیں ہے بلکہ رغبت دلانے کی نیت سے کہا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں ایک حدیث کے حاصل کرنے کے لئے ہوے سفر کیا کرتے تھے۔ اور ان کو قدر بھی ہوتی تھی۔ آج اس علم شریعت کی قدر نہیں رہی۔ اس لئے بلا بلا کر مسائل بتاتے ہیں ان کو چھپواتے ہیں کسی طرح یہ حلق میں اتر جائے لیکن لوگ اس کو فضول سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا تو شکر کرنا چاہئے جو بلا طلب دین پیش کرتے ہیں۔

ماتحتوں کے بارے میں باز پرس

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔ "تم میں سے ہر ایک راعی اور امیر ہے۔ ہر ایک سے اس کی رعیت کی بارے میں سوال ہو گا اور جتنی اس کی رعیت اور اس کے ماتحت ہیں اتنا ہی اس سے سوال زیادہ ہو گا۔ ایک ملک کا بادشاہ ہے۔ ایک شہر کا حاکم ہے۔ ایک گاؤں کا نمبردار ہے۔ ایک آدمی گھر کا بڑا ہے۔ وہی ان بیوی بچوں کا بڑا اور امیر ہے۔

دیہاتی کی نقل

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دیہاتی آدمی ہارون رشید کے دربار میں پہنچ گیا۔ اسے تو پہلے معلوم ہی نہ تھا کہ دربار کیسا ہوتا ہے۔ اس نے خلیفہ ہارون رشید کی تعظیم ملاحظہ کی۔ وہ تخت پر بیٹھ جاتا ہے اور تمام درباری بڑی تعظیم سے کھڑے ہوتے اور بات کرتے ہیں پھر وہ جب اپنے گھر آیا تو سوچا کہ لوگوں کو یہ کیسے پتہ چلے کہ یہ بغداد ہو کر آیا ہے۔ وہاں کا نمونہ دکھاؤں۔ لوگ پوچھیں گے تب میں کہوں گا کہ بغداد میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب اس کی رعیت تو بیوی بچے ہی تھے اس لئے اس نے چوک میں ایک تخت بچھایا اس پر خود بیٹھ گیا اور بیوی سے کہا کہ جاؤ حقہ بھر کر لاؤ اور ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے پیش کرو اور یہ کہو امیرالمومنین یہ حقہ حاضر ہے۔ تو اس کی رعیت اس کی بیوی تھی۔ اس سے یہ کام لیا۔

بہرحال ہر ایک میر ہے اور اس کی کوئی نہ کوئی رعیت ہے۔ ہر ایک سے رعایا
کے متعلق سوال ہوگا۔ کہ تم نے ان کے نام اچھے کیوں نہ رکھے ان کو دینی تعلیم
و ادب کیوں نہ سکھلایا۔ نیکی کی عادت کیوں نہیں ڈالی۔ گناہوں سے نفرت کیوں نہیں
دلائی؟ اب جیسے بیوی اور اولاد کو عمل نہ کرنے سے عذاب ہوگا والدین کو بھی نہ
سکھانے کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ بے دین سے بے خبر ہو تو لڑکے کو گناہ ہوگا باپ کو
نہ بتانے کا گناہ ہوگا۔ بیوی پردہ نہیں کرتی اور خاوند اس کو تنبیہ نہیں کرتا تو وہ بھی
گنہگار ہوگا۔ ملازم تمہارے ماتحت تھے ان کو تم دین سے آگاہ کیا نہ ان کو تعلیم دی تو
عاصی ہوگا ہاں ان کو آگاہ کر دیا اور بار بار ٹوکتے رہے اپنی طرف سے پوری کوشش
کر لی پھر اولاد یہ دین پر نہ رہی۔ دین پر نہ آئے تو پھر اس سے سوال نہ ہوگا ورنہ دونوں
سے ہوگا۔

وعبد الرجل راعی علی مال مالکہ۔ غلام اور نوکر اپنے آقا کے
مال کا نگران ہے اگر نوکر نے مال بچایا تو نہیں مگر حفاظت میں کوتاہی کی۔ اس کی جو
ذمہ داری تھی اس کو پورا نہ کیا تو سوال نوکر سے بھی ہوگا کہ تم نے غفلت کیوں کی۔
حفاظت کیوں نہیں کی؟

بادشاہ ساری مملکت کا راعی ہے اس سے ہر ایک فرد رعیت کے متعلق سوال
ہوگا ان پر سختی کی اور بادشاہ نے جو خبرگیری نہ کی تب بھی سوال ہوگا۔

ایک بڑھیا کی عقلمندی

ایک بڑھیا کچھ بکریوں کی مالک تھی۔ ایک بھیڑیا آیا اور اس کی ایک بکری کو اٹھا
کر لے گیا۔ بڑھیا نے امیر المومنین عمرؓ کو بد دعائیں دینی شروع کیں کہ عمر کا برا ہو وہ ہلاک ہو
جائے کہ کسی کی بکریاں بھیڑیے نہ لے جائے اس لئے جنگلوں میں مارے مارے پھریں۔
مگر اتفاق کی بات جب وہ بڑھیا بد دعا دے رہی تھی حضرت عمرؓ ادھر آ نکلے وہ بڑھیا
ان کو پہچانتی نہ تھی حضرت عمرؓ نے بڑھیا سے پوچھا کہ عمر نے کیا قصور کیا ہے جو تو
بددعا کر رہی ہے کہ امیر المومنین بنا بیٹھا ہے رعیت کی خبر نہیں لیتا تو کیا عمر ہر وقت
تیری بکریوں کی دیکھ بھال کے لئے یہاں بیٹھا رہے۔ بڑھیا بولی کہ اگر اس سے رعیت

کی خبر گیری نہیں ہوتی تو استعفا دیدے۔ وہ خلافت کا اہل نہیں ہے۔ سپاہی مقرر کرے۔ بھیڑ بکری چراگاہ میں پہرہ لگائے۔ پہرہ دار بٹھائے تاکہ بھیڑیا بکریوں کے پاس نہ آوے۔ علم غیب کی کون کہتا ہے۔ چونکہ عمر کو علم غیب نہیں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے کہ مجھ سے تو یہ بڑھیا ہی زیادہ سمجھدار ہے۔ علم غیب کی نفی کر رہی ہے اور انتظام کی بات بتلا رہی ہے۔ میری ہی غلطی ہے سو اس بڑھیا سے معافی مانگی سبحان اللہ وبحمدہ۔

امیر تو راعی ہے لوگوں نے سلطنت کرنے کو راحت سمجھا ہے وہ تکلیف و محنت کا پیش خیمہ ہے سارے جہان کا غم مول لیتا ہے۔

ما غم نان داریم وتو غم جہان داری

بلکہ جو جتنا بڑا امیر ہے اتنا ہی قابل رحم ہے

آدمی اپنے گھر والوں پر نگراں ہے

اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ۔ مرد اپنے گھر والوں پر نگراں ہے۔ اس میں بیوی بچے بھتیجے بھانجے نوکر چاکر سب داخل ہیں ان سب کی گھر والے پر ذمہ داری ہے۔ اور انکی تو تم بھی بھٹکو گے وہ بھی بھٹکیں گے۔ سمجھانے میں کوتاہی نہ کرو۔ اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّ رَاعٍ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ آپ نے اس کلمہ کا پھر اعادہ کیا۔

تعلیم کمیٹی

اس پر یاد آیا کہ لاہور میں تعلیم کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ میں نے اس کے لئے اسی حدیث کو بنیاد بنایا تھا۔ اسلامی تعلیم نفس سے شروع ہوتی ہے۔

مگر آپ کے یہاں تو بچوں کی تعلیم پرائمری سے شروع ہوتی ہے۔ پانچ سال کی عمر میں سکول میں داخل کیا جائے تو پانچ سال تک آپ کے یہاں بچہ تعلیم سے خارج رہتا ہے۔ اور اسلام کی تعلیم فطری تعلیم ہے وہ پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ ذمہ

داری شروع ہی سے ڈال دی جاتی ہے۔

نصاب تعلیم و نظام تعلیم

دراصل یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں ایک نصاب تعلیم ہے اور ایک نظام تعلیم ہے۔ پرندے کے یہ دو بازو ہیں دونوں ضروری ہیں۔ گاڑی کے دونوں پہیے ہیں۔ آج کل یہ دونوں خراب کر دیئے گئے ہیں۔ اور اسلامی نصاب تعلیم کی قدر نہیں رہی وہ یہ ہے کہ وہ ہم کو مفت مل گیا ہے۔ اگر محنت و مشقت کے بعد حاصل ہوتا تو قدر ہوتی۔ جو ماں باپ نے بتلا دیا وہ سیکھ لیا۔ اور جو کچھ کلمہ و نماز سیکھ لیا اس کی قدر نہ کی۔

سو نصاب تعلیم بلکلم راغ سے شروع ہو گا۔ بچے پر گناہ و ثواب تو نہیں مگر والد پر ذمہ داری ضرور ہے۔ بچے کو بھی اگر ریشمی کپڑا پہنایا تو والد پر گناہ ہو گا۔ سونے چاندی کا استعمال مرد کو حرام ہے۔ عورت کے لئے زیور پہننا جائز ہے۔ لیکن مرد کی طرح نابالغ بچوں کو بھی چاندی سونے کا استعمال ناجائز ہے ہاں انگوٹھی چاندی کی ہو تو ساڑھے تین ماشہ تک مستثنیٰ ہے سونے کی بالکل جائز نہیں ہے اور سونے چاندی کے بٹن تو جو بٹن زیور والے آتے ہیں وہ تو مرد کو حرام ہیں وہ باقاعدہ زیور ہے۔ ہاں کپڑے کی گھنڈیاں تارے کو ٹوٹ لی جائیں اس کو فقہاء نے جائز لکھا ہے۔ کیوں کہ اہل عرب ان گھنڈیوں کو کپڑے میں ہی لیتے تھے اس لئے ان کو کپڑوں کے تابع رکھ کر جائز کہا ہے۔ بٹن کپڑوں سے الگ ہوتے ہیں وہ جائز نہیں۔

اسی طرح سونے کی گھڑی جس میں اکثر حصہ سونے کا ہو مرد کو حرام ہے ہاں رولڈ گولڈ جائز ہے وہ سونا نہیں ہے۔ گھڑی کا کیس غالب یا کل سونے کا ہو اس کا استعمال بھی حرام ہے اگر دوسری دھات اور سونا برابر کا ہو تو بعض فقہاء نے اس کو بھی حرام کہا ہے کیوں کہ بہرحال اس میں سونا موجود ہے اور زیور کے طور پر پہننا ناجائز ہے۔ البتہ مجبوری اگر ہو تو بناء بر اختلاف کے گنجائش نکل آئے گی البتہ نہ پہننا ہی اولیٰ ہے۔ باقی زیور کے علاوہ استعمالی چیزیں مثلاً آئینہ گلاس کچھ سب کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے۔ فاؤنٹین پن کا نب نہ وہ زیور ہے اور نہ ظرف

ہے وہاں ضرورت ہے اس لئے یہ جائز ہے اور تب خالص سونے کا ہوتا بھی نہیں ورنہ گھس جاتا۔

ماں کی گود اسکول ہے

ماں کی گود اسکول ہے والدین معلم و ماسٹر ہیں۔ یہ گھر یونیورسٹی ہے۔ تعلیم جبری ہے۔ جب بچہ بولنے لگے سب سے پہلے اللہ کا نام یا لا الہ الا اللہ سکھلاؤ۔ تعلیم کمیٹی کے سپرد نہیں مگر گھر کا نصاب تعلیم اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اس سلیبس کا پہلا سبق کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ رَاعٍ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ ہے اس کے بعد سبحان اللہ پھر کوئی آیت سکھلاؤ۔ انبیاء کے نام سکھاؤ۔ اسی طرح آہستہ آہستہ سکھاتے رہو یہی اصل پرائمری ہے۔ جھوٹ بولے۔ غیبت کرے تو روکو۔ اس کو بتاؤ۔ بچے کا ذہن کورا کاغذ ہے۔ جو نقش چاہو گے وہ۔ جھوٹ نہ بولو۔ گالی نہ دو۔ اس طرح کی تہذیب شروع ہی سے سکھائی جاتی ہے معمولی اسکول کی تعلیم نہیں ہے۔ گھریلو والدین کی ذمہ داری والی تعلیم ہے۔ اس وقت بچہ بلا تکلیف کے اسلامی تہذیب و تمدن کا عادی ہو جائے گا جب بالغ ہو گیا اس وقت بری عادتیں چھڑوانا تو بچے کا دودھ چھڑانا ہے۔

یورپ کے خاص خاص اخلاق کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ سب اسلام ہی سے لئے ہیں اور جہاں اخلاق کچھ اچھے نہیں وہ کالج کی تعلیم سے نہیں بلکہ گھریلو اور ماحول کا اثر ہے۔

بچوں کی تربیت

جب بچہ آنکھ کھولے گا اس کے سوا اور کون سامنے آئے گا۔ ماں، باپ، بھائی، بہن ان کے سوا کس سے وہ سیکھے گا۔ اسکول ہر جگہ نہیں ہیں۔ جہاں اسکول نہیں وہاں کس طرح سیکھے گا۔ جن قوموں نے قرآنی تعلیمات کو اپنا لیا خواہ وہ مسلمان نہ ہوں انہوں نے گھر کا سارا ماحول مد نظر لیا۔ انہوں نے نصاب و نظام دونوں

اسلام سے سیکھ لئے ہیں۔ دیکھو لوگ کہیں تعریف کرتے ہیں۔ حقیقت میں تعلیم تو پانچ سال سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اس عمر میں بھی بچے کے سامنے کوئی ایسا کام نہ کرو جو ناجائز اور غلط ہو اگر بچہ غلطی کرے۔ گالی دے اور ماں باپ قہقہہ لگائیں گے تو بری عادت پڑ جائے گی پھر عمر بھر نہ جائے گی۔

ایک ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ میں تصویر بنا کر یاد کراتا ہوں کہ یہ کتا ہے' بلی ہے' چوہا ہے تصویر سے ذہن جلدی قبول کر لیتا ہے۔ کتابوں میں بھی فوٹو اسی لئے بنائے جاتے ہیں۔

میں نے کہا آپ لوگ کتا' بھیڑیا' چوہا ان بچوں کو سکھاتے ہیں اور گھر والے اٹھنا بیٹھنا۔ بات کرنا گھر میں سکھاتے ہیں۔ ہم تو والدین کو کہیں گے کہ دین سکھانا تمہارا کام ہے جب گھر کی پرائمری درست ہوگی تو آخر تک کام ٹھیک رہے گا۔ اسی طرح اگر مسجد کا نظام صحیح ہو جائے کہ امام جو راغی ہے وہ ہدایات صحیح دیتا ہے تو ماہر عالم کی ضرورت نہیں رہتی۔ جتنی یونیورسٹی میں تعلیم ہوتی ہے اس کے مقابلے میں مسجد میں عملی تعلیم ہو سکتی ہے۔

مجلس : ۱۰

سورۂ یوسف کی آیت اذ قالوا لیوسف الخ کی عجیب تشریح

یہ آیت تلاوت کی

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

لیوسف میں لام مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے جس کا ترجمہ ہوگا بیشک اور لام لانے میں یہ اشارہ ہے کہ اس بارے میں رائے مشورے کی ضرورت نہیں کہ والد صاحب کو یوسف سے زیادہ محبت ہے یہ تو تحقیقی بات ہے۔ ورنہ مشورہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ پہلے محبت کا زیادہ ہونا ثابت کرو۔ پھر یوسف کا نام لیا اگر ہم لفظ بھائی کہہ دیتے تو مشورہ بھی مبہم ہی رہتا اور ایک دوسرے کو مشورہ دیتے ہی وقت رہتی ہے۔ اس لئے یہاں نام لینا عین فصاحت ہے کہ اب دوسرے بھائی کا احتمال ہی نہیں رہا۔ اس کے بعد واخوہ میں بنیامین کا نام نہیں لیا کیونکہ بلا ضرورت حسد کے وقت نام لینا گوارا نہیں ہوتا اسی لئے ہمارا بھائی نہیں کہا واخوہ اس کا بھائی کہا۔ پھر ضمیر لائے کیونکہ اس سے قبل یوسف کا ذکر آچکا ہے دوبارہ لانا ان کو ناگوار تھا۔

اور جب دو ماں سے ہوں تو ایسا حسد ہو جانا بعید بات نہیں کہ دوسری ماں کے بھائی کو بھائی کہتے ہوئے بھی تعجب ہوتی ہے اور حقیقی بھائی ایک جانب ہو جایا کرتے ہیں۔ احب الی ابینا۔ ہمارے والد کو اس سے محبت زیادہ ہے یہ نہیں کہا کہ ہم سے بالکل محبت نہیں ہے اس کا تو اقرار ہے کہ ہم سے محبت ہے مگر ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں ازدیاد محبت کی نفی کی ہے آخر کو تو پیغمبر تھے اور اب کے تو بھائی بھی

مقرر ہیں اختیاری حقوق واجبہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ کھانے پینے روٹی کپڑے میں سب کو برابر رکھتے تھے ورنہ یوں ہی کہتے کہ ان کو کھلاتے پلاتے زیادہ ہیں یہ نہیں کہا۔ محبت زیادہ ہونے کی شکایت کی اور ازدیاد محبت غیر اختیاری فطری امر ہے اس پر کوئی مواخذہ عند اللہ نہیں ہے۔ چوں کہ حسد ہو گیا تھا اور محسود کی بعض شان حاسد کے ذہن سے نکل جایا کرتی ہیں۔ ورنہ ان کے احب ہونے کا خیال کرتے کہ یہ سب سے چھوٹے ہیں ان کی والدہ گزر گئی ہیں والد صاحب ان کو ہوشیار سمجھتے ہیں ان کو صرف اپنا استحقاق ہی یاد رہا وہ یہ کہ ونحن عصبۃ ہم قوی جماعت ہیں۔ عصبہ کے معنی یہی کے آتے ہیں۔ گویا ہم پنجے کی طرح مل کر جماعت کی صورت میں مضبوط ہیں سب کام سر انجام دے سکتے ہیں لہٰذا ہم ہی احق الی المحبت ہوئے۔ بھائیوں نے اپنا حق ہونا اپنے ذہن میں سمجھ لیا تھا کہ آخر یہ ہمارے بھی والد ہیں پھر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔

کچھ پیری پدری تعلقات ایسے ہوتے ہیں کہ اولاد کی طرف چنداں ان کی باتوں کی طرف التفات کم ہوتا ہے کہ پھر سمجھ جائیں گے دوسروں کو جلدی سمجھا دیا کرتے ہیں اس لئے خفیہ انہوں نے مشورہ کیا اور یکطرفہ فیصلہ کر لیا کہ "إن أبانا لفي ضلال مبين" ہمارے والد صاحب بھی ہوئی غلطی پر ہیں۔ ضلال کے معنی خطا کے ہیں۔ والد کو اجتہادی غلطی لگ گئی ہے کیوں کہ اگر ضلال کے معنی گمراہ کے لئے جائیں تو کفر لازم آتا ہے اس قرینہ سے یہ معنی لیں گے کہ وہ خطاءِ اجتہادی کر رہے ہیں۔ اس میں ان لائے گویا ان کے نزدیک یہ بات قطعی اور یقینی تھی۔ اپنے نزدیک بے شبہ بات کہہ رہے تھے پھر ابانا کہا۔ معلوم ہوا کہ ان کو والد کے ساتھ دشمنی نہیں تھی ورنہ ہمارے نہ بولتے پھر فی میں لام لاتے گویا ان کو ذرہ بھی شبہ نہ تھا تاکید کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے والد سے خطا ہو رہی ہے پھر مبین کہا کہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں جو معلوم نہ ہو بلکہ ظاہر باہر بات ہے گویا انہوں نے جی میں بالکل پختہ طے کر لیا جو ہمارا خیال ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

سوال: حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب معلوم تھا کہ ان میں یہ کشمکش ہے پھر اس کی وجہ یوسف علیہ السلام سے ازدیاد محبت ہے تو اس کا بندوبست کیوں نہیں کیا۔

جواب: بھائیوں کو ایک طرف نگاہ تھی یہ ان کی خود غلطی تھی یعقوب علیہ السلام

دونوں جانب نگاہ رکھتے تھے یوسف ﷺ اہمیت کے مستحق تھے۔ پھر یہ ایک فطری غیر اختیاری امر ہے اس پر ملامت نہیں ہو سکتی۔

سوال: ان بھائیوں نے والد کو خطا کی طرف کیوں منسوب کیا؟

جواب: خطا سے مراد خطا اجتہادی ہے۔ حالانکہ خود ہی خطا میں مبتلا تھے ان کی والدہ فوت ہوگئی تھی کمزور تھے۔ سب سے چھوٹے تھے۔ سب سے خوبصورت تھے۔ ہونہار تھے یہ باتیں بھائیوں سے اوجھل رہیں اس لئے وہ حسد کر بیٹھے۔

ایک ارشاد

مَن یَّشَآءُ کی دو تفسیریں

مشہور یہ ہے کہ "وَلٰکِنَّ اللہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" میں یشاء کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنا چاہیں اس کو ہدایت فرما دیتے ہیں یہ عقیدہ بالکل درست ہے۔ مگر بعض کج فہم لوگ اس سے جبر اور ترک سعی پر استدلال کرنے لگتے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے اور یہ جواب اغبیاء کے لئے ہے کہ ضمیر من موصولہ کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ہدایت چاہے اس کو ہدایت دیدیتے ہیں یہ تفسیر اگرچہ منقول نہیں مگر دوسری آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ "اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ" یعنی وہ خود تمہارے اوپر ہدایت کو چپکاتے نہیں ہیں تم ارادہ کرو تب وہ ہدایت دیں گے۔

اس پر اشکال یہ ہوگا کہ خود بندے کا ارادہ بھی تو ان کی مشیت پر موقوف ہے "وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللہُ" اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو پہلے سے تو معلوم نہیں کہ فلاں کام میں اللہ تعالیٰ کی کیا مشیت ہے۔ پہلے تم مشیت کرو ارادہ کرکے تمام کرو اس کے بعد معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس طرح تھی۔ اسی طرح تم اوامر و نواہی پر عمل کرنا شروع کرو۔ بعد میں معلوم ہو جائے گا کہ مشیت الٰہی یہ تھی۔ ارادہ کرکے شرع کے مطابق عمل کرو۔ تمہارا یہی کام ہے۔ آگے اللہ کی مشیت ہے ترک عمل کا نام مشیت نہیں ہے۔

اور الزامی جواب یہ ہے کہ دنیاوی افعال میں تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اللہ کو منظور ہوگا تو دنیا کا کام ہو جائے گا۔ ہمارے ارادے اور مشیت سے کیا ہوتا ہے یہاں ایسا نہیں کرتے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ محض نفس کی شرارت ہے۔

مجلس : ۱۱

شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت قاری فتح محمد صاحب حج سے تشریف لائے ہیں۔ فرمایا کہ آج تو قاری صاحب سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ قاری صاحب نے اصرار فرمایا اس کے بعد شروع کیا۔ محرم کا عشرہ ہے اور عام مسلمان آج دین سمجھ کر کیا کیا کر رہے ہیں۔ آپ بھی دیکھ رہے ہیں بلکہ ایک سوال مجھ سے ہوا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں۔ اب میں کیا عرض کروں یہ سوال نیا نہیں ہے پرانا ہے۔ سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں، بڑے اختلاف ہوئے ہیں۔ جنگ وجدال ہوئے ہیں پہلے تو اصول کی بات بتاتا ہوں۔ قرآن اور حدیث سے مسلمان کے لئے جو زندگی کا اصول ثابت ہے۔ کس وقت کیا عمل ہم کو کرنا ہے۔ یہ ہر سمجھدار آدمی معلوم کرنا چاہتا ہے۔ دنیا کی ہر قوم کچھ تقریبات رکھتی ہیں اور ان کے منانے کا خاص طریقہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے لئے کیا کرنا ہے۔ اب آپ اور ہم سوچیں تو کوئی کہے گا۔ روزہ زیادہ رکھو۔ کوئی نماز، کوئی صدقات کوئی تلاوت۔ اسی طرح ہر شخص کی اپنی رائے علیحدہ ہوگی۔ یہ آپ سوچ لیجئے کہ آپ کو اپنی رائے سے کرنا ہے یا جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو وہ کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ انسان کی رائے اور قیاس اس کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ اس طریقہ سے کسی فلاح کو پہنچ سکتے ہیں۔ اس لئے ہر شخص اپنے مذہب کی اس میں آزادی رکھتا ہے اور لینا چاہئے۔ اس میں کسی کمیٹی بنانے یا ووٹنگ کرنے یا جمہور سے فیصلہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کی آیت میں اس کا عمل موجود ہے۔ وہی ہم کو ماننا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آپ کے رب کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو حکم نہ مان لیں اپنے تمام اختلافی ور نزاعی معاملات میں۔ لہذا رسول پاک ﷺ کی تعلیم کو ہم یقین کے ساتھ سمجھیں اور عمل کریں کہ یہی ماننے کی

جتہ ہے۔ پھر صرف حکم ماننا ہی نہیں بلکہ فرمایا پھر جو آپ نے فیصلہ دیدیا وہ گردن جھکا کر مان لیں۔ پھر اپنے دلوں میں کچھ تنگی بھی محسوس نہ کریں تب وہ مسلمان ہوں گے اب ایک ہمارے موجودہ حالات ہیں کہ ان میں اگر کوئی حضور ﷺ کے حکم کو مان بھی لے تو دل میں یہی کہتا ہے کہ یہ تو سخت کی بات ہے کہ عمل کرنا پڑا دشوار ہے۔ لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جب تک دل سے اس کو مان نہ لے رضامندی کے ساتھ وہ مومن نہ ہوں گے۔

مومن ہونے کی ایک شرط

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مومن کی شرط اللہ پاک نے واضح کر دی۔ جو بھی اختلاف ہے اس میں جب تک آپ کا فیصلہ منشرح دل سے مان کر عمل نہ کرے۔ اس وقت تک مومن نہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام ہر ایک معاملہ میں جو انہیں پیش آئے صرف یہ دیکھتے تھے کہ حضور ﷺ اس معاملہ میں کیا کرتے ہیں۔ ایک صحابی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سورج گہن ہوا سب نماز اور دعا کے لئے دوڑتے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور دیکھا کہ نماز خسوف ہو رہی ہے اس میں شامل ہو گئے۔

پریشانی اپنی رائے سے ہوتی ہے

غرض اپنی رائے۔ بے خیالات نے ہم کو پریشان کر رکھا ہے۔ اگر ہم ہر کام میں یہ دیکھ لیں کہ حضور ﷺ نے اس حال میں کیا کیا اور کس سے بچنے کو فرمایا۔ ایسا کوئی کام زندگی کے کسی شعبہ کا نہیں جو آپ کے زمانہ میں نہ ہوا ہو جو ابھی ہوا۔ جو غم بھی آئے۔ پیدائش، موت، تجارت، معیشت غرض ہر شعبہ کی تعلیم شرع میں موجود ہے۔ مومن کا کام ہے ہر چیز میں پہلے قبلہ درست ہو، رخ کا تعین ہو، تب اس کو اختیار کرے اور عمل کرے اور آپ کی تعلیم قرآن کی ترجمانی ہے اس لئے آپ ﷺ کی بات ہی پر عمل کرنا چاہئے۔

حضرت حمزہ ﷺ کی شہادت

حضرت حمزہ ﷺ آپ کے چچا شہید ہوئے۔ابو طالب اور حضرت حمزہ ﷺ دونوں چچا آپ کے خاص شفیق تھے۔ چنانچہ آپ کو ان سے محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت ابو طالب مسلمان نہ ہوئے لیکن کوئی مسلمان ان کو برا نہیں کہتا۔ چونکہ آپ کو ان سے محبت تھی آپ کو جس وقت طرح طرح کی تکالیف دی جاتی تھیں' اس وقت حضرت حمزہ کہیں تیر کمان لیکر جا رہے تھے۔کسی نے طعنہ دیا کہ تمہارے بھتیجے پر ظلم ہو رہا ہے تم شکار کو جا رہے ہو۔بس اسی وقت دل پلٹ گیا اور مسلمان ہو گئے' یہ وقت حضور کی امداد کے لئے مسلمان ہونے کا آپ کو بے حد پسند آیا اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی' اس وقت سے یہ مجال کسی کی نہ ہوئی کہ کوئی بری حرکتیں کرتا۔ غرض حضرت حمزہ ﷺ جب شہید ہوئے تو سخت صدمہ پہنچا۔ چونکہ ایک تو ایسا نازک وقت' پھر ایسی بے رحمی اور ظلم سے شہید ہوئے۔ غرض ایک محبوب عزیز کی شہادت کا واقعہ اور جو آپ نے ان کی شہادت کے موقع پر عمل کیا وہ ہم سب کے لئے نمونہ ہے۔

سید الشہداء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل

جب غزوہ احد کا مہینہ ہر سال حضور کے سامنے آتا تھا۔کیا کوئی شہادت نامہ حضرت حمزہ ﷺ کا پڑھا جاتا تھا یا آپ یا آپ کے صحابہ یا اہل بیت اس کی یادگار اس طرح مناتے تھے۔امام حسین کو ہم سید الشہداء کہتے ہیں۔ہمارا کہنا آپ کا کہنا اور ہے۔حضور ﷺ نے حضرت حمزہ ﷺ کو سید الشہداء کا خطاب دیا۔اب یہ خطاب آپ کا دیا ہوا ہے۔ہاں تطفلاً ہم سید الشہداء حضرت حسین کو کہہ لیں تو کوئی گناہ نہیں۔مگر حضور ﷺ نے سید الشہداء کا خطاب حضرت حمزہ کو دیدیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ نے آپ کے عشاق نے' آپ کے صحابہ نے' آپ کے پیروں نے حضرت حمزہ ﷺ کی یادگار کس طرح منائی۔ آج تک تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں' جس سے اہتمام ہو کسی ماتم کا' کسی مجلس کا' حالانکہ ان کی محبت اور

اسلام نے تمام صحابہ کرام کے ذہنوں میں کیا جذبہ پیدا کر رکھی تھی۔

ہمارا سارا خاندان شہیدوں کا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا تو سارا خاندان شہیدوں کا ہے۔ ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر سارے ہمارے بڑے بڑے شہید ہی ہیں۔ اب اگر اس وقت سے آج تک کے ہمارے سارے بزرگوں کے صرف شہیدوں کا ہی ذکر ہو تو دیکھو کہ کتنے زیادہ شہید نظر آئیں گے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نماز میں مصلی پر شہید ہوئے لیکن آپ کے گرنے کے بعد فوراً دوسرے ساتھی امامت کے فرائض انجام دینے کے لئے آگئے۔ پہلے نماز ہوئی بعد کو خلیفہ کی خبر لی گئی۔ آپ بے ہوش تھے ساری تدابیر ہوش میں لانے کی کی گئیں ہوش نہ آیا۔ کسی نے کہا کان میں کہو "الصلوۃ الصلوۃ" یہ سن کر فوراً آنکھیں کھل گئیں اور فرمایا کہ بیشک جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

حمزہ تو شہید ہیں غزوۂ احد میں۔ بدر کے تو سب بدری ہیں۔ پھر آپ کے مرنے اور آپ کے بعد کتنی جنگیں ہوئیں کتنے شہید ہوئے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن رضی اللہ عنہم کس کس کا تم ماتم کرو گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فی لحظہ ایک شہید کا بھی ہو سے سال میں ایک دفعہ ذکر کرو تو شہداء کے نام پورے نہ ہوں گے۔ اسلام کے لئے جن شہداء نے حضور ﷺ پر جانیں دیں کیا ان کا ماتم کرنا باعث گناہ ہوگا؟ یہ تو حضور ﷺ کی امت کو یہ فخر ملا ہوا ہے کہ جو شہید ہوا اس نے درجات حاصل کئے۔ کامیابی لی۔ خوش ہونے کی چیز ہے۔ جان اسی اللہ کی راہ میں۔ اور حیات جاودانی پائی۔ یہ بہادروں کا شیوہ ہے انہوں نے زندگی کا حق ادا کیا۔ پھر کیسے کیسے تمام صحابہ، علماء، خلفاء ہر درجہ کے لوگوں کو جام شہادت نصیب ہوئی۔ رسول پاک ﷺ نے کیا کیا، صحابہ کرام نے کیا کیا اس پر ایک نگاہ ڈالنی ہے۔

عاشورہ کا روزہ اور اسراف

یوم عاشورہ کا ایک روزہ تو حدیثوں میں آیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا تھا ایک نہ رکھیں بلکہ ساتھ نویں، دسویں یا دسویں گیارھویں رکھو۔ یہ تو عمل ہے محرم کی دس تاریخ کا۔ اب آج جو ہنگامہ، جو اسراف جو خرافات سامنے ہے اس کو دیکھو۔ کہتے ہیں اپنے آپ کو اہل سنت۔ اور خرافات یہ ہیں جن کی دلیل نہ قرآن میں نہ حدیث میں۔ بلکہ سنت کو مٹانے والے بنے ہوئے ہیں۔ کھیل تماشے، شربت سبیلیں اور مجلسیں یہ سب خلاف سنت ہیں۔

شہادت حسینؓ کی مثال

اب رہا یہ سوال کہ جو سوال مجھ سے کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے متعلق کچھ کیوں؟ تو طبیعت نہیں چاہتی کہ جن مذاکرات اور مجالس کی ہم نفی خود کریں اسی ذکر شہادت کو آج کے روز خود کرنے بیٹھ جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس دریافت میں کہ کس نے مارا کیوں شہید کیا؟ کیا چیز ہے اس کریدنے میں کچھ بہتری نہیں ہے۔ صحابہ کرام آپس میں لڑے تلوار بھی چلی۔ لیکن اس کی مثال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا۔ ہارون علیہ السلام پر۔ انہوں نے داڑھی پکڑ کر کھینچی قرآن میں یہ واقعہ موجود ہے۔ انہوں نے کہا میری بات تو سن لیں پھر عذر پیش کیا۔ اب کسی پیغمبر کی ادنیٰ درجہ کی توہین کفر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے داڑھی کھینچی ان کو کیا کہو گے؟ اگر تم ہارون علیہ السلام کی داڑھی کا بے ادبی سے تذکرہ بھی کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے تاریخی حالات مخدوش ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوئی۔ یہ باپ اور چچا کی لڑائی ہے۔ اولاد کا کام یہ نہیں کہ اس میں اپنا دماغ الجھائے۔ ایک سبق یاد رکھو کہ قرآن نے صحابہ کرام کی شان میں فرمایا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ جن سے اللہ راضی ہے تم ان سے ناراض ہونے کا کرتا جواز لاتے ہو۔ تم کو کیا

حق ہے ان سے ناراض ہونے کا ان کے معاملہ میں دخل دے کر اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا اور قلب کو روگ لگانا ہے۔ یہ شرارت ناسے اور تاریخیں سب مخدوش ہیں۔ ان سب میں آمیزش ہے۔ اس سے قلب پریشان ہوگا اور ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں۔ فرمایا جو ان سے بغض رکھے وہ مجھ سے بغض رکھے گا۔ جو ان سے محبت رکھے گا مجھ سے محبت کرے گا۔ پس اگر ان تاریخی واقعات میں دیکھ کر ہمارے دل میں اگر کوئی ذرا سا تکدر بھی آگیا تو ہمارا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا حضرت معاویہ ؓ سے بغض رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضرت علی ؓ سے۔ اس لئے ان تاریخوں کو پڑھنے سے منع کیا گیا ہے یہ تاریخیں مدون ہیں۔ مورخین سے اس میں سازش بھی ہو سکتی ہے۔ اس میں جذبات کا اظہار بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی یہ حدیثیں تو نہیں ہیں جو ان پر بھروسہ کیا جائے۔

شکر کرو کہ احادیث ابھی تک ملوث نہیں۔ ان تمام لکھنے والوں سے۔ ورنہ آج صحیح دین ہمارے پاس تک نہ پہنچتا۔ دوسرے یہ کہ کوئی مجبوری ہم پر نہیں کہ ہم فیصلہ کریں۔ حضرت معاویہ ؓ اور حضرت علی ؓ کا۔ یزید اور حسینؓ کا ہم سے قیامت کے دن یہ سوال نہ ہوگا کہ تم ان سے کس کو حق پر سمجھتے ہو۔ آپ کو اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں اپنا دین سنبھال کر رکھئے۔ قبر میں یہ سوال آپ سے منکر نکیر نہیں پوچھیں گے' وہاں جو پوچھا جائے گا۔ ان سوالوں کے جواب تم تیار کر لو۔ جن کا دارومدار تمہاری جنت اور دوزخ کے جانے میں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہماری تلواریں کسی صحابی کے خون سے نہیں رنگیں' اب تم یہ سوال کر کے ہماری زبانیں ان کے خون سے رنگنا چاہتے ہو۔

حضرت حسین ؓ کا مختصر واقعہ

اب اجمالی طور پر واقعہ سمجھ میں آجائے اس لئے عرض ہے کہ حضرت حسینؓ کو تمام صحابہ کرام نے کوفہ میں روکا یعنی سارے صحابہ کرام جو اس وقت موجود تھے سب نے روکا اور آپ نہیں رکے۔ اس سے کچھ کم فہموں نے اپنا غلط خیال قائم کر لیا کہ

آپ حکومت حاصل کرنے گئے حالانکہ یہ غلط تھا۔ ایک واقعہ ہے کہ راستہ میں آپ کو جب ایک شخص نے روک کر سمجھایا تو آپ نے ایک تھیلا الٹ کر سارے خطوط جو تقریباً دس تھے دکھائے کہ کوفہ کے لوگوں نے آنے پر مجبور کیا ہے اور سارے عوام نے اپنی جانبازی کا یقین دلایا ہے چونکہ باطل کے مقابلہ میں صرف آپ ہی آ سکتے تھے کہ باقی جتنے ہیں دیگر صحابہ سے وہ کام نہ ہوگا۔ اس سے مقصود جناب آپ کا اعلاء کلمۃ الحق تھا اور دین کی حفاظت تھی۔ صحابہ کرام نے اس وجہ سے روکا تھا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ کو دھوکہ دیں گے اور وہی ہوا۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کوئی شبہ کرنا قطعی حرام ہے اجتہاد وہاں جا کر آپ نے ان کی بے وفائی دیکھ کر لوٹنا چاہا تو پھر گھیرنے والوں کا موقع نہ دیا۔

بہرحال یہ واقعہ ہونا تھا اور ہوا۔ لیکن عوام کا یہ کام نہیں کہ اس میں پڑیں جان کھپائیں۔

عبادات کے متعلق متفرق ارشادات

نماز جماعت کی اہمیت

ارشاد: فرمایا کہ اگرچہ ہماری مسجد کے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہتا لیکن ان کے پیچھے اس لئے پڑھ لیتا ہوں کہ نفس گھر پڑھنے کا خوگر ہو جائے گا۔

جماعت بڑھانے کا اہتمام

فقہاء کرام نے تکثیر جماعت کا خاص اہتمام کیا ہے۔ مثلاً امام ایسا بنانے کو جس سے تکثیر جماعت ہو۔ ایسے لوگ امام نہ ہوں جن سے نمازیوں میں تقلیل ہو جائے اس لئے اعلم ثم اقرء ثم الاسن ثم الاحسن وجہا ونسبا وزوجۃ کما لانہ من کان زوجتہ حسینا یکون الامام عفیفاً ویکرہ خلف فاسق ومبتدع واعمی وولد الزنا ولا یاتی المسجد من یاکل البصل والثوم ویمنع من المسجد کل کریہ یقوم الفساد ویکون بہ قلۃ المصلین۔

خشوع و خضوع کا مطلب

نماز میں دو لفظ آتے ہیں خشوع اور خضوع۔ خشوع ظاہری سکون اور خضوع باطنی سکون کو کہتے ہیں۔

نماز میں دھیان لگانے کا طریقہ

وساوس کا ایک درجہ غیر اختیاری ہے اس کی فکر نہ کریں اور ایک درجہ

اختیاری ہے اسے ضرور اختیار کرے۔ وساوس کے آنے پر بالکل بے فکر ہو جانا اور ان کو غیر اختیاری تصور کر لینا ہی ٹھیک نہیں ہے۔ جس کے اسباب اختیار میں ہوں وہ غیر اختیاری نہیں ہوتا۔ سو وساوس کے دفع کرنے کے بھی اسباب اختیاری ہیں مثلاً طہارت کا پورا خیال رکھا جائے۔ وضو باقاعدہ طور سے کیا جائے۔ وضو اور نماز کے درمیان کوئی دنیوی کام بات چیت نہ کرے۔ جو کام نماز سے پہلے کر رہا ہے تھوڑی دیر اس کو چھوڑ دے تاکہ خیالات سمٹ جائیں اور نماز شروع کرنے سے پہلے ذرا یہ سوچ کہ جب میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے ہمکلام ہوں گا۔ نماز پڑھوں گا لہذا مجھ کو بہت دھیان لگانے کی ضرورت ہے۔ اور دونوں ہاتھ اٹھائے تو خیال کرے کہ رب میں نے دو جہان سے ہاتھ اٹھائے۔ مجھے اب کسی سے کوئی غرض نہیں۔ ان کے سامنے سب حقیر و ذلیل ہیں پھر اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھے اور سمجھے کہ میں اللہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا عرض و نیاز کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا تھانوی ﷺ نے لاکھ روپے کا ایک نسخہ عنایت فرمایا ہے جو کوئی اس کو استعمال کرے انشاءاللہ وساوس نہیں ستائیں گے پہلے لوگ تو اس کام کے لئے چلے کشی کرتے تھے وہ بات یہ ہے کہ نماز پڑھنے میں جو الفاظ زبان سے ادا ہوں ان کی ادائیگی کی طرف دھیان رکھے اگر معنی یاد ہوں تو معنی سوچتے رہا کریں اور نماز کو فکر سے پڑھو بے فکری سے ہرگز نہ پڑھو۔

تین آخری نصیحتیں

۱۔ گناہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو ہلکا نہ سمجھو۔

۲۔ نیک عمل جو بھی کرو اس کو زیادہ نہ سمجھو۔

۳۔ نماز پنجگانہ کا اتنا اہتمام کرو کہ دنیا کے سب کاموں پر غالب آجائے۔ مرد جماعت کے ساتھ پڑھنے کی اور عورتیں گھروں میں وقت اول میں اس فریضہ سے فارغ ہونے کی کوشش کریں اور عادت ڈالیں۔

طلوعِ آفتاب سے کب تک نماز پڑھنا منع ہے

ملفوظ: کسی شخص نے دریافت کیا کہ طلوع (آفتاب) کے وقت جو نماز پڑھنا منع ہے اس کے لئے کتنا وقت ہے؟ فرمایا کہ آفتاب اتنا روشن ہو جائے گا کہ جس پر نگاہ کرنے سے نگاہ خیرہ ہو جائے۔ (جس کا اندازہ گھڑی گھنٹہ کے حساب سے کم از کم دس منٹ ہے)

عجیب نکتہ

حق تعالیٰ نے تارکِ صلوٰۃ کو مشرکین سے تشبیہ دی ہے اور تارکِ حج کو یہود و نصاریٰ سے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین حج کرتے تھے لیکن نماز نہ پڑھتے تھے اور یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے تھے لیکن حج نہ کرتے تھے۔

دعاءِ استخارہ کا مطلب

دعائے استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرتا رہے۔ استخارہ کرنے کے بعد ندامت نہیں ہوتی اور یہ مشورہ کرنا نہیں ہے مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے۔ استخارہ سنت ہے۔ اس کی دعا مشہور ہے اس کے پڑھ لینے سے سات روز کے اندر اندر قلب میں ایک رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خواب میں کچھ نظر آتا یا یہ قلبی رجحان حجتِ شرعیہ نہیں ہیں کہ ضرور ایسا کرنا ہی پڑے گا۔ اور یہ جو دوسروں سے استخارہ کرایا کرتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے عملیات مقرر کر لئے ہیں دائیں طرف یا بائیں طرف گردن پھیرنا یہ سب غلط ثابت ہوئے ہیں۔ ہاں دوسروں سے کرا لینا گناہ تو نہیں لیکن خود کرنا چاہئے اس دعا کے صیغے ہی ایسے ہیں۔
فرمایا میں تو چھوٹا سا استخارہ پڑھ لیتا ہوں۔ نماز کے بعد یا سوتے وقت اَللّٰھُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ گیارہ مرتبہ پڑھ لیتا ہوں اور یہ حدیث میں آیا ہے۔

قبولیت عبادت کی علامت

فرمایا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر ایک حاضری میں بارشاد ملا امش ہو جائے تو کیا دوسری بار دہ دربار میں گھسنے دیگا؟ ہرگز نہیں بس جب تم ایک مرتبہ نماز کے لئے مسجد میں آگئے اس کے بعد پھر توفیق ہوئی تو سمجھ لو کہ پہلی نماز قبول ہوگئی اور تم مقبول ہو۔

دو مجرب عمل

کوئی شخص کسی کام سے عاجز ہو جائے اور اس کے سرانجام دینے کی کوئی صورت نہ ہو تو تنہائی میں صاف پاکیزہ ہو کر دو رکعت نفل پڑھے پھر اس دعائے حزب البحر کو پانچ سات مرتبہ پڑھے امید ہے وہ کام ہو جائے گا۔

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل شمشیر مومنین ہے عشاء کے بعد جب لوگ سو جائیں تو دو رکعت نفل ادا کر کے تشہد کی ہیئت پر قبلہ رو بیٹھے تصور دل سے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل ۴۵۰ مرتبہ پڑھے اور اپنے مطلوب کا تصور کرے جب یہ تعداد پوری کرلے تو سات مرتبہ حزب البحر پڑھے اس طرح بار بار مکرر پڑھے مراد پوری ہوگی انشاءاللہ۔

ختم خواجگان کا طریقہ

ایک صاحب نے "ختم خواجگان" سے متعلق پوچھا کس طرح پڑھا کرتے ہیں فرمایا اول دس مرتبہ درود شریف پھر ۲۰۰ مرتبہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ لا ملجأ ولا منجا من اللہ الا الیہ اس کے بعد ۲۰۰ مرتبہ سورہ الم نشرح اس کے بعد ۲۰۰ مرتبہ اوپر والا لا حول ولا قوۃ آخر تک پھر دس مرتبہ درود شریف۔

اس کے بعد مولوی بشیر صاحب کی بیماری پرسی فرمائی اور فرمایا کہ رمضان شریف میں ظہر کے بعد تین بجے سے پانچ تک مجلس ہوا کرے گی۔

ختم خواجگان کے اوقات

فرمایا: ختم خواجگان ہمیشہ بھی پڑھ سکتے ہو۔ کسی خاص وقت دعا کرنی ہو تب بھی پڑھ لیا کرو۔

رمضان میں تلاوت سب سے افضل عمل ہے

ان ہی صاحب نے پوچھا کہ رمضان شریف میں کون سی عبادت افضل ہے؟
فرمایا۔ تلاوت قرآن کریم اور اس کو پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جتنا زیادہ ہو سکے پڑھا کرے۔ دوسرا وقت ایسا نکالے کہ اس میں سمجھ کر پڑھے اگرچہ ایک رکوع ہی کیوں نہ ہو۔

قرآن کریم کو سلسلہ وار پڑھنا بہتر ہے

ایک صاحب نے کہا کہ قرآن کریم کو سلسلہ وار تلاوت کرنے کو جی چاہتا ہے بلا سلسلہ جی نہیں چاہتا یہ کیسا ہے؟
فرمایا: سلسلہ وار کرنا ہی بہتر ہے۔ دیکھئے میں نے یہ قرآن شریف کھلا ہوا رکھا ہوا ہے اور اب دوسرے کام میں مصروف ہوں۔ قرآن شریف جب تک کھلا ہوا رہے گا ذہن میں تقاضا رہے گا کہ اس کو پڑھنا ہے۔ اسی طرح سلسلہ وار پڑھنے میں تقاضا رہتا ہے۔ بلا سلسلہ پڑھنے میں یہ تقاضا ختم ہو جاتا ہے۔

شب قدر میں صحابہ کا دستور

صحابہ کرام کا شب قدر میں دستور تھا کہ لمبے رکوع و سجود کرتے تھے۔ بہتر یہ ہے کہ تراویح کے بعد کچھ آرام کرے آخری شب میں زیادہ حصہ جاگے۔

عتاب سے بچئے

ارشاد: اگر محلے میں سے کوئی بھی اعتکاف میں نہ بیٹھے تو سب اہل محلہ معتوب ہوں گے اس عتاب سے بچنا چاہئے۔

اعتکاف میں غسل جمعہ کرنا

ارشاد: اعتکاف کی حالت میں اگر حاجت طبعی یا شرعی کے لئے نکلے تو جیسے راستے میں وضو کر کے آسکتے ہیں اسی طرح آتے ہوئے غسل جمعہ کر کے بھی آسکتے ہیں۔ ہاں غسل جمعہ کے لئے نکلنا درست نہیں ہے۔

رمضان میں گناہوں کے کم ہونے کی وجہ

فرمایا: رمضان شریف کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے صفدت الشیاطین ومردة الجن سو سرکش شیاطین وجن قید کئے جاتے ہیں۔ ختم تھوڑے نہیں۔ کیا رشد ہوائی کرتے ہیں۔

شیطان الجن قید ہوتے ہیں شیطان الانس نہیں ہوتے۔ حدیث میں ہے فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النِّيْرَانِ

ابواب الجنة سے مراد ابواب خیر ہیں لان الجنة مقام الراحة والامن والخيرات وهذه ابواب الخير موصلة الى الجنة والمراد من تغلیق ابواب النيران ابواب الشر لانهن موصلة الى النار۔ اور اسی کا اثر ہے کہ رمضان المبارک میں مساجد نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ تلاوت کرنے کو جی چاہتا ہے اور ایام کی بہ نسبت معاصی بھی کم ہو جاتے ہیں۔

حج بدل

فرمایا: مرد عورت کا اور عورت مرد کا حج بدل کر سکتے ہیں

شریعت میں رات پہلے آتی ہے

فرمایا: شریعت میں رات پہلے آتی ہے اور رات بعد میں سوائے حج کی رات کے (کہ اگر کوئی شخص ذوالحجہ کی نو تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے میدان عرفات نہ پہنچ سکا تو غروب آفتاب کے بعد صبح صادق سے پہلے پہلے پہنچنے پر بھی اس کا حج ہو جائے گا)۔

مدینہ سے افراد کا احرام باندھنا

فرمایا: پاکستان سے حج کے لئے شوال یا اسکے بعد جانا ہو تو مکہ معظمہ عمرہ کا احرام باندھ کر چلا جائے۔ جب مد ے سے آئے تو ذی الحجہ کے قریب وہاں سے صرف افراد کا احرام باندھ کر آئے۔

منیٰ میں چار کام کرنا

مزدلفہ سے واپسی پر منیٰ میں چار کام کرنے ہوتے ہیں اور پہلے دن ان کا کرنا افضل تھا ہے۔ رمی جمرۂ عقبہ قربانی' سرمنڈانا' طواف زیارت کرنا' اگر ان کو سہولت کی بنا پر اس طرح کر لیا جائے تو مکروہ بھی نہیں ہے کہ دسویں تاریخ کو صرف رمی کرے۔ گیارھویں تاریخ کو فجر کے بعد جاکر قربانی کر آئے۔ پھر طواف زیارت کرے۔ زوال شمس کے بعد سے غروب شمس کے درمیان رمی کرلے۔ یہ تمام کام آسانی سے بلا کراہت ادا ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح عرفات کے وقوف میں جبل رحمت پر جانا افضل تھا ہے۔ مگر آنے جانے میں دعا اور پڑھنے پڑھانے میں کمی ہو جاتی ہے۔

سعی میں مناجات مقبول پڑھنا

میں اور اہلیہ جب سعی کرتے تو عربی والی مناجات مقبول میں سے لیتا اور اردو کی ان کو دیدیتا تھا۔ چونکہ مسعی پر صرف مردوں کو دوڑنا ہوتا ہے اور اب خلاصہ جگہ ہو گئی ہے اس لئے ان سے کہا تم خود چلتی رہو میں علیحدہ چلوں گا۔ عورتوں کے لئے دوڑنے کا حکم نہیں ہے۔ اور آتے جاتے دکھلائی دے جاتا ہے کوئی دقت نہیں۔

وعظ الحج المبرور

ارشاد: حضرتؒ کے حج کے بارے میں ایک تو الحج المبرور وعظ ہے۔

تابیر نخل کی حدیث سے اعتراض اور اس کا جواب

بعض تابیر نخل کی حدیث پیش کر کے کہتے ہیں کہ امور دنیوی میں شریعت کو کوئی دخل نہیں۔ جواب یہ ہے کہ امور دنیوی کے متعلق بہت سے کام وحی سے معلوم ہوئے ہیں ان سب میں شریعت کو دخل ہے ہاں ایجادات اور انتظامات و طریقہ اثبات کیلئے فرمایا ہے انتم اعلم بامور دنیاکم.

جہاد کی حقیقت

"وہ ڈاکٹر اپنے فن کا ماہر نہیں ہو سکتا جو صرف مرہم لگانا جانتا ہے مگر سڑے ہوئے فاسد شدہ عضاء کا آپریشن کرنا نہیں جانتا۔ سمجھو اور خوب سمجھو کہ جب عالم کے جسم میں شرک کے زہریلے جراثیم پیدا ہو گئے اور وہ ایک مریض جسم کی طرح ہو گیا تو رحمت خداوندی نے اس کے لئے ایک مصلح اور مشفق طبیب (آنحضرت ﷺ) کو بھیجا جس نے تیئیس ۲۳ سال تک متواتر اس کے ہر عضو اور ہر رگ و ریشہ کی اصلاح کی فکر کی جس سے قابل اصلاح اعضاء تندرست ہو گئے مگر بعض اعضاء جو بالکل سڑ چکے تھے۔ ان کی اصلاح کی کوئی صورت نہ رہی بلکہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ ان کی عفونت تمام

بدن میں سرایت کر جائے۔ اس لئے حکمت کے اصول کے مطابق عین رحمت و حکمت کا اقتضا یہی تھا کہ آپریشن کرکے ان اعضاء کو کاٹ دیا جائے۔ یہی جہاد کی حقیقت ہے، اور یہی تمام جارحانہ اور مدافعانہ غزوات کا مقصد ہے۔"

تین اشخاص کی امداد خدا کے ذمہ ہے

فرمایا: حدیث میں ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد کرنا خدا کے ذمہ ہے:

۱۔ مجاہد فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والا)

۲۔ وہ مکاتب (غلام) جو بدل کتابت ادا کرنے کا قصد رکھتا ہو۔

۳۔ وہ نکاح کرنے والا جو عفت کی زندگی چاہتا ہو۔

ایک مشت سے زائد داڑھی رکھنا سنت نہیں

فرمایا: ایک مشت سے زائد داڑھی کا کاٹنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ بڑی داڑھی رکھنا سنت نہیں ہے۔

ہدایت برائے مفتی

مفتی کو چاہئے کہ عوام کو قواعد کلیہ نہ بتائے بلکہ جو سوال اس نے کیا ہے اس جزئیے کا جواب دیدے۔ اور جواب دینے میں تشقیق نہ کرے کہ اگر ایسا ہو تو یوں ہوگا اور یوں ہوگا تو کیا ہوگا۔ جو سوال کیا ہے اس کا جواب دیدے۔

وسیع النظر

فرمایا: وسیع النظر آدمی وہ ہوتا ہے کہ اس کی نظر سب طرف ہوتی ہے۔

علم سے عمل کرنا مقصود ہے

مدرس بھی چوڑی تقریر کرکے سمجھتے ہیں کہ میں نے درس کا حق ادا کر دیا۔ کتاب سمجھا دی بس میرا حق ادا ہو گیا۔ اسی طرح طالب علم سمجھتے ہیں کہ مقصد یہ

کہ امتحان میں پاس ہو جائیں گے۔ اور مدرس بنیں گے پڑھائیں گے یہ کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ مدرس اور طالب علم جو کچھ پڑھے اس پر عمل کرے۔ عمل کیا تو واقعی اس کا حق ادا کیا اس لئے عمل کرنے اور کرانے کی نیت سے پڑھنا پڑھانا چاہئے۔

یُسر سے کیا مراد ہے؟

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ میں یسر روحانی مراد ہے اور یسر روحانی سے جسمانی راحت بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے دنیوی مشاغل میں آسانی مل جائے۔

حقیقی راحت

فرمایا: غایت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دنیا کو عیش و آرام کے لئے طلب کیا جاتا ہے' عام طور سے لوگ عمدہ لباس' عمدہ مکان اور عمدہ غذا کو عیش و آرام سمجھتے ہیں' حالانکہ یہ محض اسباب عیش و آرام ہیں' لیکن حقیقت عیش و آرام کی راحت قلب ہے' اور راحت قلب طلب دین سے حاصل ہوتی ہے' طلب دنیا سے حاصل نہیں ہوتی۔

امن و اطمینان کی جڑ

فرمایا: امن کی جڑ اوامر شرعیہ پر عمل کرنا اور نواہی شرع سے بچنا ہے' یہی دافع فساد ہے۔

خدا کی قسم! جو شخص شریعت کے مطابق چل رہا ہو' وہ بادشاہ ہے اگرچہ ظاہر میں سلطنت نہ ہو' اور جو شخص شریعت سے ہٹا ہوا ہو وہ حجرہ میں مقید ہے گو ظاہر میں بادشاہ ہو اور فرمایا رضاء حق ہر حال میں مقدم ہے۔

راحت کی کنجی

فرمایا: اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھاؤ اور غیر اللہ سے حالاً و عملاً و قالاً تعلق کم کرو'

پھر دنیا و آخرت دونوں کی راحت تمہارے ہی لئے ہے اگر فقر و فاقہ بھی ہو جب بھی تم کو راحت و چین ہوگا اور بغیر سرمایہ اور سامان کے تم سلاطین سے بڑھ کر سلطان ہو گے ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

طاعات کی جزا کچھ نقد بھی ہے

طاعات (نیکیاں) کی جزا نقد بھی ہے اور ادھار بھی' اللہ تعالیٰ نے ساری طاعات کی جزا ادھار نہیں رکھی' آخرت میں تو ان کی جزا ملے ہی گی' دنیا میں بھی جزا ملتی ہے' وہ یہی راحت و اطمینان اور عزت و عظمت ہے۔

نقد جنت

"روشن خیال دنیا سن لے کر سائنس کی حیرت انگیز ترقیوں سے وہ آسمان کی طرف چڑھ سکتے ہیں' سیاروں پر جا سکتے ہیں' سمندر میں جا سکتے ہیں' لیکن امن و امان اور سکون و اطمینان جو ان سارے سامانوں اور سارے کار خانوں کا اصل مقصد ہے وہ نہ ان کو کسی سیارے میں ہاتھ آئے گا نہ کسی نئی ایجاد میں' وہ ملے گا تو پیغمبر عربی روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور ان کی تعلیمات میں' خدا تعالیٰ کو ماننے اور آخرت کے حساب پر عقیدہ رکھنے میں الا بذکر اللہ تطمئن القلوب. سائنس کے حیرت انگیز انکشافات روز بروز خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی بے مثال صنعت کاری کو اور زیادہ روشن کرتے جاتے ہیں' جن کے سامنے ہر انسانی ترقی اپنے عجز و درماندگی کا اعتراف کر کے رہ جاتی ہے مگر ؎

"چہ سود چوں دل دانا و چشم بینا نیست"

قرآن تعلیم نے ایک طرف تو دنیا کے سارے نظام کا منشا ہی قیام عدل

وانصاف بتلایا' دوسری اس کا ایک بے مثال انتظام ایسا عجیب و غریب فرمایا کہ اگر اس کے پورے نظام کو اپنایا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو یہی خونخوار اور بدکار دنیا ایک ایسے صالح معاشرے میں تبدیل ہو جائے جو آخرت کی جنت سے پہلے نقد جنت ہو۔

عزت حاصل کرنے کا طریقہ

ملفوظ : فرمایا تم شریعت پر چل کر دیکھو؟ انشاء اللہ سب تمہاری عزت کریں گے: جس کی بین دلیل یہ ہے کہ جو پکے مسلمان ہیں' انگریز' ہندو' پارسی وغیرہ سب ان کی عزت کرتے ہیں تم دین پر قائم رہو' ساری قومیں تمہارے لئے مسخر ہو جائیں گی۔

دوست اور دشمن کے معاملہ میں امتیاز

دوست اور دشمن کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں ہوا کرتا۔ دوست کو قدم قدم اور بات بات پر ٹوکا جاتا ہے' اولاد اور شاگرد کو ذرا ذرا سی بات پر سزا دی جاتی ہے' لیکن دشمن کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا' اس کو ڈھیل دی جاتی ہے اور وقت آنے پر دفعۃً پکڑ لیا جاتا ہے۔

مسلمان جب تک ایمان و اسلام کا نام لیتا ہے اور اللہ کی عظمت و محبت کا دم بھرتا ہے' وہ دوستوں کی فہرست میں داخل ہے' اس کے برے اعمال کی سزا دنیا میں دے دی جاتی ہے' تاکہ آخرت کا بار ہلکا ہو جائے' بخلاف کافر کے کہ اس پر باغیوں اور دشمنوں کا قانون جاری ہے' وہ یہ کی ہلکی ہلکی سزاؤں سے ان کا بار عذاب ہلکا نہیں کیا جاتا' ان کو یک لخت عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔

رسول کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے کہ "دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے"۔

باب سوم

معاملات

اسلام کے معاشی اصول ' ملکیت کی وضاحت کا اہتمام ' دولت خرچ کرنے کا اصول ' تقسیم میراث میں غلطی ' نابالغوں کے حقوق کی حفاظت ' ضروریات زندگی میں اولاد کے درمیان برابری کرنے کا حکم ' سنت کے مطابق نکاح کرنے کی برکت

مجلس : ۱۲

اسلام کے معاشی اصول

اسلام نے معاشیات کے جو گر بتائے ہیں' دنیا بھر کے سارے فلاسفر اپنی عقلیں دوڑالیں اور ریسرچ کرلیں' اس سے بہتر اصول نہیں لا سکتے۔ فرمایا ہے کہ "مال کو حلال طریقے سے حاصل کرو اور پھر اس کو ناجائز طور پر صرف نہ ہونے دو"۔ ایک طرف کمانے کے طریقے اور دوسری طرف خرچ کرنے کے طریقے' دونوں کی حدود اللہ پاک نے اپنے پیارے رسول ﷺ کے ذریعے سے اپنے بندوں کو تعلیم کئے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ساری معیشت دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ ایک پیسہ حاصل کرنا' دوسرا اس کو خرچ کرنا' تو ظاہر ہے کہ دولت حاصل کرنے میں جس کے اسباب تو اختیاری ہیں۔ لیکن دولت حاصل کرنا بذات خود غیر اختیاری ہے' اور آج ہم اختیاری چیز کو چھوڑ کر غیر اختیاری کے پیچھے دوڑے ہوئے ہیں۔ لیکن خرچ کرنا پورے طور پر اختیاری فعل ہے۔ اب سب سے پہلے حصول زر کو لیجئے۔ کاشتکار زمین میں ہل چلاتا ہے۔ پھر اپنا وقت اور پیسہ لگا کر زمین میں بیج بوتا ہے' پھر پانی دیتا ہے' یہ ذرائع ہیں حصول زر کے جو اختیاری ہیں۔ اسی طرح دکاندار دکان لگائے اس میں مال سجائے جو مال بازار میں فروخت کے قابل ہے' وہ اکٹھا کرے' یہ ذرائع اختیاری ہیں' لیکن گاہک کی جیب سے پیسہ نکالے یہ غیر اختیاری ہے۔ ایک ہی قسم کی دس دکانیں ہیں۔ دوست گاہک سودا لیتا ہے' دوسرے نہیں لیتا۔ یہ رزاقی خداوند کریم کی ہے کہ وہ گاہک کے دل میں ڈالتا ہے کہ فلاں دکان سے خرید کرے' یہ رزاقی اللہ پاک کی ہے کہ وہ زمین سے اناج پیدا کرکے اس کو گرمی' سردی' دھوپ' بارش' ہوا تمام طریقوں سے اناج کی پرورش کرتا ہے' اور عام عادت اللہ تعالیٰ کی یہی ہے کہ جو محنت کرتا ہے اس کو اس کا

پھل ضرور عطا کرتے ہیں لیکن وہ اس کے مختار ہیں کہ چاہیں تو ان سب ذرائع کے باوجود ناکام کر دیں اور چاہیں تو تھوڑے ذرائع سے تھوڑے اسباب سے زیادہ معاوضہ عطا کر دیں ۔ تاہم سبب کا اختیار کرنا اختیاری فعل ہے اور اس کے ثمرات حاصل ہونا غیر اختیاری ہے ۔

اب جبکہ پیسہ حاصل ہو گیا تو اس کا خرچ کرنا یہ انسان کیلئے اختیاری چیز ہے ۔ چاہے تو سو روپیہ ایک دن میں یا ایک وقت میں خرچ کر دے ۔ لیکن اس کے لئے بھی اصول بتائے ہیں ' حدود قائم کی ہیں ' حقوق بتلائے ہیں ' اب جو ان اصول و حدود میں رہ کر اپنے اخراجات کو ایک نظام سے چلائے اس کو برکت بھی ملتی ہے ' اور وہ بھی پریشان نہیں رہتا ۔

دولت خرچ کرنے کا اصول

اصول سب سے بڑا یہ ہے کہ ضروریات پر خرچ کرو فضولیات سے بچو ۔ آج ہمارے معاشرہ میں اگر غور کیا جائے تو ضروریات کم ہیں ' فضولیات زیادہ ہیں ' بلکہ فضولیات کا نام ہی ہم نے ضروریات رکھ لیا ہے ' میں سچ کہتا ہوں کہ اگر انسان اس زریں اصول پر عمل کرے تو آج دنیا سے نوے فیصد معاشی تنگی اور بدحالی دور ہو جائے ۔ یہ ساری دنیا جو پریشان ہے ' آپ تجزیہ کر کے دیکھ لیں کہ ان میں کچھ تو ایسے آدمی ضرور ہیں جو آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں ۔ لیکن کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کی آمدنی تو ہے ' لیکن وہ اس آمدنی سے اپنے اخراجات کے کفیل نہیں ہو سکتے ۔ اور ہوں بھی کس طرح ؟ آج غسل خانے اور پاخانے میں ٹائل تو لگتے ہیں ۔ لیکن بیوی ' بچوں کی جائز ضروریات پوری طرح ادا نہیں ہوتیں ' آج ٹیلی فون اور موٹر تو ضروریات بن گئیں ' اور ہمسایہ بھوکا سو رہا ہے ۔

بڑے سے بڑے گھرانے کا حال آج یہ ہے کہ مہینہ کی اول تاریخوں میں اخراجات کی اور حالت ہے اور آخیر تاریخوں میں قرضے کی نوبت آجاتی ہے ۔ پہلے لوگوں میں بھی پہلی اور آخری تاریخ کا فرق کوئی جانتا بھی نہ تھا وجہ یہ ہے کہ وہ اس اصول پر عامل تھے ۔

کفایت شعاری کی مثالیں

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت حکیم الامت ؒ کے مجلس میں بہت سے چھوٹے ' بڑے سادہ کاغذوں کا ڈھیر جمع رہتا تھا۔ دیکھنے والے بڑے حیران کہ ان کاغذوں پر کچھ لکھا ہوا بھی نہیں ہے۔ یقیناً یہ چھوٹے ' بڑے کاغذ کسی کام کے بھی نہیں ' پھر آخر وجہ کیا ہے؟ دریافت پر معلوم ہوا کہ حضرت کے پاس جو خطوط آتے تھے ان میں تحریر کے بعد جو فاضل کاغذ چھوٹا ہوا ہوتا تھا آپ اس کو کاٹ کر مجلس میں رکھ لیا کرتے تھے۔ تاکہ مسلمان کا پیسہ ضائع نہ ہو ' پھر اس کو چھوٹی ' موٹی ضروریات میں کام لیتے تھے ' یہی وجہ ہے کہ آپ کے پاس ہزاروں خطوط کے جوابات دیئے جانے کے باوجود کبھی بازار سے کاغذ نہیں خریدا گیا۔

یہ صرف ایک مثال تھی خرچ کرنے میں کفایت شعاری کی اور آج ہم ایسا کرنے لگیں تو لوگ کنجوس کہیں گے مگر وہ اس کے باوجود جہاں خرچ کرنے کا موقع ہوتا سب سے بڑھ کر خرچ کرتے۔

ایک دفعہ کسی جگہ سے کوئی صاحب چندہ لینے آئے۔ آپ نے ان کو پچاس روپے نکال کر دیدیئے۔ وہی چندہ لینے والے شخص ایک مالدار کے یہاں جو آپ کے عزیز بھی تھے ' گئے۔ انہوں نے پانچ روپے دیئے۔ ان صاحب نے کہا: واہ صاحب! مولانا صاحب نے تو پچاس روپے دیئے تھے۔ وہ بھی حاضر جواب تھے۔ فرمایا کہ بھائی! مولانا کے پچاس کے مقابلہ میں ہمارے پانچ بھی بہت ہیں۔ اس لئے کہ ان کو تو لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو سرکنڈے سے مفت میں کام نکال لیتے ہیں ' اور مجھے لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو پچاس روپے کا فونٹین پین چاہئے۔ اب ان کو کون سمجھاتا کہ حضرت آپ کو کس نے منع کیا ہے کہ مفت کا سرکنڈا استعمال نہ کریں۔

اسی طرح دارالعلوم کے مہتمم کا آپ کے پاس خط آیا ' اس میں کاغذ کی دو تہہ تھیں۔ آپ نے وہ زائد کاغذ پھاڑ کر ان کو واپس بھیج دیا ' اور خط کا جواب علیحدہ کاغذ پر اپنے پاس سے لکھا ' اور تحریر فرمایا کہ یہ مدرسہ کی امانت ہے اس کو ضائع ہونے سے بچاؤ۔

اسی طرح آپ ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہے تھے۔ کھانے میں ایک بوٹی گر
گئی آپ نے اس کو اٹھایا اور دھو کر کھا لیا۔ پاس چند آج کل کے تہذیب یافتہ بیٹھے
ہوئے تھے ان کو کچھ ناگوار محسوس ہوا۔ آپ نے کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ایک
ایک لقمہ پر اللہ تعالیٰ کی کتنی مخلوق نے محنت کی ہے۔ زمین نے، سورج نے، چاند نے،
جانوروں نے، ہواؤں نے، کسان نے، پانی نے اور ہم اس کی بے قدری کریں۔

ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نعمت اللہ کی ہم کو حاصل ہو اس کی
قدر کر لیا کریں اور ضائع ہونے سے بچائیں یہی نعمت کھانے کی پلیٹ صاف کرنے
میں ہے۔ پھر سوچ سمجھ کر داد و دہش کا جہاں موقع ہوتا آپ بے دریغ کرتے۔

ایک مرتبہ مدرسہ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ملازمین مدرسہ دوران ملازمت کچھ
رقم قرض لینا چاہتے ہیں اب وہ کس طرح تنخواہ میں سے ادا ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔
تنخواہ میں سے نہ دو بلکہ اس کے لئے ایک علیحدہ فنڈ بناؤ اور سب سے پہلے خود پانچ
سو روپیہ آگے رکھ دیئے۔ پھر سب نے اور کچھ رقم ملا کر فنڈ قائم کیا۔ یہ بزرگ تھے
ان کو اتنا خرچ کرنا اور ضائع ہونے سے بچانا۔

تہذیب مغرب کی لعنت

ذرا غور تو کیجئے کہ مغربی تہذیب نے ہمارے اخراجات اتنے بڑھا دیئے ہیں
کہ ایک ملازم مجبوراً اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے رشوت لیتا ہے۔ ایک
دکاندار مجبوراً جھوٹ بولتا ہے۔ یہ ساری لعنت ان بناوٹی اخراجات کی ہے۔ جن کو اگر ہم
چھوڑ دیں تو سکون بھی حاصل ہو اور آمدنی بھی پوری ہو جائے بلکہ بچ جائے۔

کپڑوں میں پیوند

حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کوئی کپڑا ضائع
مت کرو جب تک اس میں پیوند لگا کر نہ پہن لو۔ آج پیوند تو در کنار فیشن بدل جانے
سے بہت سے کپڑے ہمارے گھروں میں ایسے ہی پڑے رہتے ہیں۔ یہ سب فضولیات

نہیں تو کیا ہیں؟

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ کی بات تو سب کو معلوم ہے' جو بادشاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کرتے وقت ایک تکیہ ایک پیالہ اور ایک ڈول لیکر چلے۔ پھر راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر سو رہا ہے۔ آپ نے تکیہ پھینک دیا۔ پھر ایک شخص کو ہاتھ سے پانی پیتے دیکھا تو پیالہ پھینک دیا۔ اور ایک ہرن کی خاطر اللہ تعالیٰ نے کنوئیں کے پانی کو جوش دیکر اوپر کر دیا۔ اور ہرن نے اپنی پیاس بجھائی۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنا ڈول' رسی بھی پھینک دیا۔ وہ تو بہت اعلیٰ درجہ ہے' بہت اونچی بات ہے۔

ایک گھسیارہ کے حسن انتظام

ابھی ہمارے زمانہ کی تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ ایک شخص جنگل سے گھاس کاٹ کر بازار میں چھ پیسہ کی روزانہ بیچتا تھا۔ بس وہاتنی ہی گھاس روزانہ لاتا اور چھ پیسہ سے کم نہ زیادہ۔ بس چھ پیسہ سے ہی گزارا کرتا تھا۔ ایک روز ایک تحصیلدار کا آدمی آیا اور گھاس اٹھوا کر لے گیا اور جا کر جیسے یہ حکومت والے رعب دکھاتے ہیں اس کو چار پیسے حوالے کئے۔ اس نے کہا کہ میری گھاس تو چھ پیسے کی ہے۔ وہ بولا جاؤ' بس یہی ملے گا۔ وہ بیچارہ چلا گیا۔ ابھی گھوڑے نے گھاس پر منہ ڈالا تھا کہ گھوڑا منہ کے بل گر گیا۔ حکیم' ڈاکٹر آئے۔ لوگوں نے کہا یہاں یہ گھوڑا حکیم' ڈاکٹروں سے نہیں بچے گا۔ اسی گھاس والے کو بلاؤ۔ چنانچہ ان کو بلایا' اور اب تحصیلدار نے بڑی عزت اور منت' سماجت کی اور دس روپے آپ کی خدمت میں پیش کئے' انہوں نے وہ روپے اٹھا کر پھینک دیئے اور کہا: مجھے تو دو پیسے چاہئیں' وہ لے گئے۔ گھوڑا ٹھیک ہو گیا۔

اب سنئے! وہ اس چھ پیسہ کا کرتا کیا تھا؟ چار پیسہ میں دونوں وقت کھاتا' ایک پیسہ بیماری' کپڑا وغیرہ ضروریات کیلئے جمع کرتا' اور ایک پیسہ میں سے آدھا یعنی دھیلا اپنی ایک بچی کیلئے جمع رکھتا' اور ایک دھیلا بزرگوں کے ہدیہ کیلئے جمع کرتا۔ چنانچہ اس طرح جب دو دھیلا جمع کرتے کرتے تین آنے ہو جاتے تو وہ لیکر جاتے حضرت مولانا

محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کر کہتے: بھئی! آج آٹھ آنے آئے ہیں، یہ تم تینوں کی دعوت کے پیسے ہیں، اور وہ حضرات بڑی خوشی سے یہ پیسے لے کر دعوت کرتے بلکہ اس دعوت کے منتظر رہتے۔ کیونکہ اس دعوت کو کھانے کے بعد ان میں سے ہر ایک کا یہ بیان تھا کہ آج رات بھر نہ تو نیند آئی اور نہ سکون ملا۔ بس رات بھر عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کو طبیعت چاہی۔ یہ تھے وہ پیسے جو کھانے میں ایک انتظام کے تحت خرچ کرتے تھے۔

تو بھائی حصولِ رزق اگر غیر اختیاری ہے تو اس کے اسباب تو اختیاری ہیں۔ ہم غیر اختیاری کے پیچھے کیوں پڑیں؟ اس کا صرف کرنا جو اختیاری ہے اس میں حدودِ شرعی کے تحت صرف کریں۔ دیکھئے کتنی برکت ہوتی ہے اور کتنی بلاؤں سے آپ محفوظ رہتے ہیں اور کیسی سکون اور آرام دہ زندگی گزرتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ جیسے ہر وقت موت کے لئے تیار رہتے تھے اس لئے مرض میں جو چیزیں تھیں سب فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری ملکیت نہیں، جو گھر میں ہے وہ گھر والوں کا ہے۔ چنانچہ اس دوران میں اگر ایک پنکھا مسجد کا آ جاتا تو فوراً وہاں سے ہٹا دیتے تھے۔ یہ تھی بزرگوں کی شان۔

مجلس کا خلاصہ

تو حاصل آج کی نشست کا یہ ہوا کہ ہم اختیاری کو عمل میں لائیں، غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑیں، جو کچھ خدا کی طرف سے آئے اس پر قانع رہیں اور تہذیبِ مغربی اور رسم و رواج اور لوگوں کے کہنے کی طرف نہ دیکھیں بلکہ حدودِ شرعی معلوم کریں اور اپنے مال کو ضائع ہونے سے بچائیں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ اللہ پاک ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ تو ایک چھوٹا سا عمل ہے۔ لیکن آج سے اگر ہم شروع کر دیں تو بہت فرق پڑ جائے گا۔ ہر جگہ گھر میں ہر محلے میں دیکھا جاتا ہے کہ کہیں چاول پڑے ہیں، کہیں سڑا ہوا سامان پڑا ہوا ہے، یہ چیزیں ضائع ہو رہی ہیں۔ اس سے پہلے ہی اگر بچا لیں تو کسی کے دو

میں پڑ جائے تو ان کو خراب ہونے سے پہلے فوراً کسی کے گھر بھیج دیا جائے اور قبول کرنے والے بھی خواہ کتنا ہی چھوٹی تعداد کا ہدیہ ہو قبول کر لیں۔ اس کا ہی اگر رواج پڑ جائے تو بڑے وبال سے بچ سکتے ہو۔ چونکہ یہی تھوڑا تھوڑا نعمتوں کے ضائع کرنے کا ہم کو بڑا وبال اٹھانا پڑتا ہے اسی سے ہم شروع کر دیں۔ آگے جس کو جتنی خدا توفیق دے۔

اللہ پاک ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

مجلس: ۱۲

اصل تقویٰ یہ ہے

ملکیت کی وضاحت کا اہتمام

ایک مرتبہ حضرت والا کے ساتھ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جانا ہوا، وہاں جاکر دیکھا کہ ان کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے اور ایک بڑا کتب خانہ ہے، جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بھر کی محنت تھی۔ یہ تو ان کا کتب خانہ تھا۔ مجھ جیسے ناکارہ اور نکمے کا ذاتی کتب خانہ اتنا بڑا ہے کہ اس کو دیکھنے کے لئے ایک مہینہ چاہئے۔ اور کتب خانہ میں کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جس پر یہ لکھا ہوا نہ ہو کہ یہ کس کی ملکیت ہے؟ ہر کتاب کے پہلے ورق پر لکھا ہوا تھا:

الآن فی ید ہ رشید احمد"۔

"آن" کے معنی ملکیت کے ہیں۔ لہٰذا اپنی ملکیت کی جتنی کتابیں تھیں ان سب پر یہی لکھا تھا اور جو کتاب دوسرے کی تھی اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک کتاب پر میرے ماموں کا نام لکھا ہوا تھا جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ بعد میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ میں نے کہا کہ اس کتاب کا وارث تو میں ہوں۔ چنانچہ وہ کتاب میں نے لے لی، آج بھی وہ کتاب "تذکرہ حمدیہ" جو میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ سے وصول ہوئی ہے اور اس پر قلم سے میرے ماموں کا نام لکھا ہے۔

کہنے کی بات یہ ہے کہ یہ صرف ایک شخص کا معاملہ نہیں تھا بلکہ۔

ایں خانہ تمام آفتاب است

ہمارے تمام بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے میں تو بظاہر کچھ بھی نظر نہیں

آتا تھا۔ یہ نہیں ہوتا تھا کہ بیٹھے ہوئے لمبی چوڑی نصیحات پڑھ رہے ہوں۔ بلکہ اصل تقویٰ ان کے اندر یہ تھا کہ "املاک کا انتظام" آج کل یہ آفت آگئی ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کو پرواہ نہیں ہے۔ حلال و حرام کی فکر نہیں ہے' اس کے باوجود صوفی و بزرگ کہلاتے ہیں' ہمارے بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ اگر کاشتکار کوئی چیز لاتا تو اس سے یہ پوچھتے تھے کہ موروثی زمین کی پیداوار تو نہیں ہے؟ اگر موروثی زمین کی پیداوار ہوتی تو واپس کر دیتے اور یہ لینے میں اس کا اہتمام ہوتا تھا۔

اموال کی بے غبار تقسیم

خاص کر حضرت تھانوی ﷫ کے یہاں یہ چیز دیکھی کہ ان کے یہاں اموال اور املاک کی روزانہ ایسی تقسیم ہوتی تھی کہ کبھی ابہام رہتا ہی نہیں تھا۔ حضرت ﷫ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی چیز آتی تو اس کے تین برابر حصے کرتے۔ چونکہ دو بیویاں تھیں اس لئے ایک حصہ ایک گھر میں بھیج دیا اور دوسرا حصہ دوسرے گھر میں بھیج دیا اور ان کو اس چیز کا مالک بھی بنا دیا اور اپنی ملک سے نکال دیا اور ایک حصہ اپنی ملکیت میں رکھتے' پھر اس حصہ کو بھی کثر غرباء اور فقراء میں تقسیم فرما دیتے اور کبھی خود استعمال کرنے کی ضرورت ہوئی تو خود استعمال کر لیا' حضرت تھانوی ﷫ کا معمول یہ تھا کہ جتنی آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک ثلث (تہائی) اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے' یعنی تین روپے میں سے ایک روپیہ' اس لئے جو حصہ اپنے لئے رکھتے تھے وہ عموماً صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ اسی حصہ سے بہت سی کتابیں چھپوا کر تقسیم کرتے اور اسی میں سے بہت سے غرباء کے وظیفے مقرر تھے اور زکوٰۃ تک نوبت تو شاذ ہی پہنچی ہو' چنانچہ حضرت والا خود فرمایا کرتے تھے کہ جب میری ملکیت میں سو روپے ہو جاتے ہیں تو مجھے بار معلوم ہونے لگتا ہے' اس لئے وہ پیسے اپنے گھروں میں بانٹ رہا ہوں۔ اپنی ملکیت میں نہیں رکھتا ہوں۔

اپنی ملکیت کا امتیاز

املاک کا اس قدر اہتمام تھا کہ میں نے حضرت کی وہ کاپی دیکھی ہے جس میں املاک کی تفصیل لکھی تھی۔ اس کاپی میں لکھا تھا کہ جس جگہ جس کمرے میں میں بیٹھتا ہوں' اس جگہ کوئی چیز دوسرے کی ملکیت نہیں ہے' سب چیزیں میری ملکیت ہیں۔ اس جگہ پر مسجد' مدرسہ اور خانقاہ کی کوئی چیز نہیں ہے حتیٰ کہ یہاں میری بیویوں کی بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ سب کچھ میری ملکیت اور میری میراث ہے اور گھر والوں میں جو کچھ ہے' اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے' جس گھر میں جو چیز ہے وہ انہی کی ملکیت ہے' چھوٹے گھر میں چھوٹے گھر والوں کی ملک ہے اور بڑے گھر میں بڑے گھر والوں کی ملک ہے۔ اپنی املاک اور بیویوں کی املاک کا اتنا امتیاز ہوتا تھا کہ اگر آج انتقال ہو جائے تو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ چنانچہ وفات کے بعد جب حضرت والا کے حجرے کا سامان نکالا گیا' تاکہ حساب کرکے وارثین کے درمیان بطور میراث تقسیم کر دیں تو اس وقت دیکھا کہ کوئی چیز مبہم نہیں تھی۔

ہمارے لئے راہ عمل

اصل تقویٰ وطہارت تو اس کا نام ہے' آج دنیا میں سب چیزیں مشترک طریق چلتے ہیں۔ میاں بیوی کی ملکیتوں میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا' بلکہ یوں کہا جاتا ہے "میاں بیوی کا کس نے بانٹا" حالانکہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت ﷺ کی تلقین کے بعد ہمارے گھر کا بھی یہی معمول ہے کہ میری ملکیت الگ ہے' بیوی کی ملکیت الگ ہے اور اولاد کی ملکیت الگ ہے' ہر چیز کی ملکیت متعین ہے' ملک کے اندر میں بھی اشتباہ نہیں رکھتا' جب کوئی چیز گھر میں آتی ہے تو فوراً اس کی ملک متعین کرکے الگ کر دیتے ہیں۔ تاکہ کل کو یہ اختلاف اور اشتباہ نہ ہو کہ یہ چیز میری ملکیت تھی یا نہیں؟

احقر جو یہ کہتا ہے کہ اسی کا یہ اثر تھا کہ وفات کے بعد کسی چیز میں بھی یہ اشتباہ پیش نہیں آیا کہ یہ حضرت والا کی ملکیت ہے یا گھر میں سے کسی کی ملکیت ہے۔

(حتیٰ کہ کمرے کے اوپر جو ٹیپ تھا اس پر بھی لکھا ہوا کہ یہ میری ملکیت ہے) ایک ایک چیز لکھی ہوئی تھی۔

تقسیم میراث میں غلطی

فرمایا کہ تقسیم میراث میں بہت سے اہل علم و صلاح بھی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تقسیم میراث سے پہلے مشترک مال میں سے ایصال ثواب کے نام پر تمام ورثاء کی اجازت کے بغیر خرچ کر دیتے ہیں اور تبرکات کے نام پر کچھ اشیاء تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس میں دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو کر سب کام خراب ہو جاتا ہے۔

تشریح: اب وہ وارث بولتے نہیں۔ لیکن دل میں دینے پر راضی نہیں ہوتے اور حدیث شریف میں ہے کہ جب تک کوئی خوشی سے راضی نہ ہو اس وقت تک اس کا مال خرچ کرنا جائز نہیں۔ عام طور سے تقسیم میراث کے وقت یہ ہوتا ہے کہ سارے وارث بیٹھے ہیں۔ دوران میں سے ایک وارث نے یہ بول دیا کہ یہ چیز تو اللہ کے نام پر دیدو۔ اب دوسرے وارثوں کا دل نہیں چاہ رہا ہے کہ وہ چیز دیں لیکن وہ بیچارے شرما شرمی میں انکار نہیں کرتے ہیں۔ حالانکہ سیدھی بات یہ ہے کہ وہ مال پہلے تقسیم کر دو، اس کے بعد وہ وارث چاہے اللہ کے نام دے، اور چاہے خود رکھے۔ تم اپنی طرف سے دینے والے کون ہوتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو اس کا مالک بنایا ہے اس کو دیدو۔ اب وہ وصول کرنے کے بعد جو چاہے کرے۔ خود سے بیچ میں دخل دینا کہ اس کو مدرسہ میں لگا دو، اس کو مسجد میں لگا دو یہ بالکل حرام ہے۔

نابالغوں کے حقوق کی حفاظت

اور فرمایا کہ خصوصاً نابالغ بچوں کے حقوق کی حفاظت انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اکثر لوگ غفلت کرتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ نابالغ کی چیز اس کی اجازت کے بعد بھی دوسرے کے لئے جائز نہیں۔

تشریح: نابالغوں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ بچائے، اس کا تو کوئی علاج ہی

نہیں۔ اگر نابالغ کا مال تم نے خرچ کر دیا تو کل کو اگر نابالغ نے معاف بھی کر دیا تو معاف ہونا مشکل ہو جائے گا (البتہ بالغ ہونے کے بعد اس کا معاف کرنا معتبر ہو سکتا ہے)

نابالغ کا حق ادا کرنے کا طریقہ

فرمایا کہ اگر کسی کے ذمے نابالغ کا کوئی حق واجب ہو تو اس کے ادا کرنے کی سہل صورت یہ ہے کہ اس کو کوئی چیز ایسی بنا کر دیدے جو خاص اسی کے استعمال میں آئے۔ جیسے کپڑا جوتا وغیرہ۔ نابالغ کی ملکیت میں ماں باپ کو بھی یہ اختیار نہیں کہ دوسرے کو دیدیں۔ بچوں کے لئے جو جوتے کپڑے عام گھروں میں ہوتے جاتے ہیں۔ ان میں احتیاطاً ایسا کرنا چاہئے کہ وہ بچوں کی ملک نہ بنائیں اپنی ہی ملک میں رکھیں۔ تاکہ جب وہ کپڑا ایک بچے کے بدن پر چھوٹا ہو جائے تو وہ دوسرے بچے کو پہنا سکیں۔ اور اگر وہ کپڑا بچے کی ملکیت کر دیا گیا ہے تو پھر باپ کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کپڑا کسی دوسرے بچے کو پہنادیں۔

تشریح: اس میں بڑی بے احتیاطی ہوتی ہے اگر بچے کو کپڑے کا مالک بنا دیا ہے تو وہ کپڑا دوسرے بچے کو دینا جائز نہیں۔ مثلاً ایک بچے کے لئے اچکن بنا دی اور فرض کرو کہ اس بچے کو اس کا مالک بنا دیا اب وہ اس کا مالک ہو گیا۔ اب اگر کل کو وہ اچکن اس کو چھوٹی ہو۔ اور باپ یہ چاہے کہ اب وہ اچکن چھوٹے بچے کو دیدیں۔ یہ باپ کے لئے جائز نہیں۔ اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ باپ اپنی ملکیت میں رکھے۔

ترجمہ قرآن کریم میں اردو ادب کا زیادہ اہتمام

ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اس میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اس کو اردو والے چاہے پسند کرتے ہوں مگر شاہانہ کلام سے بالکل بعید ہے۔

تشریح: اردو ادب کی چاشنی تو اس میں پیدا کر دی مگر اللہ کے کلام کا ترجمہ نہ ہوا۔

احکام شرعی کی حکمت پوچھنا بندگی کے خلاف ہے

ایک شخص نے حضرت سے پوچھا کہ نمازیں پانچ کیوں فرض کی گئی ہیں؟
حضرت نے جواب دیا کہ آپ کی ناک منہ پر کیوں لگی ہے کمر پر کیوں نہیں لگی؟

وہ کہنے لگے کہ کمر پر لگتی تو بدصورت معلوم ہوتی' حضرت والا ﷺ نے فرمایا کہ اگر سب انسانوں کی ناک کمر ہی پر ہوا کرتی تو کیا ہوتا؟ وہ خاموش ہو گئے۔
تشریح: بدصورت تو اس وقت ہوتی جب ایک شخص کی کمر پر ہوتی' اور اگر سب کی کمر پر ہوتی تو پھر سب کو اچھی لگنے لگتی۔

احقر جامع کہتا ہے کہ حضرت ﷺ نے بار بار فرمایا کہ احکام شرعیہ کی حکمتیں بہت سی معلوم بھی ہیں اور کوشش کرنے سے مزید معلوم بھی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ خود حضرت ﷺ کی ایک مستقل کتاب اس موضوع پر "المصالح العقلیہ فی الاحکام النقلیہ" کے نام سے شائع شدہ موجود ہے۔ مگر فرمایا کہ بندہ کے لئے یہ شایان نہیں کہ وہ احکم الحاکمین کے حکم کی لم اور علت کی تلاش میں رہے کیونکہ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی حکم کی حکمت معلوم نہ ہو سکی تو اس پر عمل کرنا دوبھر ہو جاتا ہے' بندے کا کام بندگی اور تعمیل حکم ہے اور جتنا زیادہ کوئی شخص تعمیل حکم کی کوشش کرتا ہے' اتنا زیادہ اس پر احکام شرعیہ کی حکمتیں کھلتی جاتی ہیں۔
تشریح: دنیاوی افسر بھی اگر کوئی حکم دے اور آپ اس سے پوچھیں کہ اس میں کیا مصلحت اور حکمت ہے؟ یہ کام کیوں کرا رہے ہو؟ افسر کیا جواب دے گا۔ وہ تو کان پکڑ کر باہر نکال دے گا کہ ہمارا حکم ماننا ہے تو مانو' ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔

ایک مرتبہ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس کی حکمت ہمیں معلوم تو ہے لیکن اس کا بتانا تمہارے لئے مضر ہے۔ اس لئے کہ تمہیں یہ علت لگ جائے گی کہ ہر حکم کی حکمت اور مصلحت کی تحقیق کرتے پھرو اور جو اصلی اتباع کا حکم ہے وہ پورا نہ ہو' اور فرمایا کہ:

شرعی لباس باعث شرافت ہے

ارشاد فرمایا کہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب ؒ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہے مگر اپنا لباس اور اپنی وضع قطع ہمیشہ سادہ اور شریعت کے مطابق رکھی۔

تشریح: وہ اچکن پہنا کرتے تھے، وہ شیروانی نہیں ہوتی تھی بلکہ کلی دار اچکن ہوتا تھا، میں نے بچپن میں بہت پہنا ہے۔ یہاں آکر شیروانی بنوانی پڑگئی اس لئے کہ اس کا بنانے والا دیوبند میں ایک درزی تھا وہ اب مرگیا، ہمیشہ وہی بنایا کرتا تھا۔ وہ پرانے طرز کا کلی دار اچکن ہوتا تھا حضرت خواجہ صاحب اسی طرح کا اچکن ہمیشہ پہنا کرتے تھے، وہ انسپکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر بھی ہوگئے بڑے بڑے عہدوں پر رہے۔ لیکن اچکن وہی پہنا کرتے تھے۔

ایک جرمنی صاحب نے ان کو دور سے دیکھتے ہی کہا کہ یہ آدمی بہت شریف معلوم ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ان کی نقالی کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں بھی یہ لوگ شرافت کے خلاف کام کرتے ہیں۔

تشریح: حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنی وضع پر قائم ہے وہ شریف طبیعت کا آدمی ہے انھوں نے شرافت اسی میں سمجھی اور وہ اپنی وضع پر قائم رہے، دوسروں کی نقالی نہیں کی، دوسروں کی نقالی کرنے والے اور ان کی طرح کا لباس پہننے والوں کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ یہ تو ہماری نقل اتار رہے ہیں ان میں کیا رکھا ہے۔

اپنی وضع پر پختگی

ہمارے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب (ؒ) کے والد حضرت حافظ محمد احمد صاحب ؒ ان کو آخر زمانے میں حکومت کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب مل گیا تھا اور گورنروں کے کبھی کبھی دربار منعقد ہوتے تو اس میں شرکت کے لئے ان کے پاس بھی دعوت نامے آتے، ایک مرتبہ دربار میں شرکت

کا دعوت نامہ آیا' چنانچہ یہ شرکت کے لئے تشریف لے گئے' جب دربار میں پہنچے تو اندر جانے سے ان کو روک دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ چونکہ آپ نے ہندوستانی جوتا پہنا ہوا ہے اور ہندوستانی جوتا پہن کر اندر جانے کی اجازت نہیں۔ آپ انگریزی بوٹ پہن کر آئیں انہوں نے کہا کہ میں تو یہی جوتا پہنتا ہوں۔ اگر اس جوتے کے ساتھ اندر جانے کی اجازت نہیں تو میں یہیں باہر بیٹھتا ہوں۔ آپ اندر اطلاع کرا دیں کہ فلاں صاحب آئے ہیں۔ لیکن ہندوستانی جوتا پہنے ہوئے ہیں چنانچہ جب اندر اطلاع کی گئی تو گورنر خود اٹھ کر دروازے پر آئے اور آکر کہا کہ آپ کا جوتا تو بڑا اچھا ہے۔ اور یہ کہہ کر ان کو عزت اور احترام کے ساتھ اندر لیجا کر بٹھایا اور دوسرے لوگ دیکھتے رہ گئے۔

معاملات سے متعلق متفرق ارشادات

حضرت نانوتوی کا مدرسہ کا قلم استعمال کرنا

فرمایا مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ جب مدرسہ دیوبند کے دوات، قلم سے کوئی (ذاتی) خط لکھتے تھے تو روشنائی اور قلم کے استعمال کے عوض میں ایک پیسہ (مدرسہ میں) رکھتے تھے۔

فرمایا مسلمان جب تک دین کی حفاظت نہ کرے اس کو دنیا کی فلاح بھی نہ ہوگی۔

رقم لکھنے سے پہلے لفظ مبلغ لکھنے کا فائدہ

فرمایا۔ رقم سے پہلے لفظ مبلغ لکھنے کو ہم پہلے فضول سمجھا کرتے تھے لیکن اب معلوم ہوا کہ اس کا بڑا فائدہ ہے کہ اس سے قبل کوئی رقم نہیں بڑھا سکتا ہے ایک ہزار روپے پہلے ایک لاکھ کر دے ہندسہ بڑھا دے تو بڑھا سکتا ہے مگر مبلغ لکھنے کے بعد جگہ نہیں رہتی اس لئے اب نہیں بڑھا سکتا۔

ضروریات زندگی میں اولاد کے درمیان برابری ضروری نہیں

فرمایا: اولاد کی طبعی شرعی ضرورت میں جس قدر ایک پر خرچ ہو گیا اتنا ہر ایک پر خرچ کرنا ضروری نہیں۔ مگر بیمار ہوا۔ علاج میں خرچ ہو گیا۔ تعلیم پر خرچ ہوا۔ اب سب برابر خرچ کرنا ضروری نہیں۔ ہبہ یا جو اولاد آئندہ بالغ ہوگی تو پھر مالداری رہے یا نہ رہے۔ حالات بدل جائیں تو ہر ایک کی ضرورت زندگی الگ الگ ہوتی ہیں لہٰذا عرفاً و عادۃً جو ضروریات زندگی سمجھی جاتی ہیں اس میں تسویہ ضروری نہیں ہے جس کو جیسی ضرورت پڑے حسب استطاعت پوری کر دے۔ جہیز دینا سنت ہے مگر اب آمدنی گھٹ گئی۔ پہلے کی شادی پر آمدنی زیادہ تھی اسے زیادہ دیدیا اب آئندہ اہتمام

کرنا کہ اتنا ہی دیا جائے ضروری نہیں۔ عرفی ضروریات میں بھی توسع ہے البتہ جب کرے تو برابر سب کرے۔

دیوانہ کے ہدیہ کا حکم

فرمایا جس شخص کا دماغ درست نہ ہو اس کا ہدیہ لینا درست نہیں۔

سود سے بخل بڑھتا ہے

فرمایا: سود لینے سے بخل بڑھتا ہے۔

نکاح کا اصل مقصد

فرمایا، اصل حکم تحصین فرج (شرم گاہ کی حفاظت) و غض بصر (نگاہ نیچی رکھنے) کا ہے مگر نکاح کا امر محض تسہیل مطلوب کے لئے ہے۔

سنت کے مطابق نکاح کرنے کی برکت

فرمایا: سنت کے موافق نکاح میں نورانیت ضرور ہوتی ہے اور یہ بھی بات ہے کہ جتنی سہولت ہوتی ہے اتنی ہی نورانیت قلب میں ہوتی ہے کیونکہ جھگڑا بکھیڑا ہوتا نہیں، اس لئے انشراح رہتا ہے اور جہاں طوالت اور جھگڑے ہوتے ہیں، وہاں ضرور قلب میں کدورت اور ظلمت ہوتی ہے۔

عورت کا مہر معاف کرنا

فرمایا عورت گو مہر معاف کر دے لیکن پھر بھی ادا کرے کیونکہ یہ غیرت کی بات ہے کہ بلا ضرورت احسان لے۔

باب چہارم
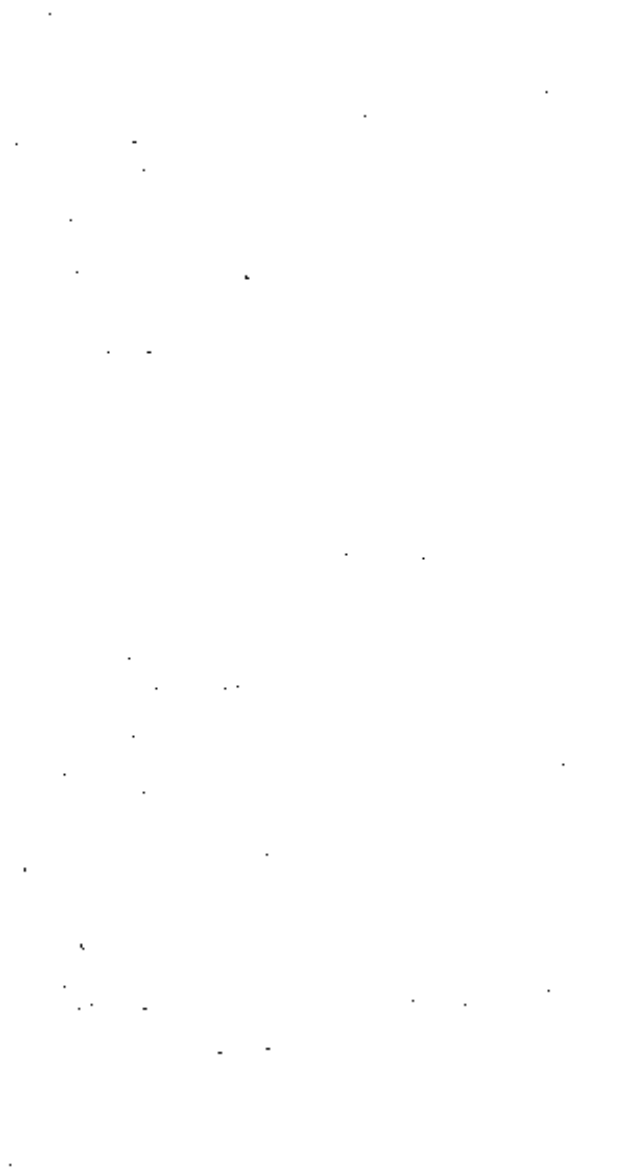
معاشرت

مشورہ کی اہمیت' حسن انتظام کے فوائد' آداب معاشرت' تہذیب کی حقیقت' تکلف اور تصنع' بے وقت فون کرنا' جانوروں کو ایذاء دینا' شرعی سزائیں رحمت ہیں' سلامتی یکسوئی میں ہے' عمر بھر یاد رکھنے کی بات' قطع تعلق کا وبال' لباس و زیور کی محبت کم کرنا۔

مجلس : ۱۴

مشورے کی اہمیت

فتنوں کا ظہور

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آخر زمانے میں دنیا پر فتنے اس طرح ٹوٹیں گے' جیسے موتیوں اور دانوں کی لڑی ٹوٹ جائے' تو وہ دانے دفعتاً یکے بعد دیگرے سارے گر جاتے ہیں۔ آج کل اسی چیز کا مشاہدہ ہو رہا ہے' سارے عالم میں عجیب و غریب فتنے ہیں' خاص کر عالم اسلام زیادہ مبتلا ہے' آزمائش تو اللہ کے بندوں کی ہوتی ہے۔ اس لئے فتنے بھی زیادہ تر اسلامی ملکوں اور شہروں میں آرہے ہیں' اسی لئے حضور ﷺ نے فتنوں سے پناہ مانگنے کے لئے بہت دعائیں مانگی ہیں۔

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ"

اس لئے کہ فتنہ عام مصائب سے مختلف ہوتا ہے' مثلاً مصیبت یہ آئی کہ کوئی سیلاب آگیا' کوئی طوفان آگیا' کوئی زلزلہ آگیا۔ اس کا مصیبت ہونا متعین ہوتا ہے' اور اس میں علاج کی جہت متعین ہوتی ہے کہ اس جگہ سے بھاگ کر جان بچالو' یا کوئی تدبیر ہو تو اس کو اختیار کر لو۔ لیکن فتنہ ایسی چیز ہوتی ہے کہ اس میں حقیقت ملتبس ہوتی ہے کہ آدمی کیا کرے۔ ادھر جائے یا ادھر جائے' اللہ تعالیٰ بچائے۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے اور آج کل عموماً اسی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

قادیانی فتنہ

آج کل ایک نیا فتنہ قادیانیوں کا کفر ہو گیا ہے' یہ بھی اسی قبیل سے ہے' اس

یہ پہلے بھی ملک میں کتنے ہنگامے ہو چکے ہیں اور اب بھی ہو رہے ہیں لیکن یہ کام میں سب سے پہلی چیز جس کی طرف مسلمانوں کو رجوع کرنا چاہئے۔ وہ ہے اللہ کی طرف توجہ اللہ تعالیٰ سے ان فتنوں سے پناہ مانگے اور ان میں مبتلا ہونے سے پناہ مانگے پھر یہ کہ ان فتنوں سے بچ کر صحیح راستے پر نکل آئیں۔ یہ بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے۔ کہ فتنہ جب اترتا ہے تو جال کی شکل میں اترتا ہے اور جال کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں جتنا شکار ہونے والا جانور پھڑ پھڑاتا ہے۔ وہ اور جال میں پھنستا ہے اور تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں اسی واسطے نبی کریم ﷺ نے فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

رجوع الی اللہ اور پوری کوشش

تو سب سے پہلا کام ہے۔ توجہ الی اللہ اور دعا کہ یا اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجئے اور پھر اپنی مقدور بھر کوشش کرنا۔ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے۔ غنیمت ہے کہ الحمدللہ اس میں مسلمان سنبھل گئے اچھا خطرہ یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت اور عوام میں جھگڑا ہو جائے اور قادیانی بیٹھے تماشا دیکھیں ' جیسا کہ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔ رخ صحیح چل رہا ہے ' خدا کرے آگے بھی صحیح رخ چلے اور مسلمانوں کا جو مقصد ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرما دے اس کے لئے اس وقت بھی دعا کریں اور انشاءاللہ مجلس کے بعد بھی دعا کریں گے اور آئندہ بھی کرتے رہیں اور اپنے سے جتنی کوشش بھی بن پڑ سکتی ہے وہ کرنی چاہئے جائز اور صحیح کوششوں میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

مشورہ کرنا صحیح طریقہ ہے

اس وقت یہ مختصر مضمون اس لئے عرض کر دیا کہ لوگ اس وقت اس میں مبتلا ہیں اور اس کے لئے طرح طرح کے مختلف طریقے سوچتے ہیں۔ لیکن اہل الرائے بھی جمع ہیں اور مشورے ہو رہے ہیں ' جب کوئی بات طے ہو جائے گی تو انشاءاللہ اس کے

مطابق عمل ہو گا' لیکن ہر شخص الگ الگ اپنی اپنی رائے دے اور اس پر عمل کرے۔ یہ غلط ہوتا ہے اور اس کے ثمرات اور نتائج بھی غلط نکلتے ہیں۔

لِمَ تَقُولُونَ مَالَا تَفْعَلُونَ کی تفسیر میں شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت تھانوی کا ملفوظ : ارشاد فرمایا کہ: قرآن کریم کی آیت لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ یعنی کیوں کہتے ہو وہ جو خود نہیں کرتے" اس کے ظاہر سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ جو شخص خود کوئی نیک عمل نہیں کر رہا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسروں کو نیکی کی دعوت دے حالانکہ بالاتفاق یہ غلط ہے' اس غلط فہمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے اس آیت کو دعوت پر محمول کر لیا۔ حالانکہ یہ آیت دعوت سے متعلق نہیں' بلکہ دعوے سے متعلق ہے اور مراد یہ ہے کہ جو وصف تم میں موجود نہیں اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو؟ مطلب یہ ہے کہ جو کام تم نے کیا نہیں یا جو وصف تم میں موجود نہیں اس کا دعویٰ نہ کرو"۔

دعویٰ اور دعوت میں فرق

تشریح: "دعویٰ" اور "دعوت" میں دو لفظ ہیں" ان لفظوں کو سمجھ لیجئے "دعوت" کے معنی ہیں کہ کسی کام کے لئے لوگوں کو بلانا اور "دعویٰ" کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں عالم ہوں' بزرگ ہوں۔ متقی ہوں یا کسی اور وصف کا یا کمال کا دعویٰ کرے۔ کسی کمال کا یا کسی وصف کا دعویٰ کرنا اور چیز ہے اور لوگوں کو کسی نیک کام کی دعوت دینا اور چیز ہے" اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟" اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ایسی بات کا دعویٰ کیوں کرتے ہو جو واقع میں تمہارے اندر نہیں؟ تمہارے اندر جو وصف نہیں ہے۔ تم اس بات کا دعویٰ کرو کہ ہمارے اندر یہ وصف ہے۔ عالم نہیں اور دعویٰ کرتے ہو عالم ہونے کا' متقی پرہیزگار نہیں ہو۔ لیکن متقی پرہیزگار ہونے کا دعویٰ کرتے ہو یا کوئی اور فن کوئی اور ہنر ہو' جو تمہیں نہیں آتا' اس کا دعویٰ مت کرو' یہ ہے اس آیت کا مطلب۔

جاہل کو علماء کا لباس اختیار کرنا

اللہ تعالیٰ صوفیاء کرام کو جزائے خیر دے کہ ان کے ہاں اس کا بہت ہی اہتمام تھا۔ان کے یہاں "دعویٰ" صرف زبان سے "دعویٰ" کرنے کا نام نہیں تھا۔بلکہ اپنے حال سے، اپنے افعال واعمال سے بھی اگر دعویٰ کرے تو وہ بھی دعویٰ ہوتا ہے، ایک آدمی علماء کی سی شکل وصورت بنالے اور حقیقت میں جاہل آدمی ہے بعض لوگ ایسا کرکے بیوقوفی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کوئی ثواب کا کام کر رہے ہیں۔ایک صاحب نیک نیت تھے، بدنیت نہیں تھے اور نیک نیتی سے سمجھتے تھے کہ علماء کا لباس ہمیں اختیار کرنا چاہئے یہ تو ثواب کا کام ہے اور خود عالم تھے نہیں۔میں نے ان سے کہا کہ تمہارے لئے ایسا لباس اختیار کرنا غلط ہے۔کیونکہ یہ ایک قسم کا عالم ہونے کا دعویٰ ہے اور یہ عملی دعویٰ ہے۔لوگ اس لباس میں دیکھ کر تمہیں عالم سمجھیں گے اور تم سے پھر مسئلہ پوچھیں گے، اس لئے ایسی وضع بنانا جو اس شخص میں کچھ نہیں یہ بھی ایک قسم کا دعویٰ ہے۔صوفیاء کرام اس سے بہت بچتے ہیں۔

خاندانی وضع نہ چھوڑیں

اسی وجہ سے صوفیاء کرام کے یہاں یہ اصول تھا کہ کوئی خاص وضع اختیار نہ کرو، جو اپنی خاندانی وضع چل رہی ہے، بشرطیکہ وہ خلاف شریعت نہ ہو بس اسی کو اختیار کرو۔حضرت شاہ ولی اللہ ﷺ نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ جو آدمی تصوف میں قدم رکھے، اور اللہ کے راستے پر چلے، اور اللہ تعالیٰ اسے ولی کامل بنا بھی دے اس کو چاہئے کہ اپنی خاندانی وضع کو نہ چھوڑے، اپنی وضع نہ بدلے۔اگر کوئی شخص تاجر ہے تو تاجروں کا جو لباس ہوتا ہے وہی رکھے اور جو عام آدمی ہے وہ عام آدمیوں کا سا لباس رکھے۔ہر ایک طبقے کا ایک خاص لباس ایک خاص انداز کا ہوا کرتا ہے، اسی کو اختیار کئے رکھے۔حضرت شاہ ولی اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان ولایت اور کمال دین حاصل ہونے کے بعد بھی اپنی وضع قطع کو نہ بدلے کیونکہ اس میں خواہ مخواہ ایک قسم کا عملی دعویٰ ہوجاتا ہے۔

شاید یہ ہے کہ جو ہنر اور جو وصف اپنے اندر موجود نہ ہو اسکا زبان سے دعویٰ کرنا تو ممانعت میں ہے۔ لیکن عملی طور پر ایسی صورت اختیار کرنا کہ وہ دعویٰ بن جائے اور اس کو دیکھ کر لوگ مغالطے میں پڑ جائیں یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دو بیویاں تھیں۔ایک بڑی تھیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے 'آمین! وہ پرانی عورت تھیں اور بڑی دیندار اور سمجھ دار عورت تھیں' حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میری بڑی اہلیہ نے مجھے ایک نصیحت کی۔ حضرت والا کی عادت تھی کہ اگر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی نصیحت کرتا تو اسے قبول کرتے تھے اور یہ بھی نہیں تھا کہ آپ چھپاتے کہ میں نے فلاں کی بات مان لی' بلکہ اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔تو یہ نصیحت کہ جب سفر پر جایا کرو تو کپڑے اچھے پہن کر جایا کرو اور میرا معمول یہ تھا کہ جیسا بھی اور جس حال میں بھی ہوتا تھا اسی حال میں سفر شروع کر دیتا تھا اور جب کپڑے بدلنے کا وقت ہوا تو کپڑے بدل لئے' لیکن خاص طور پر سفر کے لئے کپڑے نہیں بدلتا تھا' تو اہلیہ نے کہا کہ نہیں' جب سفر پر جایا کرو تو کپڑے اچھے پہن کر جایا کرو۔اس لئے کہ جب سفر میں شکستہ حال اور معمولی کپڑے پہن کر جاؤ گے تو دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ غریب اور مفلس ہے اور غریب مفلس سمجھ کر خواہ مخواہ کوئی تمہاری امداد کرے گا تو ایسے کپڑے پہننا ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ میں مفلس ہوں۔ مجھے کچھ دو۔حضرت والا فرماتے ہیں کہ واقعی انہوں نے بڑی حکیمانہ بات کہی اور اب میں ہمیشہ اس پر عمل کرتا ہوں۔

حضرت کا معمول یہ تھا کہ اپنا لباس بڑا صاف ستھرا رکھتے تھے' تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ غریب ہے۔اس گمان سے بچنے کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کی تفسیر میں بعض لوگ یہ غلط سمجھتے ہیں کہ جو آدمی خود عمل نہ کرتا ہو' وہ دوسروں کو اس کی ہدایت اور تبلیغ بھی نہ کرے' آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے بلکہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو وصف تمہارے اندر نہیں ہے اس کا دعویٰ نہ کرو۔اگر تم عالم نہیں ہو تو اپنے قول و فعل اور شکل و صورت سے اپنے کو

عالم ظاہر نہ کرو، اگر تم بزرگ نہیں ہو تو ایسی وضع اختیار نہ کرو کہ لوگ تمہیں بزرگ سمجھیں ایسا نہ کرو، یہ آیت "لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ" کا صحیح مراد ہے۔

دوسروں کو دعوت دینے میں کوئی حرج نہیں

اس واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ فرض کرو کہ اگر ایک شخص خود کسی نیک کام پر قادر نہیں، وہ اگر دوسروں کو ہدایت کرے تو اس میں کیا حرج ہے، ایک آدمی خود معذور ہے، نیک کام نہیں کر سکتا، وہ اگر دوسروں کو اس نیکی کی ہدایت کرے تو کر سکتا ہے۔ فرض کرو کہ ہم نفل نماز نہیں پڑھ رہے ہیں، اپنے کسی مشغلہ یا مصروفیات کی بناء پر نفل نہیں ہو رہی ہے، تو اگر ہم دوسروں کو تاکید کریں اور ترغیب دیں کہ نفلیں پڑھا کرو فلاں عمل کیا کرو تو اس کے اندر کوئی قباحت نہیں ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دعویٰ کبھی عملی بھی ہوتا ہے

ملفوظ: فرمایا کہ جس طرح تواضع کسی کام یا ایسے وصف کا دعویٰ جائز نہیں۔ جو مدعی میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح اپنی سیرت اور صورت اور چال ڈھال سے بھی ایسا دعویٰ ممنوع ہے، اس سے ایک حدیث کے مفہوم پر جو اشکال ہوتا ہے، وہ بھی رفع ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ اہل صفہ میں سے کسی ایک شخص کا انتقال ہوا، مرنے کے بعد ان کی جیب سے ایک دینار برآمد ہوا۔ جو ساڑھے چار ماشہ سونے کا ایک سکہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: كَيٌّ مِنَ النَّارِ یعنی یہ دینار جہنم کی آگ کا ایک داغ ہے۔ پھر ایک دوسرے صحابی اہل صفہ کے انتقال کے بعد ان کی جیب سے دو دینار نکلے، تو آپ نے فرمایا کہ كَيَّتَانِ مِنَ النَّارِ یعنی یہ جہنم کے دو داغ ہیں۔

اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک دو دینار پر تو زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوتی،

جس کی عدم ادائیگی کے احتمال پر جہنم کی وعید ہو سکے۔ اس کے علاوہ ایک دو دینار کسی کی ملکیت میں ہوتا کوئی شرعی جرم نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے، جن کو انہوں نے اسلامی ضروریات میں صرف کیا۔ ہجرت کے وقت سات ہزار باقی تھے، جن کو ساتھ لے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق خرچ کئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں بڑے مالدار حضرات تھے۔ ہزاروں دینار کے مالک تھے، جن پر رسول اللہ ﷺ نے کوئی تکبیر نہیں فرمائی، جبکہ ان دو صحابہ پر اتنی شدید وعید ارشاد فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

تشریح: صحابہ کرام میں بڑے بڑے مالدار ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جن کا ابھی ذکر آیا ہے۔ صحیح بخاری میں ان کی میراث کی تقسیم کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے سینکڑوں وارثین تھے اور فی آدمی۔ ۸ ہزار دینار تقسیم ہوئے۔

بقیہ ملفوظ: حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہی توجیہ فرمائی ہے کہ حضرات اہل صفہ اپنی حالت اور صورت کے اعتبار سے گویا اس کے مدعی تھے کہ ہم فقیر ہیں، صاحب مال نہیں۔ چونکہ یہ عملی دعوی حقیقت کے خلاف ثابت ہوا۔ اس لئے اس پر یہ وعید آئی۔

تشریح: حضور اقدس ﷺ نے اصحاب صفہ کی جیب میں سے ایک دینار نکلنے کو "جہنم کا داغ" قرار دیا اور دو دینار کو دو داغ قرار دیئے، وجہ اس کی یہی تھی۔ کہ اصحاب صفہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی حضور ﷺ کی صحبت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ بس ان کا کام یہی تھا کہ حضور کے ارشادات سنا کریں اور امت تک پہنچایا کریں۔ علم دین حاصل کریں اور امت کو پہنچائیں۔ بس اس کام کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر رکھا تھا۔ کوئی کسب و کمائی نہیں کرتے تھے زراعت، تجارت، مزدوری وغیرہ جو کسب کے ذرائع ہیں ان میں سے کوئی طریقہ ان کا نہیں تھا اسی واسطے عموماً وہ فقیر ہوتے تھے۔ متوکلانہ زندگی گزارتے تھے۔ کہیں سے کچھ آگیا تو کھالیا، نہ آیا تو صبر کرلیا۔ یہ ان کا معمول تھا۔

انہی کے بارے میں قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

یعنی وہ فقراء جو اللہ کے راستے میں روک دیئے گئے ہیں اور ان کا وصف "فقراء" بیان فرمایا اور یہ آیت اہل صفہ کی تعریف میں نازل ہوئی ہے اور دوسری صفت یہ ہے کہ "لا یستطیعون ضربا فی الارض" وہ اللہ کے راستے میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ کہیں کمانے وغیرہ کے لئے نہیں جاتے اور کہیں جانے کے قابل بھی نہیں اس لئے کہ ان کو حضور ﷺ سے علم سیکھنے اور مختلف مسائل جاننے کے علاوہ دوسرے کام کی فرصت بھی نہیں۔ ہر وقت مسجد نبوی میں پڑے ہیں اور علم دین کا مشغلہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

تو یہ علم اس طرح جمع ہوا ہے علم دین کو جمع کرنے کے لئے اللہ نے ایک ایسی قوم پیدا کر دی تھی جو رات دن مسجد نبوی کے چبوترے پر پڑی رہتی تھی جس کا نام صفہ ہے نہ تجارت کے لئے باہر نکلتے ہیں۔ نہ کسی اور کام کے لئے جاتے ہیں بس رات دن وہیں پڑے رہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت حدیث کی وجہ

مجھے یاد آیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اصحاب صفہ میں سے ہیں، جو کثرت حدیث میں مشہور ہیں صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حدیثیں انہی کی ہیں ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ بھائی! تم بہت حدیثیں نقل کرتے ہو کوئی اور صحابی اتنی حدیثیں نقل نہیں کرتا۔ تمہارے پاس اتنی حدیثیں کہاں سے آگئیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: اماں جان! آپ کو تو سرمہ دانی اور آئینے سے فرصت نہیں تھی۔ ابو ہریرہ تو دن رات حضور ﷺ کے دروازے پر پڑا رہتا تھا اس کام کے لئے کہ جب حضور تشریف لائیں تو ان سے کوئی کلمہ سنیں، آپ مجھ پر دو سروں کو قیاس کرتی ہیں؟ (الطبقات الکبری لابن سعد - ج ۲ ص ۳۶۴، الاصابہ - ج ۴ ص ۲۰۸)

مالداری بری چیز نہیں

بہرحال! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ اسی لئے پیش آیا کہ اَلَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وہ اللہ کے راستے میں محصور کر دیئے گئے۔ ان کو کہیں جانے کی فرصت نہیں۔ کسی سے ملنے کی، بازار جانے کی، کاروبار کرنے کی، کہیں کی بھی ان کو فرصت نہیں۔ یہ اہل صفہ کی صفت ہے۔ جب اہل صفہ کی یہ صفت قرآن کریم میں نازل ہوئی ہے اور اس میں "فقراء" کا لفظ سب سے پہلے بیان فرمایا ہے تو پھر وہ فقیر ہی ہونے چاہئیں وہ مالدار نہیں ہونے چاہئیں، ویسے شریعت میں مالداری کوئی جرم نہیں ہے نہ اپنی ذات میں مالداری بری ہے لیکن یہ دعویٰ کر کے ہم فقیر ہیں اور یہ دعویٰ کر کے کہ ہم دنیادار نہیں ہیں اور پھر دنیادار بننا، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

اہل علم دنیا جمع کرنے کی فکر میں نہ لگیں

آج کے اہل علم اور علماء بھی اسی میں داخل ہیں، اگرچہ وہ اس درجے کے نہ سہی، کم از کم جو لوگ اس علم میں لگے ہوئے ہوں اور جنہوں نے اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کیا ہو۔ ان کی زندگی میں کم از کم یہ تو ہونا چاہئے کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں۔ دنیا کے جمع کرنے کی فکر میں زیادہ نہ پڑیں، اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو دیدیں تو اس کو نعمت سمجھ کر استعمال کرنا گناہ نہیں۔ لیکن دنیا کی فکر میں لگے رہنا اور اسی فکر میں لگے رہنا کہ پیسے بڑھ جائیں یہ کام علماء کی شان کے خلاف ہے، علماء کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اور دینی کام میں لگایا ہے ان کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے کام کریں، پھر اللہ تعالیٰ غیب سے ان کو ایسا دیتا بھی ہے کہ تَأْتِي الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ دنیا ان کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے لیکن خود ان کو اس فکر میں لگے رہنا یہ ان کے اس دعوے کے خلاف ہے جو ہم نے اپنا لباس بنایا ہے۔ کرتا، پاجامہ، ٹوپی، جو علماء کا لباس ہے۔ یہ پہننے کے بعد ہمارے دل میں یہ طمع ہو کہ یہاں سے کچھ پیسے وصول کر لیں، وہاں سے کچھ پیسے وصول کر لیں، یہ کمائی یہاں سے کر لیں یہ ہماری اس وضع کے خلاف ہے اس دعویٰ کے خلاف ہے یہ ہماری وضع درحقیقت

اس بات کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ والے ہیں اللہ کے طالب ہیں دنیا کے طالب نہیں۔
دنیا ہو تو کوئی مضر نہیں بشرطیکہ غیر معمولی کوششوں کے بغیر مل جائے تو اللہ کی
نعمت ہے اور غیر معمولی کوششوں میں لگنا یہ علماء کی شان کے خلاف ہے۔
بہرحال! رسول اللہ ﷺ نے اہل صفہ کے بارے میں ایک دینار ہونے کو بھی
جہنم کا ایک داغ قرار دیا اور دو دینار ہونے کو دو داغ قرار دیئے اس واسطے کہ ان کی
ظاہری وضع قطع کے اعتبار سے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ دنیا دار نہیں۔

علماء کو بہت سے جائز کام بھی چھوڑنے پڑتے ہیں

میں اپنے دوستوں سے اور علماء و طلباء سے یہی بات کہا کرتا ہوں کہ تم اپنے
آپ کو عوام کی طرح سمجھ کر یہ مت کہو کہ یہ کام جائز تھا اس لئے ہم نے کر لیا۔ بلکہ
علماء کو بہت سے جائز کاموں سے بھی رکنا پڑتا ہے۔ اس لئے تاکہ عوام گمراہ نہ ہوں،
علماء کو بہت سے ایسے جائز کام چھوڑنے پڑتے ہیں جن میں خطرہ یہ ہو کہ عوام کو کوئی
مغالطہ لگ جائے گا۔ ایسے کاموں سے بھی علماء کو بچنا چاہئے اس واسطے کہ تم اپنی
ظاہری وضع قطع سے دعویٰ کر رہے ہو کہ ہم اللہ والے ہیں اور اللہ والوں کا جو طرز
عمل ہے اہل علم کو اس کے خلاف نہیں کرنا چاہئے۔ چاہے وہ حقیقت میں جائز ہی ہو۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس پر معاوضہ نہ لینا

میں بارہ سال تک ریڈیو پاکستان پر درس قرآن دیتا رہا اور میرے نزدیک اس
پر معاوضہ لینا کوئی گناہ نہیں تھا بعض لوگ اللہ کے بندے لیتے ہیں ویسے قرآن پر
معاوضہ لینا کوئی گناہ نہیں۔ جائز ہے۔ مگر میں نے قصداً ضرورت مند ہونے کے
باوجود نہیں لیا اور اگر لیتا تو بیس تیس ہزار روپیہ مجھے ملتا لیکن میں نے صرف اس لئے
نہیں لیا کہ اس لباس کا تقاضہ نہیں تھا ہم کوئی درس دیں اور اس پر معاوضہ لیں یا
کوئی وظیفہ لیں اس پر نذرانہ وصول کریں یہ اس وضع کے خلاف بات ہے۔ چاہے
اپنی ذات میں وہ گناہ نہ ہو۔ مگر ہم نے چونکہ یہ وضع اختیار کر کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ
ہم اللہ والے ہیں ہم دنیا کے طالب نہیں اس لئے لینا مناسب نہ تھا۔

مجلس: ۱۵

معاشرے کی اصلاح

حضرت حکیم الامت ؒ نے فرمایا کہ ساری شریعت اسلام پانچ چیزوں میں ہے:

(۱) عقائد (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) اخلاق اور اعمال باطنہ (۵) معاشرت۔

ان میں عقائد اور عبادات کو ساری دنیا جانتی ہے' سب جانتے ہیں کہ اسلام نام ہے کچھ عقائد و عبادات کا لیکن معاملات میں کیا جائز ہے کیا ناجائز ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس میں بھی احکام و قوانین مقرر کئے ہیں اس سے عوام اکثر بے خبر ہیں' مسجد میں نوافل' فرائض' ذکر کر لئے یہ تو سب کیلئے آسان ہے لیکن بازار میں کیا کرنا ہے کیا نہیں اس سے ان کو سروکار نہیں' معاملات اگر شریعت کے خلاف ہوتے تو یہ بھی فرائض سے کوتاہی ہوتی' اسی لئے امام اعظمؒ کے شاگرد امام محمدؒ سے کسی نے کہا آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں لیکن تصوف میں کوئی نہیں لکھی' آپ نے فرمایا ہمارا تصوف اسی میں ہے کہ آدمی حلال روزی کمائے' حرام لقمہ سے اول تو توفیق ہی عبادت کی نہ ہوگی اگر کبھی لی تو اس سے فیض نہ پا سکے گا۔

اخلاق و اعمال سے غفلت

لوگوں نے نماز روزہ حج کو ہی عبادت سمجھ رکھا ہے' معاملات کی طرف توجہ بہت کم ہے' چوتھی چیز اخلاق اور اعمال باطنہ کی اصلاح ہے' اس سے عوام تو غافل ہیں ہی' اہل علم بھی اس میں کوتاہی کرتے ہیں' بہت سے لوگ علم کے اعتبار سے کمالات رکھتے ہیں مگر باطنی حالت خراب ہے' کبر ہے' ریا ہے' حسد ہے' بغض ہے' یہ

گندگیاں ایسی ہیں جیسے پیشاب پاخانہ۔ یہ دل کی ناپاکی ہیں جیسے نماز کیلئے کپڑا اور جسم پاک کرنا ضروری ہے اسی طرح کبر' ریا جیسے امراض کا ازالہ ضروری ہے جیسے چوری' شراب سے بچنا فرض ہے (ان باطنی گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے) افسوس ہے کہ اہل علم بھی اس میں غفلت کرتے ہیں مثلاً امراض باطنہ میں ایک مرض ریا اور دکھلاوا ہے کہ قرات پڑھ رہے ہیں ارادہ یہ ہے کہ مجھے بہت اچھا قاری سمجھا جائے' وعظ کر رہے ہیں کہ واہ واہ ہوگی' یہ زبردست روگ ہے قرات جب مجلس میں ہوتی ہے لوگ خدا کو کم اور بندوں کو زیادہ خوش کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنی تعریف ہو' خدا کو چھوڑ کر اپنی تعریف کے لئے بندوں کو خوش کرنا شامل ہو گیا' یہ ریاکاری ہے' یکی چور ہے اگر مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے تو پھر کوئی پھڑکے یا تڑپے اس سے کیا واسطہ ہے۔ ریا کا عیب لگ جاتا پھر اس میں کبر اور بغض اور دوسرا عیب پیدا ہو جاتا ہے مثلاً یہ خیال ہو جانا کہ اچھا کام کر لیا عجب ہے' اور خیال کیا میں دوسروں سے اچھا ہوں کبر ہے' چوری' زنا' شراب کی طرح یہ ریا اور کبر بھی گناہ کبیرہ حسد' کینہ' بغض یہ بھی کبائر میں سے ہیں' جنت میں نہیں جا سکتا وہ شخص جس کے دل میں کبر ہے' دوسرے کو کمتر سمجھنا کبر ہے' نماز پڑھ لی' بے نمازی کی حقارت دل میں آگئی یہ کبر ہے اس فعل کی حقارت ضرور ہو فاعل کی حقارت نہ ہو ایک شخص شرابی ہے تم کو حق نہیں اس کو کمتر سمجھنے کا' معاملہ انجام پر ہے معلوم نہیں کوئی عمل تمہارا اسے مبغوض ہو کر سارا نیک عمل دھرا رہ جائے اور اس شرابی کی ایک بات ایسی مقبول ہو کہ وہ اس وقت اسے نجات دلا دے' ساری عمر نیکیاں کرنے سے صرف ایک کلمہ کفر بول دینے پر سب نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں یہ معاملہ بڑے بڑے متقیوں کو پیش آجاتا ہے' بدی اور غیبت بھی اس میں داخل ہے ایک ہی عمل سے ساری نیکیاں ضائع اور ایک ہی عمل سے سارے گناہ زائل ہو جاتے ہیں' آپ کو کوئی حق نہیں کہ اس کو حقیر سمجھیں' اول تو یہ کہ ناز کس پر کرتے ہو نیکی کی توفیق تم کو دی تو دی کس نے' اللہ کا کرم ہے' دوسرے یہ کہ تم ظاہر کو دیکھتے ہو اس وقت چور شرابی ہونے کے باوجود ممکن ہے کوئی عمل نیک بھی کرتا ہو اور وہ اس قدر مقبول ہو کہ ساری بداعمالیاں مٹ جائیں اور ہو سکتا ہے کہ ہمارے سارے نیک اعمال کسی ایک کلمہ پر رد ہو جائیں' تیسری بات یہ ہے کہ انجام کا حال

معلوم نہیں ہو سکتا ہے کل تم چور ہو جاؤ اور وہ شرابی دیندار بن جائے۔

حدیث میں ہے کہ جو آدمی کسی گنہگار کو جتلا گناہ دیکھ کر استہزا کرے وہ اس وقت تک مرتا نہیں جب تک خود اس گناہ میں جتلا نہ ہو جائے' بڑے ڈرنے کی اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ بڑی خطرناک بات ہے' یہ مشاہدہ کیا گیا ہے۔ ایک بزرگ تھے بڑے عالم تھے مگر نکتہ چینی کرتے تھے ہر بات پر' مگر کچھ عرصہ بعد دیکھا گیا کہ وہ خود اسی میں جتلا تھے' یاد رکھنے کی بات یہ ہے۔

اور چوتھا جز اعمال باطنہ کی اصلاح ہے اپنے نفس کو اچھا سمجھنا یہ بڑا زبردست روگ ہے باطن کا' دوسرے کو کمتر سمجھنا کبر ہے اس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حافظ شیرازی نے کسا رہنے کو حلال سمجھتے ہیں' اور شراب کو حرام یہ عجب بات ہے حالانکہ رہنے کے واسطے شرک سے ملتے ہیں چاہے کتنا نمازی ہو' دوسرے متقی ہو کر ہم کو اچھا سمجھیں نیک کام کرنے والوں کے دل میں شیطان یہ ضرور لاتا ہے اور یہ بڑے خطرہ کی بات ہے عام سب اس سے غفلت برتتے ہیں۔

بغض اور کینہ کی حقیقت

بغض اور کینہ دو لفظ ہیں اس کی حقیقت حرام ہے جس کے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے بغض ہو وہ جنت میں نہ جائے گا۔ شعبان کی شب اللہ پاک کی رحمت اتنی برستی ہے اتنے لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے جیسے ایک قبیلہ کی بکریوں کے بال' ایک بکری کے بال جمع کرو پھر سارے گلے کے پھر بنو کلب وہ قبیلہ ہے جس کی بکریوں کی کثرت ساری دنیا میں مشہور تھی' پورے قبیلہ کی بکریوں کے بال اربوں پدموں اتنے لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے اس میں بھی چند لوگوں کی مغفرت نہیں ہوتی ان میں وہ بھی شامل ہے جو کسی مسلمان سے کینہ بغض رکھے اپنے دل میں اتنی خطرناک چیز ہے' شرابی کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے' اسی طرح جو آدمی ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہنتا ہے اس کی بھی مغفرت نہیں ہوتی' آج فیشن کے مارے دراز پیرا ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر جنت کو کھوتے اور دوزخ خریدتے ہیں' تیسرے یہ گانا اور بجانا جو آدمی طبلہ سارنگی اور گانے میں لگا ہے اس کی مغفرت نہیں ہوتی' زنا سوچا تھے سے وقت

کی لذت سے دوزخ خریدنا کیسی نادانی کی بات ہے آج گھروں میں ہر طرف گانا بجانا عام ہے۔

بغض اور کینہ کے معنی سمجھ لو' یہ معنی نہیں کہ کسی نے ستایا برا کہا دل میں اس کی طرف سے رنج آگیا بغض کینہ کے معنی یہ ہیں کہ اس فکر میں رہے کہ موقع ملے تو اس کو تکلیف پہنچاؤں یا اس کو نقصان تکلیف پہنچے اس پر خوش ہوں اس لئے کہ انتقام اختیاری چیز ہے اس جذبہ کا نام کینہ ہے' یہ بھی چوری اور شراب کی طرح حرام ہے اس میں عوام کیا علماء بھی مبتلا ہیں۔

شرعی لباس گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے

اللہ پاک نے کرتا ٹوپی داڑھی کو بہت سے ایسے مواقعات سے باز رکھا ہے اس سے بہت سے گناہوں سے شرعا تری بھی بچ جاتا ہے میں کہا کرتا ہوں کہ بھائی یہ جو ہم چوری' شراب وغیرہ سے بچ جاتے ہیں یہ دراصل ہم کو' یہ داڑھی کرتا' ٹوپی نہیں کرنے دیتے مگر اس سے زیادہ ذلیل گناہ اور عیوب ہمارے اندر ہیں' یہ باطن کے روگ ریا' کینہ' غیبت' بغض' تکبر بہت سی بیماریاں ہیں جس میں ہم مبتلا ہیں اصل تو ان سے بچنا تھا' غرض عبادات و اعتقاد کو دنیا جانتی ہے معاملات سے عوام بے خبر ہیں اور اخلاق اور اعمال باطنہ سے علماء بھی بے خبر ہیں بلکہ ملوث ہیں اس میں اس چوتھے جز اعمال باطنہ کی طرف صوفیاء کرام متوجہ ہوئے۔

آداب معاشرت

اب وہ پانچواں جز جو معاشرت ہے اس باب میں صوفیاء بھی شامل ہیں۔ عوام' علماء' صوفیاء سارے اس میں داخل ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اس کو دین ہی نہیں سمجھا آج میں آداب معاشرت کے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا' معاشرت کے معنی یہ ہیں کہ رہن سہن کا ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے دوسرے کو ایذاء نہ پہنچے' ظاہری طور سے اور باطنی طور پر کسی طرح دوسرے کو تکلیف نہ ہو اپنے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے' بازار'

گھر ' بولنا چالنا تمہارا ایسا ہو جس سے دوسرے کو تکلیف اور ذرا بھی ٹھیس نہ پہنچے ' قرآن میں ایسے لوگوں کو عباد الرحمٰن کہا گیا ہے جو زمین پر چلتے ہیں آہستہ یہ مطلب نہیں کہ چال چیونٹی کی ہو بلکہ ان کی چال سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی بڑا آدمی جا رہا ہے ' یا اکڑ فوں ہے ' یا لوگ اس سے جاہلانہ گفتگو کریں تو وہ کہیں "سلام" اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ جواب کچھ نہ دیا سلام کہہ کر چل دیئے ' دوسرا یہ کہ اس جاہل کا جواب سلامتی سے دیں ' ظلم کا جواب عدل سے دیں ' ایک واقعہ یاد آیا حضرت اسماعیل شہید کا ' یہ رد بدعت میں بہت وعظ کہا کرتے تھے ' ایک دفعہ جامع مسجد دہلی میں اسی طرح بیان کر رہے تھے ' لوگوں نے ایک شخص کو مقرر کیا مولانا آئیں تو کہنا مجھے کچھ پوچھنا ہے ' فرمایا کہو ' اس نے کہا حضرت ہم نے سنا ہے "آپ حرامی ہیں" ۔ تم ٹھنڈے دل سے سوچو تم سے کوئی بازار میں روک کر یہ بھرے مجمع میں ایسا کرے تو کیا جواب دیں گے سات پشت کو حرامی بنا کر چھوڑیں گے ' مولانا نے فرمایا تم کو غلط خبر پہنچی ہے ' میری والدہ کے نکاح کے گواہ آج بھی موجود ہیں مجھے کون حرامی کہتا ہے ۔ یہ ہے سلامتی کی بات اس کی گالی کو مسئلہ بنا دیا جس کی اللہ پاک تربیت فرمائیں ان کا یہ حال ہے ۔

بہر حال اس عنوان سے اللہ پاک نے تعریف کی ہے کہ آہستہ چلتے ہیں کسی کو تکلیف نہ ہو یعنی عاجزی سے چلتے ہیں سینہ نکال کر نہیں چلتے کسی کو دھکا دیکر نہیں چلتے ' تیسری صفت یہ کہ اپنے رب کے سامنے رات گزارتے ہیں سجدے میں ' اس میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ پہلے نمبر میں آہستہ چلنا دوسرے نمبر میں سلامتی کی بات کرنا تیسرے نمبر پر سجدہ کی بات ہے معلوم ہوا کہ معاشرت عبادت سے اول ہے قرآن کی اس آیت نے آداب معاشرت کا چھوٹا سا باب کھولا ہے الذین یمشون علی الارض ای کو رسول پاک ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہے مطلب یہ کہ تکلیف دوسروں کو زبان اور ہاتھ سے ہی پہنچتی ہے ' آداب معاشرت کا سب سے بڑا عنوان یہ حدیث ہے اپنے رہن سہن اور چال ڈھال ' بول چال ایسی بناؤ کہ کسی اپنے پرائے کو تکلیف نہ پہنچے ' اسی طرح فرمایا ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں اس میں ادنیٰ یہ ہے کہ راستہ کی تکلیف دینے والی

چیز ہٹا دو جس سے دوسروں کو اذیت ہو' اتنی اہمیت دی ہے اس عمل کو کہ شعبہ ایمان قرار دیا ہے۔ اس میں سب ہی غفلت برتتے ہیں اس کی کوتاہی میں بیشتر لوگ مبتلا ہیں تم نے پتھر راستہ میں ڈالا نہیں مگر تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو راستہ سے ہٹا دو اور جو خود ڈال دے ایسی چیزیں اس کا کیا کہنا' فرمایا دو لعنت کی چیزوں سے بچو' کسی سایہ دار درخت کے نیچے پیشاب کرنے سے گندگی پھیلانے سے بچو' اس لئے کہ دوسروں کو تکلیف ہوگی اس کا اطلاق ہر جگہ ریل میں' اسٹیشن' ہسپتال' دفتر کوئی جگہ جہاں صرف تم تنہا نہیں بیٹھتے اس کو گندا نہ کرو' دیکھئے یہ دین کا جزو ہے اور اس کو ہم کوئی گناہ نہیں سمجھتے یہ گناہ کبیرہ ہے دوسرے مسلمان کو ایذاء پہنچتی ہے' بیت الخلاء میں گئے گندگی ادھر چھوڑ کر چلے آئے اس کو لوگ گناہ کبیرہ نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بھی گناہ ہے۔

بے وقت فون کرنا اور کسی کے گھر جانا

اللہ پاک فرماتے ہیں جب کسی کے گھر جاؤ بغیر اجازت کے نہ جاؤ اور جا کر سلام کرو اور ایسے وقت جاؤ کہ اس کے کھانے کا وقت نہ ہو آرام کا وقت نہ ہو یہ قرآن میں ہے اس کے خلاف کرنا حرام ہے اس کو ہم گناہ نہیں سمجھتے' چاہے جس وقت کسی کے گھر چلو دھڑ دھڑ کرنے لگے' قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ دوسروں کی ایذاء سے بچو کسی کی ناگواری سے بھی بچو کسی کے دل پر بار نہ آنے پائے' ٹیلی فون والوں کو رات کو بارہ بجے بھی یہ ایذاء رسانی بلا وجہ دیتے ہیں بے رحموں کو کچھ فکر نہیں' اس میں احتیاط رکھیں' غرض اس ٹیلی فون کی وجہ سے بھی بعض لوگ گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں' آج وزٹنگ کارڈ انگریز کی برکت سمجھتے ہیں اس کی اصل اسلام نے سکھائی ہے عوام اس کو قرآن کے آداب ہی نہیں سمجھتے' کسی کے دل کو مجروح کرنا اس سے بڑا دنیا میں کوئی گناہ نہیں اور کسی مومن کا کسی طریقہ سے دل خوش کرنا سب سے بڑی نیکی ہے' بمبئی کی مسجد میں ایک بزرگ تھے بڑی پوچھ تھی ایک دفعہ دوبارہ دیکھا کہ لوگوں نے ان کو چھوڑ رکھا ہے ان بزرگ نے جوان سے دوبارہ ملنے گئے تھے محض اس لئے کہ ان کا دل خوش ہو جائے ان کے سامنے دو زانوں ہو کر بیٹھ گئے' اسی کا ایک اور واقعہ ہے

دیوبند میں ایک فاحشہ عورتوں کا تذکرہ تھا یہ نماز عشاء وہیں سے پڑھ کر آتے تھے ایک فاحشہ کے گھر کے سامنے سے جب جاتے جوتے اتار کر ننگے پاؤں گزر جاتے پھر بعد میں جوتا پہنتے' پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ فاحشہ بوڑھی ہے کوئی گاہک آتا نہیں اگر میرے جوتے سے اس کے دل میں طمع ہو جائے کہ کوئی آیا اور میں گزر جاؤں تو اس کے دل کو تکلیف پہنچے گی' اب سمجھئے اس بات کو کہ وہ طمع بھی بیہودہ اس کی اتنی فکر اس لئے کہ وہ مسلمان تھی چاہے کیسی بھی تھی' یہ دل دکھانا ایسا وبال ہے کہ عبادات بھی قبول نہیں ہوتی۔

جانوروں کو ایذا دینا

حضرت نے فرمایا ایک دفعہ آپ گھر میں تنہا تھے مرغیاں صبح کھول کر گئے شام کو بند کر دیا ایک دن نماز تلاوت میں دل نہ لگا میں متوجہ ہوا اللہ سے معافی چاہی' اس وقت دل میں آیا آج مرغیاں کھولنا بھول گیا ان کو بند کر رکھا ہے' اس لئے اللہ نے میرا دل بند کر دیا' اللہ پاک نے جن کو بصیرت دی ہے ان کے سامنے مرغی کا دل دکھانے پر دیوار کھڑی ہو جاتی ہے' ہم اندھا دھند کتنے دل دکھاتے رہتے ہیں اس کا احساس ہی نہیں ان کا دل کھلا ہوا تھا وہ اگر کسی وقت ذرا بھی حق تعالیٰ سے دور ہو جاتے تو ان کو اطلاع ہو جاتی ہے جیسے ہم اتنے دور ہیں اللہ سے کہ ہم کو کیا' اس کی اطلاع ہو' نظر آئے تو محسوس ہو تا جب تعلق مع اللہ سے ہی ہم محروم ہیں تو پھر کہاں سے چلے' قرآن و حدیث ساری بھری ہوئی ہے اس بات سے کہ ایذاء رسانی سے بچو' حضرت یوسف علیہ السلام سے دو قیدیوں نے دو خواب بیان کئے ان میں سے ایک کی یہ تعبیر تھی کہ تم پیش کرو گے بادشاہ کی خدمت میں ہو جاؤ گے دوسرے کو پھانسی ہو گی' یہ چیزیں متعین تھیں اللہ کے یہاں لیکن جب تعبیر کی تو یہ نہیں کہا تم کو پھانسی ہو گی بلکہ یہ کہا کہ ایک کو یہ ہو گا اور ایک کو یہ' یوں نہیں کہا کہ تم کو یہ ہو گا اتنی سی بات سے بھی اس کے دل کو ٹھیس نہیں لگائی جہاں تک کوشش کی اس کو مبہم کر دیا کون ایسا ہو گا' غرض یہ ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کے دل کو ادنیٰ درجہ کی تشویش دینے سے بھی منع کیا ہے' فرمایا ایک مجلس میں تین آدمی ہوں تو دو آدمیوں کو کانا

سرگوشی نہ کرنا چاہئے کہ تیسرا آدمی رہ جائے کہ اس کے دل کو تشویش ہوگی حالانکہ اس کو گالی نہیں دی برا نہیں کہا مگر اس سے بچایا کہ تشویش نہ ہوئے مرض عام ہے آج کل آپس میں انگریزی میں بھی بات شروع کر دیتے ہیں یہ بھی اسی حکم میں ہے اتنی سی ایذاء سے بھی بچایا۔ یہ اللہ کے راستے میں یہ چیز بھی معتبر ہے اتنی تو کوئی معتبر نہیں اللہ پاک ہم کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین!

مجلس: ۱۶

حسنِ انتظام کے فوائد

ملفوظ: ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا کہ الحمدللہ! مجھ کو ہر چیز اپنی حقیقت پر نظر آتی ہے اور الحمدللہ! ہر ایک کے حدود کا اثر ہوتا ہے اور دونوں اثروں میں کوئی فرق نہیں ہوتا یعنی یہ نہیں ہے کہ ایک کا اثر دوسری چیز میں ظاہر ہو۔ مثلاً ان صاحب نے اس وقت مجھے اذیت پہنچائی اس کی وجہ سے غصہ بھی ہے۔ لہجہ میں تغیر بھی ہے مگر اضطرار نہیں ہے کہ اختیار سلب ہو گیا ہو۔ چنانچہ اگر اس کے بعد کوئی صاحب بشگفتگی اور شفقت سے بات کریں تو اس کا اثر اس دوسرے پر نہ ہوگا۔

تشریح: عام طور پر ایک آدمی کو جب کسی پر غصہ آ رہا ہے اور اس وقت کوئی دوسرا آدمی آ جائے تو پہلے شخص کے غصہ کا اثر اس دوسرے پر بھی پڑتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے یا مثلاً انبساط کا اثر چل رہا ہے اور انبساط کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے اگر اس وقت کوئی دشمن بھی آ جائے تو اس کے ساتھ بھی انسان انبساط کا برتاؤ کرتا ہے، لیکن حضرت والا کے یہاں ایسا نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے جذبات پر پورا قابو عطا فرمایا تھا، جس حد تک غصہ کرنا مقصود ہے اسی حد تک غصہ کریں گے اس سے آگے نہیں کریں گے۔ ہر چیز اپنے موقع پر ہر بات ہوتی، سختی کی جگہ سختی، نرمی کی جگہ نرمی، ہر چیز میں بحمدللہ فضلِ خداوندی اور اپنے بزرگوں کی برکت سے عدل اور اعتدال رہتا ہے، ایسا نہیں ہے جیسا کہ آج کل کے مولوی کرتے ہیں کہ ایک لڑکے نے کسی غلطی پر غصہ آیا اور پھر قتلِ عام شروع ہو گیا۔

تشریح: یعنی سب کو مارنا شروع کر دیا، یہاں جب شروع میں کراچی آیا تو وزراء حکومت کے ساتھ مجھے بھی کام کرنا پڑتا تھا، انہیں لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ ایک کلکٹر صاحب جو دینی مجلس کے رکن تھے، ایک دن ان کے یہاں جانا ہوا تو دیکھا کہ ان کو غصہ

آ رہا ہے۔ اور اب جو ماتحت بھی ان کے ساتھ تھے اس کو کسی بات پر ڈانٹ دیتے۔ میرے ساتھ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب بھی تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ان کلکٹر صاحب کو اپنے افسر کی طرف سے ڈانٹ پڑی ہے جس کا یہ بدلہ اتار رہے ہیں۔

سفر میں قصر کی علت

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ قصر کی اصل علت مشقت ہے۔ لیکن چونکہ اس مشقت کی پہچان مشکل تھی۔ اس لئے اس مشقت کا سبب یعنی سفر کو اس کا قائم مقام کر دیا۔

تشریح: یعنی سفر میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ چار رکعت والی نماز کو آدھی کر دو۔ اس کی اصل علت تو یہ تھی کہ سفر میں مشقت ہوتی ہے۔ لیکن اس مشقت کا پیمانہ مقرر کرنا بڑا مشکل ہے کہ کہاں ہوگی اور کہاں نہیں ہوگی' بعض اوقات سفر میں ذرا مشقت نہیں ہوتی۔ بلکہ حضر میں ہوتی ہے۔ لیکن عادۃً چونکہ سفر میں مشقت پیش آتی ہے' اس واسطے سفر کو مشقت کا قائم مقام کر دیا۔

ہدیہ قبول کرنے کا اصول

اسی طرح میں نے ہدیہ میں عمل کیا ہے کہ قبول ہدیہ کی اصل علت خلوص ہے۔ لیکن خلوص اور عدم خلوص کی پہچان مشکل تھی۔ اس لئے خلوص کی علامت جو کہ خصوصیت کے ساتھ جان پہچان ہے قائم مقام خلوص کے کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص سے خصوصی جان پہچان اور بے تکلفی نہ ہو' اس سے ہدیہ نہیں لیتا' اور یہ قاعدہ کافی تجربات کے بعد مقرر کیا ہے اور میرے یہاں جتنے قواعد ہیں۔ سب تجربات کے بعد مقرر کئے گئے ہیں۔ اگر ان کا سب درود تیار کروں تو ایک بہت بڑا ضخیم رسالہ تیار ہو جائے اور ان اصول و قواعد سے حکومت مقصود نہیں' بلکہ طرفین کی راحت

رسائی مقصود ہے جس سے لوگ گھبراتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔

قواعد کی بنیاد حصول راحت ہے

تشریح: خود میرا اپنا قصہ ہے' جب میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو گیا تو یہ ارادہ ہوا کہ حضرت تھانوی کے پاس اصلاحی تعلق کے لئے حاضری دوں تو والد صاحب کو میں نے ساتھ لیا اور وہاں پہنچ گئے حضرت ﷺ اور والد صاحب دونوں ہم سبق تھے اور مساویانہ انداز کا دوستانہ تعلق تھا' ظہر کا وقت قریب تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے مہمان خانے میں جا کر لیٹ گئے' ظہر کی آذان کے بعد حضرت ﷺ حسب معمول اپنی جگہ سے اٹھ کر وضو کے لئے تشریف لائے اس وقت والد صاحب نے ملاقات کی۔ میں نے بھی ملاقات کی اور مصافحہ کیا اور والد صاحب نے حضرت سے فرمایا کہ یہ بچہ مجھے یہاں لے کر آیا ہے۔ اس کو یہاں آنا تھا لیکن یہ ڈر رہا تھا اور یوں کہہ رہا تھا کہ یہاں قواعد و ضوابط بہت ہیں اس لئے مجھے اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ آپ ساتھ چلیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ لوگوں نے مجھے خواہ مخواہ بدنام کر رکھا ہے۔ میرے پاس قواعد و ضوابط کچھ نہیں۔ بلکہ مصیبت میں ہوں اور اس مصیبت سے بچنے کے لئے اور لوگوں کو بچانے کے لئے یہ قواعد و ضوابط بنا رکھے ہیں ورنہ حقیقت میں کچھ نہیں ہے۔

اب دیکھیں سامنے وہ شخص کھڑا ہے' اس نے آج صبح مجھے ستایا۔ بے وقت آکر میرے کام میں مخل ہوا۔ وہ وقت ملاقات کا نہیں تھا۔ میں نے اس کو بھگایا اور تھوڑی سی ڈانٹ بھی پڑی اور بتایا کہ فلاں وقت ملنا۔ اب وہ شخص وہاں کھڑا صبح تک رہا ہے لیکن میرے پاس نہیں آتا۔

اگر میں کھلی چھٹی دیدوں اور یہ قواعد و ضوابط نہ ہوں یہ لوگ مجھے ایک مرتبہ بھی "لا الٰہ الا اللہ" کہنے کی فرصت نہ دیں اور اسی قسم کے لوگوں نے یہ قواعد بنوائے ہیں۔

حسن انتظام کی تعلیم

لوگ کہتے ہیں کہ ان کے مزاج میں تو انگریزوں کا سا انتظام ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یوں کہو کہ انگریزوں کے مزاج میں ہمارا جیسا انتظام ہے۔ کیونکہ یہ چیز انگریزوں کے گھر کی نہیں' ہمارے گھر کی ہے۔ جس کو وہ لوگ اختیار کر کے راحت حاصل کر رہے ہیں۔

تشریح: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ." یعنی پیالے جو رکھے ہوئے ہوں گے۔ پیالے کا ذکر تو ٹھیک ہے کہ پانی پینے کے لئے پیالے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن "موضوعة." کا لفظ قرآن کریم نے کیوں استعمال کیا؟ اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ وہ پیالے اپنی جگہ پر رکھے ہوں گے' یہ نہیں ہو گا تو آپ گھڑے کے پاس پانی کے لئے آئے اور وہاں گلاس موجود نہیں۔ اب آپ گلاس ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ وہ پیالے اپنی جگہ پر رکھے ہوئے ہوں گے۔

میں بچوں کو کہا کرتا ہوں کہ آج کل لوگ بدتمیز ہوتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم یہ بات سکھاتا ہے کہ ہر چیز کے رکھنے کی جگہ مقرر کرو اور پھر اس کو اسی مقررہ جگہ پر رکھو' خاص کر ایسی چیزیں جن کے استعمال کی سب کو ضرورت رہتی ہو اور اس نیت سے اس کو اپنی جگہ رکھو کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ اب مثلاً آپ نے گلاس اٹھا کر پانی پیا۔ اور پھر گلاس دوسری جگہ پر رکھ دیا اور اب جب دوسرا شخص پانی پینے کے لئے آئے گا تو اس کو گلاس ڈھونڈنا پڑے گا اور تلاش کرنا پڑے گا اور اس میں آج دنیا کے اکثر لوگ مبتلا ہیں حالانکہ قرآن کریم نے "اکواب" کے ساتھ "موضوعة" کی قید لگا کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ ہر چیز میں انتظام ہونا چاہئے۔ دنیا کے کاموں میں بھی انتظام ہونا چاہئے اور دین کے کاموں میں بھی انتظام ہونا چاہئے۔

حسن انتظام سے راحت ہوتا

کیونکہ راحت کی چیز اختیار کرنے سے ضرور راحت پہنچے گی' اس میں مسلم اور

غیر مسلم کی کوئی قید نہیں' جیسے کوئی سڑک ہے' جس کے دونوں طرف برابر برابر درخت لگے ہوئے ہیں اور درمیان میں سڑک پختہ ہے اور اس پر درختوں کا سایہ ہے۔ اب اس سڑک پر جو شخص بھی چلے گا۔ راحت اور آرام پائے گا اس میں کسی مسلم یا غیر مسلم' شیخ' سید' مغل' پٹھان' انگریز' ہندو' مجوسی' یہود' بھنگی' چمار کی کوئی قید نہیں۔

بیٹھ کر سونے میں احتیاط

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بدون سہارے بیٹھے ہوئے سو جانے پر فتویٰ تو یہی ہے کہ وضو نہیں جائے گا۔ لیکن تجربہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے لوگوں کے قویٰ مضبوط ہوتے تھے اور بدن کسا رہتا تھا۔ اب قویٰ کمزور ہو گئے ہیں اور بدن ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ وضو کر لے' یہ فتویٰ تو نہیں مگر احتیاط کا درجہ ہے۔

خواب سے زیادہ بیداری کی فکر

ایک صاحب نے حضرت والا سے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کی درخواست کی' اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ خواب میں کیا رکھا ہے' بیداری کی کوئی بات پوچھو۔ آج کل لوگ خوابوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کثرت سے خطوط میں خواب لکھے ہوئے آتے ہیں۔ میں اکثر یہ جواب لکھ دیتا ہوں کہ:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
زغلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

بیداری کو چھوڑ کر خواب کے پیچھے پڑ جانا ایسا ہے جیسے کوئی اصل شکار کو چھوڑ کر اس کے سائے کے پیچھے پڑ جائے اور یہ سب آخرت سے غفلت اور حقیقت سے بے خبری کی باتیں ہیں۔

تشریح: بہت سے لوگ اس مغالطے میں ہیں کہ انہوں نے خواب دیکھنے کا نام

تصوف سمجھا ہے اور کوئی اچھا خواب دیکھ لیا تو یہ سمجھے کہ اب ہم ولی ہو گئے۔ خواب
کے عجیب و غریب راز ہیں اس کو کوئی پہچان نہیں سکتا اس واسطے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا
کرتے تھے کہ خوابوں کی فکر میں زیادہ نہ پڑو بلکہ اپنی بیداری کی حالت کو درست کرو
اور یہ خوابوں کی تعبیر کے امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

الاصل يقظة لا يضر منام

یعنی تمہاری بیداری کی حالت درست کرلو تو خواب میں جو کچھ بھی دیکھا ہو گے
وہ مضر نہیں ہوگا۔ اگر کسی نے کیسا بھی برے سے برا خواب دیکھا ہو۔ لیکن اگر تمہاری
بیداری کی حالت صحیح ہے تو پھر کوئی فکر کی بات نہیں۔
ورنہ ان فضولیات میں کیا رکھا ہے۔ کیوں بیکار وقت کھویا جائے۔ وقت کی قدر
کرنا چاہئے اور ضروری کام میں لگنا چاہئے۔

مباحات کی کثرت باعث قساوت ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کثرت مباحات میں بھی زیادہ انہماک کرنے سے
قلب پر کدورت کا اثر ہوتا ہے۔ مثلاً ہنسنا اس کی کثرت قلب کو مردہ بنا دیتی ہے۔
تشریح: ہنسنا مباح ہے۔ ہنسنے کی اجازت ہے۔ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام بھی
ہنسا کرتے تھے لیکن مباحات کی بھی ایک حد ہے وہی بات ہے جو ابھی کہہ رہا تھا کہ ہر
چیز میں حدود و قیود ہیں ان حدود و قیود کی رعایت اگر نہیں رہے گی تو اچھی سے اچھی چیز
مضر ہو جائے گی اور عمدہ سے عمدہ چیز خراب ہو جائے گی لہٰذا ہنسنا اچھی چیز ہے اس سے
صحت کو فائدہ پہنچتا ہے اور ایک قسم کا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار بھی ہے لیکن اس کی
حد ہے۔ زیادہ ہنسنا قلب کی قساوت کو بڑھا دیتا ہے۔
جیسے ذکر اللہ سے قلب کو طمانیت اور نورانیت حاصل ہوتی ہے جس نے
خلوت کا تھوڑا سا بھی ذائقہ چکھ لیا ہو گا وہ اس کو محسوس کرے گا اور اس کدورت کا
اثر اس کو ایسا معلوم ہو گا کہ ایک پہاڑ جیسی چیز قلب کے سامنے کھڑی ہوئی ہے اور
بدون استغفار کے یہ کیفیت نہ بدلے گی مگر ان باتوں کے احساس کے لئے یہ ضروری

ہے کہ کچھ خلوت میسر آچکی ہو۔ ذکر میں مشغول رہ چکا ہو۔ بدون اس کے قدر کرنا مشکل ہے۔ ایسی حالت سے بچنے کی تمام سعی اور کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ اس حالت افسردگی کو "قبض" کہتے ہیں۔ اس میں بہت سے لوگوں نے خودکشی کرلی ہے۔ اس راہ میں ہزاروں راہزن ہیں کئی دشوار گزار گھاٹیاں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ قبض وافسردگی بھی ہے مولانا رومی ؒ اسی افسردگی کے متعلق فرماتے ہیں کہ۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود
چوں ز باغ دل خلالے کم بود

مجلس : ۱۷

عوام پر علماء کی ہیبت نہ ہونے کی وجہ

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ان دنیاداروں پر علماء کی مجالس کی ہیبت نہیں ہوتی اور درویشوں کی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ علماء کو صاحب اختیار نہیں سمجھتے۔ صاحب اختیار تو اگرچہ درویش بھی نہیں مگر ان کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے خلاف کرنے سے کوئی وبال آجائے گا اور مولویوں کے خلاف کرنے پر ویسا نہیں سمجھتے۔

تشریح: مولویوں کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ ان کا معاملہ ادھار کا ہے یعنی اگر کسی مولوی کی گستاخی یا بے ادبی کر دی تو اس کی سزا آخرت میں ملے گی یا نہیں ملے گی اور یہ دور کا معاملہ ہے اور اب آخرت کی فکر بھی لوگوں کو رہی نہیں۔ البتہ دنیا کی نقد تکلیفوں کو تکلیف سمجھتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک کوئی درویش اور صوفی بڑی چیز ہے۔ کوئی پاگل اور مجنون بھی آجائے تو اس سے بھی گھبراتے ہیں کہ اگر اس کے خلاف ہم نے کچھ کہہ دیا تو وبال آجائے گا اور دنیا میں کوئی مصیبت آجائے گی اور بیچارے مولوی کے بارے یہ فکر اور اندیشہ نہیں ہے۔

عوام پر حاکموں کی ہیبت ہونے کی وجہ

اسی طرح عوام پر ارائیں زمینداروں اور حاکموں کی ہیبت ہوتی ہے مگر علماء کی ہیبت نہیں اور یہ سب علماء کا تسامح ہے اور یہ لوگ علماء کو صاحب غرض سمجھتے ہیں۔ اب انہی صاحب کو دیکھئے۔ ان پر میری بزرگی کا اثر ہوا۔ علم کا نہیں۔ معذرت میں بھی یہی کہا آپ بزرگ ہیں اور یہ نہیں کہا کہ آپ عالم اور نائب رسول ہیں۔

علم بھی قابل ادب ہے

تشریح: دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد میں ایک مرتبہ حضرت والا کا وعظ ہوا۔ میں اس وقت متوسط درجہ کی کتابیں پڑھا کرتا تھا اور وعظ کا موضوع یہی تھا کہ لوگ بزرگوں کی تو عظمت کرتے ہیں جن کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ والے ہیں اور عبادت گزار ہیں عابد زاہد ہیں اور جو بڑے علم والے ہیں چاہے وہ ان کے استاد ہی کیوں نہ ہوں ان کی عزت وعظمت نہیں کرتے۔ چنانچہ میں یہاں آکر دیکھتا ہوں کہ استاد کے استاد کا تو ادب کریں گے اپنے استاد کا ادب نہیں کریں گے اس لئے کہ استاد کے استاد کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ ہیں اور اس وقت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا' جو میرے تو بہت ہی کرم فرما استاد تھے اور یہ زمانہ وہ تھا جس میں حضرت مولانا شیخ الہند قدس اللہ سرہ حیات تھے اور دارالعلوم میں تشریف فرما تھے حضرت والا نے فرمایا کہ تم لوگ مولانا اعزاز علی صاحب کا احترام اتنا نہیں کرتے' حالانکہ وہ تمہارے استاد ہیں اور حضرت شیخ الہند جو تمہارے براہ راست استاد بھی نہیں ہے۔ ان کا ادب واحترام زیادہ کرتے ہو' وہ ان کے علم کی وجہ سے نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی بزرگی کی وجہ سے کرتے ہو اور حضرت والا نے فرمایا کہ میں تو دونوں کو قابل احترام سمجھتا ہوں' بزرگی الگ قابل ادب ہے اور علم الگ قابل ادب ہے' اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو دین کا علم دیا ہے اور وہ اگرچہ صرف پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اور کوئی دوسری عبادت نہیں کرتا اور بزرگوں میں اس کا شمار نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں کے اندر ملوث ہو بلکہ عام مسلمانوں کی طرح نیک مسلمان ہے اور دین کا علم رکھتا ہے تو میں اس کی بھی عزت اور احترام کرتا ہوں۔

دنیاداروں کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیے؟

وجہ یہ ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ علماء ایسا طرز اختیار کریں جس سے عوام میں دین اور اہل دین کی بے وقعتی نہ ہو' اور یہ علماء کو نظر تحقیر سے نہ دیکھیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ تکبر بھی نہ ہو۔ غرض یہ کہ نہ تکبر ہو نہ تذلل ہو۔

تشریح: سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت والا کی مجلس سے تکبر سیکھا، اس لئے کہ حضرت والا کا طرز یہ تھا کہ عوام کے ساتھ ایسا معاملہ کرو کہ وہ تمہیں ذلیل سمجھیں کہ یہ لوگ ہماری کسی چیز کے محتاج ہیں اور جو ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرو۔ وہ دین کے خاطر تمہارے پاس آتے ہیں۔ طالب دین ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں اس لئے تم ان کی عزت کرو۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ کا ملفوظ حضرت والا نے نقل فرمایا کہ "جب دنیاوی اعتبار سے کوئی بڑا آدمی کوئی سیٹھ مالدار یا حکومت کے کسی بڑے عہدے کا آدمی تمہارے پاس دین کی بات پوچھنے کے لئے آئے تو وہ اس وقت اس لئے قابل تعظیم ہے کہ وہ دین کے لئے تمہارے پاس چل کر آیا ہے تمہارے پاس دنیا تو ہے نہیں جس کو لینے کے لئے وہ آئے بلکہ وہ دین کی خاطر تمہارے پاس آیا ہے دین کا طالب بن کر آیا ہے اس لئے اس طلب دین کی وجہ سے اس کی عزت اور احترام کرو۔

عبادت حکم ماننے کا نام ہے

اور یہ اعتدال کسی کامل کی صحبت سے پیدا ہو سکتا ہے اور اس کی جوتیاں سیدھی کرنے سے۔

حضرت والا ﷺ کا ایک وعظ ہے۔ "الحدود والقیود" اگر ہو سکے تو سب لوگ اس کا مطالعہ کریں۔ بڑا اہم وعظ ہے اور پورے دین کا خلاصہ ہے۔ اس میں حضرت والا نے فرمایا کہ دین اصل میں "حدود وقیود کا نام ہے نہ نماز کا نام دین ہے' نہ روزے کا' نہ حج کا اور نہ زکوۃ کا بلکہ حدود وقیود کا نام دین ہے" جو شریعت نے مقرر کر دی ہے وہاں رک جاؤ' جہاں چلنے کو کہا وہاں چلو اور جہاں ٹھہرنے کو کہا وہاں رک جاؤ یہی بندگی ہے اور اسی بندگی کا نام عبادت ہے اور بندگی نام ہے حکم ماننے کا' اگر یہ حکم ہو کہ سو جاؤ تو سو جانا عبادت ہے اور اگر حکم ہوا کہ کھڑے ہو جاؤ تو پھر کھڑے ہونا عبادت ہے۔ جب نماز پڑھنے کا حکم ہو تو نماز پڑھنا عبادت اور جب نماز چھوڑنے کا حکم ہو تو نماز چھوڑنا عبادت ہے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز چھوڑنے کا حکم ہے اب اس وقت نماز پڑھنا گناہ ہے تو اصل چیز حدود وقیود ہے اور

پھر حدود و قیود کی ایک مقدار بھی ہوتی ہے مثلاً بچے کے لئے بھی غصہ کی بھی ضرورت
ہے۔ اور کبھی تشدد کی ضرورت پیش آتی ہے اور کبھی نرمی کی ضرورت پیش آتی ہے
لیکن ہر ایک چیز کی حدود ہیں۔ نرمی کس حد تک ہو؟ غصہ اور تشدد کس حد تک ہو'
لیکن ان حدود کو کسی کتاب میں لکھ کر بیان نہیں کیا جا سکتا' قرآن و حدیث میں یہ تو بتا دیا
گیا ہے کہ فلاں جگہ نرمی کرو اور فلاں جگہ سختی کرو اور اس کے اصول بتا دیئے گئے ہیں
لیکن نرمی کی حد کیا ہوگی؟ اس لئے نرمی حد سے گزر جائے گی تو وہ نرمی مضر ہو جائے
گی اور اگر سختی حد سے گزر جائے گی تو وہ بھی مضر ہوگی ان تمام پہلوؤں کو قرآن
و حدیث نے واضح کیا ہے' لیکن اس کا کوئی پیمانہ نہیں بتایا جا سکتا کہ اس حد تک نرمی
کی جائے گی اور اس حد تک سختی کی جائے گی یہ چیز صرف بزرگوں کی صحبت سے حاصل
ہو سکتی ہے' اللہ والے اہل علم اور اہل فہم کی صحبت میں رہ کر یہ بات معلوم ہوتی ہے
کہ کہاں نرمی کرنی ہے اور کہاں سختی کرنی ہے۔

حضرت والا کا ایک عجیب واقعہ

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو سختی کے معاملے میں بہت بدنام کیا ہوا تھا کہ حضرت والا
بہت سخت مزاج ہیں اور ہر چیز پر ڈانٹ دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں معاملہ برعکس
تھا۔ چنانچہ واقعہ یاد آیا کہ حضرت کے ایک خادم خاص تھے جن کا نام تھا بھائی نیاز۔
اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین! اور بالکل ان پڑھ' جاہل اور پٹھان تھے اور
حضرت والا کے گھر کے خادم تھے۔ حضرت کے نہ تو مرید تھے اور نہ ہی مرید ہونے کی
غرض سے آئے تھے بلکہ اپنی نوکری کے لئے آئے تھے۔ حضرت والا نے ان کو گھر
کے کاموں کے لئے نوکر رکھ لیا تھا۔ مگر حضرت والا کی صحبت اور ماحول کے اثر سے
متقی پرہیزگار اور اللہ والے بن گئے تھے اور حضرت والا کے گھر کے کام کرتے رہتے
تھے۔ وہ خود اپنا قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت والا نے بلا کر پوچھا کہ تم
نے فلاں کام کیوں کیا؟ اور ناراض بھی ہوئے اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی
وہ اٹھائی۔ میں نے حضرت کو جواب دیا کہ حضرت! اللہ سے ڈرو' جھوٹ نہ بولو۔ اب
دیکھئے کہ ایک آقا اپنے نوکر پر غصہ کی حالت میں ڈانٹ رہا ہے اور چھڑی اٹھا رکھی

ہے "اس وقت وہ تو ذکر حضرت سے کر رہے ہیں کہ خدا سے ڈرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ انہی کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ الفاظ کہے۔ حضرت والا نے فوراً چھڑی ڈال دی اور استغفر اللہ "استغفر اللہ" کہہ کر چلے گئے۔ یہ اس لئے جب یہ لفظ سنا کہ اللہ سے ڈرو۔ بس اس لفظ کو سننے کا تحمل نہ کر سکے اور یہ سوچا کہ ممکن ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ یہ مقولہ ان پر بھی صادق آتا ہے کہ:

کان وقافا عند حدود الله اللہ تعالیٰ کی حدود کے آگے رک جانے والا

جو حضرت عمر فاروق ﷺ کی شان میں آیا ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو صحابہ کرام کا نمونہ بنایا تھا۔

حضرت عمر ﷺ کا رک جانا

واقعہ یاد آیا کہ جو تاریخ کی مشہور کتاب "طبقات ابن سعد میں" نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک شخص کا پرنالہ مسجد نبوی کے صحن میں گر رہا ہے کسی مہاجر یا انصاری کا مکان تھا۔ روزانہ مسجد نبوی میں آتے تھے۔ لیکن پہلے کبھی اس طرف دھیان نہیں گیا۔ اس روز دھیان ہوا کہ مسجد تو اللہ کا گھر ہے۔ اس میں کسی کے گھر کا پرنالہ گرے یہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ اس کو گرانے کے لئے یہ نہیں کیا کہ حکم نامہ جاری کریں اور پھر پولیس آئے اور وہ آکر اس کو گرائے بلکہ خود گئے اور اس وقت چونکہ مکانات بھی اونچے نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے آپ نے اچک کر اس پرنالے کو توڑ دیا۔ اب جس شخص کا مکان تھا۔ وہ جب آیا اور اس نے دیکھا کہ پرنالہ توڑ دیا گیا ہے اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ پرنالہ کس نے توڑا؟ لوگوں نے بتایا کہ امیر المومنین نے توڑا ہے۔ وہ امیر المومنین کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ اچھا کیا۔ لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ پرنالہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے لگایا تھا۔

کہاں تو اشدھم فی امر اللہ کی کیفیت تھی کہ اتنا بھی انتظار نہیں کیا کہ کسی مزدور سے کہیں کہ وہ اس پرنالے کو توڑ دے۔ بلکہ خود جا کر توڑ دیا۔ لیکن جب

یہ الفاظ سنے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا۔ تو فوراً فرمایا کہ اچھا! عمر نے اتنی غلطی کی، عمر سے ایسا جرم سرزد ہوا۔ استغفراللہ، استغفراللہ۔ آؤ ابھی چلو۔ اسی وقت وہاں تشریف لے گئے اور پرنالے کی جگہ پر نیچے بیٹھ گئے کہ میرے کندھے پر سوار ہو کر اس پرنالے کو دوبارہ اس کی جگہ پر لگا دو۔ ان صاحب نے فرمایا کہ امیر المومنین! آپ رہنے دیں۔ میں خود کر لوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ قصور عمر نے کیا اور بھگتے کوئی اور؟ چنانچہ پورے مجمع کے سامنے ان کو اپنے کندھے پر کھڑا کیا اور پرنالے کو درست کرایا۔ یہ تھے:

وقافا عند حدود اللہ اللہ تعالیٰ کی حدود کے آگے رک جانے والے کہ غصہ کے وقت غصہ بھی آیا اور اس پر عمل بھی کیا، لیکن اللہ کی حدود کے آگے رک گئے یہ حدود کا پیمانہ کہ غصہ کہاں کرنا ہے؟ اور کتنا غصہ کرنا ہے؟ اور غصہ ہے بھی ضروری چیز، بقول امام غزالی ؒ کے کہ اگر غصہ نہ ہو تو انسان جہاد نہیں کر سکتا، اس لئے کہ اگر کفار پر غصہ نہیں آئے گا تو پھر جہاد کیسے کرو گے، اس لئے جہاد تو غصہ سے کریگا تو غصہ بھی ایک نعمت ہے۔ لیکن اس کو اپنے حد کے اندر رکھنا فرائض میں سے ہے اور ضروری ہے۔

لیکن اس کی حد کیا ہے؟ اور اس کا پیمانہ کیا ہے؟ وہ اولیاء اللہ کی صحبت کے علاوہ کہیں اور سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو دانشمند ہو اور عالم ہو، ان حقائق کو سمجھتا ہو کہ کہاں کتنی سختی کرے۔ کہاں کتنی نرمی کرے؟ اس کی صحبت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔

مجلس : ۸

شرعی سزائیں

خدا کی ناراضگی سے وبال آتا ہے

حافظ ابن قیم آٹھویں صدی ہجری کے ایک بڑے عالم ہیں انھوں نے ایک بات کہی ہے جو بہت اہم ہے فرمایا: "انسان جو گناہ کرتا ہے ظاہر ہے کہ اس سے اللہ کی ناراضگی آتی ہے اور اس پر اس کا وبال پڑنا ضروری ہے ایک معمولی آقا جب غلام سے ناراض ہو جائے تو غلام کو کیا کیا سزا اٹھانا پڑتی ہے۔ شریعت نے جو سزائیں جرائم کی مقرر کی ہیں' چوری' زنا' بہتان' شراب یا اسی طرح اور سزائیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں بڑی بڑی سخت سزائیں ہیں۔ آج کل کے وحشی "نعوذ باللہ" ان کو وحشیانہ بھی کہتے ہیں۔ اسلام میں درحقیقت سزائیں سخت ہیں اور مجرم کو جب تک سزا سخت نہ ہو' اس سے گناہ کرنے سے کیسے بچے اور عبرت کیسے حاصل ہو؟ اگر سزا ہلکی ہو تو پھر سزا کیا خاک ہوئی؟

علی گڑھ کالج کی مسجد

مجھے یاد آیا کہ علی گڑھ کالج کی مسجد نہایت شاندار تھی۔ جماعت میں چار' پانچ آدمی تھے' میں نے کہا اتنی بڑی مسجد اور مسلم یونیورسٹی۔ طلباء تو الگ سینکڑوں اساتذہ بھی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نمازی کم ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ نماز کی تو یہاں گنتی ہے حاضری ہوتی ہے۔ لیکن غیر حاضری پر چار آنے فی نماز سزا ہے اس لئے نوابوں کے لڑکے ہیں سزا کی مجموعی رقم جمع کرا دینا ان کے لئے آسان ہے۔

ملک سعود کسی ہوٹل میں امریکہ میں گئے تھے۔ پوچھا کہ آپ کے یہاں چوری

سزا ہاتھ کاٹنا کتنی سخت ہے جواب دیا کہ امریکن کے علاوہ کوئی پوچھتا تو جواب دیتا۔ امریکن نے تو بیدردی سے سینکڑوں انسان، جانور ہلاک کردیئے صرف ایک بم سے وہ بھی خدا کی مرضی کے خلاف نہیں اپنی مرضی کے خلاف ہونے پر۔ تو وہ شخص کیا جواب کے قابل ہے۔ کوئی اور پوچھتا تو جواب دیتا کہ جو شخص چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹنا مناسب ہے یا نہیں؟

شرعی سزاؤں کا فائدہ

ابن القیم نے فرمایا کہ جس ملک میں یہ شرعی سزائیں جاری ہیں۔ وہاں یہ جرائم بند ہو جاتے ہیں اور جہاں سستی ہے وہاں بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ سعودی عرب میں اب کچھ ڈھیل شرعی احکام کی سزاؤں میں ہو گئی ہے تو دیکھ لو کہ جرائم پہلے بالکل بند تھے اب نہیں ہیں۔

چنانچہ ایک حاجی کا واقعہ ابھی کا ہے کہ ۹۲ ہزار روپے چوری ہو گئے دوسرے روز وہ تھیلا پولیس نے واپس کر دیا۔ آج امریکہ اور لندن کی سچائی کے گیت گائے جاتے ہیں کوئی مثال ان کے یہاں ۹۲ ہزار ڈالر کی دکھاؤ کہ چوری ہو جائیں اور مل جائیں۔ ہاں! سب چوریاں روآنہ، چار آنہ کی نہیں کرتے۔ وہ ہوشیار چالاک چور ہیں یہ نادان ہیں۔

غرض جتنی سخت سزائیں ہوں اتنے ہی جرم کم ہوں گے۔ ہمارے یہاں ایک چور مشہور تھا ہمیشہ جیل خانہ میں رہتا تھا۔ جہاں نکلا ایک چوری کی پھر چلا گیا۔ جب جیل سے نکلتا تو ساتھیوں سے کہتا کہ میں جلد آؤں گا۔ یہ سزائیں ہیں؟ کہیں ان سزاؤں سے چوریاں رکتی ہیں؟ ہاں! سرِبازار کسی کے دس درے لگاؤ، بجائے جرم ہو جائے۔

آج دنیا جرائم بند کرنے کے لئے لاکھوں روپیہ صرف کرتی ہے لیکن جرائم بند نہیں ہوتے۔ بند کہاں سے ہوں؟ جب سزائیں ایسی سہل ہیں کہ ہر شخص کو ہمت ہو جاتی ہے چنانچہ آج مکھی، مچھر کی طرح قتل ہو رہے ہیں اس وجہ سے کہ یا تو سزائیں موجود نہیں یا ہیں تو رشوت کے بل پر وہ سزائیں ملتی نہیں۔ ابھی انگریزی راج میں

ایک چھوٹے سے چھوٹے گاؤں کے چھوٹے سے چھوٹے پیشہ ور بڑھئی کو کسی نے ایسی جگہ قتل کر دیا۔ جہاں ریل بھی نہ جاتی ہو ایک ہفتہ مسلسل بڑے افسر روزانہ اس جگہ جاتے تفتیش کرتے۔ نتیجہ یہ کہ قاتل کا پتہ تک گیا اور سارے علاقہ کو عبرت ہوگئی۔ اسلام کی سزائیں تمامت عجیب نہ ہیں اور اس کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ جس ملک میں یہ جاری کی جائیں اس میں جرم نہیں ہوں گے۔

شرعی سزائیں اس لئے ہیں کہ قہر خدا نازل نہ ہو

ابن القیم کہتے ہیں کہ یہ سزائیں جو اللہ پاک اپنے مجرم کو دیں گے ان سے بہت کم ہیں اللہ کو قدرت ہے کہ وہ اپنے مجرم کو خود سزا دیں۔ لیکن یہ اس لئے رکھ دی ہیں کہ اللہ کا قہر نازل نہ ہو اور سارا ملک بچ جائے۔ اس کے وبال سے۔ ورنہ ایک چوری کرے اور ساری بستی اس کے عذاب میں مبتلا ہو جائے تو اللہ پاک اس پر بھی قادر ہیں مگر وہ بڑے رحیم ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ صرف مجرم کو سزا ملے اور وہ بھی تحقیقات کے بعد اتنی رحمتیں اللہ پاک کی کہ ایک مجرم کی سزا سے ساری قوم کو اس کے عذاب سے بچا دیا۔ چونکہ وہ مجرم ہماری ہی قوم کا ہے' حدیث میں ہے کہ جب کسی قوم میں منکرات ہوں اور وہ لوگ اس کو منع نہ کریں تو ساری قوم اس کے وبال میں آجاتی ہے۔

شرعی سزائیں رحمت ہیں

فرمایا کہ ایک تو ان سزاؤں سے جرم رک جائیں گے' دوسرے یہ کہ تقدیری سزائیں یعنی دردناک عذاب سے اللہ پاک نجات دیں تو یہ سزائیں رحمت ہیں کہ آخرت کے عذاب سے بچے اور قدرتی سزاؤں کا کفارہ ہو گئیں یہ شرعی سزائیں۔ اور جہاں شرعی سزائیں جاری نہ ہوں وہاں اللہ پاک تمہارا انتظار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ خود اس کو سزا دیتے ہیں اور اللہ کی ہر چیز عظیم ہے ان کی سزا بھی عظیم ہے اس کے لئے وہ بھی اور ہر خاص و عام اس سزا میں شریک ہو جائیں گے اور پھر آخرت کی سزا نہ معلوم

کیسی ہو؟ اللہ پاک محفوظ رکھیں۔ ان آسمانی سزاؤں میں ایک سخت مصیبت یہ ہے کہ اس مجرم پر ہی نہیں بلکہ ساری بستی پر آتی ہیں اور ظاہر ہے کہ عام عذاب بھی سخت ہوگا۔

ظاہری اور باطنی سزائیں

ابن القیم نے سزاؤں کی تفصیل بتائی کہ اللہ کی طرف سے دو سزائیں آتی ہیں ' باطنی اور ظاہری ' باطنی تو یہ کہ انسان کے قلب کا سکون اور اطمینان جاتا رہے گا۔ کبھی بے فکری نصیب نہ ہوگی۔ جس ملک میں اللہ کا قانون جاری نہ ہوگا۔ وہاں امن 'چین ' سکون قلبی میسر نہ ہوگا۔ اب غور کرکے دیکھ لو۔ مشرق سے مغرب تک کون بے فکری اور سکون سے بیٹھا ہے۔ فقیر سے بادشاہ تک ہر شخص فکر ' پریشانی میں مبتلا ہے۔

یہ دراصل اسی ایک جرم کی سزا ہے جو اس کے مجرم کو دی گئی اور ساری بستی اس کے وبال میں مبتلا ہوگئی پھر بیماریاں طرح طرح کی۔ بس وہ سزائیں اور عذاب بے آواز ہوتی ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں کہ اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہے۔

اور ہزاروں کوششیں اس بات کی ہو رہی ہیں کہ پریشانیاں دور ہوں۔ سکون قلبی میسر ہو جائے مگر کہیں یہ نصیب نہیں۔ ارے! سکون قلب کا ساری دنیا میں کوئی وجود نہیں ' سوائے اللہ کو راضی کرنے کے اور یہ عیش ' آرام کوئی سکون نہیں کہ آج شراب و کباب میں پڑے ہو۔ کل جیل اور مصیبت میں۔ جن کی بڑی ذمہ داریاں ہیں ان کی بڑی مشکلات ہیں۔

شاہجہاں کا واقعہ

شاہجہاں اپنی ملکہ کے پاس آئے۔ ملکہ نے کہا کہ آپ کو کیا حق ہے آرام کرنے کا۔ کتنی مخلوق خدا بے چین پریشان ہیں۔ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ تم کو کیا حق ہے

آرام و عیش کرنے کا۔ انہوں نے ممتاز بیگم کی بات کا اس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ باہر آکر اپنے وزیر کو حکم دیا کہ وزیر مالیات کو جس حالت میں ہے فوراً اٹھا لاؤ۔

چند فرمانبردار حاضر ہوئے۔ وزیر کپڑے اتار کر کاغذات بکھرے پڑے گرمی کی وجہ سے پریشان، سوچ فکر میں بیٹھا تھا ان کو پکڑ کر لے آئے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ یہ تم کیسے پریشان ہو؟ وزیر نے کہا یہ تو میں پریشان اس لئے ہوں کہ نہ معلوم مجھ سے کیا خطا ہوئی کیوں بلایا ہے۔ مگر ایک پریشانی یہ تھی کہ میں مالیات جوڑ رہا تھا۔ ایک بستی سے رقم آئی تھی۔ اس میں کچھ رقم زیادہ تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ رقم اللہ کی برکت ہے یا کسی پر ظلم ہے۔ جب میں یہاں لایا جا رہا تھا تو مجھے یاد آیا کہ اس شہر کے دفتر کے جتنے تالے تھے پرانے وہ سب فروخت کر کے کچھ رقم آئی تھی اور یہ رقم اسی کی تھی اس سے مجھے اطمینان ہوا۔ ممتاز بیگم سن رہی تھی۔ اس نے چلا کر کہا۔ شہنشاہ عالم! اب آپ کو حق ہے جس کا وزیر اتنا ہوشمند ہو اس کو بے شک آرام کا حق ہے۔ یہ وہ بادشاہ تھے جو مخلوق خدا کی اتنی دیکھ بھال کرتے تھے۔

کراچی میں ایک دولتمند ہیں، جن کے کئی ہزار روپیہ صرف آڈٹ میں جاتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ کیا تمہارے یہاں اتنے حساب ہونے کے باوجود چوریاں ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بے شک ہوتی ہیں۔ میں نے کہا پھر کیوں جان کھپاتے ہو اس میں اس نے کہا ان چوروں کو یہ معلوم ہے کہ حساب آڈٹ ہوتا ہے تو کچھ تو محتاط رہیں گے۔ اب کتنے ہی محتاط ہوں مگر ہمارے فاروق اعظم تو ہو نہیں سکتے۔ جو دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! رعیت زیادہ ہو گئی۔ میں نگرانی نہیں کر سکتا ان کے حقوق نہیں ادا ہو سکتے۔ اب تو مجھے اٹھا لے۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی اور اسی عرصہ میں شہادت ہوئی۔

تو ایک سزا اللہ پاک کی یہ ہے کہ سزاؤں کے نہ دینے سے جو بستی پر عذاب آتے ہیں وہ ایک تو باطنی ہیں جیسے بے چینی اور نفرت۔ ان سے بچنے کا واحد علاج ہے۔ سزائے شرعیہ۔

عدل و انصاف کا نفع

حضرت عمر ﷺ ایک پہاڑی پر کھڑے تھے۔ زمین ہلی۔ آپ نے قدم پتھر پہ مارا۔ فرمایا کہ کیوں ہلتی ہے میں موجود ہوں میں ظلم کر رہا ہوں؟ پھر کیوں ہلتی ہے وہ پہاڑی خاموش ہوگئی۔ دیکھا آپ نے وہ لوگ کتنے نبض شناس تھے۔

بس آج جو یہ سیلاب' زلزلے' طوفان آ رہے ہیں یہ ظاہری سزائیں ہیں ان جرائم کی جن پہ سزائیں نہیں ملتی اب اگر ہم اس پر قادر نہ ہوں کہ سزائیں شرعی جاری کریں یا کرائیں تو کم از کم اللہ سے تو ڈریں کہ ایک شخص ظالم ہے' شرابی ہے زانی ہے ہم اس کے ساتھ دوستی رکھیں اس کو برا بھی نہ کہیں تو پھر ہماری اللہ پاک سے اطاعت کس چیز کی ہے یہ ساری دقتیں' پریشانیاں اسی بات کی ہیں ہم دوسروں کو اگر روک نہ سکیں تو کم از کم ایسے لوگوں سے پرہیز تو کریں' ترک موالات تو کرلیں اللہ سے رجوع تو کرلیں۔ توبہ کر کے اللہ سے مدد چاہیں پھر دیکھیں اللہ پاک کتنا رحم فرماتے ہیں۔

معاشرت کے متعلق متفرق ارشادات

مشورہ کی برکت

فرمایا اگر بڑا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کیا کرے تو انشاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہے گا، چہ جائیکہ چھوٹا اپنے بڑوں سے کرے، وہ تو بدرجہ اولیٰ محفوظ ہوگا۔

تہذیب کی حقیقت

فرمایا: تہذیب اس کا نام ہے کہ بناوٹ نہ ہو۔

سلامتی یکسوئی میں ہے

فرمایا - آج کل سلامتی عزلت اور یکسوئی میں ہے اور اس میں یہ نیت ہونی چاہئے کہ میرے شر سے دوسرے لوگ اور دوسروں کے شر سے میں بچا رہوں۔

تحصیل راحت کا گُر

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی سے کسی قسم کی بھی توقع مت رکھو یہ بات دین و دنیا کی راحت کا گر ہے، جس شخص کی یہ حالت ہوگی وہ افکار وہموم سے نجات پائے گا۔

اپنا کام خود ہی کرنا چاہئے

فرمایا شخص دوسروں کے اعتماد پر کام چھوڑ دینے سے، وہ کام اکثر مکمل نہیں ہوتا۔

عمر بھر یاد رکھنے کی بات

فرمایا: کسی بے بوجھ ڈال کر اس کے یہاں کھانا چاہنا نہ چاہیے' اس بات کو عمر بھر یاد رکھنا۔

حق العبد کی تین اقسام ہیں

فرمایا: حق العبد کی تین اقسام ہیں: ۱۔جان' ۲۔مال' ۳۔آبرو

قطع تعلق کا وبال

فرمایا: حدیث میں ہے کہ اگر مسلمان سے (بغیر کسی شرعی وجہ کے) ایک سال تک نہ بولا جائے تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔

بیوی سے بد خلقی نہ کرنا

فرمایا: بیوی کے ساتھ بد خلقی نہ کرو مگر یہ بھی نہیں کہ اس کو میاں بنا لو۔

بیوی کی بد خلقی برداشت کرنا

فرمایا: بیوی کی تھوڑی بہت بد خلقی کو گوارا کر لینا چاہئے' کیا عجیب بات ہے کہ وہ شادی ہوتے ہی سارے اعزہ واقارب کو چھوڑ کر شوہر کیلئے وقف ہو جاتی ہے۔

دوسروں پر ہنسنا

فرمایا: دوسروں پر ہنسنا نہ چاہئے اکثر دیکھا ہے جو جس پر ہنسا خود اس عیب یا مصیبت میں مبتلا ہوا۔

ہر وقت دھیان رکھنے کی بات

فرمایا۔ نشست و برخواست سب میں اس امر کا خیال رکھنا چاہئے کہ کسی کو تکلیف و تنگی نہ ہو۔

گول مول بات کرنا

فرمایا: گول مول بات ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔

واضح جواب دینا

فرمایا: سوال کو خوب سمجھ کر پورا اور صاف جواب دینا چاہئے تاکہ دوسرے کو بار بار نہ پوچھنا پڑے۔

معاشرت اور معاملہ کا طریقہ

فرمایا: معاملہ کرو اجنبیوں کی طرح اور معاشرت اختیار کرو بھائیوں جیسی۔

تکلف اور تصنع

فرمایا: دنیا داروں میں دیکھا ہے کہ دوستوں سے بھی تکلف و تصنع سے ملتے ہیں ایک کو دوسرے کی شان کا بہت خیال رہتا ہے۔

ماں باپ کی نافرمانی

فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی اس کو کہتے ہیں جس میں انہیں تکلیف ہو۔

معمولی احسان بھی یاد رکھیں

فرمایا: اگر تمہاری ایک چیز بالشت بھر سے اٹھا کر دیدے تو اس کو بھی احسان سمجھو ہمیشہ یاد رکھو۔

رعایت کرنے والے کی رعایت کریں

ایک صاحب پان کی ڈبیہ پر پالش کرا کر لائے تو حضرت والا نے فرمایا اس کی اجرت دیدی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ پالش کرنے والا جاننے والا آدمی ہے اس نے پیسے نہیں لئے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جاننے کا حق صرف ایک طرف تو نہیں ہے' تم بھی تو جاننے کا حق ادا کرتے ہو یا وہی بیچارہ ہے۔ بجائے ایک آنے کی بجائے دو آنے تم بھی دیدیا کرو اس بنا پر کہ یہ جاننے والا ہے۔

لباس و زیور کی محبت کم کرنے کا علاج

فرمایا: زیور یا لباس کی محبت کم کرنے کا علاج یہ ہے کہ اپنے گھر میں سب زیور ولباس پہنا کریں اور دوسروں کے گھروں میں معمولی زیور و لباس پہن کر جایا کریں۔

تقریبات میں عورتوں کو جانے سے روکنا

فرمایا: تقریبات میں عورتوں کے جانے کے انسداد کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جانے کو منع نہ کریں مگر اس پر مجبور کریں کہ کپڑے زیور وغیرہ کچھ نہ پہنیں' جس حیثیت سے اپنے گھر رہتی ہیں اسی طرح چلی جائیں' خود جانا بند ہو جائے گا۔

بوڑھوں سے پردہ

فرمایا: بوڑھوں سے پردہ ضروری ہے' بڑھاپے میں تجربہ زیادہ ہوتا ہے' اس لئے وہ دقائق حسن کو زیادہ جانتا ہے اور اس کا دماغ اور پہچان اس میں محسوس

نہیں ہوتا تو شبہ ہو جاتا ہے کہ ہیجان نہیں اور واقع میں ہیجان ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے اور ضبط کی قوت دیگر قویٰ کی طرح اس میں ضعیف ہوتی ہے تو اس کا جلنا ہو جانا ذرا بھی مشکل نہیں' اس واسطے بڈھے سے پرہیز کریں اور بوڑھوں کو بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

ایک غلطی

فرمایا: ایک غلطی (عام طور پر) یہ ہے کہ زبان اور پیٹ کی حفاظت نہیں کرتے' بدون اکل حلال انوار الٰہی نصیب نہیں ہوتے۔

مال حرام گناہوں کی جڑ

فرمایا: حرام مال سب سے بری چیز ہے' یہ تخم ہے تمام گناہوں کا' اور گناہوں کو اس طرح یاد کیا کرو اور زبان سے کہا کرو' اے اللہ میں بڑا نالائق ہوں' اس قابل ہوں کہ غرق کر دیا جاؤں' کوئی عذر میرے پاس نہیں' میں نے بہت ہمت کی مگر مجھے کامیابی نہیں ہوئی' آپ مدد کیجئے اور اس خباثت سے نکال دیجئے۔

تھوڑی آمدنی کب کافی ہو سکتی ہے

آدمی قناعت پر اکتفا کرے اور ضروری سامان کے ساتھ رہے تو تھوڑی آمدنی میں بھی رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی ایسا ہی تقویٰ والا ادا کر سکتا ہے۔

اہل دنیا کی صحبت سے بچیں

اہل محبت کی صحبت سے محبت پیدا ہوتی ہے' لیکن ان کی صحبت پرہیز کے ساتھ اختیار کی جائے پرہیز یہ ہے کہ اہل دنیا کی صحبت سے بچے۔

اہل دنیا وہ ہیں جو غیر اللہ کا تذکرہ زیادہ کریں۔

ایسی خدمت خلق جس میں اپنے دین کا ضرر ہو مذموم ہے۔

صحبت حرام

فرمایا: اگر (کوئی شخص) اپنی بیوی کے پاس ہو اور صحبت کے وقت کسی اجنبیہ کا قصداً تصور کرے تو وہ حرام ہوگا۔

حرام خور کو مرید کرنا

ایک شخص حرام روزی میں مبتلا ہے۔ اس کو مرید بھی کر لیا۔ فرمایا کہ میں معصیت کو جائز نہیں کرتا۔ کفر سے بچاتا ہوں اس لئے کہ یہ ملازمت چھوڑ دی اور فقروفاقہ میں مبتلا ہو گیا تو کفر کے الفاظ نہ نکل جائیں۔ آج لوگ عیسائی مذہب اختیار کر رہے ہیں۔ وہ حقیقت میں اس مذہب کو اچھا نہیں سمجھتے۔ بلکہ فقر سے مجبور ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ یہ چیز ہر شخص نہیں جانتا۔ ظاہری علماء نے ایک لفظ من ابتلیٰ کو کہتے پھرتے ہیں۔

فرمایا کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو چھوڑ کر دس اور گناہوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لئے جب تک اس کو چھوڑ کر ہدایت کا راستہ نہ ملے اسے نہ چھوڑے۔ بعض بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر ایک کا علاج کرو تو دس اور امراض پیدا ہو جائیں۔

حضرت امام شافعی ﷺ سفر میں تھے۔ ایک گاؤں میں پہنچے اس زمانہ میں کوئی ہوٹل نہ ہوتے تھے۔ کوئی مسافر بستی میں آیا دیہات والوں نے فوراً اس کے کھانے کا بندوبست کیا۔ چنانچہ آپ کو دیکھ کر ایک شخص ٹیلہ پر چڑھا۔ ایک آواز اپنی بولی میں لگائی۔ اس کو سن کر سب لوگ اپنا اپنا کھانا لیکر وہاں جمع ہو گئے۔ ایک بڑا حوض بنا تھا۔ ہر شخص نے اپنا کھانا خواہ وہ چاول تھا یا دال یا روٹی یا گوشت سب ہی اس میں ڈال دیا اور امام صاحب کو وہاں لے کر آگئے۔ امام صاحب گھبرائے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ دیکھا کہ ہر شخص آستینیں چڑھا کر حوض میں ہاتھ ڈالتا ہے اور بڑی بے ادبی سے کھانا شروع کیا۔ آپ غور کرتے رہے۔ دل میں خیال کیا کہ اگر سنت پر عمل کروں گا تو

سب جنہیں گے اور سنت پڑھنا فقر ہے اس لئے اس وقت اس سنت کو چھوڑنا ان کو کفر سے بچانا ہے۔ اس لئے خود بھی اسی طرح شریک ہو گئے۔ عطائی علماء ایک نیک کام کو لے کر لڑتے ہوتے ہیں۔ اس میں بہت سے واجبات و فرائض چھوٹ گئے پرواہ نہیں۔

پردہ پوشی

مردے کو کفن دینا' نہلانا' دفن کرنا سب پردہ پوشی کے لئے ہے۔ مومن مومن کی حیات و بعد الممات پردہ پوشی کیا کرتا ہے۔

عبدالمعروف نام نامناسب ہے

عرض کیا گیا: ایک شخص کا نام عبدالمعروف ہے' فرمایا: معروف تو اللہ تعالٰی کی صفات میں سے کوئی نہیں' محمد معروف (نام) ہوتا تو اچھا ہوتا۔ پھر فرمایا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک آدمی آیا: پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا "شعلہ" بستی کا نام "حرہ" باپ کا نام "شہاب" فرمایا تیرے گھر میں آگ لگ گئی ہے' (جاکر) دیکھا مکان جل کر خاک ہو چکا تھا۔

باب پنجم

اخلاقیات

انسان کی حقیقت ' تصوف کی تعریف ' روح کی بیماریاں ' مرشد کی ضرورت ' اصلاح قلب ' فلاح کی حقیقت ' تربیت میں اعتدال ' مراقبات واشغال ' محاسبہ نفس ' ہمت وحسرت ' اخلاق حمیدہ ' مہلکات ورذائل ' رذائل سے بچنے کی تدابیر ' اپنے عیوب پہچاننے کے طریقے ' اصلاح قلب کیلئے وقت نکالنے کا طریقہ ' بے علم کیلئے سب سے بہتر راستہ ' حضرت تھانوی کا مزاج ومذاق ' آخری مجلس ' آخری دعا۔

قلب کی حقیقت

"پہلو میں دل کا شور" آپ نے بہت سنا ہوگا، لیکن اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا اتنا شور کیوں ہے؟ اسلام میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ ان سوالوں کا جواب علم تصوف دیتا ہے "دل کی دنیا" کا عنوان اس موضوع کے لئے مخصوص ہے، اس موضوع کی ابتداء سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت افروز تقاریر سے ہو رہی ہے، یہ تقریریں رمضان ۱۳۹۶ھ میں دارالعلوم کے اساتذہ و طلباء کے سامنے کی گئی تھیں، جنہیں تحریری طور پر ضبط کرنے کے علاوہ ٹیپ ریکارڈ پر بھی محفوظ کر لیا گیا تھا، اب وہ آپ کے سامنے ہیں۔ امید ہے کہ ان مختصر تقاریر سے آپ اپنے دل کی دنیا بدلی ہوئی محسوس کریں گے"۔

○

مجلس : ۱۹

تصوف کی حقیقت اور اس کی اہمیت

انسان گوشت پوست کا نام نہیں

ہم اور آپ انسان ہیں، ہمیں اپنے انسان ہونے پر فخر بھی ہے، لیکن کیا کبھی آپ نے غور کیا کہ "انسان" کہتے کسے ہیں؟ کیا انسان اس گوشت پوست، ان ہاتھ پاؤں، ناک کان، اور اس ظاہری ڈھانچے کا نام ہے؟ کیا انسان کا لفظ صرف ہمارے ظاہری جسم اور اعضاء وجوارح کے لئے وضع ہوا ہے؟ آپ غور کریں گے تو ان سوالات کا جواب آپ کو نفی میں ملے گا، اس لئے کہ واقعات اس کی تردید کرتے ہیں، اس بات کو ذہن نشین کرنے کے لئے ایک مثال پر غور کیجئے:

زید ایک انسان ہے، اپنی زندگی میں وہ اپنے مال و دولت اور زمین جائداد کا مالک ہے، اپنی بیوی کا شوہر ہے، اپنے دفتر کا افسر ہے، اپنے ماتحتوں پر اس کا حکم چلتا ہے، اس کے چھوٹے اس سے ڈرتے ہیں، جب تک اس کے سینے میں آخری سانس باقی ہے اس وقت تک کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال لے اڑے، یا اس کی جائداد پر قبضہ کر بیٹھے، یا اس کی بیوی کو اپنی بیوی بنالے اگر کوئی ایسا کرے گا تو قانون اس کی پشت پناہی کے لئے موجود ہے، قانوناً وہ شخص سزا کا مستحق ہوگا۔

لیکن جہاں آخری سانس اس کے منہ سے نکلا تو نہ وہ مال و دولت کا مالک رہا، نہ زمین جائیداد کا، نہ بیوی اس کی رہی، نہ اسکے ماتحت، اس کی لاش صحیح سالم ابھی گھر میں موجود ہے، لیکن اس کی تمام دولت کسی اور کی ہوچکی ہے، جو مکان اس نے بڑے چاؤ سے تعمیر کیا تھا اب غیروں کی ملکیت ہے، جن نوکروں پر وہ حکم چلاتا تھا اب وہ کسی اور کے چشم و ابرو کو دیکھتے ہیں۔

انسان میں اصل چیز روح ہے

اگر انسان اسی گوشت پوست اور ظاہری ڈھانچہ کا نام تھا تو سوال یہ ہے کہ یہ اتنا بڑا انقلاب کیسے رونما ہو گیا۔ اس کا جسم وہی جسم ہے' اس پر وہی گوشت پوست اب بھی موجود ہے' اس میں ہاتھ پاؤں اور ناک کان اسی طرح لگے ہوئے ہیں' لیکن اب اس کو کوئی انسان کیوں نہیں کہتا؟ اب اسے انسانی حقوق کیوں حاصل نہیں؟

معلوم ہوا کہ "زید" صرف گوشت پوست اور ظاہری ڈھانچہ کا نام نہیں تھا' سوال یہ ہے کہ وہ پھر کس چیز کا نام تھا؟ آیئے' دیکھیں کہ "زید" کی لاش میں وہ کونسی چیز ختم ہو گئی ہے جس کی بنا پر اب اسے انسان نہیں کہا جاتا؟ .... ذرا سا غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ "زید" کی لاش میں اور تمام چیزیں موجود ہیں' صرف ایک چیز کی کمی ہے' اور وہ ہے .... "روح" اسی روح کی کمی سے اب زید وہ زید نہیں رہا جو کبھی کوٹھی بنگلوں کا مالک تھا' اور جس کا اس کے نوکروں پر حکم چلا کرتا تھا۔

انسان جسم اور روح کے مجموعے کا نام ہے

اس تشریح سے واضح ہو گیا' کہ انسان صرف گوشت پوست اور جسم کا نام نہیں ہے' بلکہ جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے' جب تک روح کا تعلق جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے اس وقت تک انسان' انسان کہلاتا ہے' اور جب روح جسم کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے تو پھر وہ ایک بے جان لاش بن جاتا ہے' انسان نہیں رہتا۔

انسان میں دو قسم کے جہاں پائے جاتے ہیں

اسی بات کو دوسرے پیرایہ میں یوں کہہ لیجئے کہ انسان میں دو قسم کے جہان پائے جاتے ہیں' ایک جسم اور مادہ کا جہان' جسے ہم آنکھوں سے دیکھ کر اور ہاتھوں سے چھو کر محسوس کر لیتے ہیں' اور اس جہان کے ساتھ ایک باطنی جہان اور ہے' جسے ہم نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں۔ اسی باطنی دنیا میں "روح" آباد ہے' اس پوشیدہ

دنیا میں دل دھڑکتا ہے' اسی میں خواہشیں جنم لیتی ہیں' اسی میں امنگیں اور آرزوئیں پروان چڑھتی ہیں' اسی میں سرور اور غم' نفرت اور محبت' ایثار اور بغض جیسے جذبات پرورش پاتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہی پوشیدہ دنیا جسے ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں' انسان کی اصل دنیا ہے' جب تک اس دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے اسی وقت تک انسان زندہ رہتا ہے اور اسے معاشرے میں تمام انسانی حقوق حاصل ہوتے ہیں' لیکن جہاں یہ نظام بند ہو جاتا ہے وہیں انسان مردہ کہلانے لگتا ہے' اور اس کے تمام حقوق سلب ہو جاتے ہیں۔

پھر جس طرح انسان کا ظاہری جسم کبھی تندرست ہوتا ہے اور کبھی اسے بیماریاں لگ جاتی ہیں' اسی طرح روح بھی کبھی صحت مند ہوتی ہے اور کبھی بیمار ہو جاتی ہے جس طرح زکام' نزلہ' بخار اور مختلف قسم کے درد جسم کی بیماریاں ہیں' اسی طرح غم وغصہ' خود غرضی' تکبر' ریاء اور خود پسندی روح اور دل کی بیماریاں ہیں۔

اسلام کا ہمہ گیر نظام

اسلام چونکہ زندگی کا ایک ہمہ گیر نظام ہے' اس لئے اس نے انسان کی ان دو حیثیتوں کو نظر انداز نہیں کیا' اس نے جہاں ہمارے ظاہری جسم کے متعلق ہمیں کچھ ہدایات دی ہیں' وہاں ہمارے دل کی پوشیدہ دنیا سے متعلق بھی ہمیں کچھ احکام بتلائے ہیں' جس طرح ہماری ظاہری زندگی میں وہ ہمیں نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ جیسے بہترین اعمال کو اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے' اور کچھ برے کاموں سے روکتا ہے' اسی طرح ہماری باطنی زندگی میں اپنے آپ کو کچھ بہترین صفات سے آراستہ کرنے کا حکم دیتا ہے' اور کچھ رذیل صفات سے پاک کرنیکا۔

اسلام کے جو احکام ہماری ظاہری زندگی سے متعلق ہیں وہ علم فقہ کا موضوع ہیں' اور جو احکام ہمارے باطن کی پوشیدہ دنیا سے تعلق رکھتے ہیں وہ علم تصوف میں بیان کئے جاتے ہیں۔

قلب کی حقیقت

لہٰذا علم تصوف کا موضوع ہمارے دل کی وہ دنیا ہے جو ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آتی مگر اس کا ہماری زندگی سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دل کیا ہے؟ طبیبوں اور ڈاکٹروں سے پوچھئے تو وہ اس کا جواب یہ دیں گے کہ دل گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جو انسان کے سینہ میں بائیں جانب لٹکا ہوا ہے، اور اس کے جوف میں سیاہ قسم کا جما ہوا خون ہوتا ہے، جو سویداء قلب کہلاتا ہے، اور جب یہ لوتھڑا خون کو پمپ کرکے باہر کی طرف پھینکتا ہے تو اس کو دل کی دھڑکن سے تعبیر کرتے ہیں، اسی طرح روح اطباء کے نزدیک اس بھاپ اور اس نسیم کا نام ہے جو قلب کے اندر خون سے پیدا ہوتی ہے، اور شریانوں کے ذریعہ سارے بدن میں پہنچ جاتی ہے۔

دو لطیف قوتیں دل اور روح

لیکن تصوف میں جس چیز کو دل اور روح کہا جاتا ہے وہ اس ظاہری روح اور دل سے کسی قدر مختلف ہے تصوف کی اصطلاح میں "دل" اور "روح" دو لطیف قوتیں ہیں جو انسان کے خالق نے اس ظاہری قلب و روح کے ساتھ پیدا کی ہیں، جس طرح آنکھ دیکھنے کی، کان سننے کی اور ہاتھ چھونے کی طاقت رکھتے ہیں، اسی طرح خون کا یہ لوتھڑا جسے "دل" کہتے ہیں خواہشیں کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں دل اسی طاقت کا نام ہے جو انسان میں مختلف خواہشیں اور جذبات پیدا کرتی ہے۔

دل اور روح کی یہ لطیف اور پوشیدہ قوتیں ہمارے ظاہری قلب کے ساتھ کیا جوڑ رکھتی ہیں؟ ان دونوں میں باہم کیسا ربط ہے؟ اس کی حقیقت ہم نہیں جانتے، ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ان دونوں میں باہم گہرا ربط ہے، کس طرح ہے؟ یہ صرف خدا جانتا ہے جس نے یہ جوڑ پیدا کیا ہے، جس طرح ہمیں یہ معلوم نہیں کہ مقناطیس اور لوہے میں کیا ربط ہے؟ مقناطیس روئی اور کاغذ کو کیوں نہیں کھینچتا؟ اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم نہیں، کہ قلب و روح کی یہ پوشیدہ قوتیں خون کے اس

تو مجھ سے کیا جوڑ رکھتی ہیں؟ اسی لئے جب مشرکین نے روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا تو اس کے جواب میں یہی کہا گیا کہ

﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾

"یعنی روح ایک امر ربی ہے جس کی حقیقت تم نہیں جان سکتے"۔

تصوف ہمیں یہ بتاتا ہے کہ دل کی یہ پوشیدہ دنیا انسان کی ظاہری دنیا کی بنیاد ہے اور اسی پر انسان کا بننا اور بگاڑ موقوف ہے اگر دل کی یہ دنیا صحیح ہے اس کا نظام ٹھیک ٹھیک چل رہا ہے اس میں صحیح خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ صحیح جذبات جنم لیتے ہیں تو انسان صحت مند ہے اور اگر اس کا نظام گڑبڑ ہے تو انسان کی ظاہری زندگی کا نظام بھی گڑبڑ ہو جاتا ہے۔ سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ نے اسی حقیقت کو آج سے تیرہ سو سال پہلے اس طرح بیان فرمایا تھا:

"الا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله، الا وهی القلب"۔

"یعنی خبردار! جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست رہے تو پورا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے"۔

تصوف کا موضوع

دل کے سنورنے اور بگڑنے کا کیا مطلب ہے؟ وہ کن چیزوں سے سنورتا اور کن چیزوں سے بگڑتا ہے؟ اس کی بیماریاں کیا ہیں؟ اور ان کا علاج کیسے کیا جا سکتا ہے؟ یہی وہ باتیں علم تصوف کا موضوع ہیں، اور انہی باتوں کو قدرے تفصیل اور وضاحت کے ساتھ میں آئندہ نشستوں میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مجلس : ۲۰

طریقت شریعت کا ایک حصہ

تصوف قرآن و سنت کا ایک شعبہ

پچھلی مجلسوں میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ انسان قلب و قالب یعنی باطن و ظاہر کے مجموعے کا نام ہے قرآن و سنت نے جو انسان کی صلاح و فلاح کا مکمل نظام بتلایا ہے اس کے احکام دونوں سے متعلق ہیں، صورت کے لئے ظاہری اعضاء انسانی سے متعلق احکام عبادات، نکاح و طلاق، معاملات کو علم فقہ میں مدون کر دیا گیا ہے، اور باطن یعنی قلب و روح سے تعلق رکھنے والے احکام اعتقادات و اخلاق کو علم عقائد اور علم تصوف میں الگ الگ جمع کر دیا گیا ہے اور در حقیقت یہ سب کتاب و سنت کی ہی تعلیمات کے مختلف شعبے ہیں ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے الگ بھی اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ جیسے ہاتھ الگ عضو ہے، پاؤں الگ، آنکھ اور چیز ہے ناک اور قلب، جگر، معدہ، آنتیں سب الگ الگ اعضاء ہیں، لیکن مجموعہ انسانیت کی تکمیل ان سب کے مجموعے سے ہوتی ہے ان میں سے کسی ایک کو لیکر دوسرے سے استغناء نہیں ہو سکتا، نہ ایک کا وجود دوسرے کیلئے منافی ہے، نہ ایک کا عمل دوسرے کے عمل سے ٹکراتا ہے۔

فقہ اور تصوف دونوں ضروری ہیں

اسی طرح عقائد، فقہ، تصوف بلاشبہ الگ الگ علوم و فنون ہیں مگر انسان کامل یا مومن و مسلم ان سب کے مجموعے ہی سے بنتا ہے، قرآن و سنت کی پیروی سب پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے ان میں سے صرف کسی حصے کو لیکر دوسرے سے استغناء ایسا ہی مسئلہ ہے جیسے کانوں کی حفاظت کریں اور آنکھوں کو ضائع کر دیں، فقہ کو تصوف کے

خلاف یا تصرف کو وقت کے مطابق سمجھا جاتا ہے جیسے آجکل لوگوں کے خیالات ہیں۔ یہی حضرات جن کو حق تعالیٰ نے ان تمام تعلیمات قرآن و سنت کا عملی نمونہ بنایا ہے وہی اس کی روحانی حقیقت کو سمجھنے والے ہیں انہیں کے ذریعہ سے ان علوم و فنون کا صحیح مقام اور درجہ معلوم ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا:

"شریعت بغیر طریقت (یعنی تصوف) کے فلسفہ ہے اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ اور الحاد ہے۔"

طریقت شریعت پر عمل کرنے کا نام ہے

چوتھی صدی ہجری کے مشہور صاحب حال شیخ صوفی امام ابوالقاسم قشیریؒ نے اپنے زمانے کے مشائخ صوفیاء کے لئے جو ایک مفصل خط بنام "رسالہ قشیریہ" لکھا ہے اور بعد کے تمام مصنفین کی تحریروں کا مدار و منبع یہی کتاب بنی ہوئی ہے۔ اس کے مقدمہ میں بڑی وضاحت سے ائمہ صوفیاء کے مقالات سے ثابت کیا ہے کہ طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت و سنت پر پوری طرح عمل کرنے کا نام ہی طریقت ہے۔ اس کے باب اول میں فرمایا کہ اسلام میں نبوت و رسالت کے بعد سب سے بڑی فضیلت صحبت رسول ﷺ سمجھی گئی ہے جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کیا ان کا سب سے بڑی فضیلت اور سب سے اعلیٰ لقب ان کو "صحابی" ہوا۔ پھر ان کے بعد جن لوگوں نے صحابی کی صحبت سے علم و عمل حاصل کیا ان کا سب سے بڑا مخصوص لقب "تابعی" ہوا۔ ان کے بعد کے لوگوں کیلئے "تبع تابعی" لقب بنایا۔ یہ سب حضرات شریعت و سنت پر عمل کرنے والے، کتاب و سنت کے تمام احکام ظاہرہ و باطنہ کے پوری طرح پابند شریعت و طریقت کے جامع حضرات تھے۔ ان کے طبقات اور القاب عموماً انہی کی خصوصیات کے بجائے صحابی، تابعی، تبع تابعی کے عنوان سے تھے۔

مشائخ طریقت کا وجود

ان کے بعد لوگوں کے طریقے مختلف ہو گئے' بعض کا زیادہ اشتغال تعلیم و تعلم' تصنیف و تالیف میں زیادہ رہا۔ باطنی علوم و اعمال میں بھی ان کو کمال حاصل تھا مگر اشتغال ان میں کم ہوا' وہ علوم ظاہرہ کے محقق ہو کر عالم' محدث' مفسر' فقیہ کہلائے اور بعض جن کا رخ عمل کی طرف اور اعمال دین کے تکمیل اہتمام کی طرف زیادہ رہا وہ عباد' زہاد کہلائے مگر علوم ظاہرہ شرعیہ میں بھی ان کو کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر عباد و زہاد میں پھر کچھ ایسے لوگ بھی داخل ہو گئے جو طریق سنت سے منحرف بدعات میں مبتلا ہوئے' اور مسلمانوں میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے' ہر فرقے میں کچھ لوگ عباد و زہاد کے نام سے معروف ہو گئے اس وقت وہ لوگ جو اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر قائم شریعت و سنت کے مکمل اتباع کے دلدادہ ہونے کے ساتھ عبادات و زہادت اور اعمال باطنی کی تکمیل کی طرف زیادہ متوجہ ہوئے' وہ اہل تصوف کے نام سے موسوم ہوئے' اور دوسری صدی ہجری ختم ہونے سے پہلے ہی یہ اکابر مشائخ اہل تصوف کے نام سے معروف ہو گئے' جو ظاہر شریعت و سنت پر مکمل عمل کے ساتھ اپنے ایک ایک سانس کی حفاظت اور ذکر اللہ میں مشغول رہنے کا اہتمام کرنے والے' اور غفلت کے ہر خطرے سے بچنے والے تھے' امام قشیری کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں:

> ثم ظهرت البدع وحصل التداعي بين الفرق فكل فريق ادعوا أن فيهم زهادا فانفرد خواص اهل السنّة المراعون أنفاسهم مع الله تعالى الحافظون قلوبهم عن طوارق الغفلة باسم التصوّف واشتهر هذا الاسم لهؤلاء الأكابر قبل المائتين من الهجرة.
>
> (رسالۂ قشیریہ ص ۸)
>
> "پھر مسلمانوں میں بھی کچھ بدعتیں نکل آئیں' اور ہر فرقہ اپنی طرف ہو کر کر بنانے لگا کہ ہم میں بھی درویش ہیں' ان کی طرف رجوع کرو' اس وقت امتیاز کے لئے ان خواص اہل سنت کو تصوف کے نام سے ممتاز کر دیا گیا' جو اللہ تعالیٰ

کے ساتھ تعلق میں اپنے تئیں ایک ساتھی کی حفاظت کرتے ہیں اور غفلت سے تمام خیالات سے اپنے قلب کی حفاظت کرتے ہیں اور تصوف کے ساتھ اس کے نام کی شہرت دوسری صدی ہجری سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔"

صوفی شریعت سے مکمل تابعدار کا نام ہے

امام قشیری کی اس تشریح سے ثابت ہوا کہ اہل تصوف اور صوفی کے نام سے سلف کے زمانے میں صرف وہی لوگ معروف ہوئے جو شریعت و سنت کے پیرو اور بدعات سے کامل اجتناب کرنے والے تھے خالی زہد و ریاضت والے جو متبع سنت نہ تھے وہ اس نام سے موسوم نہ تھے بلکہ ان سے امتیاز پیدا کرنے ہی کے لئے یہ نام اختیار کیا گیا تھا۔ در حقیقت علماء و صوفیاء کے اوصاف میں ابتداء سے کوئی فرق نہیں تھا کہ زمانہ نبوت سے بعد اور ضعف قویٰ کے سبب انسان کی جو دو باتیں یکساں نہیں اور ایک وقت دونوں میں مکمل اشتغال ممکن نہ رہا تو علماء نے تعلیم و تعلم تصنیف و فتویٰ اور علمی موشگافیوں کو اپنے عمل کا موضوع بنا لیا اس کے مدارس قائم کئے۔ صوفیائے کرام نے باطنی اعمال و احوال کی درستی اور اسی پہلو سے مسلمانوں کی اصلاح و ارشاد کو اپنا دائرہ عمل بنا لیا اس کے لئے خانقاہیں آباد ہوئیں۔ یہ صرف ایک تقسیم کار کا اصول تھا باہمی اختلاف کا کوئی پہلو نہ تھا کیونکہ اہل مدارس اپنے باطنی اعمال و احوال سے غافل نہ تھے اور اہل خانقاہ احکام کی پیروی شریعت سے ناواقف یا ان کی حیثیت کو کم کرنے والے نہ تھے۔

علماء اور صوفیاء میں انحطاط

لیکن زمانے کی نیرنگیاں بھی کیا کیا گل کھلاتی ہیں۔ دونوں جماعتوں میں محققین ماہرین کی کمی شروع ہوئی اور ایک طرف علماء میں ذکر اللہ اور فکر آخرت سے غفلت نے جراثیم سے اور اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ سے اتصالِ محبت کا جو مقام ایمان کامل کے لئے ضروری ہے اس میں کمی آئی۔ دوسری طرف صوفیاء میں علوم شریعت سے ناواقفیت یا کم علمی کے جراثیم پھیلے۔ سنت و شریعت کے اہتمام میں کمی آئی اس کے نتیجے میں مدارس اور خانقاہوں

کے ادارے ایک دوسرے کے حریف بن کر ایک دوسرے پر الزام تراشی میں لگ گئے' مدارس میں صرف چند مسائل جان لینے کو کمال سمجھ لیا گیا' ور خانقاہوں میں چند تسبیحات و نوافل کو' مدارس میں اعمال باطنہ کا فقدان ہوتا چلا گیا اور خانقاہوں میں شریعت وسنت کا' یہاں تک کہ تصوف صرف چند رسوم کا نام رہ گیا جن کی شریعت وسنت میں کوئی اصل نہیں۔

اس کا دوہرا ضرر امت کو پہنچا' اول تو یہی دو طبقے جو اصلاح مسلمین کے کفیل تھے' خود ان کا مجروح ہو جانا ایک بہت بڑا المیہ تھا' دوسرے ان دونوں کے اختلاف میں شدت اور ایک دوسرے کو گرانے کی کوششیں جنہوں نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

علماء اور صوفیاء میں بیزاری

اس سے زیادہ اشد ایک اور فتنہ یہ پڑ گیا کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہونے لگے جو ان دونوں طبقوں سے بیزار اور دونوں سے برسرپیکار ہو گئے ان کے پاس خود اتنی علمی یا عملی صلاحیت نہ تھی کہ ان دونوں طبقوں سے آزاد ہو کر براہ راست قرآن وسنت کی تعلیمات کو صحیح سمجھتے اور صحیح عمل کر لیتے' اور جن کے ذریعہ یہ دولت حاصل ہوتی ان سے بیزاری پیدا ہو کر ان کی مثال اس بیمار کی سی ہو گئی جو خود اپنے علاج کو نہ سمجھتا ہو اور نہ اس پر قادر ہو اور سارے حکیموں ڈاکٹروں سے بیزار ہو جائے' ایسے حضرات نے علم دین کے محقق اور باہر اساتذہ سے بیزاری کے نتیجے میں علم دین حاصل کرنے کے لئے صرف دینی کتابوں کے مطالعے پر اکتفا کیا اور بہت سے قرآنی مسائل میں ایسی راہوں پر پڑ گئے جو جمہور امت کی راہ سے مختلف ہے' اس طرح دین میں ترمیم کا ایک نیا شاخسانہ پیدا ہو گیا' ان میں سے کچھ لوگوں نے علماء دین کو اپنے الزامات و اعتراضات اور استہزاء و تمسخر کا ہدف بنا لیا اور کچھ لوگوں نے صوفیاء کرام کو اور بعض نے دونوں کو۔

مجددین کی آمد

رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق ہر سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے مختلف ممالک اور مختلف طبقات میں پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس فساد عظیم کے اسباب کو پہچانا اور اس کا صحیح علاج کیا اور تجدید دین کی خدمت انجام دے کر دونوں طبقوں کی اصلاح کی۔ آخری دور میں حضرت مجدد الف ثانی اور پھر ہندوستان میں حضرت سید احمد صاحب بریلوی ﷫ کے ہاتھوں بڑی حد تک یہ خدمت انجام پائی۔ اس کے بعد ہندوستان میں جن اکابر نے دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی وہ سب جیسے علوم شریعت کے اعلیٰ ماہر اور محقق تھے اسی طرح علم باطن و تصوف میں اعلیٰ کمال رکھنے والے تھے۔ انہوں نے "دارالعلوم دیوبند" کی بنیاد مدرسہ اور خانقاہ کے امتزاج پر رکھی۔

دارالعلوم دیوبند کا منور دور

میرے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب ﷫ دارالعلوم دیوبند کے ہمعمر تھے۔ جس سال دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی وہی والد مرحوم کا سال پیدائش ہے۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ دور دیکھا ہے جبکہ اس کے عملے میں صدر مدرس اور مہتمم سے لے کر ایک چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت اولیاء اللہ تھے۔ جو دربان دروازے پر رہتا تھا ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتا۔ جس طرح دن بھر مدرسے کی درسگاہوں اور طلباء کے حجروں سے علمی بحثوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اسی طرح رات کو ہر ہر جگہ سے تلاوت و ذکر اللہ کی دلنواز آوازیں آتی تھیں۔

دارالعلوم کے احاطے میں ابتداء کوئی مسجد نہ تھی۔ طلباء و مدرسین قرب وجوار کی مساجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ احقر کی طالب علمی کے زمانے میں دارالعلوم کی اپنی مسجد تعمیر ہوئی تو اس کا قطعہ تاریخ سیدی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب نے لکھا تھا۔ اس کا مصرعہ تاریخ یہ تھا۔

"در مدرسہ خانقاہ دیدیم"

یہ مصرعہ اس روحِ دارالعلوم کا حامل ہے جس پر اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اسی امتزاج کے وہ ثمراتِ طیبہ ہیں جو دنیا کے سامنے آئے کہ یہاں سے پیدا ہونے والے علماء میں سینکڑوں نامور مرجع خلائق بنے اور اپنے اپنے خطوں میں دینی شعور پیدا کرنے اور بدعت وغفلت کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے میں کامیاب دائمی ثابت ہوئے۔

اور خاص خاص ایسے اکابر بھی پیدا ہوئے جن میں سے ایک ایک آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا اور پوری دنیائے اسلام ان کی روشنی سے جگمگا اٹھی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی چند مثالیں ہی اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

چند ارشادات

تصوف کی تعریف

فرمایا تصوف نام ہے "مقامات" کا۔ تصوف لوٹنے پوٹنے کا نام نہیں ہے بلکہ مقامات کا نام تصوف ہے اور مقامات بھی ملکات ہیں، اخلاص، رضا اور تواضع وغیرہ ان کو حاصل کرنا اور ان کی اضداد ریاء، کبر اور اعتراض وغیرہ سے نکل جانا بس صوفی ہو گئے۔

تصوف کی لطافت

حضرت کے ملفوظات میں سے کچھ سنا رہا ہوں۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ بہت سی کتابوں سے بڑھ کر بزرگوں کے اقوال ہیں کہ وہ چھنی چھنائی باتیں ہیں۔

فرمایا کہ: تصوف جب بگڑتا ہے تو جنون یا زندقہ بن جاتا ہے۔ جتنی چیز لطیف ہوتی ہے جب وہ سڑ جاتی ہے تو اس کی بدبو بھی سب سے غلیظ ہوتی ہے، اسی طرح تصوف بڑی لطیف چیز ہے اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں۔ لیکن اگر وہ بگڑ جائے تو یا پاگل ہو جاتا ہے یا عقلی جنون طاری ہو جاتا ہے سالک کو دیکھ کر لوگ تصوف سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ جب آدمی اللہ اللہ کرنے والا ہو جاتا ہے تو وہ اگر پاگل بھی ہو جائے تب بھی لوگ اس کی حرکات کو عقیدت سے دیکھتے ہیں۔

سلوک کا خلاصہ

سارے سلوک کا خلاصہ سنت کی پیروی کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

اعمال ظاہری و باطنی

اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اس کو فقہ، دوسرے باطنی اس کو تصوف کہتے

ہیں۔ جس طرح ظاہری معاصی سے اجتناب اور فرائض و واجبات پر عمل کرنا ضروری ہے اسی طرح رذائل سے اجتناب اور فضائل کا حصول بھی فرض ہے بلکہ باطنی امراض ظاہری اعمال کی جڑ ہیں اس لئے باطنی امراض کی اصلاح اور بھی زیادہ توجہ طلب ہے۔ فضائل جیسے شکر، توحید، صدق، مراقبہ، محاسبہ، شوق و انس۔ رذائل، حسد، بغض، ریا، کبر، آفات لسان، حقد، حرص، عجب، بدگمانی، غرور، شہوت پرستی۔

ظاہر کا اثر باطن پر

فرمایا انسان کا ظاہر اس کے باطن میں موثر ہوتا ہے۔ اگر کوئی غم کی شکل بنائے تو تھوڑی دیر بعد دل میں حزن کی کیفیت محسوس ہوگی۔

تصوف اصلاح باطن کا نام ہے

بات چل رہی تھی تصوف پر۔ تصوف اعمال باطنہ کی اصلاح کا نام ہے۔ کبر، ریا، عجب، بغض یہ بالکل اسی طرح گناہ ہیں جیسے چوری، زنا، شراب۔ اللہ پاک نے ان کو بھی گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ظاہری گناہ کو تو ہم سب گناہ سمجھتے ہیں مگر امراض باطنی کی طرف کسی کی نگاہ نہیں جاتی۔

ایک ڈاکٹر صاحب نے کہا مولویوں کی لڑائی نے ہمیں دور رکھا ہے ایک ایسا مدرسہ کھولو جس میں سارے مذاہب پڑھائے جائیں اور اتفاق پیدا ہو جائے۔ میں نے کہا "ایلو پیتھک" کا علاج کیسا ہے؟ کہنے لگے حق ہے۔ میں نے کہا "یونانی"؟ کہنے لگے حق ہے۔ میں نے کہا "ویدک، ہومیو پیتھک"؟ کہنے لگے حق ہے۔ میں نے کہا ایسا کرو کوئی ایسا ادارہ تیار کرو جو ان چاروں حق طریقہ علاج کا اجتماع ہو۔ ان شاء اللہ جلد یہ شہر قبرستان بن جائے گا۔

فسادِ دین کی بناء پر نہیں

اور یہ خیال غلط ہے کہ یہ لڑائی جھگڑے فسادِ دین سے ہو رہے ہیں یہ نفسانیت ہے چاہے حنفی ہو، وہابی ہو کوئی ہو، دین میں کوئی جھگڑا نہیں جھگڑا کبر کا ہے ریاء کا، عجب کا، ہر شخص اپنی ضد پر قائم ہے جس طرح ہر شخص اپنے طریقہ علاج کو پسند کرتا ہے۔ لیکن دوسرے حکیم یا وید کو برا نہیں کہتا۔ مگر دین کے اعمال میں نفسانیت شامل کر کے دوسرے کو برا کہتے ہیں یہ بڑا مرض ہے اس کا علاج خانقاہیں اور مساجد میں جو شیخ اور بزرگ ہوں گے وہ پہچان لیں گے کہ اس میں کونسا مرض ہے کبر ہے۔ نفسانیت ہے حسد ہے بغض ہے۔
بس یہ باطنی امراض کو پہچاننے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے اور ایسے خدا کے بندے بہت ہیں لہٰذا ان سے رجوع کر کے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

تین طاقتوں میں درجہ اعتدال

فرمایا انسان کا کمال تفصیل عدالت ہے حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ قوت عقلیہ، قوت شہویہ اور قوت غضبیہ میں اعتدال کا درجہ حاصل کرے۔ اگر ان میں افراط کا درجہ ہو یا تفریط کا تو یہ کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔ قوت عقلیہ میں تفریط کا درجہ "حماقت" ہے اور افراط کا درجہ "جُربزہ" (بہت تیزی) ہے اور درجہ اعتدال کا نام حکمت ہے۔ قوت شہویہ سے مراد وہ قوت ہے جو منافع کو حاصل کرنا چاہتی ہے اس میں افراط کے درجہ کا نام "فجور" ہے اور تفریط کا نام "خمود" ہے اور درجہ اعتدال کا نام "عفت" ہے۔ قوت غضبیہ سے مراد وہ قوت ہے جو مضرتوں کو دفع کرنا چاہتی ہے۔ اس میں درجہ افراط کا نام "تہور" ہے اور تفریط کا نام "جبن" ہے اور اعتدال کا نام "شجاعت" ہے۔ ان میں حکمت، عفت اور شجاعت تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے۔

معیارِ اعتدال

فرمایا: افراط و تفریط سے بچنا ہی اعتدال ہے

مجلس : ۲۱

روح کی بیماری اور اس کا علاج

روح کی بیماری خدا سے غفلت ہے

پچھلی مجلس میں یہ بتلایا گیا تھا کہ انسان صرف اس کے ظاہری ڈھانچے کا نام نہیں ' بلکہ اس کا اصلی جوہر اس کا باطن ہے ' جس کو قلب اور روح وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ' پھر صحیح بخاری کی حدیث سے یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ انسان کے ظاہری اعمال کی صحت و فساد اور بناؤ اور بگاڑ بھی اس کے باطن کے بناؤ و بگاڑ پر موقوف ہے۔

آج کی مجلس میں یہ بتلانا ہے کہ جس طرح ظاہری بدن کبھی تندرست ہوتا ہے کبھی بیمار ' اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے غذا ہوا وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے ' بیماریوں کو دفع کرنے کے لئے دواؤں سے مدد لیا جاتا ہے ' اسی طرح انسان کے باطن کی تندرستی کا مدار اپنے خالق و مالک کو پہچاننا اس کا ذکر و شکر اور اس کے احکام کی اطاعت ہر وقت کرنا ہے ' اس کی بیماری اللہ کی یاد سے غفلت اس کے احکام کی خلاف ورزی ہے ' قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾

"ان کے دلوں میں (کفر و نافرمانی کی) بیماری ہے ' سو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھا دی"۔

روح کی بیماری کا علاج

یہ دل کی بیماریاں کفر ' شرک ' نفاق ' حسد ' کینہ ' تکبر ' شہوت ' حرص ' بخل ' حب جاہ ' حب مال ' غرور وغیرہ ہیں اور تندرستی یہ ہے کہ اپنے مالک حقیقی حق تعالیٰ کو پہچانے '

تمام نفع نقصان، تکلیف راحت کا مالک اس کو سمجھے، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، کوئی تکلیف پیش آئے تو صبر سے کام لے، تمام معاملات میں اللہ پر بھروسہ کرے، اس کی رحمت کا امیدوار اور عذاب سے ڈرتا رہے، اس کی رضا جوئی کی فکر میں رہے، اور صدق و اخلاص کے ساتھ تمام احکام بجالائے۔

امراض باطنی کا مکمل علاج

ان باطنی امراض سے نجات حاصل کرنے کا مکمل علاج قرآن کریم ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

"ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے وہ چیز جو شفاء اور رحمت ہے مومنین کے لئے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ﴾

"یعنی آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کیلئے ہدایت ہے اور شفاء ہے۔"

جسمانی اور باطنی بیماریوں میں فرق

لیکن باطنی بیماریوں اور ان کے علاج میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ ظاہری بیماریاں تو آنکھوں اور دوسرے حواس سے محسوس کی جاسکتی ہیں، نبض کی حرکت، خون اور فضلات کا امتحان کر کے معلوم کی جاسکتی ہیں، ان کے معالجات محسوس آلات اور دواؤں سے کئے جاتے ہیں، باطنی امراض نہ آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں، نہ نبض وغیرہ سے ان کو پہچانا جا سکتا ہے، اسی طرح ان کا علاج بھی محسوس غذاؤں اور دواؤں سے نہیں ہوتا، ان امراض کی

تشخیص اور علاج کی تجویز صرف قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے اصول ہی سے ہو سکتی ہے۔

قرآن وسنت کی جامعیت

قرآن وسنت میں انسان کے ظاہری اعمال اور معاملات اور باطنی عقائد و اخلاق سب ہی کی اصلاح کا مکمل نظام موجود ہے۔

امت میں صحابہ و تابعین سے لے کر موجودہ زمانے کے صالحین کاملین تک جس کو جو کچھ کمال حاصل ہوا ہے وہ صرف اسی نظام عمل کی مکمل پابندی سے ہوا ہے' وہ جس طرح نماز' روزے' حج' زکوٰۃ کے پابند تھے اسی طرح صدق' اخلاص' توحید' تواضع' صبر' شکر' توکل' زہد وغیرہ باطنی اعمال میں بھی ویسا ہی کمال رکھتے تھے' اور جس طرح جھوٹ' غیبت' چوری' بے حیائی وغیرہ گناہوں سے ڈرتے بچتے تھے' ٹھیک اسی طرح کبر و نخوت' دوسروں کی تحقیر و توہین' حب جاہ' حب مال' حرص' بخل وغیرہ باطنی گناہوں کو بھی ایسا ہی حرام جانتے اور ان سے پرہیز کا اہتمام کرتے تھے۔

علم فقہ اور تصوف

علماء امت نے عوام کی سہولت کے لئے قرآن وسنت کے اس پورے نظام کو چند علوم و فنون میں الگ الگ جمع کر کے مدون کر دیا' اعمال ظاہرہ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور نکاح و طلاق' اور تمام معاملات کو علم فقہ میں اور اعمال باطنہ میں سے عقائد کو علم عقائد میں اور اخلاق و معاشرت کو علم تصوف میں جمع کر دیا۔

بعض حضرات علماء نے تینوں علوم کو یکجا بھی لکھا ہے' علامہ ابن السبکی نے اپنی کتاب "جمع الجوامع" میں جو اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے اس کے آخر میں بعنوان "خاتمہ" تصوف و اخلاق' اور اعمال باطنہ کی بھی کچھ تفصیل لکھی ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ قشیریہ' حضرت سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے "عوارف المعارف" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" وغیرہ مستقل تصانیف میں اعمال باطنہ کی

اصلاح اور اس کی اہمیت پر نہایت تفصیلی بحث فرمائی ہے، اور اس آخری دور میں حضرت حکیم الامت سیدی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اس موضوع پر التکشف، الشرف، مسائل السلوک، تعلیم الدین، قصد السبیل وغیرہ نہایت جامع کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

ایک افسوس ناک غفلت

مگر ایک زمانہ دراز سے مسلمانوں کی دین اور علوم دینیہ سے عام غفلت کے نتیجے میں سب ہی علوم دینیہ سے مسلمانوں کی اکثریت بے بہرہ ہوتی چلی گئی، خصوصیت سے آخر الذکر علم جس کا تعلق اعمال باطن کی اصلاح سے ہے وہ تو ایسا متروک ہوا کہ عوام تو عوام علماء کی ایک بڑی تعداد بھی اس سے بے تعلق ہو گئی، صرف اعمال ظاہرہ کی پابندی میں دین کو منحصر سمجھ لیا گیا، صدق و اخلاص، توحید و توکل، صبر و شکر، قناعت، زہد، تقویٰ کے صرف الفاظ زبانوں پر رہ گئے، حب جاہ، حب مال، نخوت و غرور، غیظ و غضب، کینہ و حسد، جیسے محرمات اور مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کی فکر بھی دلوں سے محو ہو گئی۔

میرا خطاب اس معاملے میں سب سے پہلے اپنے نفس سے اور پھر دوسرے اہل علم سے ہے کہ ہم نے اپنا ظاہر تو کچھ دین کے مطابق بنا لیا ہے، اعمال ظاہرہ کی حد تک ہم پابند شریعت بھی سمجھے جاتے ہیں اور ایسے تمام گناہوں سے بچنے کا بھی کسی حد تک اہتمام کرتے ہیں جو عوام کی نظر میں منصب علم و علماء کے خلاف سمجھے جاتے ہیں اور جو لوگ ان میں مبتلا ہوں عوام کی نظر سے گر جاتے ہیں، لیکن باطنی محرمات اور کبیرہ گناہ جو درحقیقت ظاہری گناہوں سے زیادہ سخت گناہ ہیں ان سے بچنے کا کوئی اہتمام ہم میں نظر نہیں آتا۔

اپنے نفس سے سوال

یہاں ایک سوال ہم سب کو اپنے نفس سے یہ کرنا چاہئے کہ ہماری نماز روزہ وغیرہ عبادات اور چوری، بدمعاشی، عیاشی اور سینما وغیرہ عام کھیل تماشوں سے ہمارا اجتناب اگر

فی الواقع فکر آخرت اور خوف خدا کے نتیجے میں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ان سے زیادہ بڑے گناہوں میں ہم بالکل بے فکری کے ساتھ مبتلا ہیں، ان میں نہ خوف خدا سامنے آتا ہے نہ فکر آخرت۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے یہ اعمال ظاہرہ خالص اللہ کے لئے ہونے کے بجائے ہماری پیشہ ورانہ ذہنیت کے نتیجے میں ہوں، ان کا تعلق خدا اور آخرت سے نہیں بلکہ اپنے پیشے سے ہو، کہ اگر نماز روزہ وغیرہ چھوڑ دیا یا محرمات جلیہ ظاہرہ کا ارتکاب کیا گیا تو ہمیں ملے ہوئے منصب تعلیم و فتویٰ اور امامت و خطابت وغیرہ ہم سے چھن جائیں گے اس لئے صرف ان گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، جو ہمارے پیشے اور جبہ و دستار میں نہیں کھپتے اور باطنی گناہوں پر جبہ و دستار کا پردہ ڈالا جا سکتا ہے ہم نے ان کو شیر مادر سمجھ لیا ہے۔

آج ہماری تعلیم و تبلیغ جو بے اثر ہو کر رہ گئی ہے بلکہ فتنوں اور جھگڑوں کا ذریعہ بن گئی اس کا واحد سبب ہماری یہ روش ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تجربہ شاہد ہے کہ دنیا میں صرف انہیں علماء کی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کے آثار باقی رہے جن کے قلوب تقویٰ اور خشیت اللہ اور اخلاص سے لبریز تھے، ورنہ بڑے بڑے محققین کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آتا۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَ التُّقٰی وَ الْعَفَافَ وَ الْغِنٰی۔

چند ارشادات

روح اور اس کی غذا

آج نزلہ کی وجہ سے گلا بیٹھا ہوا ہے اس لئے ارادہ توڑ دیا تھا مگر دوستوں سے ملاقات بھی مقصود تھی بہرحال مختصر کچھ عرض کرتا ہوں۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں انھوں نے لکھا ہے کہ انسان کے بدن میں کچھ امراض ہیں ان کا علاج بھی ہے۔ کچھ ضروریات بھی ہیں کچھ مضرات اور کچھ منافع۔ ایسے ہی روح کا بھی حال ہے۔ روح کی بھی کچھ بیماریاں ہیں کچھ ان کا علاج اور جیسے ظاہری پہچان بدن کی بیماری کی ہے اسی طرح روحانی بیماری کی بھی پہچان ہے۔ بدن کی بعض بیماریاں ایسی ہیں کہ ایک ہاتھ میں تکلیف ہے اور دوسرے ہاتھ میں بھی اس کا اثر ہے۔ ایک شخص کو آنکھوں کی بیماری ہے اس کو نظر نہ آنے کا یا بینائی کا مرض ہے۔ مگر کھانا پینا سب کچھ چل رہا ہے۔ دنیا میں جیسے امراض اور ان کے خواص ہیں ایسے ہی روح کی بیماریاں اور ان کے خواص ہیں۔

روح کے امراض

فرمایا کہ روح کے امراض معاصی اور گناہ ہیں اور اس کی غذا "ذکر اللہ" اور اس کی طاعت ہے اور جب یہ غذا نہ ملے تو روح بیمار ہو جاتی ہے، دھوکہ، جھوٹ، چوری، عیاشی ساری بیماریاں ہیں۔ اب خواہ یہ ہو کسی کو اور پھوڑا نکلا ہوا ہو، اور دوسری کئی بیماریاں ہوں۔ اس کا صحت یاب ہونا مشکل ہو جاتا ہے اور ایک بیماری بعض اوقات دوسری بیماری کو کھینچ لاتی ہے۔ اطباء اس کو خوب سمجھتے ہیں ایسے ہی ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچ لاتا ہے۔ مختلف اثرات بیماریوں کے ہوتے ہیں۔ ان کی بہت قسمیں ہیں، ہر مرض میں خاص علاج کیا جاتا ہے۔ روح کی بیماریاں ایک نفسانی خواہشات ہیں کہ اس سے غفلت پیش آتی ہے۔ ایک جاہی گناہ ہے اپنے کو بڑا سمجھنا یہ براہ راست قلب کا گناہ ہے، نفسانی گناہ اعضاء کے الگ الگ ہیں اور جاہی گناہ براہ راست قلبی ہے۔

مجلس: ۲۲

طریقت اور مرشد

غلط مجاہدہ کا نقصان

ایک صاحب آئے نو سال مجاہدہ کیا تھا ان کے شیخ نے سوکھی روٹی کھلائی تھی جس سے ان کا دماغ خراب ہو گیا لوگ کہتے یہ مجذوب ہو گئے ہیں حالانکہ وہ مجذوب نہیں تھے۔

حضرت نے دیکھ کر فرمایا تربیت بعد میں ہوگی پہلے ان کے دماغ کا علاج کراؤ چنانچہ حکیم سے علاج کیا مگر دماغ کا دورہ پڑا تو بھاگ گئے اور کورٹ میں جا کر دعویٰ کیا کہ پچاس روپے میرے دواؤں میں برباد کرا دیئے میں تو اچھا تھا صاحبو بعض اوقات زیادہ مجاہدے سے جنون کی نوبت آجاتی ہے۔ یہ نقصان ہوتا ہے ان لوگوں سے جو جاہل صوفی ہوتے ہیں۔ مرید کی حالت سے واقف نہیں ہوتے اور مجاہدے کرائے جاتے ہیں اسی طرح ایک نقصان جو مجاہدوں سے پہنچتا ہے وہ ہے زندقہ اس میں خواب اور الہام وغیرہ ہوتے ہیں۔ بس وہ بھی بے راہ ہو جاتا ہے۔

تصوف شریعت پر عمل کا نام ہے

تصوف دراصل شریعت پر پورے عمل کا نام ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ جو اس میدان میں قدم رکھے اپنی رائے سے پرہیز کرے جو کچھ کرے شیخ کامل کی رہنمائی میں کرے۔ ہمارے ایک دوست تھے ان کے یہاں تقلیل غذا کی بہت ہوتے ہیں وہ بھی تقلیل تھے بہت دبلے ڈھانچہ بنے ہوئے تھے میں نے پوچھا کیا ہوا وہ خاموش ہو گئے پھر کئی بار پوچھنے پر بتایا کہ اور تو کچھ نہیں غذا بہت تھوڑی کھاتا ہوں اور امام غزالی کی تعلیم پر عمل کرتا ہوں میں

نے کہا حضرت اپنے زمانہ کے غزالی سے پوچھو یہ جو کتابیں پڑھ کر اپنی اصلاح چاہتے ہو غلط ہے۔

صدیوں پہلے کے زمانوں کی تقلید آج کے زمانہ میں تم ہم جیسے کمزور طبیعتوں والوں سے نہیں ہو سکتی جب طاقت ہی نہ رہے گی تو طاعت کہاں سے ہوگی صوفیاء کے یہاں نفس کو مارنے کا نام جہالت سے بھوکا رہنا رکھ دیا ہے بھلے آدمی جب نفس کو مار دیا تو طاعت کہاں سے ہوگی نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں جن میں سے کچھ حقوق کی ادائیگی واجب ہے اس میں سونا کھانا آرام پہنچانا بھی ہے یہ سب بالکل اسی طرح کے حقوق ہیں جیسے بیوی کے اولاد کے پڑوسی کے حقوق ہیں اگر نفس کے حقوق ادا نہ کئے تو جہنم میں جائے گا ہاں دوسری چیز ہے نفس کے حقوق سے بڑھ کر نفس کی وہ خواہشات جو ضروریات کے علاوہ ہیں بلکہ تضیع اوقات اور تضیع مال ہیں جن کے بغیر کام چل سکتا ہے ان خواہشات کو روکنے کا نام نفس کشی ہے۔

ذکر اللہ میں لذت ہے

اللہ کے ذکر سے زیادہ لذیذ کوئی شے نہیں اس میں کتنی لذت ہے جو اسے دور میں رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں مگر یہ لذت اور انوار خاصہ ہیں ذکر کا۔ چاہے وہ کافر بھی کرے تو اسے بھی لذت آئے گی مگر مقصود نہیں بس اس فرق کو سمجھ لیں۔

ایک بنیا تھا وہ کان کھولتا بسم اللہ کہہ کر تراز و اٹھاتا بسم اللہ کہہ کر اور ہر وقت اللہ اللہ کہتا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ میں مسلمان تو نہیں ہوا مگر مزا آتا ہے تو یہ انوار تو ظاہر ہیں مگر یہ لذت یا انوار مقصود نہیں۔ مقصود ہے اللہ کی رضا اور یہ رضا حضور اکرم ﷺ کے طریقوں میں ہے۔

آخرت کی کامیابی چار باتوں سے ہے

کلام پاک میں ہے جو ارادہ کرے کوشش کرے اور کوشش اس کے مناسب کرے

اور ایمان بھی ہو ان کی کوشش اللہ کے یہاں مقبول ہے

یہاں پہلی شرط ایمان ہے۔ دوسری ارادہ۔ تیسری کوشش۔ چوتھی وہ کوشش جو اس کے مناسب ہو اب نیک تو وہ ہے جس کا ارادہ ہی آخرت کا نہیں یہ جو صبح سویرے نکالتے ہیں اس لئے کہ برکت ہو مقصد اللہ کی رضا نہیں بلکہ دنیا حاصل کرنے کے لئے تو دنیا تو ان کو مل جائے گی سورۂ مزمل اور یٰس کے فضائل اپنی جگہ مسلّم اور افضل ہیں مگر دنیا کے فوائد حاصل کرنے کی نیت ہو تو وہ صرف دنیا ہے اس میں آخرت کا کوئی حصہ نہیں ہاں یہ نیت کرو کہ سورۂ یٰس کتاب قرآن ہے آخرت کے حصول کا ذریعہ ہے اور پھر تیسرے درجہ میں دنیا کے فوائد بھی ہیں تو سنت یہ ہے کہ ارادہ کرے آخرت کا جس طرح ارادہ کرتے ہیں دنیا کا تو اس کی کوشش بھی اس کے مناسب کرتے ہیں کپڑے کی تجارت کے لئے سبزی منڈی میں پھرنا بے کار ہوگا سبزی منڈی میں کپڑے کی تجارت نہ ہوگی ہر کام کا طریقہ ہے آخرت کی کوشش کرنی ہے۔ تو وہ کوشش آخرت کے مناسب ہو اور وہ ہے طریقہ حضور ﷺ کا جس کو آپ ﷺ نے قول سے اور عمل سے بتایا ہے بس وہی سعی ہے کوشش ہے اس کے علاوہ ساری کوششیں بے کار ہیں ہماری آخرت کے عمل کے مناسب سعی وہی ہے جو سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے ذکر اللہ ہو تلاوت ہو حج نماز روزہ ساری طاعتیں اگر سنت سے ہٹ کر اپنی خود ساختہ طریقوں سے کی گئیں وہی بدعت ہے وہی ضلالت ہے وہی گمراہی ہے یہی حاصل ہے اس آیت کا دیکھئے ہم اس کے اعمال جو بدعتی ہے بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں ان بے چاروں کو کون سمجھائے کہتے ہیں کھڑے ہو کر درود پڑھ لیا گیا تو کیا لیکن ان سے پوچھئے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ پابندی کہاں لگائی صحابہ کرام نے کب کھڑے ہو کر درود پڑھا اور کب اس سے نفرت کی جس نے کھڑے ہو کر نہ پڑھا انہی یہ پابندی خلاف سنت ہے یہی بدعت ہے یہ گیارھویں بارھویں کا کھانا پکانا کب منع ہے مگر یہ سمجھ کر کرنا کہ یہ طریقہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے یہ بدعت ہے۔ حالانکہ غرباء کو کھانا کھلانا گناہوں کا کفارہ ہے مگر یہ کوئی شرط نہیں کہ کس کو کس وقت کھلایا جائے جب سہولت ہو کھلا دیا جائے نہ اجتماع کی ضرورت نہ خاص دن تاریخ کی پابندی ضروری اسی طرح مسلمانوں کو سلام کرنا گناہوں کا کفارہ ہے مگر ہم منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں اس سنت پر عمل

نہیں کرتے اور رات کی تہجد کی نماز جبکہ لوگ سو رہے ہیں کتنا بڑا ثواب ہے۔

اب سمجھئے کہ سلام اور کھانا کھلانا اور تہجد یہ تین طریقے گناہوں کے کفارہ کے ہیں لیکن بعض وقت سلام بھی ممنوع ہے اذان کے وقت آپس میں سلام کرنا بھی مکروہ ہے اس وقت حکم ہے اذان کا جواب دینا اسی طرح واعظ کو مدرس کو اسی طرح کھانا کھانے والے کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے کیسی آسانیاں ہیں شریعت میں اس میں ایک راز ہے یا تو کھانے والا جواب بھی دے اور کھانا بھی رہے یہ تو بد تمیزی ہے اس کا اصول یہ ہے کہ کھاتے وقت سلام نہ کرو بہر حال سعی و کوشش وہ معتبر ہے جو اللہ کے نزدیک مناسب ہو اسی طرح کھانا غلط طریقہ سے ہر وہ گناہ ہو جائے گا رشوت کی خاطر کھلایا یہ حرام ہے ثواب کو گناہ بنا لیا تاریخ مقرر کر کے کھانا کھلانا رسم بنا لیا جو خدا کے رسول اور صحابہ سے ثابت نہ ہوا اور اس کی پابندی کر کے اپنے اوپر وبال بنا لیا اس طرح ایک ثواب کو گناہ بنا لیا غرض سنت کے مطابق جو کام ہو گا ثواب ہو گا جو کام سنت کے خلاف ہو گا وہ گناہ ہو گا غرض چار چیزیں آخرت کے حصول کی یہ ہیں ایمان ہو ارادہ ہو ارادہ کیسا ہو کوشش ہو اور کوشش بھی ہو مناسب بس یہی حصول آخرت ہے ایک شخص نے شیطان پر کنکری مارنے کے بجائے حج کے دوران کسی اور جگہ گرا دی اور کہا ہم نے نیت تو کر لی تھی شیطان کو مارنے کی نہیں بھائی یہ درست نہیں ہوگی منیٰ کو جاؤ شیطان پر کنکری مارنے کی جو جگہ مقرر کی ہے اللہ کے رسول نے بس اسی طرح ہر وہ کوشش جو مناسب ہو سنت کے وہ عمل صحیح ہے اور جو کوشش سنت کے خلاف ہو وہ نامناسب ہوگی۔

تصوف کی حقیقت

بات چلی تھی تصوف پر تصوف اعمال باطنی کی اصلاح کا نام ہے کبر ریا بغض یہ بالکل اسی طرح گناہ ہیں جیسے چوری زنا شراب اللہ پاک نے ان کو بھی گناہ کبیرہ بتایا ہے مصیبت یہ ہے کہ ظاہری گناہ کو تو ہم سب گناہ سمجھتے ہیں مگر امراض باطنی کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی۔

ایک ڈاکٹر صاحب نے کہا مولویوں کی لڑائی نے ہم کو مار رکھا ہے ایک ایسا مدرسہ کھولو

جس میں سارے مذاہب پڑھائے جائیں اور اتفاق پیدا ہو۔ میں نے جاکر کہا طبی جنتی علاج کیسا ہے کہنے لگے حق ہے۔ میں نے کہا یونانی علاج کیسا ہے کہا حق ہے۔ میں نے کہا ویدک ہومیو پیتھک کہنے لگے حق ہیں۔ میں نے کہا پھر ایک ایسی دوا کا طریقہ نکالو جس میں چاروں حق طریقہ علاج جمع ہوں انشاء اللہ جلد یہ سارا شہر قبرستان بن جائے گا۔ دراصل یہ لڑائی جھگڑے دین سے نہیں، یہ جھگڑے نفسانیت کے ہیں۔ چاہے حنفی ہو وہابی ہو کوئی ہو دین میں کوئی جھگڑا نہیں ہے جھگڑا ہے کبر کا ریاء کا ہر شخص اپنی ضد پر قائم ہے۔ جس طرح ہر شخص اپنے طریقہ علاج کو پسند کرتا ہے لیکن دوسرے حکیم یا وید کو برا نہیں کہتا مگر دین کے اعمال میں نفسانیت شامل کر کے دوسرے کو برا کہتے ہیں اور یہ سخت برا مرض ہے۔

بہرحال اپنی اصلاح کی فکر ہونی چاہئے اور جو بزرگ ہیں ان سے اصلاح کروانی چاہئے وہ پہچان لیں گے کہ اس میں کونسا مرض ہے کبر ہے نفسانیت ہے حسد ہے بغض ہے بس ان باطنی امراض کو پہچاننے اور دور کرنے کی ضرورت ہے۔

مجلس : ۲۳

اعمالِ باطنہ

پچھلی مجلسوں میں یہ بات بار بار واضح ہو چکی ہے کہ احکامِ اسلام دو طرح کے ہیں ایک وہ جن کا تعلق انسان کے بدن اور اعضاء وجوارح سے ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، صدقہ، نکاح، طلاق، میراث، معاملات تجارت واجارہ، معاشرت وغیرہ۔ دوسری قسم وہ ہے جن کا تعلق انسان کے قلب وروح سے ہے جن میں ایمان، اخلاص، توحید، صدق، اللہ و رسول کی محبت، عظمت، صبر، شکر، قناعت، زہد وغیرہ ہیں۔

پہلی قسم کی صحت وسقم اور صحیح وفاسد کا بیان کتب فقہ میں ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی صحت وسقم اور صحیح وفاسد کا بیان کتب اخلاق وتصوف میں، جس طرح پہلی قسم کے احکام، دینِ اسلام کا عظیم شعار ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اہمیت احکام اسلام میں قسم دوم کو حاصل ہے۔ مگر سوءِ اتفاق کہئے یا کید شیطانی۔ مسلمانوں کے دیندار طبقوں میں بھی اسلام صرف پہلی قسم کے احکام کو سمجھ لیا گیا ہے۔ دوسری قسم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے کہ گویا اسلام میں ان کی کوئی ضرورت واہمیت ہی نہیں۔ عوام تو عوام علماء اور طلباء علم دین میں بھی اعمال باطنہ کی اصلاح کی طرف سے انتہائی بے فکری اور غفلت کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

اسی لئے اس مجلس کا موضوع صرف اعمال باطنہ کو قرار دیا ہے۔

اعمالِ باطنہ کی مجمل فہرست

جس طرح کے اعمال ظاہرہ میں کچھ چیزیں فرائض وواجبات اور مستحبات ہیں جن کے ادا کرنے پر بہت بڑا اجر وثواب اور نہ کرنے پر سخت عذاب ہے اور کچھ

چیزیں حرام و ناجائز یا مکروہات ہیں جن کے کرنے میں تحت وعیدیں عذاب کی ہیں اور ان کے چھوڑنے میں ثواب ہے۔ اسی طرح اعمال باطنہ میں کچھ فرائض و واجبات ہیں جن کو فضائل کہا جاتا ہے اور کچھ چیزیں حرام و ناجائز ہیں جن کو رذائل کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان فضائل و رذائل کی مختصر فہرست یہ ہے' ان کی تفصیلات اگلی مجلسوں میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوں گی۔

اعمال باطنہ میں سب سے اہم فرض تو ایمان اور اس کے متعلق عقائد ہیں جن کے بغیر آدمی مسلمان ہی نہیں ہوتا ان کا بیان چونکہ مستقل علم عقائد میں کیا جاتا ہے اور اس کی تعلیم داخل نصاب بھی ہے اس لئے اس مجلس میں ان کے علاوہ دوسرے اعمال باطنہ کا بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں۔

اعمال باطنہ کے فرائض و واجبات

توبہ' صبر' شکر' رجاء' خوف' زہد' توحید' توکل' محبت' رضا' اخلاص' صدق عمل۔ یہ اصطلاحی الفاظ ہیں ان کی تشریح اور ان کے حصول کے طریقے آئندہ ذکر کئے جائیں گے۔

اعمال باطنہ کی حرام و ناجائز باتیں

شہوت' آفات زبان' غضب' کینہ' حسد' حب دنیا' بخل' حرص' حب جاہ' ریاء' تکبر و غرور۔

یہ بھی اصطلاحی الفاظ ہیں' ان کا پورا مفہوم و حقیقت اور ان سے بچنے کے طریقے آئندہ ذکر کئے جائیں گے۔

اعمال ظاہرہ اور باطنہ میں ایک خاص فرق

پچھلی کسی مجلس میں یہ بات بتلائی گئی تھی کہ اعمال ظاہرہ اور باطنہ میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ اعمال ظاہرہ آنکھوں سے مشاہدہ کئے جاتے ہیں جس طرح نماز'

روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال حسنہ آنکھوں سے محسوس ہوتے ہیں اسی طرح چوری، ڈاکہ، جھوٹ، غیبت، بد معاشی، عیاشی بھی محسوسات ہیں۔ ہر آنکھوں والا ان کی برائی بھلائی کو دیکھ کر پہچان لیتا ہے۔

لیکن اعمال باطنہ تکبر، حسد، کینہ، حب جاہ، حب مال، ریاء، بخل، حرص وغیرہ کسی کو آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ جو شخص ان گناہوں میں مبتلا ہے۔ مگر ظاہری اعمال کا پابند ہے اس کو کوئی نہیں پہچان سکتا کہ یہ باطنی فسق و فجور میں مبتلا ہے وہ لوگوں کی نظروں میں نیک صالح متقی پارسا سمجھا جاتا ہے۔

دوسروں کی نظروں سے باطنی عیوب کا مستور رہنا تو ظاہر ہے اس سے زیادہ قابل فکر یہ ہے کہ باطنی عیوب اور گناہوں کو بسا اوقات وہ شخص خود بھی نہیں پہچانتا جو ان میں مبتلا ہے کیونکہ جتنے باطنی گناہ اور عیوب ہیں ان کی شکلیں اور آثار ایسے کاموں سے ملتے جلتے ہیں جو حسنات یا مباحات ہیں۔

مثلاً تکبر اور عزت نفس ملتے جلتے دو کام ہیں تکبر حرام ہے اور عزت نفس کی حفاظت مطلوب شرعی ہے حسد اور غبطہ ملتے جلتے ہیں حسد حرام ہے۔ غبطہ جائز بلکہ مطلوب شرعی ہے۔ کیونکہ غبطہ کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کی قسمت و فضیلت کو دیکھ کر اس کی تمنا کرنا کہ یہ مجھے بھی حاصل ہو جائے۔ یہ کوئی مذموم چیز نہیں۔ مذموم حسد ہے جس میں دوسرے کی نعمت و فضیلت کے سلب ہو جانے کی خواہش ہوتی ہے۔

اسی طرح باطن کے جتنے عیوب اور گناہ ہیں ان سے ملتے جلتے دوسرے اوصاف حسنہ بھی ہیں اس لئے خود یہ شخص جو ان عیوب میں مبتلا ہے بسا اوقات دھوکہ میں رہتا ہے۔ تکبر کو عزت نفس اور حسد کو غبطہ قرار دیکر بے فکر ہو جاتا ہے

اعمال باطنہ کی اصلاح کیلئے مرشد کی ضرورت

اس لئے اعمال باطنہ کی اصلاح عادتاً اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اپنے آپ کو کسی ایسے شیخ مرشد کے حوالے کر دے جو باطنی فضائل اور رذائل میں پوری بصیرت اور مہارت رکھتا ہو خود بھی باطنی رذائل سے پاک رہنے کی کوشش میں لگا ہو اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتا ہو۔ پھر اس کی تشخیص و تجویز کے سامنے اپنی رائے کو بالکل

فن کرکے ٹھیک اسی طرح عمل کرے جس طرح ایک بیمار اپنے آپ کو کسی حکیم یا ڈاکٹر کے حوالہ کرکے اسی کی تشخیص و تجویز پر عمل کرتا ہے اگرچہ خود بھی حکیم یا ڈاکٹر ہوتا ہے تو بیمار ہونے کی حالت میں اپنی رائے اور اپنی تجویز کو چھوڑکر معالج کا مکمل اتباع کرتا ہے۔ اعمال ظاہرہ کے صحت و فساد کو تو کسی استاد سے پڑھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے اور کتابوں کے مطالعہ سے بھی کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں لیکن اعمال باطنہ کی اصلاح میں محض کسی کتاب کا پڑھ لینا اور پوری طرح سمجھ لینا بھی کافی نہیں ہوتا ان کی اصلاح مرشد کامل کے اتباع کے بغیر عادۃً ممکن نہیں۔ خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی دولت بغیر اسباب ظاہری کے عطا فرمادیں یہ الگ بات ہے مگر اس کو کام کا طریقہ نہیں کہا جا سکتا۔

اعمال باطنہ کی اصلاح کیلئے امام غزالی کی تجویز

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے باطنی امور میں خاص بصیرت عطا فرمائی ہے اور تربیت و تعلیم کا بھی ایک خاص سلیقہ ان کو عطا ہوا ہے ان کی تجویز یہ ہے کہ:۔

عیوب نفس اور اپنے باطنی گناہوں سے آگاہ ہونے کے چار طریقے ہیں۔

اصلاح کے چار طریقے

پہلا طریقہ مرشد کامل اور اس کا اتباع ہے

سب سے بہتر اور مکمل طریقہ باطنی عیوب سے مطلع ہونے اور ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ کسی ایسے شیخ کامل کو تلاش کرے جو شریعت و طریقت کا جامع ہو، باطنی فضائل و رذائل کے پہچاننے میں اور ان کے علاج میں مہارت و بصیرت رکھتا ہو۔

ایک شیطانی فریب اور اس کا جواب

اس موقع پر عام طور سے لوگوں کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ مرشد کامل اس زمانے میں کہاں سے لائیں؟ ہر طرف ہر طبقے میں دھوکہ فریب اور نام و نمود اور نمائش ہے، کھرے کھوٹے کی پہچان مشکل ہے۔ علماء، صلحاء اور درویشوں کے بے شمار تجربے اور ان کی غلط کاریوں کی طویل فہرست اس جگہ شیطان انسان کے سامنے کر کے اس کو مایوس کر دیتا ہے سارے لوگ بکثرت اقبال مرحوم کا یہ شعر پڑھا کرتے ہیں ؎

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

اس قدر فساد اور فسق و فجور کے زمانے کے متعلق اقبال مرحوم کا یہ شکوہ غلط بھی نہ تھا۔ مگر اس کا کوئی یہ مطلب قرار دے کہ اب اصلاح حال سے مایوسی ہے اس کا کوئی راستہ نہیں رہا اس لئے اب جو کچھ اپنے جی میں آئے وہ کرو۔ یہ سراسر غلط فہمی ہوگی۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس زمانے کا یہ شر و فساد اور کوتاہی و محرومی صرف علماء و صلحاء ہی کے طبقہ میں ہے یا تمام طبقات دنیا کا یہی حال ہے۔ آخر کوئی بتلائے کہ اس زمانہ میں ڈاکٹری تحقیقات اور نو ایجاد آلات و ادویہ کی سہولتوں کے باوجود ڈاکٹر ہزاروں میں ایک ہوتا ہے جو فن کا ماہر بھی ہو اور غور و فکر بھی پورا کرے اور اس کے

ہاتھ میں شفا بھی ہو۔

ہزاروں وکیلوں میں کوئی ایک قابل اعتماد و اطمینان نظر آتا ہے، لاکھوں تاجروں میں دیانتداری کی تجارت کرنے والے گنے چنے چند ہوتے ہیں۔ لاکھوں صنعت کاروں میں کامل، ماہر اور قابل اعتماد خاص خاص ہی ہوتے ہیں۔

مگر کسی نے ڈاکٹروں کو چھوڑ کر اپنے علاج میں خود رائی اختیار کی نہ وکیلوں کو چھوڑ کر خود اپنے مقدمات کی پیروی کی نہ تاجروں سے بیوپار چھوڑا نہ صنعت کاروں سے معاملہ ختم کیا، انہیں میں سے انتخاب اور تلاش کر کے کام چلایا جاتا ہے۔

آج بازار میں نہ گھی خالص ملتا ہے نہ دودھ نہ آٹا نہ مسالہ مگر اس کی وجہ سے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے گھی، دودھ کا استعمال چھوڑ دیا ہو یا آٹے کے بجائے بھوسہ کھانا شروع کر دیا ہو۔

ہزار کوششیں کر کے اسی خوب دھوکے کے بازار میں سے تلاش کرنے والے خالص اور اچھی چیزیں نکال لاتے ہیں۔

آج دین کے معاملہ میں یہی روش کیوں نہ اختیار کی جائے جبکہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی ہے کہ صادقین کاملین قیامت تک رہیں گے اور تلاش کرنے والے ان کو ہر جگہ پائیں گے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھی بن جاؤ۔

سچے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان، ہاتھ، قول، فعل ہر چیز کے سچے ہوں اور یہی خاصہ ہے ولی کامل کے اوصاف کا، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت میں فرمایا۔

یہ حکم سچے لوگوں کے ساتھی بننے کا ظاہر ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو ہے اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ مسلمانوں کا مجمع کسی زمانے میں صادقین سے خالی نہ رہے گا۔

پھر اسی سے امام رازی نے اجماع امت کے حجت ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔ کیونکہ جب مسلمانوں کا مجمع صادقین سے خالی نہیں ہو سکتا تو یہ ممکن نہیں کہ سب مسلمان

کسی گمراہی پر جمع ہو جائیں۔ کیونکہ صادقین گمراہی کا شکار نہیں ہو سکتے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ زمانہ ہر چیز کے خصوصاً نیکی اور خیر کے انحطاط اور تنزل کا ہے۔ دھوکہ فریب اور نمائش و نمود بہت ہے اصلیت اور حقیقت بہت کم ہے۔ خیر القرون میں خیر اور صدق و صلاح کی کثرت تھی۔ ہر جگہ ہر گوشہ میں یہی جنس عام تھی۔ آج یہ جنس صلاح بہت تلاش سے ملتی ہے اور وہ بھی اس معیار کی نہیں ملتی جو سلف کے زمانے میں تھی۔

مگر جیسا کہ اس زمانے میں یہ جنس کمیاب ہو گئی ہے اور اس کی تلاش میں دشواریاں پیدا ہو گئیں ویسے ہی حق تعالیٰ نے اس زمانے کے لوگوں کی مزدوری اتنی بڑھا دی کہ سلف کے زمانے سے اس کی کوئی نسبت نہیں۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آخری زمانے میں نیک کام کرنے والے ایک شخص کو پچاس عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ پچاس اس زمانے کے یا ہمارے زمانے کے۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں تمہارے پچاس کے برابر اجر ملے گا۔ اب آپ اندازہ لگائیے اس فتنے کے زمانے میں جو شخص نیکی پر قائم رہے اس کو اجر پچاس ابوبکر و عمر اور صحابہ کرام کے برابر ملے گا۔

ان کے عمل کی یہ مزدوری اسی لئے بڑھائی گئی ہے کہ اس زمانے میں نیک لوگوں کی صحبت بھی بہت مشکل سے حاصل ہوتی ہے اور نیکی پر قائم رہنا بھی انگارے کو ہاتھ میں محفوظ رکھنے کی طرح مشکل ہے۔

ایک اور شیطانی فریب

مرشد کی تلاش اور شیخ کے انتخاب میں شیطان ایک اور فریب میں لوگوں کو مبتلا کرتا ہے وہ یہ کہ اسلاف امت اور اکابر اولیاء اللہ کے حالات جو کتابوں میں مدون ہیں ان کو پڑھ کر وہ اپنے زمانے میں بھی اسی معیار کے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں اور جب وہ نظر نہیں آتے تو مایوس ہو کر اصلاح کا خیال ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

اس میں فریب یہ ہے کہ زمانے کا تنزل واقعی ایک ناگزیر حقیقت ہے قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں، آج نہ کوئی ابوبکر پیدا ہو سکتا ہے نہ عمر نہ دوسرے صحابہ نہ آج جنید و شبلی واپس آئیں گے نہ معروف کرخی اور ذوالنون مصری پائے جائیں گے، جو شخص ان بزرگوں کے بلند حالات و مقامات کا معیار لیکر تلاش کرے گا اس کے لئے محرومی ضروری ہے، ہونا چاہئے کہ ولی کامل کے لئے جو کم سے کم شرائط ہیں ان کو تلاش کرے تو ہر زمانے میں اور ہر جگہ انشاءاللہ تعالیٰ صادقین کاملین مل جائیں گے۔

اولیاءاللہ کی پہچان

چند چیزیں ہیں۔ اول بقدر ضرورت علم دین جس سے احکام پر عمل کر سکے اگرچہ حافظ کا عالم نہ ہو۔

دوسرے دوام طاعت کہ احکام شرعیہ فرائض واجبات میں کوتاہی نہ کرے اور محرمات و مکروہات سے اجتناب کرے اگر اس میں کبھی لغزش ہو تو فوراً توبہ کرے۔

تیسرے کثرت ذکر یعنی اس کے اکثر اوقات اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں خواہ وہ ذکر تسبیحات و اوراد کا ہو یا خالص اللہ کی رضا جوئی کے لئے تعلیم دین اور تصنیف و تالیف اور فتویٰ و ارشاد کا ہو کیونکہ یہ سب چیزیں اخلاص نیت کے ساتھ ذکر اللہ میں داخل ہیں۔

چوتھے یہ کہ وہ کسی باقاعدہ شیخ کامل سے اصلاح و ارشاد کی اجازت پائے ہوئے ہو۔

پانچویں یہ کہ اس کی صحبت میں چند روز بیٹھ کر آخرت کی طرف رغبت اور دنیا کے فضول بکھیڑوں سے وحشت کے آثار ظاہر ہونے لگیں۔

بس یہی علامات جس شخص میں پائی جائیں وہ اصلاح و ارشاد کے لئے کافی ہیں۔ اگرچہ ان سے عمر بھر کسی کشف و کرامات کا ظہور نہ ہو ان میں کشف و کرامات کا تلاش کرنا یا اس پر اعتقاد کا مدار رکھنا خطرناک ہیں۔ اگر ان اوصاف کے متعدد آدمی سامنے ہوں تو ان میں سے جس کے ساتھ عقیدت و محبت اور طبعی مناسبت زیادہ ہو اس کو اختیار کرے۔

اصلاح باطن کا دوسرا طریقہ

اگر کسی شخص کو مذکورہ بالا مذکورہ کے مطابق کوئی شیخ و مرشد دستیاب نہ ہو تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو چاہئے کہ اپنے مخلص دوستوں کو اپنی اصلاح کے لئے اپنے اوپر مسلط کرے ان سے پوچھا کرے کہ تمہیں میرے اندر کیا کیا عیب نظر آتے ہیں وہ جو کچھ بتلائیں ان کی اصلاح کی فکر میں لگ جائے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا کہ آپ میرے بھائی ہیں آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے مجھ میں کیا کیا عیب دیکھے ہیں؟ پہلے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ادب کی بناء پر بیان کرنے سے انکار کیا مگر جب فاروق اعظم نے اصرار کر کے مجبور کر دیا تو فرمایا کہ میں آپ میں دو عیب دیکھتا ہوں۔

اول یہ کہ آپ کے دسترخوان پر ایک سے زیادہ قسم کے کھانے ہوتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہ تھی، دوسرے یہ کہ آپ کے پاس ضرورت سے زائد کپڑوں کا ایک جوڑا ہے ایک آپ رات کو پہنتے ہیں دوسرا دن کو استعمال فرماتے ہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ ان دونوں کا تو انشاء اللہ تعالیٰ ابھی علاج ہو جائے گا آپ اس کی فکر نہ کریں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور تمام اسلاف امت کا ہمیشہ کا معمول رہا ہے کہ اپنے عیوب نفس سے باخبر رہتے اور ان کا علاج کرنے سے کبھی غفلت نہ برتتے تھے۔

ایک مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس غیر ملکی سفراء آئے ان کی وجہ سے مجلس کو آراستہ کیا گیا دربار سے فارغ ہوتے ہی ایک مشکیزہ اٹھایا اور کوئیں پر جا کر خود اس میں پانی بھرا اور پڑوس کی ایک بڑھیا کے مکان میں یہ پانی پہنچا دیا۔

لوگوں نے اس عمل کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ غیر ملکی سفراء کی وجہ سے ہوا تھا مجلس کو ایک شان و شوکت کی حیثیت کی ضرورت پڑی مجھے اس سے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں میرے نفس میں تکبر نہ پیدا ہو جائے اس کی اصلاح کے لئے ایسا کام کیا جس سے اپنے نفس کی حقارت واضح ہو۔

یہ بھی صحابہ کرام اور اسلاف امت کی خصوصیت تھی کہ دوستانہ طور پر خیرخواہی

وہمدردی سے ایک دوسرے کے عیوب پر اس طرح تنبیہ کر دیتے تھے کہ اس میں مخاطب کی تحقیر و توہین یا نقصان رسانی کا کوئی شائبہ نہ ہوتا تھا۔

آج ایسے دوست ملنا بھی آسان نہیں۔ آج تو عیب دیکھ کر اس کے سامنے تو کچھ نہ کہیں گے مگر دوسروں سے کہتے پھریں گے اور تشہیر کریں گے، ایسے لوگ درحقیقت دوست نہیں ہوتے، دوست بھی مصلح اور مخلص تلاش کرنا چاہئیں۔

تیسرا طریقہ

اپنے دشمنوں سے اپنی اصلاح کرائے وہ اس طرح کہ دشمنوں کی باتیں جو اس کی عیب جوئی میں کرتے ہیں، خوب غور سے سنے پھر اپنے حالات کا جائزہ لے کہ اس میں کتنی بات سچی ہے اور کون سا عیب واقعی مجھ میں موجود ہے اس کے ازالہ کی فکر کرے۔ بزرگان سلف کا عام طریقہ کار یہی تھا۔ اپنے زمانے کے بزرگ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا ایک واقعہ یاد آیا۔

حضرت گنگوہی نے جب خانقاہ قدوسی گنگوہ میں قیام فرمایا اور وہاں درس حدیث اور اصلاح و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا تو شرک و بدعت کی رسموں پر خاص طور سے لوگوں کو تنبیہ فرماتے تھے۔ بعض رسائل بھی ان مسائل کے متعلق شائع ہوئے۔

اس زمانے میں ایک عالم بہت ہی بدعات کو رواج دے رہے تھے۔ انہوں نے حضرت گنگوہی کے خلاف طرح طرح کے الزامات اور بہتان لگانے شروع کئے اور اشتہارات و رسائل میں انتہائی بد زبانی اختیار کی۔ یہ رسائل حضرت کے پاس آتے تو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ان کو پڑھواتے تھے کیونکہ آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ خط و کتابت کا سب کام آپ کے مرید خاص مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ انجام دیتے تھے۔

یہ رسائل چونکہ انتہائی بد زبانی اور افترا پردازی پر مشتمل ہوتے تھے ان کا سنانا بھی مولانا کے لئے آسان نہ تھا۔ کچھ روز تک مولانا نے یہ رسائل حضرت کی خدمت میں پیش نہ کئے، چند روز کے بعد دریافت فرمایا کہ مولوی یحییٰ! کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد

کرنا چھوڑ دیں جب دونوں سے کوئی رسالہ میرے خلاف نہیں آیا اس وقت مولانا نے فرمایا کہ حضرت رسائل تو کئی آئے ہیں مگر میں نے دیکھا کہ ان میں گالیوں اور افتراء و بہتان کے سوا کچھ نہیں اس لئے یہ خیال کیا کہ خواہ مخواہ ان کو سنا کر کیوں آپ کے قلب کو مکدر کروں؟ یہ تو مولانا کا اپنا خیال تھا۔ مگر دوسری طرف اللہ کے مقدس بندے تھے جو اپنی ہر ہوا و ہوس اور عزت و جاہ واللہ کے لئے قربان کر چکے تھے فرمایا کہ نہیں آئندہ جو رسالہ آئے مجھے ضرور سنا دیا کرو۔ میں ان سب کو اس نظر سے سنتا ہوں کہ جو باتیں میرے عیب کی اور میرے خلاف وہ لکھتے ہیں۔ ممکن ہے ان میں کوئی بات سچی ہو تو میں اپنی اصلاح کر لوں۔

چوتھا طریقہ

باطنی عیوب پر مطلع ہونے اور ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ آپ کو لوگوں میں جو بات بری اور قابل اعتراض نظر آئے اس کو اپنے نفس میں تلاش کریں کہ کہیں میرے اندر تو یہ عیب نہیں اگر اس کا کچھ احساس ہو تو فوراً اس کی اصلاح کا اہتمام کریں۔ اس طرح بھی ایک انسان اپنے عیوب پر مطلع ہو کر اصلاح کر سکتا ہے اور درحقیقت تو ضرورت اس کی ہے کہ ان سبھی طریقوں سے اپنی اصلاح کی فکر جاری رکھیں۔

یہ حضرت امام غزالی ﷺ کا ارشاد اپنے زمانے کے لوگوں کیلئے ہیں جن کی صلاحیت و استعداد خود بھی بہت تھی اس زمانے میں پہلا طریقہ اختیار کئے بغیر کام چلنا مشکل ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ اس زمانے میں بھی قحط الرجال کے باوجود تلاش کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرماتے شیخ و مرشد بہت عالی مقام کا نہ سہی اس زمانے کی ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ انتظام فرما ہی دیتے ہیں البتہ جستجو اور طلب میں کوتاہی نہ کریں واللہ المستعان اسلئے آئندہ کلام میں اسی چوتھے طریقے کو جو شیخ کامل کے اتباع سے وابستہ ہے سامنے رکھ کر مسائل کی تفصیلات بیان کروں گا جو رسالہ تعلیم الدین سے لی گئی ہیں اور کچھ تشریحات احیاء العلوم سے بھی لی گئی ہیں۔

ایک ارشاد

شیخ سے مناسبت پیدا کرنے کا طریقہ

فرمایا: شیخ سے مناسبت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں یوں سمجھے کہ میری اصلاح کے لئے ان سے بہتر دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ اگر شیخ سے خطاء سرزد ہو جائے تب بھی محبت زائل نہ ہو۔ اس کے قول و فعل سے دل میں اعتراض پیدا نہ ہو حتیٰ کہ کوئی معصیت بھی سرزد ہو جائے تو دل میں کدورت نہ آئے بلکہ یوں سمجھے کہ یہ بھی ایک انسان ہے انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے جس طرح باپ سے خطاء ہو جائے تو محبت باقی رہتی ہے اور مناسبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ کی خدمت میں لگا رہے۔ خدمت کے بغیر مناسبت پیدا نہیں ہوتی۔ خدمت سے کسی وقت دل سے دعا نکلتی ہے یا توجہ ہے۔ اس سے کام بن جاتا ہے جیسے صحابہ کرام رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ محبت میں سرشار تھے ایک اشارے پر جان دیتے تھے اسی طرح شیخ کی ہدایات سے محبت ہو۔ اس کو تکلیف سے بچانے کی ہر وقت فکر رکھے۔ اس کی راحت کا خیال رکھے جیسے کہ ابو العالیہ ؒ کی غلام بھیک خدمت کیا کرتے تھے ایک دفعہ شیخ ناراض ہو گئے اور غلام بھیک کو نکال دیا۔ برسات ہوئی تو شیخ کی گھر کی چھت ٹپکی ان کی بیوی بولی کہ خواہ مخواہ ایک خدمتگار کو گھر سے نکال دیا اگر وہ ہوتا تو چھت درست کرتا ابو العالیہ بولے اس کو میں نے ہی تو نکالا ہے تم نے تو نہیں نکالا تم بلا لو۔ چنانچہ کسی سے کہہ کر جنگل میں روتے پھرتے تھے بلایا اور کہا کہ ہمارے گھر کی چھت ٹھیک کر دو۔ وہ مٹی ڈال کر چھت کوٹ رہے تھے کہ ابو العالیہ نے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر آواز دی کہ یہ لیلو تو وہ اتنے خوش ہوئے کہ اوپر سے کود پڑے اور روٹی کو سر پر رکھ کر پھر کھائی۔

بہرحال شیخ سے مناسبت پیدا کرنی چاہئے تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے اور شیخ کی مناسبت اس طرح بھی پیدا ہوتی ہے کہ شیخ کی عادات و اخلاق دیکھ کر ویسے ہی اخلاق و عادات اپنے اندر پیدا کرے۔ (یہ ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے)۔

مجلس : ۲۳

اصلاح نفس کے لئے مجاہدات

اس طریق میں شیخ و مرشد کی تلاش کے بعد مرشد کی ہدایات کے تابع جس کام کا سب سے زیادہ اہتمام کرنا ہے وہ نفسانی خواہشات کی آزادانہ پیروی سے بچنا اور اس کے لئے مرشد کے بتائے ہوئے طریقوں پر مجاہدہ کرنا ہے۔ مجاہدہ کے معنی ہی اصطلاح میں یہ ہیں کہ نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکنے اور نیک کاموں کا پابند بنانے کی کوشش کریں۔

پچھلی مجلس میں اخلاق باطنی کی دو قسمیں فضائل و رذائل اور ان کی مجمل فہرست بتلائی گئی تھی جس میں فضائل کا حاصل کرنا اور رذائل سے بچنا مطلوب ہے۔

جیسے نماز میں طہارت مقدم ہے جب تک نجاست سے پاکی حاصل نہ ہو نماز کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اسی طرح باطنی فضائل کو حاصل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اپنے دل کو رذائل سے پاک کیا جائے۔

رذائل سے بچنے کی تدابیر

اس لئے آج کی مجلس میں رذائل سے بچنے کی تدبیروں کا بیان شروع ہوتا ہے۔ رذائل سے بچنے کیلئے مجاہدہ اور ریاضت ضروری ہیں مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک اجمالی دوسرے تفصیلی اجمالی مجاہدہ جو ہر مسلمان کیلئے لازم و ضروری ہے وہ نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکنے کا اہتمام ہے۔

ایک انسان اگر اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھ کر شرعی حدود کا پابند بنا دے تو وہ تمام رذائل سے پاک ہو سکتا ہے اور فضائل کو بآسانی حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس نے نفسانی خواہشات و جذبات کو اپنا امام بنایا تو نفس کی آزاد خواہشات اس کو فضائل

سے کوسوں دور اور بیشتر رذائل میں مبتلا کر دیں گی۔

اسی لئے قرآن کریم نے بیشمار مواقع میں اتباع ہوی کے مہلک نتائج کو بیان کیا اور رسول کریم ﷺ کی تمام تعلیمات کا مرکز و محور یہی ہے کہ انسان کو اتباع و پیروی صرف اس ہدایت نامے کی کرنا ہے جو رب العزت جل شانہ کی طرف سے نازل ہوا ہے جس کی تلقین رسول کریم ﷺ نے فرمائی۔ ہوائی نفسانی اور جذبات نفسانی کی آزادانہ پیروی اس کے لئے زہر قاتل ہے۔

ہوی اور ہدی

علامہ شاطبی ؒ نے اپنی کتاب موافقات میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ بحث کی ہے کہ ساری آسمانی کتابوں کا مقصد اور تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک اور اصولی پیام صرف ہوی اور ہدی کے دو لفظوں میں سمویا ہوا ہے۔ ہدی کے اتباع کا حکم ہے اور ہوی کے اتباع کی ممانعت یہی سارا اسلام ہے اس میں ساری شریعت و طریقت سموئی ہوئی ہے۔

لیکن جیسا یہ کام بنیادی اصولی اور انتہائی اہم ہے ایسا ہی اس کا حاصل کرنا کچھ آسان نہیں اس کے لئے کافی جدوجہد اور مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور دنیا میں جس کسی کو ہدایت کے سانچے میں ڈھل جانے کی یہ دولت نصیب ہوتی ہے مجاہدوں اور ریاضتوں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا جز آہ سحر گاہی

صرف انبیاء ؑ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں کہ ان کے کمالات کسب و اکتساب اور مجاہدہ و ریاضت پر مبنی نہیں ہوتے خالص عطاء حق اور موہبت و انعام الٰہی ہوتے ہیں۔ مگر ان میں بھی عادۃ اللہ یہی رہی ہے کہ مجاہدات سے گزرنا ان کو بھی ہوتا ہی ہے۔

حضرت موسیٰ ؑ کے بارے میں حافظ شیرازی نے کہا ہے۔

شبان وادی ایمن گہے رسد بمراد

کہ چند سال عیان خدمت شیب کنند

خاتم الانبیاء ﷺ کو مقام نبوت سے پہلے طبعی طور پر خلوت میں رہنے اور مہینوں غار حرا میں جاکر عبادت میں مشغول رہنے کی رغبت پیدا ہو گئی تھی۔ (صحیح بخاری)

اولیاء اللہ میں بھی شاذ و نادر کچھ حضرات ایسے ہوئے ہیں کہ جن کو بغیر مجاہدہ و ریاضت کے یہ انعام مل گیا۔

نفسانی خواہشات کی دو قسمیں

صوفیائے کرام کی زبان پر نفس کشی اور خواہشات نفس کی مخالفت کی تاکید میں بار بار آتی ہیں۔ جو لوگ ان کی اصطلاحات سے واقف نہیں وہ اس کو عام قرار دے کر رہبانیت میں داخل سمجھتے اور ان حضرات پر اعتراض کرنے لگتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواہشات نفس کی دو قسمیں ہیں ایک حقوق نفس دوسرے حظوظ نفس۔ حقوق نفس وہ چیزیں ہیں جن پر نفس کی بقاء موقوف ہے جیسے کھانا، پینا، سونا، جاگنا، حرکت، سکون، جنسی تقاضا کو بقدر ضرورت پورا کرنا۔ یہ حقوق نفس ہیں جن کا پورا کرنا صرف جائز نہیں بلکہ مطلوب شرعی ہے اور خاص حالات میں واجب و فرض ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ان کے پورا کرنے کی تاکید آئی ہے رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

.... إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔

تیرے نفس کا بھی تیرے ذمہ حق ہے تیری آنکھ کا بھی تیرے ذمہ حق ہے کہ کسی وقت نیند کے ذریعہ اس کو آرام دے اور تیری بیوی کا بھی تیرے ذمہ حق ہے۔

ان حقوق کا ترک کرنا رہبانیت ہے جو تعلیمات اسلام کے خلاف ہے۔ ہاں دوسری قسم حظوظ نفس ہے یعنی نفس کی وہ لذتیں جو ضرورت بقاء نفس اور بقاء نسل سے زائد ہوں۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں نفس کشی اور مخالفت نفس سے یہی قسم مراد ہے کہ انسان غیر ضروری نفسانی لذتوں کا خوگر نہ ہو کیونکہ اسی راستے سے انسان گناہوں کا شکار

ہوتا ہے۔ اور یہ کلام صرف صوفیائے کرام کا نہیں قرآن و سنت کی بے شمار نصوص اس پر شاہد ہیں اس جگہ ایک ہی آیت مثال کے لئے کافی ہے۔

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى﴾

جو ڈرا اپنے رب کے سامنے (حساب کے لئے) کھڑا ہونے سے اور اس نے روکا اپنے نفس کو خواہشات سے تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ ہویٰ جو ہدیٰ کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے اس سے مراد وہی ہوائے نفسانی ہے جو حظوظ کی قسم سے ہے۔ اسی سے بچنے کے لئے مجاہدات اور ریاضات کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مجاہدہ کی حقیقت

یہ ہے کہ ناجائز کاموں اور گناہوں سے بچنے کے لئے بعض جائز کاموں کو بھی ترک کرنے کی عادت ڈالی جائے ایسے مجاہدات خود مقصود نہیں ہوتے، جب نفس پر قابو پا لینے کا اطمینان ہو جائے ترک کر دیئے جاتے ہیں، صوفیائے کرام کے واقعات شب بیداری، فاقہ کشی، ترک کلام، ترک اختلاط وغیرہ یہ سب اسی طرح کے مجاہدات ہیں۔

مجاہدہ کی حقیقت ایک مثال میں

میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب جو قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور جامع کمالات حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے انہوں نے خود اپنا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے طالب علم بچوں سے کچھ دیر تک خوش طبعی کی باتیں کرتے رہے تو والد صاحب نے سوال کیا کہ حضرت اکابر سلف سے زائد کلام سے بچنے کے بارے میں بڑی سخت تاکیدیں منقول ہیں، ان کی اصلی حیثیت کیا ہے؟ حضرت مولانا نے والد صاحب کے

بچوں میں سے ایک کتاب لے کر اس کے ایک ورق کا گوشہ موڑ دیا اور پھر کتاب والد صاحب کو دے دی کہ یہ مڑا ہوا ورق سیدھا کر دو۔ والد صاحب نے بار بار سیدھا کیا مگر وہ پھر مڑ جاتا تھا۔ حضرت مولانا نے پھر وہ کتاب لے کر ورق کے اس گوشے کو اس کے مخالف سمت میں موڑ دیا اور پھر والد صاحب کو کتاب دی کہ اب سیدھا کرو۔ والد صاحب نے سیدھا کر دیا تو ورق اپنی جگہ سیدھا ہو گیا۔

اس مثال کے بعد فرمایا کہ یہی ترک کلام ترک طعام ترک منام وغیرہ کے مجاہدات کی بھی مثال ہے کہ مقصود تو اعتدال اور حدود شرعیہ کے تابع ہوتا ہے مگر جو نفس اس وقت تک سیدھا نہیں ہوتا جب تک اس کو دوسرے رخ پر بالکل نہ موڑا جائے۔ وہ حلال کھانے اور جائز سونے اور حلال کلام پر بھی مستقیم ہو گا بلکہ اس کو کچھ عرصہ کے لئے بالکل ترک طعام، ترک منام، ترک کلام کا ایسا خوگر بنایا جائے کہ حقوق نفس اور ضرورت سے زائد ان چیزوں کا استعمال نہ کرے اور جب وہ خوگر ہو جائے تو جائز و حلال چیزوں کا ترک پسندیدہ نہیں رہتا بلکہ سنت کے مطابق حلال چیزوں کو شکر کے ساتھ استعمال اور حرام سے اجتناب ہی اصل حالت مقصود و محمود ہے۔

علماء و طلباء

کتب شریعت کو پڑھ کر حلال و حرام اور مستحب و مکروہ کا علم تو حاصل کر لیتے ہیں جو بہت بڑی نعمت ہے لیکن ان چیزوں کی عملی پابندی بدون مجاہدات کے نہیں ہوتی بقول غالبؔ

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی!

اس لئے جس طرح علم دین کا حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح اس پر عمل کی عادت ڈالنے کے لئے ضروری مجاہدات بھی لازم ہیں۔ امت کے تمام علماء ربانی کا یہی طریقہ رہا ہے اور ہم سے بالکل قریبی دور اکابر علماء دیوبند حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الہند، حضرت حکیم الامت تھانوی وغیرہم کے جو علمی اور عملی کمالات دنیا میں معروف

ہیں وہ صرف کتابیں پڑھنے پڑھانے کے نتیجہ میں نہیں بلکہ ان کے ان مجاہدات کا نتیجہ ہیں جو انہوں نے اتباع ہویٰ سے بچنے کے لئے اختیار فرمائے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ترکنا تسعة اعشار الحلال خشية الحرام۔"

ہم نے حرام کے ڈر سے حلال کے بھی دس میں سے نو حصے چھوڑ دیئے اور یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل ہے کہ:

"الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما مشتبهات ومن حام حول الحمى اوشك ان يقع فيه" او كما قال صلى الله عليه وسلم۔

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی' اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں' اور جو شخص چراگاہ کے ارد گرد گھومتا ہے قریب ہوتا ہے کہ وہ اس میں جا پڑے۔

عام مشاہدہ ہے کہ جماعت کی ٹھیک ٹھیک پابندی (کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو) اسی وقت ہو سکتی ہے جب آدمی تحیۃ المسجد کا عادی ہو لہٰذا اگر کوئی شخص "تحیۃ المسجد" کی (جو حقیقتاً نفل ہے) اس لئے پابندی کرے کہ اس کی وجہ سے نماز باجماعت کی پابندی ہو سکے تو یہ "مجاہدہ" ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص حرام و ناجائز گفتگو سے بچنے کیلئے اپنے آپ کو کم گوئی کا عادی بنائے تو اسی کو "مجاہدہ" کہا جائے گا۔

قدیم زمانے کے صوفیاء کرام نے اس مقصد کیلئے بڑے سخت اور پرمشقت مجاہدات کئے ہیں ان کے یہاں اجمالی طور سے چار مجاہدات کا رواج تھا' ترک طعام' ترک منام' ترک کلام' ترک اختلاط مع الانام۔

ہمارے زمانے کا مجاہدہ

لیکن ہمارے زمانے میں قویٰ ان سخت مجاہدات کے متحمل نہیں رہے اس ملئے ہمارے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ نے مجاہدہ میں "ترک" کو "تقلیل" سے بدل دیا ہے 'حضرت فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں اگر کھانا پینا سونا بالکل چھوڑ دیا جائے تو صحت کی خرابی کی وجہ سے فائدہ کے بجائے الٹا نقصان کا خطرہ ہے اس لئے آج کا مجاہدہ یہ ہے کہ ان چیزوں میں قدر ضرورت تک کمی کی جائے۔

پھر ان میں بھی سیدی حکیم الامت ؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں کھانے اور سونے کی کمی پر تو زور نہیں دیتا کیونکہ اس کی حدود کا پتہ لگانا شیخ کیلئے بھی مشکل ہوتا ہے جب تک حالات کا بالکل صحیح صحیح علم نہ ہو بسا اوقات اس سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔ البتہ حضرت کے یہاں دو چیزوں پر سخت پابندی تھی 'تقلیل کلام اور تقلیل اختلاط یعنی آپ اپنے متوسلین کو گفتگو کم کرنے اور لوگوں سے کم ملنے جلنے کی مشق کرواتے تھے' لہٰذا جو شخص اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح چاہتا ہے اس کیلئے ان دو چیزوں میں مجاہدہ کرنا ضروری ہے۔

ان دونوں چیزوں پر پابندی کا عمل شروع سے چلا آتا ہے 'امام ابو حنیفہ ؒ نے اپنی انگوٹھی پر نقش کرایا ہوا تھا کہ "قل الخیر والا فاصمت" بھلائی کی بات کہو ورنہ تو خاموش رہو۔

حضرت سفیان ثوری ؒ کے دو متضاد مقولے مشہور ہیں ایک یہ کہ "اقلل من معرفۃ الناس" لوگوں سے جان پہچان کم کرو دوسرا اور دوسرے "اکثر من معرفۃ الناس" لوگوں سے جان پہچان زیادہ پیدا کرو۔ لیکن درحقیقت دونوں میں تضاد نہیں پہلے جملے میں لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین کی طرف سے غفلت کا شکار ہیں اور دوسرے جملے میں وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے پابند ہیں اور اللہ سے لو لگائے ہوئے ہیں۔

ایک اہم بات

لیکن یہاں ایک اہم بات یاد رکھنے کی ہے اور وہ یہ کہ لوگوں سے میل جول کم رکھنا بلاشبہ مجاہدہ کا ایک اہم جزو ہے لیکن اس میں یہ نیت ہرگز نہ ہونی چاہئے کہ لوگ خراب ہیں اس لئے ان سے پرہیز کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ تو عین تکبر اور خود پسندی ہے بلکہ دوسرے سے دور رہنے میں نیت یہ کرنی چاہئے کہ میرے اعمال خراب ہیں اور میں قلب کے اعتبار سے بیمار ہوں اس لئے کہیں یہ میری بیماری دوسروں کو نہ لگ جائے اس کے برخلاف اگر کوئی شخص دوسرے لوگوں کو اپنے سے خراب اور اپنے سے زیادہ فاسق و فاجر سمجھ کر ان سے الگ رہے گا تو اس تکبر سے تو ہزار ہیں پھرنا اچھا ہے۔

بہرحال کم گوئی اور لوگوں سے کم میل جول کی عادت ڈالے گا تو وقت بھی بچے گا اور انشاء اللہ بہت سے گناہوں سے بھی خود بخود نجات مل جائے گی۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ اصلاح خواہ اعمال ظاہرہ نماز روزہ وغیرہ کی ہو یا اعمال باطنہ صبر شکر توکل و توحید وغیرہ بغیر مجاہدہ کے حاصل نہیں ہوتی البتہ مجاہدہ کی تفصیل اور اس کی مقدار وغیرہ خود رائی سے اختیار نہ کرے بلکہ اپنے شیخ و مرشد کی تلقین کے مطابق کرے۔ خود رائی سے مجاہدات اختیار کرنے والے کبھی اپنی صحت کھو بیٹھتے ہیں اور بیکار ہو جاتے ہیں کبھی دوسری معصیتوں میں لگ جاتے ہیں۔ مجاہدہ اجمالی کہ احکام شریعہ ظاہرہ و باطنیہ میں اتباع شریعت کا کیا جائے نفسانی خواہشات کا اتباع نہ کیا جائے تو ہر شخص کو ہر حال میں لازم پکڑنا چاہئے البتہ تفصیل مجاہدات شیخ کامل کی ہدایت و تلقین کے بغیر مناسب نہیں حضرت حکیم الامت ﷺ نے تعلیم الدین باب مجاہدہ میں فرمایا ہے۔ اصول مجاہدہ اجمالی کے چار ہیں۔ قلت کلام، قلت طعام، قلت منام، قلت اختلاط مع الانام۔ ان سب امور میں مرتبہ اوسط حسب تعلیم شیخ کامل ملحوظ رکھے نہ اس قدر کثرت کرے جس سے غفلت و قساوت اور کاہلی پیدا ہو نہ اس قدر قلت کرے جس

سے صحت وقوت زائل ہو جاوے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نفس کے مطالبات دو قسم کے ہیں۔ حقوق و حظوظ۔ حقوق وہ ہیں جن سے قوام بدن وبقاء حیات ہوتی ہے اور حظوظ وہ جو اس سے زائد ہیں حقوق کو باقی رکھنا لازم ہے حظوظ کو فناء کرنا زہد واحتیاط ہے یہاں تک مجاہدہ اجمالی کا بیان تمام ہوا آگے مجاہدہ تفصیلی کا بیان شروع ہوتا ہے جس میں اخلاق حمیدہ ورذیلہ میں سے ہر کیلئے ایک الگ مجاہدہ کیا جائے اس کو تعلیم الدین اور احیاء العلوم کے طرز کے مطابق دو بابوں میں لکھا جائے گا ایک تحصیل فضائل میں دوسرا ازالہ رذائل میں واللہ الموفق۔

چند ارشادات

راہ سلوک میں مجاہدہ کی ضرورت

فرمایا حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا۔ ابتداء یہ تھی کہ فاقہ ہوتا تھا۔ بھوک میں آکر جب صاحبزادے عرض کرتے تو فرماتے گھبراؤ مت۔ دیگ چڑھ رہی ہے وہ پوچھتے کہاں؟ فرماتے جنت میں۔ اس حالت میں بھی سلطان عالمگیر نے دو گاؤں کی دستاویز لکھ کر بھیجی کہ یہ خانقاہ کے گزارے کے لئے ہے جب قاصد لے کر پہنچا تو فوراً پھاڑ کر پھینک دی اور حمام میں ڈال دیا اتنا استغناء تھا پھر جب فتوحات ہوئیں تو صاحبزادے شہزادے ہوگئے اور بلخ میں سلطان نظام الدین سے میراث لینے گئے تھے تو انہوں نے ان کو خوب رگڑے دیئے تب خلافت دی۔

مجاہدہ کا مقصود

فرمایا مجاہدہ سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں بلکہ نفس کو مشقت کا خوگر بنانا اور راحت و تنعم کی عادت سے نکالنا ہے اور اس کے لئے اتنا مجاہدہ کافی ہے جس سے نفس پر کسی قدر مشقت پڑے بہت زیادہ نفس کو پریشان کرنا اچھا نہیں ورنہ وہ معطل ہو جائے گا۔

مجلس : ۲۵

مہلکات ورزائل

اب تک اعمال باطنہ میں سے فرائض کا ذکر ہوا ہے جن کا حاصل کرنا انسان کے ذمہ ضروری ہے۔ عام صوفیا انہیں "فضائل" کہتے ہیں اور امام غزالیؒ نے ان فرائض کا نام "منجیات" (نجات دینے والی چیزیں) رکھا ہے۔ اس کے بالمقابل اعمال باطنہ میں سے کچھ اعمال حرام و ناجائز ہیں۔ عام صوفیا انہیں "رزائل" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور امام غزالیؒ نے ان کا نام مہلکات (ہلاک کر دینے والی چیزیں) رکھا ہے۔

طریقت کا خلاصہ تخلیہ اور تحلیہ ہیں

سلوک و طریقت کا خلاصہ دو ہی چیزیں ہیں "فضائل" کو حاصل کرنا جسے صوفیائے کرام "تحلیہ" کہتے ہیں اور "رذائل" سے بچنا جسے "تخلیہ" کہا جاتا ہے۔ مشائخ طریقت کے درمیان اس معاملہ میں مختلف رہے ہیں کہ سالک طریقت کے لئے تحلیہ مقدم ہے یا تخلیہ؟ بعض حضرات صوفیاء کا مذاق تو یہ ہے کہ سالک کو سب سے پہلے "تخلیہ" کی کوشش کرنی چاہئے یعنی دل کو باطنی رذائل اور مہلکات سے پاک کرنا چاہئے۔ اس کے بعد "تحلیہ" یعنی "فضائل" کی تحصیل آسان ہو جائے گی' وہ اس کی مثال اس طرح پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی زمین میں پھل پھول اگانا چاہتا ہے تو یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس زمین کو ہموار کر کے گندگی اور جھاڑ جھنکاڑ سے صاف نہ کر لیا جائے۔ پہلے خس و خاشاک سے زمین کو خالی کیا جائے گا اس کے بعد ہی اس میں پھل پھولوں کے بیج بار آور ثابت ہو سکیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے دل کی دنیا میں "فضائل" کا چمن کھلانا چاہتا ہے تو

اسے پہلے دل کی زمین سے "رذائل" کے خس و خاشاک کو نکالنا ہوگا پھر اس میں "فضائل" کے پھول کھل سکیں گے۔

صوفیائے کرام کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ "فضائل" کی تحصیل "رذائل" کو دور کرنے پر مقدم ہے۔ اس گروہ کا کہنا یہ ہے کہ "رذائل" کی مثال اندھیرے کی سی ہے اور "فضائل" کی مثال روشنی کی سی اگر کوئی شخص اندھیرے کو دور کرنا چاہتا ہے تو وہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکے گا جب تک وہاں کوئی شمع نہ جلائی جائے ادھر شمع روشن ہوگی ادھر اندھیرا کافور ہو جائے گا۔ اسی طرح دل کی دنیا سے "رذائل" کا اندھیرا اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک اس میں "فضائل" کی شمع روشن نہ کی جائے۔ ادھر دل میں "فضائل" پیدا ہوں گے ادھر "رذائل" خود بخود مٹ جائیں گے۔

بہرکیف اصلاح باطن کے یہ دونوں طریقے ہی صوفیاء کرام کے درمیان رائج رہے ہیں جو لوگ "تخلیہ" کو "تحلیہ" پر مقدم سمجھتے ہیں وہ ابتداء میں وظائف و اوراد کے بجائے ایسے عملی مجاہدات پر زور دیتے ہیں جن کے ذریعہ نفس کی خواہشات و جذبات پر قابو حاصل ہو۔ اس کے برعکس جو حضرات "تحلیہ" کو مقدم سمجھتے ہیں ان کی زیادہ توجہ ذکر و تسبیح اور وظائف و اوراد پر رہتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ فیصلہ کوئی شیخ کامل ہی کرتا ہے کہ کس شخص کے لئے ان دونوں میں سے کونسا طریقہ زیادہ مفید ہے؟ اور اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ سالک کو یہ دونوں ہی کام کرنا ضروری ہیں یعنی مجاہدات و ریاضات بھی اور اوراد و اشغال بھی۔

تمام رذائل کی جڑ ہوئی پرستی ہے

اب تک ہم نے "فضائل" کا ذکر کیا تھا اب مختصراً "رذائل" کا بیان کرنا ہے لیکن ان کی تفصیل سننے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلی جائے کہ دل کے تمام امراض تمام رذائل کی بنیاد درحقیقت نفسانی ہوس کی پیروی ہے۔ جسے قرآن کریم میں "اتباع ہویٰ" کہا گیا ہے۔ دل کی جس بیماری پر بھی آپ نظر ڈالیں گے اس کی بنیادی وجہ یہی نظر آئے گی کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے آگے سپر ڈال کر بے

بس ہو جاتا ہے، اگر انسان اپنے نفس پر مکمل قابو حاصل کر لے تو نہ اس سے کوئی گناہ سرزد ہو اور نہ اس کے دل میں کوئی باطنی بیماری پیدا ہو، اسی لئے قرآن کریم اور حدیث میں "اتباع ہویٰ" سے بچنے کی بار بار تاکیدیں کی گئی ہیں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِكَ﴾

"اور تم ہویٰ کے پیچھے نہ چلو کہ وہ تمہیں تمہارے راستے سے بھٹکا دے"۔

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا دل باطنی بیماریوں سے پاک ہو اور اس کے رذائل ختم ہو جائیں تو اسے سب سے پہلے اپنے نفس کو قابو کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

نفس پر قابو پانے کے تین طریقے

قرآن کریم پر غور کرنے سے نفس پر قابو حاصل کرنے کے تین طریقے سمجھ میں آتے ہیں، ایک طریقہ عام اور اجمالی ہے اور دو طریقے خاص اور تفصیلی۔ اجمالی طریقہ تو یہ ہے کہ دل میں آخرت کی فکر اور اللہ کے سامنے جوابدہی کا استحضار پیدا کیا جائے۔

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾

"اور رہا وہ شخص جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو ہوس سے روکا تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نفس پر قابو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کے سامنے جوابدہی کا خوف پیدا ہو۔ جانتا تو ہر مسلمان ہے کہ مجھے ایک دن مرنے کے بعد خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہے۔ لیکن یہ حقیقت جتنی یقینی ہے اتنی ہی کثرت کے ساتھ نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔ نفس پر قابو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس حقیقت کو دل میں اس طرح جاگزیں کر دیا جائے کہ کسی بھی وقت خدا کے دربار میں حاضری کا تصور دل سے محو نہ ہو، اور یہ بات "مراقبہ موت" سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان

کو چاہئے کہ وہ دن میں کم از کم ایک مرتبہ پانچ دس منٹ نکال کر اپنی موت اور موت کے بعد کے احوال کا تصور کیا کرے۔ اور اپنے روزمرہ کے تذکروں میں موت کے ذکر کو بھی لازمی طور پر شامل کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اکثروا ذکر ھاذم اللذات۔"

"لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز یعنی موت کا کثرت کے ساتھ ذکر کیجئے"۔

یہ چیز دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرے گی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کے لئے اپنی خواہشات نفس پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔

خواہشات نفس کا علاج

یہ تو نفس پرستی کا ایک عام علاج تھا۔ اس کے علاوہ خواہشات نفس سے جو گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ دو قسم کی ہوتی ہیں، شبہات یعنی فکری اور نظریاتی گمراہیاں اور شہوات یعنی عملی گمراہیاں۔ قرآن کریم نے پہلی قسم کی گمراہیوں کا علاج یہ تجویز فرمایا ہے کہ:

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۔

"اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کیا کرو"۔

اور دوسری گمراہیوں کا علاج یہ بتایا ہے کہ:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

"یعنی ایک دوسرے کو "صبر" کی نصیحت کرتے رہو"۔

"صبر" کا مطلب یہ ہے کہ خواہشات نفس کے ترک سے جو تکلیف ہوتی ہے اسے برداشت کیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ صفت بغیر نیک صحبت کے عموماً حاصل نہیں ہوتی اسی لئے صوفیائے کرام اصلاح کے لئے کسی مرشد کامل کی طرف رجوع کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کی صحبت اختیار کرو"۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ تقویٰ حاصل کرنے اور نفسانی خواہشات کو قابو میں کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ "صادقین" یعنی صلحاء کی صحبت اختیار کی جائے۔

رذائل سے متعلق متفرق ارشادات

گناہوں کی جڑ تین باتیں ہیں

اس وقت میرا مقصد ان مواضع پر متنبہ کرنا ہے جن میں ہم مبتلا ہیں۔ اعمال ظاہرہ کے علاوہ اعمال باطنہ بھی بکثرت ہیں۔ ان کے ثمرات بھی بے شمار ہیں۔ ان مواضع قلب کے اصل الاصول تین گناہ ہیں۔ غضب، حقد، حسد۔ یہ ایک دوسرے کے مترتب ہیں اور ان کی بنیاد غضب ہے باقی دونوں اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ غضب کے معنی خون کے جوش مارنے کے ہیں۔ پھر یہ غضب یا انتقام لینے کے لئے یا ایذا سے بچنے کیلئے پیدا ہوتا ہے۔ اگر کسی ایذا کے پہنچنے کا احتمال ہو جائے اس سے بچنے کیلئے غصہ پیدا ہو جاتا ہے مثلاً چور آتا ہے دشمن آتا ہے تو اس کو دیکھ کر غصہ آتا ہے اور بعض مرتبہ ایذا پہنچ جانے کے بعد غصہ آتا ہے انتقام کے لئے خون جوش مارتا ہے یہ دونوں غضب میں داخل ہیں ویسے تو جو قوت بھی اللہ تعالیٰ نے انسان میں رکھی ہے وہ تحسین ہی ہے وہ بڑی حکمتوں پر مبنی ہے۔ استعمال کرنے والے کے استعمال اور غیر محل میں لگانے سے وہ شر ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی بال بچوں پر ہاتھ ڈالنا چاہے تو پہلے غصہ آئے گا پھر اس کو دفع کرے گا۔ اگر غصہ نہ آئے تو دفع کرنے پر قادر ہی نہیں ہو سکتا۔ غصہ ہی وہ محمود خلق ہے جو حسب استطاعت دفع کرنے پر ابھارے گی۔ تو غصہ آنا کوئی بری بات نہیں ورنہ تو یہ بے غیرتی ہے اور غصہ نہ آنا یہ مستقل مرض ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ من استغضب فلم یغضب فہو حمار۔ آخر قرآن کریم میں صحابہ کرام کی مدح میں یہ لفظ آئے ہیں اشداء علی الکفار رحماء بینہم۔ غصہ ہی سے تو سختی پیدا ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ غصہ غیر محل میں کرنا یا اس کے حد سے تجاوز کر جانا یہ مذموم ہے۔ ورنہ دفع مضرت کے لئے غصہ کا آنا محمود ہے۔ چونکہ غصہ اکثر حد اعتدال سے آگے بڑھ جاتا ہے اور جو نہ کرنا ہو وہ کر گزرتا ہے۔ الغضب اولہ جنون وآخرہ ندم۔ اس لئے تو غصہ کا ثمرہ بھی ایک یہ کہ نفس کی خاطر غصہ نہ کرے۔ اللہ کے حکم کے تحت اللہ کے لئے غصہ

اتار سکے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک یہودی سے برسرپیکار تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس یہودی کے سینے پر بیٹھ گئے اور وار کر کے گردن اتارنی چاہی تو اس یہودی نے ان کے چہرے پر تھوک دیا۔ ان کا اور غصہ بھڑک گیا لیکن اس یہودی کو چھوڑ کر فوراً کھڑے ہو گئے۔ اس یہودی نے کہا کہ قادر ہو جانے کے بعد چھوڑ دیا کیا وجہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اللہ کے لئے تجھ سے لڑ رہا تھا اب جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا تو نفس کا انتقام کا جذبہ درمیان میں آ گیا اس لئے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ پہلا غصہ مستحسن تھا اور اب یہ غصہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں نفس کے انتقام کے لئے ہو گا اس پر وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ صحابہ کرام تو پورے سانچے پر ڈھلے ہوئے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں آئے دیکھا کہ ایک پرنالہ مسجد نبوی کے صحن میں لگا ہوا ہے اس کا پانی صحن میں آئے گا۔ دیکھ کر غصہ آیا اور حق کے لئے آیا۔ خود ہی اچھل کر اس پرنالے کو توڑ دیا۔ اب وہ مکان والے صحابی آئے سوراخ ٹوٹا ہوا دیکھا تو پوچھا کہ یہ کس نے توڑا ہے لوگوں نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توڑا ہے اس پر انہوں نے کہا کہ یہ پرنالہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا لگا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنتے ہی کانپ گئے اور مکان والے صحابی کو بلایا انکو کہا کہ میرے کندھے پر چڑھ جاؤ اور اس کو ویسے ہی ٹھیک کر کے لگا لو۔ ان کا یہ حال تھا کہ کان عمر وقافا عند حدود اللہ۔ ان کے غصے پر اپنے غصے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

سو غصہ وہی برا ہے کہ حدود الٰہی کا احترام باقی نہ رہے مگر ہم غصے کی حالت میں حدود الٰہی کو سوچ بھی نہیں سکتے اس لئے غصہ کی ابتداء ہی سے بچنا چاہئے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کوئی نصیحت فرما دیجئے۔ فرمایا "لاتغضب"۔ دوبارہ درخواست کی یہی فرمایا "لاتغضب" غصہ نہ کرو تیسری بار سوال کیا تب بھی یہی فرمایا "لاتغضب" اور تین دن تک سوال کرتے رہے یہی فرماتے رہے۔ "لاتغضب" غصہ مت کیا کرو معلوم ہوا کہ تمام شرور کی بنیاد ہی غصہ ہے اس سے بچ جائے تو تمام معاصی سے بچا رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم میں سے

پہلوان کون ہے؟ عرض کیا جو دوسرے کو پچھاڑ دے آپ نے فرمایا نہیں۔ الشدید بالصرعۃ۔ یہ پہلوان نہیں بلکہ من املک نفسہ عند الغضب۔ غصے کے وقت جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے وہ پہلوان ہے۔

غصہ کا پہلا علاج

اس کا علاج یہ ہے کہ جس پر بھی غصہ آیا ہے غصہ کی حالت میں اس سے کوئی تعرض نہ کرے۔ بلکہ جس پر غصہ آیا ہے اس کے ساتھ اور زیادہ حسن سلوک کرے۔ برائی کو نیکی سے دفع کرتا ہے۔ نفس کو یہ روز عادت پڑ جائے گی اللہ کے غضب سے بچنا چاہتے ہو تو دوسروں پر غضب نہ کرو۔ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ جب کوئی مجرم سامنے آئے تو ثبوت جرم کے بعد بھی فوراً سزا نہ دو کیونکہ اس وقت غصہ ہوگا اور غصہ میں حدود اللہ کا خیال نہ رہے گا۔ غصہ اتر جانے کے بعد ٹھنڈے دل سے غور کر کے سزا دینی چاہئے۔

مکتب والے معلم بچوں کو بیدردی سے مارتے ہیں یہ گناہ ہے۔ غصہ میں نہ مارنا چاہئے اس کے جرم کی نوعیت اور اس کے قوائے جسمانی کو دیکھ کر اس کی تنبیہ کے لئے سزا دینی چاہئے۔

غصہ کا دوسرا علاج

غصہ کا ایک علاج یہ ہے کہ غصہ کو روکے اور اس جگہ سے فوراً ہٹ جائے یا مغضوب علیہ کو ہٹا دے۔ وضو کرے۔ ٹھنڈا پانی پی لے اور غصہ پینے کی عادت پیدا کرے۔ کرتے کرتے عادت ہو جاتی ہے حدیث میں ہے انما العلم بالتعلم۔ بچہ سبق کو بار بار رٹا رہتا ہے وہ یاد ہو جاتا ہے۔ انما الحلم بالتحلم۔ بتکلف اپنے آپ کو انتقام لینے سے روکتا رہا کرے عادت ہو جائے گی ابوداؤد میں ہے ومن یتصبر یصبرہ اللہ۔ بتکلف صبر کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ صبر پیدا کر دیں گے ومن یستعف

اللہ۔ جو عفیف بنے گا اسے عفت دیں گے۔ دل تو مانگے گو چاہتا ہے اور مانگنے سے
مل بھی جائے گا لیکن بتکلف مانگنے سے رک جائے عفیف ہو جائے گا۔ حدیث میں
ہے ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ لوگوں کے پاس مال ہے وہ تیرے راستے میں
خیرات کرتے ہیں میرے پاس مال نہیں ہے ہاں آبرو ہے میں اسے ہی خیرات کرتا
ہوں۔ آج تک جس کسی نے بھی میری آبرو خراب کی مجھے ذلیل کیا میں نے ان سب
کو معاف کیا۔ ان کے نبی پر وحی آئی کہ اس سے کہہ دو کہ تیرے سب گناہ معاف کر
دیئے گئے۔ قرآن شریف میں ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ لڑائی
جھگڑا نکالنا جہالت ہے اور اسی کی ضد حلم ہے۔ کوئی تمہارے ساتھ جاہلوں کا سا کلام
کرے تو تم جواب دو سلاماً یعنی حلم و بردباری اختیار کرو۔ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا
كِرَامًا۔ جب لغویت سے گزرنا پڑ جائے تو شریفانہ گزر جاؤ۔ حدیث میں ہے اَلرِّفْقُ
خَيْرٌ كُلُّهُ۔ شدت اختیار کرنا کوئی بہادری اور عزت نہیں ہے۔ آخرت میں ذلت
ہوگی۔

بغض و کینہ

اس کے بعد حقد پیدا ہوتا ہے یعنی کینہ و بغض کہتے ہیں غصہ آنے کے بعد انتقام
پر قدرت نہ ہو تو غیظ و اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ گھٹن رہتی ہے اور بدلہ لینے کی فکر میں
پڑا رہتا ہے پھر ہر وقت درپے ایذاء رہتا ہے نہ چین سے بیٹھنا نصیب ہوتا ہے نہ چین
سے بیٹھنے دیتا ہے پھر۔ حسد پیدا ہوتا ہے۔

حسد یہ ہے کسی شخص کی اچھی حالت دیکھ کر یہ تمنا ہو کہ یہ نعمت اس کے پاس
سے چلی جائے۔ میرے پاس آئے نہ آئے۔ اس کے پاس نہ رہے۔ کسی کی نعمت کے
زوال کی تمنا رکھنا حسد ہے جیسے ایک کبڑا تھا اس سے کسی نے پوچھا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ
سب تمہاری طرح کبڑے ہو جائیں یا تمہاری کب ٹھیک ہو جائے کہنے لگا میں تو یہ
چاہتا ہوں کہ میری کب ٹھیک ہو یا نہ ہو یہ سب کبڑے ہو جائیں۔ تاکہ ان کو میں بھی
ان کی نگاہ سے دیکھوں۔

حدیث میں ہے اَلْحَسَدُ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

علامت حسد کی یہ ہے کہ کسی کی تعریف سن کر جی میں آئے کہ اس کا عیب بیان ہوتا یا اب میں بیان کر دوں ۔ یہ حسد علماء کی ایک خاص بیماری ہے اپنی بات خواہ غلط ہی ہو مگر دوسرے کی حق بات سننا گوارا نہیں ہوتا ۔

غصے کا مختصر علاج

فرمایا (غصہ کا علاج یہ ہے کہ) مغضوب علیہ (جس پر غصہ کیا گیا) کے پاس سے فوراً جدا ہو جاؤ' اور فوراً کسی ایسے شغل میں لگ جاؤ جس سے فرحت ہو ۔

ظلم اکثر غصہ سے ہوتا ہے

چھوٹوں پر ناگواری کرنے میں کبر ہوتا ہے ۔ بڑوں پر ناگواری حزن ہے ۔ غصے کے اندر سزائیں دینے میں حد سے تجاوز ہو جاتا ہے ظلم اکثر غصہ ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اگر غصہ کے بعد انتقام پر قدرت نہ ہو تو کینہ چھپا رہتا ہے اور حسد ہونے لگتا ہے اس کے بعد ایذا رسانی کی فکر لگ جاتی ہے پھر مکر و فریب کی عادت ہو جاتی ہے ۔

کبر اور غرور کی تعریف اور علاج

فرمایا کسی کمال میں اپنے کو دوسرے سے اس طرح بڑھا سمجھنا کہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھے 'پھر یہ سمجھنا اگر غیر اختیاری ہے تو اس پر ملامت نہیں' بشرطیکہ اس کے مقتضی پر عمل نہ ہو' یعنی زبان سے اپنی تفضیل (بڑائی) اور دوسرے کی تنقیص (تذلیل) نہ کرے' دوسرے کے ساتھ تحقیر کا برتاؤ نہ کرے ۔ اور اگر قصداً ایسا سمجھتا ہے یا سمجھتا تو بلا قصد ہے' لیکن اس کے مقتضائے مذکور پر بقصد عمل کرتا ہے تو مرتکب کبر کا اور مستحق ملامت و عقوبت کا ہے اور اگر زبان سے اس کی مدح و ثناء کرے اور برتاؤ میں اس کی تعظیم تو اعون فی العلاج (علاج میں بہت مددگار) ہے ۔

کبر اور عجب میں فرق

فرمایا اگر طبیعت میں صرف اپنے کو بڑا سمجھتا ہو (تو عجب ہے) اور اگر دوسرے کو بھی حقیر و ذلیل سمجھتا ہو (تو کبر ہے)

تکبر خطرناک مرض ہے

سارے بدن کو کتنی بیماریاں ہوں' زیادہ توجہ کے قابل نہیں۔ لیکن قلب پر اثر کرنے والی بیماری بہت خطرناک ہے۔ اسی طرح نفسانی خواہشات' ہاتھ پاؤں' کان' آنکھ ناک کے گناہ سب بیماریاں ہیں ان میں سب سے زیادہ قلب کی بیماری ہے اور وہ اپنے کو بڑا بنانا اور اس کی خواہش کرنا ہے۔ فرمایا کہ یہ دار آخرت بنایا ہے ان لوگوں کے لئے جو کبر پسند نہیں کرتے' ہر بیماری کا علاج آسان نہیں تو مشکل بھی نہیں لیکن خطرناک نہیں ہے' ایسی قلبی بیماری سب سے زیادہ خطرناک ہے اپنی عقل کو عقل سمجھے دوسرے کو کچھ نہ سمجھے اور پھر یہ سمجھے کہ یہ کوئی بیماری نہیں۔ سب سے خطرناک بیماری یہ ہے' جو کہتا ہے کہ میں بیمار بھی نہیں وہ حکیم کے پاس جانے کا بھی نہیں' اور اس کا علاج بھی بہت مشکل ہے' قرآن و حدیث میں بہت زیادہ زور دیا ہے' اس بیماری پر اور اس کے علاج پر کہ نفس کو ابھرنے نہ دیں۔ ایک بچہ بھی کہہ دے کہ آپ نے فلاں کام غلط کیا ہے' فوراً سوچ میں پڑ جائے' ایک ناواقف نے کچھ کہہ دیا کہ حضرت یہ فلاں کام آپ نے غلط کیا' بس اس کو کچھ نہ کہا فوراً اپنے اعمال پر نظر ڈالی۔

اپنی غلطی مان لینا

ایک تحریر میں نے گراموفون کے متعلق لکھی (جو حضرت تھانوی ؒ کی خدمت میں ارسال کی) جواب دیے میں آپ حضرت نے جواب لکھا۔ تمہاری تحریر میں کچھ میری تحریر پر شبہ کا اشارہ تھا' مجھے خیال ہوا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی' بعد میں غور کرنے کے بعد پتہ چلا کہ جو لکھا ہے وہ ٹھیک ہے اور تم اس کی تحقیق کرو۔ آج ہمارے پاس کوئی اعتراض کرنے والا آتا ہے تو ہم فوراً اس کی غلطی پکڑتے ہیں اور اس کو نہ

مانتے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بعض بزرگوں کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی اعتراض کرتا تو فوراً اپنے اوپر غور کرتے۔

حضرت مولانا یعقوب ﷺ سے کسی نے کچھ اعتراض کیا' آپ کی سمجھ میں وہ آگیا۔ فرمایا تم نے ٹھیک کہا' مجھ سے غلطی ہوئی اور بار بار اس کو دہرایا۔ بھئی! میں نے غلط کہا ہے' انہوں نے ٹھیک بتایا ہے۔

ان تمام بزرگوں میں نفسیں ہے۔ حضرت فرماتے تھے ہم کو نہ غلو چاہئے نہ کمو۔ ہم کو غلو چاہئے۔ کبھی یہ خیال نہیں کہ اپنی بات کی پیچ کریں۔ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اس میں تواضع آتی ہے اگر تواضع نہ آئی تو اس کو اس نسبت سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔

سب سے خطرناک مرض

ایک گناہ وہ ہیں جو کہ نفس کی خواہشات کی وجہ سے پیدا ہوں اور دوسرا یہ کہ قلب میں اپنے کو بڑا سمجھے۔ اس میں بڑا نقصان یہ ہے کہ توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ نفسانی خواہشات پر چلنے والا یہ تو سمجھتا ہے کہ میں برا کر رہا ہوں اور کبھی توبہ بھی کر لیتا ہے اور تیسرا گناہ ان سے بھی بڑھ کر عقیدہ میں شکوک پیدا کرنا ہے یہ پہلی دونوں قسموں سے بڑھ کر خطرناک ہے۔ یہ ایسی بلا ہے کہ براہ راست ایمان خراب کر دیتی ہے۔ یہ جو قلب کی حرکت بند ہونے کا مرض ہے یہ کوئی خطرناک مرض نہیں ہے۔ قلب پر تو ذرا سی بھی چوٹ جان لئے کر جاتی ہے یہ کوئی بیماری نہیں۔ دراصل عقیدہ پر شبہات کا جو مرض ہے یہ بہت خطرناک مرض ہے۔

جو آدمی بخار میں پڑا ہے یا نہیں جاتا سارے اعضاء جواب دے جاتے ہیں جن اعضاء سے کام لیتے تھے' مدافعت کرتے تھے بیماری میں ان پر اثر ہوتا ہے مدد گار مدد چھوڑ دیتے ہیں۔ باطن کی بیماریاں بھی ایسی ہیں جو بچنے کے راستے ہیں وہ مدد چھوڑ دیتے ہیں۔ شہوانی بیماریوں میں کم' جاہی بیماری میں اس سے زیادہ اور عقیدہ کی بیماری میں سب سے زیادہ' اس کے اعضاء وجوارح کیا ہیں؟ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنا' توبہ' اطاعت' استغفار' صدقات یہ ساری چیزیں جواب دے دیتی ہیں۔ نہ اس کا دل

توبہ پر جاتا ہے تو کسی بزرگ کے پاس بیٹھنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ نقد سزا ہے۔ اس بیماری کی نحوست سے ایمان بچانے والے فرشتے بھی اس کی امداد چھوڑ دیتے ہیں۔ جب توفیق نے ساتھ چھوڑ دیا تو پھر مدد رخصت ہو گئی۔

یہ جو بعض اوقات جی چاہتا ہے۔ نیکی کرنے کو مگر اعضاء اس کی ہمت نہیں کرتے۔ وہ عمل اس سے ادا نہیں ہوتا۔ یہ جانتے ہوئے کہ میں برا کر رہا ہوں مگر اس کے چھوڑنے پر قدرت نہیں۔ یہ خدا کی طرف سے ایک قید ہے اور شکوک و شبہات جو تیسری قسم کے گناہ ہیں ان میں توبہ کی توفیق کم ہوتی ہے۔

عجب خطرناک مرض ہے

فرمایا مجھے عاصی سے تو نفرت نہیں جتنی مدعی تقدس سے ہوتی ہے

غلطی کی تاویل

فرمایا غلطی کی تاویل بہت بری ہے۔ عذر کے ساتھ معافی چاہے تو پروا نہیں۔

کبر کے تین درجے ہیں

۱۔ کبر دل میں ہو افعال سے ظاہر نہ ہو یہ استکبار ہے ان اللہ لا یحب المستکبرین
۲۔ دل میں بھی ہو افعال سے بھی ظاہر ہو یہ تکبر ہے۔
۳۔ دل میں ہو افعال سے ظاہر کرتا ہو اور زبان سے بھی کہتا ہو یہ فخور ہے ان اللہ لا یحب کل مختال فخور۔

حقیقی بالغ

عقلی بالغ وہ ہے جس سے منی نکلے اور حقیقی بالغ وہ ہے جو منی سے نکل جائے (یعنی خودی اور کبر سے)

تکبر کا ایک اور علاج

تکبر کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ وجدانی ہیبت کبرائیہ کا خیال کر لیا کریں۔ اس کا مراقبہ کرے گا تو معلوم ہوگا کہ ہم کیا چیز ہیں۔ آج کل تو اخبار بھی بہت اشتیاق سے دیکھتے ہیں اگر کوئی دلچسپ مضمون نظر پڑ گیا تو گھنٹوں وہیں بیٹھے رہتے ہیں اور پاخانہ بھی اسی اخبار سے پونچھ کر آجاتے ہیں۔ رکھے شریعت میں تین صفائی ہے۔ سنت کا ترک عذاب ہے۔

علماء کے لئے دو بری چیزیں

فرمایا دو چیزیں اہل علم کے لئے بہت بری ہیں، حرص اور کبر۔ یہ ان میں نہیں ہونا چاہئے۔

حسد کا علاج

فرمایا جس پر حسد ہوتا ہو اس کے ساتھ احسان و اکرام کا معاملہ کرو اور اگر یہ نہ کر سکو تو مجمع میں اس کی خوبیاں بیان کرو۔

حسد کا ایک اور علاج

فرمایا حسد کا علاج یہ ہے کہ (جس شخص سے حسد ہے) بہ تکلف اس شخص کے لئے دعا کرتا رہے بکثرت ایسا کرنے سے ان شاء اللہ یہ مرض دور ہو جائے گا۔

ریا کا علاج

فرمایا (ریا کا علاج یہ ہے کہ) قصداً ریا نہ ہو۔

ریا ہر خیال کا نام نہیں

فرمایا' ریا ہر خیال کا نام نہیں بلکہ جس خیال کی بناء قصد رضاء خلق بذریعہ دین ہو۔

حرص شرعی

فرمایا حرص شرعی وہ ہے جس سے دنیا کو دین پر ترجیح ہونے لگے

حرص ام الامراض ہے

فرمایا' حرص کی حقیقت توجہ اور میلان الی الدنیا (دنیا کی طرف مائل ہونا ہے) یہ حرص تمام پریشانیوں کی جڑ ہے' یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو ام الامراض (تمام بیماریوں کی ماں) کہنا چاہئے' کیونکہ اسی کی وجہ سے تمام جھگڑے فساد ہوتے ہیں۔ اخلاق رذیلہ کی جڑ بھی حرص ہے' تمام اخلاق رذیلہ کی اصل کبر ہے' اور کبر ہوس وجاہ کا نام ہے اور کبر کا منشاء بھی یہی حرص ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ ہوس کے پورا کرنے سے ہوس بجھ جائے گی' بلکہ اس کو جتنا پورا کرو گے' اتنا ہی بڑھے گی' انسان کے ہوس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

حرص کا علاج

(۱) حرص کے خلاف کرے۔ (۲) توجہ الی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرے)

اصل علاج خدا تعالیٰ کی توجہ ہے جو عادۃً بندہ کی توجہ پر مرتب ہوتی ہے۔

حب مال وجاہ

حب مال اور حب جاہ' یہ دونوں قلب کی ایسی بیماریاں ہیں جن کے باعث

انسان کی دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انسانی تاریخ میں جب تک جتنی انسانیت سوز لڑائیاں لڑی گئیں اور جو فساد برپا ہوئے ان میں ـــ ۸۰ فیصد لڑائی کی وجہ زمین سے شروع ہوئی تھی۔

مرض حب جاہ

فرمایا حب جاہ کا مرض بڑا خبیث ہے۔ وہ عزت اور ذلت کو کمال اور عدم کمال پر موقوف ہے اور فرمایا میں تعلق کو منع نہیں کرتا تملق (چاپلوسی) کو منع کرتا ہوں۔

حب دنیا کا علاج

فرمایا حب دنیا کا علاج کثرت تذکرۂ موت کرنا ہے۔

دنیا عارفین کی نظر میں

فرمایا عارفین دنیا کو قید خانہ سمجھتے ہیں اور ان کو یہاں سے نکلتے ہوئے وہی خوشی ہوتی ہے جو جیل خانہ سے نکلتے ہوئے ہوتی ہے۔

عشق امرد

فرمایا "امردوں (بے ریش لڑکوں) کے عشق میں ظلمت شدید ہوتی ہے اگر عاشق کی طبیعت بالکل ہی خبیث نہ ہو تو کسی شخص کی طرف میلان نہیں ہو سکتا کیونکہ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وقایہ ہوتا ہے نفسانی میلان کا، خواہ دوسرے کو تقویٰ کا علم ہو یا نہ ہو۔ فرمایا عشق مجازی سخت ابتلاء کی چیز ہے۔

دین اور علوم دینیہ سے غفلت کا نتیجہ

ایک زمانہ دراز سے مسلمانوں کی دین اور علوم دینیہ سے عام غفلت کے نتیجے میں سب ہی علوم دینیہ سے مسلمانوں کی اکثریت بے بہرہ ہوتی چلی گئی، خصوصیت سے آخر الذکر علم جس کا تعلق اعمال باطن کی اصلاح سے ہے وہ تو ایسا متروک ہوا کہ عوام تو عوام علماء کی ایک بڑی تعداد بھی اس سے بے تعلق ہو گئی۔ صرف اعمال ظاہرہ کی پابندی ہی میں دین کو منحصر سمجھ لیا گیا۔ صدق و اخلاص، توحید و توکل، صبر و شکر، قناعت و زہد، تقویٰ کے الفاظ صرف زبانوں پر رہ گئے۔ حب جاہ، حب مال، نخوت و غرور، ریا و غضب، کینہ و حسد جیسے قبیح اور مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کی فکر بھی دلوں سے محو ہو گئی۔

معصیت کے نتائج

معصیت کبیرہ نہایت ہی بری چیز ہے اور مہلک ہے اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے، وہ وقت اور گھڑی بندے کے واسطے نہایت ہی مبغوض اور منحوس ہے جس میں یہ اپنے خدا کا نافرمان ہوتا ہے۔ اگر حس ہو تو فوراً معصیت کرنے کے بعد قلب پر ظلمت محسوس ہوتی ہے اور بعض نافرمانی کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے عمل کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ معصیت میں ایک اور خاصیت یہ بھی ہے کہ اس کے محکوم بھی اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔

مصیبت معصیت کی علامت

جو مصیبت کہ گناہ کی سزا میں پہنچتی ہے، اس میں پریشانی محسوس ہوا کرتی ہے اور جو رفع درجات کیلئے ہوتی ہے، اس میں پریشانی نہیں ہوتی۔

دل کے تباہ ہونے کی علامتیں

فرمایا دل کے تباہ ہونے کی علامتیں یہ ہیں:

۱۔ وعظ کر کے دل خوش ہو۔
۲۔ تعلقات ماسوی اللہ (اللہ کے سوا دیگر تعلقات) میں دل پھنسا ہو۔
۳۔ یکسوئی سے کورا ہو۔
۴۔ نماز پڑھنے میں حظ نہ آتا ہو۔
۵۔ وعظ جتنا چاہے کہہ لے اس میں مزہ آتا ہو۔
۶۔ جلسوں میں شرکت کیلئے فوراً تیار ہو جائے۔

رذائل کا امالہ کرنا چاہئے

فرمایا حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی تحقیق ہے کہ رذائل نفس کا ازالہ نہ کرے بلکہ امالہ کردے۔ بخل رہے بخل ہی مگر اس کا محل بدل دے۔ اور فرمایا بخل سخاوت کی ماں ہے۔

اپنے عیوب پہچاننے کے طریقے

اپنے عیوب کو پہچاننے کے چار طریقے ہیں (۱) رہبر کامل (۲) ایسے ساتھی مل جائیں جو اس کے عیوب پر نگاہ رکھیں (۳) دشمنوں سے سن سن کر عیوب معلوم ہو جاتے ہیں (۴) دوسروں میں کوئی برائی دیکھے تو اپنے اندر غور کرے اور ہو تو نکالے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اپنے عیوب پوچھے۔ صحابہ کرام نے اپنے آپ کو حضور اکرم ﷺ کے سپرد کیا ہوا تھا ان کے بعد پھر آپس میں پوچھا کرتے تھے۔

وکونوا مع الصادقین کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صادق لوگ ہمیشہ ضرور رہیں گے۔ کوئی زمانہ ان سے خالی نہ ہوگا۔ جب تک یہ آیت موجود ہے صادقین کی معیت کا حکم باقی اور صادقین کا ہونا بھی ضروری۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی فرمایا ہے:

مصائب کے وقت دستور العمل

دنیوی مصائب کو گناہوں کی سزا سمجھو یا ایمان کی آزمائش مگر ہر صورت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو گئے ہیں۔ کیونکہ یہ تجربہ شدہ بات ہے اس سے تعلق ضعیف ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ تعلق دائمی ہو جاتا ہے۔

پریشانی کا علاج

پریشانی کا علاج رضائے خالق کی سعی ہے۔ پریشانی کا سبب ہمیشہ معصیت ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا کی نافرمانی ہے۔

رنج و غم کا علاج

ایسے شخص کو تلاش کیا جاوے جس میں پانچ اوصاف ہوں:

۱۔ دل سے اپنا خیر خواہ ہو محب و ہمدرد ہو۔

۲۔ عاقل ہو اور اگر صاحب تجربہ بھی ہو تو سونے پہ سہاگہ۔

۳۔ راز دار ہو۔

۴۔ بے تکلف ہو اگر اس کی رائے میں آپ کی غلطی ہو تو وہ اس کو محبت سے ظاہر کر دے۔

۵۔ اگر دیندار ہو تو نور علیٰ نور ایسا شخص مل جانے کے بعد کسی غم و فکر کا بوجھ اپنے دل پر نہ رکھا جاوے بلکہ ہر واقعہ کو جس سے خفقان بڑھنے لگے اس پر ظاہر کر دیا جایا کرے خود اس اظہار ہی میں خاصیت ہے کہ غم خفیف ہو جائے گا اگر وہ کچھ تسلی دے یا کوئی مناسب تدبیر بتلا دے تو غم اور خفیف ہو جائے گا۔

تمام اعمال کی جڑ اخلاق ہی ہے کسی نے ظلم کیا یا سخت کلامی کی تو اس کا منشا تکبر ہے۔

تجویز پریشانی کی جڑ ہے

فرمایا سارے دکھ اور پریشانی کا مدار یہی "تجویز" ہے کہ انسان اپنے لئے یا اپنے متعلقین کے لئے ایک خیالی پلاؤ پکا لیتا ہے اور اگر پہلے سے کوئی تجویز نہ ہو تو پریشانی بھی پاس نہ پھٹکے۔

راحت کا نسخہ

فرمایا تم اپنی طرف سے نہ بلا تجویز کرو نہ راحت بلکہ جو وہ تجویز کریں اس پر راضی رہو۔

غیر اختیاری پریشانی مضر نہیں

فرمایا جس پریشانی میں اپنے اختیار کو دخل نہ ہو وہ ذرا بھی مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔

غیر اختیاری پریشانی مجاہدہ ہے

فرمایا پریشانی غیر اختیاری واقعی مجاہدہ اور خیر ہی خیر ہے اور پریشانی اختیاری میں نور نہیں ظلمت ہوتی ہے اور فرمایا جس مصیبت سے انقباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو، تسلیم و رضا زیادہ ہو۔ وہ حقیقت میں مصیبت نہیں۔ گو صورت مصیبت ہے اور صورت مصیبت رفع درجات و امتحان محبت کے واسطے ہے۔

اصلاح یہ ہے

غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہونا اور اختیاری امور میں ہمت کرنا اس میں

جو کوتاہی ہو جائے اس پر استغفار اور توفیق کی دعا کرنا اصلاح ہے۔ غیر اختیاری امور کے لئے صرف دعا ہی طریق ہے۔

اختیاری کام کی فکر غیر اختیاری کام سے بے فکری

فرمایا یہ قاعدہ کلیہ عمر بھر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو امور اختیار میں ہوں اور فضول نہ ہوں' ان کا تو قصد کرے اور جو اختیار میں نہ ہوں' ان کا ہرگز قصد نہ کرے۔ پریشانی تو ایسے شخص کے پاس نہیں پھٹک سکتی' خدا سے اپنا دل لگائے رکھے' پریشانی میں آدمی عبادت نہیں کر سکتا' جمعیت بڑی دولت ہے۔ مگر پھر پریشانی بھی وہی مضر ہے جو اپنے اختیار سے لائی جائے۔

نصف سلوک

فرمایا غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہوں اور اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرو یہ نصف سلوک ہے۔

دفع پریشانی کی توقع نہ رکھو

فرمایا پریشانی کے رفع ہونے سے تو امید ہی منقطع کر لینی چاہئے کیونکہ آپ تو پریشانی کیلئے پیدا ہوئے ہیں یہ تو جنت میں پہنچ کر ہی ختم ہو گی۔

خیالات و وساوس کا علاج

غیر اختیاری وساوس کے دفع کا قصد نہ کیا جاوے' بلکہ اپنے کام میں زیادہ متوجہ ہونے سے وہ سب از خود دفع ہو جائیں گے۔

مجلس : ۲۹

اصلاح قلب کا طریقہ

سابقہ ہفتہ حضرت حارث محاسبی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سنائے تھے انھیں کے ملفوظات آج بھی سنا رہا ہوں' اللہ نے ان حضرات کو باطنی امراض کا ڈاکٹر بنایا تھا جو ان امراض کی رگ رگ سے واقف ہیں اور باطن کے روگ کا خوب علاج بتاتے ہیں۔

قلب کی اہمیت

فرمایا! حدیث میں ہے : انسان کے بدن میں اللہ نے ایک گوشت کا ٹکڑا دل رکھا ہے۔ وہ ساری چیزوں کا مدار ہے' وہ ٹھیک ہے تو سارا بدن ٹھیک ہے۔ وہ خراب ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اس کو آج کے اطباء بھی جانتے ہیں کہ دل کمزور ہو تو سارے اعضاء صحیح ہونے کے باوجود کام نہیں کرتے' دل پر صحت کا مدار ہے اسی طرح باطن کی صحت کا مدار بھی دل پر ہے یہ صحیح ہو تو خلاف شرع کام سے بچ جاتا ہے اور دل غلط ہو تو خلاف شرع کام صادر ہوتے ہیں۔ دل ٹھیک ہو تو آنکھ کان ہاتھ پیر سب صحیح کام کرتے ہیں اور دل غلط ہو تو آنکھ زبان کان سب غلطی کرتے ہیں۔

قلب کی تندرستی اور بیماری

دل کی تندرستی کیا ہے؟ اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق ہے' اللہ سے غفلت اس کی بیماری ہے جتنا تعلق مع اللہ بڑھے گا دل تندرست ہوگا اور سارے اعضاء ٹھیک کام کریں گے اور دل کا تعلق صحیح نہ ہو اللہ سے غافل ہو تو سارے اعضاء غلط کام کریں گے۔ نماز سے گھبرائے گا ناچ رنگ کو اچھا سمجھے گا قرآن سے بھاگے گا فضول

باتوں میں مزا آنے کا غرض دل کی صحت گناہوں سے بچاتی ہے مشین کا انجن دوسری طرف چلے تو پرزے دوسری طرف کیسے چلیں گے دل تو دنیا پرستی میں لگا ہے' خدا راضی ہو ناراض ہم تو کوٹھی بنائیں گے اگر کوئی فلاں عہدہ حاصل کرتا ہے رسول کی ناراضی کی کیا پرواہ ہے کسی سے خلاف شرع بات کرو' رشوت دو' جھوٹ بولو خدا اور رسول کی پرواہ نہیں ہوتی چونکہ دل کا رخ دوسری طرف ہے بس ان خواہشات کو پورا کرنے کی فکر ہے' دل کے ماتحت سارے اعضاء ہیں اس کی درستگی کیسے ہوتی ہے؟ یوں تو خدا اپنی شان سے کسی کو نواز دے یہ الگ بات ہے مگر کام تو عمل سے ہوتا ہے اور دل کی درستگی کا عمل کیا ہے ایک اللہ کی یاد اور کثرت سے ذکر اللہ دوسرے صحبت اہل اللہ۔

اہل اللہ کی صحبت

تو ذکر اللہ بھی کام نہیں دیتا جب تک صحبت اہل اللہ نہ ہو' سب سے زیادہ موثر چیز یہی ہے۔ ان کی صحبت سے ہی ذکر اللہ کی توفیق بھی ہو جاتی ہے' جیسا باطن کا اثر ظاہر پر آتا ہے ایسے ہی ظاہر کا باطن پر آتا ہے مثلاً دل تو غافل ہے اللہ سے اور زبان سے روزانہ اللہ اللہ کر رہا ہے تو کسی نہ کسی وقت دل بھی قابو میں آ جائے گا جس کا دل غافل ہو' اہل اللہ اس کے لئے وظائف بتاتے ہیں دل پر توجہ نہیں زبان کو کام دو۔ پھر اس کا اثر دل پر بھی آئے گا ایک عالم درویش سے کہا گنتی تو بے گنے کرتے ہو اور تسبیح گن گن کر کرتے ہو بات تو درویشانہ ہے مگر بزرگوں کی صحبت کا اثر ہے کہ جواب میں کہا اللہ کا نام اتنی دفعہ لینا نفس کو پابند کرنے کے لئے ہے کہ اتنی بار تو نام لینا ہی پڑے گا کیونکہ نفس بے قابو ہے ذرا دیر میں کہہ دے گا ہو گئے بہت زیادہ دیر ہو گئی اس لئے اس کے کید سے بچنے اور مطالبہ پورا کرنے کے لئے گنتی رکھی ہے۔

اصلاح قلب کیلئے وقت نکالنے کا طریقہ

کہنے کی بات یہ ہے کہ قلب کی درستی ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ سے ہوتی ہے

آج کہاں سے لاؤ یہ چیزیں سارا دن فرصت نہیں ٹائم ہی نہیں ملتا جواب دیا ٹائم اس لئے نہیں کہ اللہ نے تندرستی دے رکھی ہے ابھی ذرا کان میں درد ہو جائے سارا ٹائم نکل آئے گا۔ وقت تو نکالنے سے نکلتا ہے بعض لوگ انتظار میں رہتے ہیں فرصت کی، جب فرصت ہوگی تب ذکر اللہ کریں گے تم تو فرصت کا انتظار کر رہے ہو اور فرصت تمہارا انتظار کر رہی ہے عمر بھر تم کو فرصت نہیں ملے گی یہ تو نکالنے سے نکلے گی گھر کی ضروریات کے لئے مقدمہ کے لئے دوا کیلئے نکالتے ہو۔ صحبت اہل اللہ کے لئے کیوں نہیں نکالتے جس مالک نے سب کچھ دیا ہے نفس کی خاطر تو چوبیس گھنٹے میں سے کتنے نکالتے ہو۔ اللہ کے شکر کے لئے کتنا وقت نکالتے ہو۔ وقت نکلتا نہیں ہے نکالا جاتا ہے نفس سے مطالبہ کرو کہ آرام اور کھانے کمانے اور بچوں میں کتنا وقت لگاتا ہے اور ذکر کے لئے کتنا مقرر کیا۔ حضور ﷺ نے تو دن میں دو تہائی اور رات میں دو تہائی اللہ کی یاد کیلئے نکالا ہے تم چوتھائی آٹھواں کچھ تو نکالو آٹھواں حصہ جو بہت کم ہے وہ تین گھنٹہ ہے اس میں بھی بہت کچھ کر سکتے ہو۔ اب یہ سمجھ لو کہ ادنیٰ درجہ آٹھواں حصہ یعنی تین گھنٹہ ہے جس میں نفس کی بیوی کی کاروبار کی کوئی شمولیت نہ ہو اب اس میں اگر سب نمازیں بھی شامل کر لو تو بہت خشوع سے دو گھنٹہ ہوتے ہیں تین نمازوں کے علاوہ ایک گھنٹہ نکالو اس لئے کہ علاج کرنا ہے دل کا۔ ہمارا دل بیمار ہے۔ اب اس میں کیا کرو، سب سے اچھا یہ ہے کہ کسی اللہ والے سے رابطہ پیدا کرو اپنی باگ اس کے ہاتھ میں دیدو جب تک ڈاکٹری رائے سے علاج نہ کراؤ گے صحت کاملہ نہ ملے گی۔

دین کا ضروری علم حاصل کریں

پہلے دین کے مسائل معلوم کرو، حضور ﷺ نے کس چیز کے لئے کیا حکم فرمایا کس سے اللہ راضی ہوتے ہیں کس سے ناراض جب تک راستہ معلوم نہ ہو تو چلو گے کہاں ایک زمانہ تھا کہ مسلمان گھرانوں میں دین ہوتا تھا کچھ ماں کو آتا ہے کچھ باپ کو آتا ہے سارے فرائض و واجبات بچہ ماں کی گود سے لیکر آتا تھا آج آٹھویں جماعت تک جو دینیات اسکول میں ہے وہ مسلمان بچہ کو تین سال کی عمر میں سیکھنا چاہئے اب گھر

عمل بھی آئے گا مگر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدو جب تک استاد نہ ہوگا صرف کتابوں سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکو گے اور ذکر اللہ میں سب سے بڑا ذکر تلاوت قرآن ہے مگر شروع شروع میں ہر شخص سے تلاوت نہیں ہوتی اس لئے صوفیائے کرام اذکار بتاتے ہیں تاکہ تلاوت کے لئے میدان صاف ہو جائے۔

اعمال کی درستی قلب کے تابع ہے

اعمال کی درستی قلب کے تابع ہے اور قلب کا تعلق اللہ کے ساتھ ہو جائے یہ ہے قلب کی صحت اس کا راستہ سب سے پہلے علم حاصل کرنا پھر ایسے کاموں سے بچنا جن سے اللہ اور رسول ناراض ہوں اور اس کا آسانی سے حاصل ہونا یہ ہے کہ کسی بزرگ کو تلاش کر لو محنت کرو ایسا آدمی مل جائے گا دنیا اللہ والوں سے خالی نہیں ہے تم اپنے جسمانی مرض کیلئے کیسے اچھے سے اچھا حبیب تلاش کرتے ہو اور اللہ والے سے عمل سیکھنے کے دوران ہی تم کو ذکر کی توفیق ہو جائے گی۔ حضرت تھانوی ؒ فرماتے تھے جس ذکر سے تمہارے قلب کو راحت ملے وہی ذکر پہلے اختیار کر لو۔ اس کو دل قبول جلد کرے گا۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ایک کلمہ زبان پر جاری رکھو یہ کر کے دیکھو انقلاب آجائے گا دل میں اگر ہم تو کرتے ہی نہیں کوئی چیز خواہ پاس یا دور ہو چلنا ہر شکل میں پڑتا ہے جب قدم ہی نہ اٹھاؤ گے کیسے ملے گی۔

اصلاح قلب ضروری ہے

آج کا حاصل یہ ہے کہ قلب کی اصلاح ضروری ہے آخرت کی نجات دنیا کی عافیت چاہتے ہو تو قلب کی اصلاح کرو۔ قلب باطنی چیز ہے اس کا قابو میں آنا آسان نہیں اس کا علاج بعض اوقات دوسرے طریقہ سے کرتے ہیں جیسے انجکشن کہ دوسرے راستہ سے دوا داخل کرتے ہیں اسی طرح قلب کو ٹھیک کرنے کے لئے پہلے جوارح کا عمل صحیح کرو۔ ہاتھ پاؤں آنکھ کان زبان کو ذکر اللہ میں لگاؤ۔ یہ علاج دیرپا نہیں جیسے انجکشن مگر فوری رسخ بیماری کا اس سے پھر جاتا ہے۔ فرائض کے بعد نوافل

تک مساجد میں تلاوت میں عادت سے زیادہ وقت لگاؤ بہت سے لوگ عبادات میں زیادہ وقت لگاتے ہیں مگر علم دین زیادہ نہیں ہوتا ان کو چاہئے پہلے علم دین حاصل کریں غرض دل کے امراض کا علاج علم دین، ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ ہے۔

نفس کے حیلے بہانے

آج ہمارا نفس کہتا ہے اللہ والے کہاں ہیں وہ مولوی الگ یہ عالم الگ سب میں کیڑے ہیں ہم نے سب مولویوں کو دیکھ لیا سب دوکاندار ہیں یہ نتیجہ محض نفس کا دھوکہ ہے۔ جب یہی بات ہے تو بتاؤ کون سا ڈاکٹر مخلص ہے کونسا وکیل مخلص ہے سب پیسہ کھینچنے والے ہیں کون تمہارا اصل خیر خواہ ہے ہزاروں لاکھوں میں ایک ایسا ہوگا جو خیر خواہی کرے گا۔ جب خود غرضی اتنی ہے تمہارا نفس یہ کبھی کہتا ہے کہ سارے ڈاکٹر مطلب کے ہیں اب علاج ہی چھوڑ دو۔ جو ہمارا جی چاہے گا کھائیں گے پئیں گے جب سارے وکیل مطلبی ہیں تو چھوڑ دو ان وکیلوں کو ہم خود اپنا مقدمہ لڑیں گے دودھ خالص نہیں ملتا چھوڑ دو دودھ کو، پانی پینا شروع کر دو۔ آٹا خالص نہیں چھوڑ دو مٹی کی روٹی پکاؤ۔ نہیں دنیا کے معاملہ میں چاہے ایک کے دو خرچ کر دیں جہاں چیز اچھی ملے لائیں گے جو ڈاکٹر اچھا ہو، اس کے پاس جائیں گے۔ وہاں شیطان یہ نہیں بتاتا کہ سارے ڈاکٹر چھوڑ دو۔ دین کے لئے بتاتا ہے سارے مولوی چھوڑ دو۔ اس لئے کہ سارے مولوی چھڑا کر شیطان خود اس کا مولوی بننا چاہتا ہے اللہ والے اس دنیا میں آج بھی ہیں اللہ کا وعدہ ہے کہ ایسے لوگ ضرور ملیں گے دودھ کا وکیل کا وعدہ نہیں اللہ کا وعدہ صادقین کی صحبت کا بہت جگہ ہے اور یہ وعدہ قیامت تک کے لئے ہے سچے لوگ اگر قیامت تک ملنے والے نہ ہوتے تو اللہ کا یہ وعدہ نہ ہوتا۔ گھی، آٹا اور دودھ خالص ملنے کا وعدہ اللہ نے نہیں کیا، ہاں اللہ والوں کے لئے ضرور وعدہ ہے۔
ایک دھوکہ شیطان کا یہ ہے کہ جب ہم کبھی کسی عالم کی تلاش میں نکلتے ہیں تو معیار ذہن میں ہوتا ہے۔ عمر ؓ اور جنید ؒ کا جو اس کے خلاف ہو اس کو متقی ہی نہیں سمجھتے یہ نہیں خیال کرتے کہ تم خود کہاں پڑے ہو ان کے زمانے کے آدمی بھی ایسے ہی تھے جیسے بزرگ اور جیسی روح ویسے فرشتے آج جیسے تم عیوب سے بھرپور ہو ان میں

سے ہی کچھ بھر حل سکتے ہیں۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ نہیں آئیں گے جنید و شبلی نہیں آئیں گے امام غزالی نہیں آئیں گے۔ آج کوئی یہ کہے ”بیمار ہوں مگر علاج کراؤں گا اجمل خان سے“ تو پھر وہ مر جانے کا مشتاق ہوگا۔ ہاں یہ دیکھو کہ ان کا شاگرد ہو یا ان کے شاگرد کا شاگرد ہو ان کے اصولوں پر علاج کرنے والا ہو۔ بس اس کو پکڑ لو۔

اہل اللہ کی علامات

جو شخص شریعت پر مضبوطی سے چل رہا ہے چاہے عمل میں کوتاہیاں ہو جاتی ہوں مطلوب میں کمزوری ہو۔ بس بڑی بات یہ دیکھو کہ دنیا کی فکر غالب نہیں ہے وہ دنیا میں کھویا ہوا نہیں ہے آخرت کی فکر غالب ہے، حالت یہ ہو کہ اکثر گناہوں سے بچنے کی فکر ہو یہ نہیں کہ گناہوں سے بالکل پاک ہو۔ ہاں بچنے کی فکر ہو، اللہ کی یاد غالب ہو، بس وہ تم کو پہنچا دے گا اللہ کے راستہ پر۔ دوسرے یہ کہ اس کی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کی یاد آئے۔ علم دین بقدر ضرورت پڑھا ہوا ہو۔ حلال حرام سے بچنے کی فکر میں لگا ہو۔ اس کے ساتھ رہنے سے دنیا کی یاد کم آئے دین کی فکر زیادہ ہو، خدا یاد آئے، دنیا سے انقباض کم ہو وہ سونا ہے وہ سونا ہے اگر اس میں کوئی عیب بھی ہے اس کی طرف نظر نہ کرو۔ وہ تمہارے لئے کافی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں جب میں اپنے استاد کے پاس جاتا تو راستہ میں دعا کرتا اے اللہ میرے استاد کا کوئی عیب مجھ پر ظاہر نہ ہو یہ نہیں کہ عیب نہ ہو بلکہ عیب ظاہر ہوا تو وہ تو توبہ کر کے پاک ہو جائے گا میرے دل میں جو نقص پڑ جائے گا وہ ٹھیک نہ ہوگا۔ غرض آج کے شیخ کی خصوصیت یہ کیا ہے کہ آخرت کی فکر غالب ہو۔ اس کے ساتھ اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہو۔ علم دین بقدر ضرورت جانتا ہو بس اس کو پکڑ لو۔ اگر اس تلاش میں رہے کہ جنید آئیں گے تو وہ تو قیامت تک آئیں گے نہیں یہ توبہ کرو کہ جو لمبے کرتے بڑی داڑھی ہاتھ میں تسبیح والا دیکھا بس اس کے ہاتھ چومے بلکہ اوپر کی چمک بنیادی نہیں وہ ضرور سمجھ لو اور پرکھ لو پھر آنکھ بند کر کے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دو۔ غرض قلب کی صحت اللہ کا ذکر، اہل اللہ کی صحبت اور علم دین بقدر ضرورت حاصل کرنے میں ہے۔

مجلس : ۲۷

اللہ والوں کی محبت کا صلہ

حضرت کے ملفوظات کا کچھ حصہ ہے فرمایا خواجہ صاحب نے عرض کیا بزرگان
کا تعین دین کی دولت دینے میں سخی ہوتے ہیں کہ ہر مسلمان کو حصہ دین کا ملے مگر
اختیار میں تو بندوں کے ہے نہیں کہ سب مسلمانوں کو پہنچائیں یہ تو انبیاء کرام کا حصہ
ہے لیکن نائبین کو بھی کچھ حصہ ملتا ہے ان کی خواہش بھی یہ ہوتی ہے کہ تمام انسان
دین کی طرف آجائیں مگر اختیار میں ان کے یا کسی کے ہے نہیں ہدایت تو اللہ کے ہاتھ
میں ہے تمام انبیاء کرام کے دلوں میں یہ تڑپ ہوتی ہے چنانچہ قرآن پاک میں اللہ
پاک نے ارشاد فرمایا ہے "کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے اس غم میں یہ
اسلام کیوں نہیں لاتے" اس سے حضور ﷺ کے دل کی تڑپ کا اظہار ہوتا ہے
حضرت ابو طالب کے لئے کتنے متفکر تھے آخر وقت تک چچا سے کلمہ کے لئے فرماتے
رہے صرف کلمہ پڑھنے پر بڑا اصرار کیا مگر انہوں نے کہا کہ لوگوں کے انگلی اٹھانے کی
وجہ سے میں کلمہ نہیں پڑھتا۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ دین تمہارا ہی سچا ہے ایسے
ہی اللہ پاک اپنے مخصوص بندوں کو یہ داعیہ دیتا ہے ان کی فکر وہی ہوتی ہے جو انبیاء
کی فکر ہوتی ہے کوئی مانے یا نہ مانے" اس پر حضرت نے فرمایا اللہ والوں کی یہ برکت
ہوتی ہے کہ جو ان کو راضی رکھتا ہے اس پر اللہ پاک اپنا فضل فرما ہی دیتے ہیں کسی
بزرگ سے کچھ تعلق ہے تو اللہ پاک اس کو انعام دے ہی دیتے ہیں تجربہ کیا ہے۔

عالم کی تعظیم باعث مغفرت ہے

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل اور ایک شخص ایک نہر پر وضو کر رہے تھے امام
صاحب نیچے کی طرف تھے وہ مخالف طرف اس نے خیال کیا یہ بے ادبی ہے کہ میرے

وضو کا پانی ان کی طرف جا رہا ہے وہ اٹھا اور ان کے پیچھے کی طرف جا بیٹھا بس اتنا عمل
اس نے کیا ایک بزرگ کی انتقال کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا
پوچھا کیا گذری کہا اور تو کچھ میرے پاس نہ تھا صرف حضرت امام کے ایک دن کی تعظیم
کرنا کام آگئی اسی واسطے حدیث میں ہے کہ "کسی چھوٹے عمل کو چھوٹا نہ سمجھو نہ معلوم
اللہ پاک کو کونسا عمل پسند آجائے"۔ ہر نیک عمل میں خاصیت ہے مغفرت کی جیسے
طاقت کی بہت سی دوائیں ہیں سب کی خاصیت روح کو تازگی دینا ہے کسی نیک عمل کو
حقیر سمجھ کر چھوڑ نہ دو اگر وہ چند ہوں تو تمام اعمال جو بڑے سے بڑے ہیں ان سے
بھی بڑھ جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر گناہ میں خاصیت ہے عذاب کی اسی لئے چھوٹا
گناہ چھوٹا سا سمجھ کر نہ کر ڈالو نہ معلوم کس کا عذاب کبیرہ گناہ سے بھی بڑھ جائے آخر
لوگ سوال کرتے ہیں یہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ مطلب یہ ہے کہ نفس کو اشارہ مل
جائے صغیرہ ہے تو کر ڈالیں میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ اگر چھوٹے سانپ
چھوٹے بچھو سے ڈسوانا تم کو پسند ہے تو اس صغیرہ کو کر ڈالو۔ یہ بڑی اہم بات ہے اور
چھوٹی نیکی کی مثال ہے جیسے ایک شخص کو ہنس کر سلام کرنا یا بات کرنا یا نرمی سے
جواب دینا۔ کوئی شخص بات پوچھے اس کو توجہ اور بے توجہی سے جواب دینے میں
زمین آسمان کا فرق ہے ایک صاحب نے کہا نماز تو میں پڑھتا نہیں مگر چاہتا ہوں کہ
اذان سن کر کچھ دعا ہی کر لیا کروں اب اگر آدمی یہ سمجھے کہ نماز پڑھتا نہیں پھر دعا
پڑھنے کا کیا فائدہ؟ مگر میں نے اس کو بتا دیا بس اثر یہ ہوا کہ کچھ دن بعد وہ نماز
پڑھنے لگا یہ میرا خود کا تجربہ ہے ایسے ہی آدمی ایک برائی اختیار کرتا ہے تو دوسری
برائی خود آجاتی ہے۔

مشائخ کی نظر

فرمایا ظاہری اعمال پر بزرگوں کی زیادہ نظر نہیں ہوتی نماز روزہ زکوٰۃ حج یہ تو
محض ارادہ کا بدلنا ہے۔ بے نمازی ایک منٹ میں نمازی ہو سکتا ہے اور اسی طرح
فاسق ایک منٹ میں متقی ہو سکتا ہے اس پر بزرگوں کی نظر نہیں ہوتی چونکہ یہ بگڑے
ہوئے اعمال درست ہونا زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن بڑی چیز اخلاق باطنہ ہیں مثلاً تکبر

وغیرہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں یہ ارادہ کرلیں بھی کہ میں تکبر چھوڑ دوں تو چھوڑنا بہت
دشوار ہے اگر اس کو سمجھائیں کہ ایک ذرہ کبر ہوگا تو جنت میں نہ جائے گا مگر اس کے
دل سے نکلنا بڑا مشکل ہے وجہ یہ ہوجاتی ہے کہ یہ سب جاہل ہیں میں دین کا علم جانتا
ہوں یہ سب بے نمازی ہیں میں نمازی ہوں سب بے ڈاڑھی والے ہیں میں ڈاڑھی
رکھتا ہوں یہ کبر بڑی مشکل سے جاتا ہے جیسے سانپ بڑی کا رام ایک دم اس سے نہیں
نکلتا اول تو اس کا علم ہوتا کہ میں جب جاؤں گھر میں جب مال میں جلتا ہوں بڑا مشکل
ہے اور اگر علم ہوجائے تو اس کا نکلنا بڑا دشوار ہے۔ چنانچہ اعمال ظاہری کے چھوڑنے
پر اتنی پکڑ نہیں کرتے جتنی اعمال باطنہ پر توجہ ہوتی ہے چونکہ یہ بڑے نقصان کی چیز
ہے۔

ہاتھ چومنے کی رسم

فرمایا کہ مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنے کی رسم کو موقوف کرنا چاہئے چونکہ مصافحہ
سنت ہے اور چومنا گو جائز ہے مگر سنت تو نہیں اس لئے کہ چومنا دل کے جذبہ سے
ہوتا ہے اب جذبہ کسی وقت ہے اور کسی وقت نہیں اور جس وقت جذبہ نہ ہو غلبہ نہ ہو
اور پھر چومے تو یہ ریاکاری ہے اور پھر یہ بجائے ... کے تعذب ہو جاتی ہے بعض
وقت اعتقاد ہوتا ہے جوش نہیں ہوتا ہاں کسی وقت جوش ہو تو منع نہیں مگر جوش بھی نہ
ہو اور دکھاوا ہو یا دوسروں کو تکلیف ہوتی ہو تو اس حالت میں مصافحہ بھی منع ہے۔

مجلس : ۲۸

فلاح کی حقیقت

فلاح نام ہے مکمل کامیابی کا یعنی جو چیزیں مانگے تو وہ سب چیزیں مل جائیں جن تکالیف سے نجات چاہے تو ہر طرح نجات مل جائے کیا ایسا اس دنیا میں کسی کو مل سکتا ہے؟ کسی آدمی کو یہ مکمل کامیابی اس دنیا میں ممکن نہیں ہے یہ مکمل کامیابی تو آخرت میں مل سکتی ہے اسی کا وعدہ قرآن میں بے جا ہے۔ آج کل دنیا والوں نے پیسہ ملنے کو فلاح سمجھ رکھا ہے۔ ایک شاعر نے اپنی بیوی سے پوچھا نماز کیوں پڑھتی ہے اس نے کہا اس لئے کہ جنت ملے گی۔ اس نے کہا بے وقوف تجھے وہاں بھی کمزور غریب ہی ملیں گے دیکھو ہم دوزخ میں جائیں گے جہاں بڑے بڑے آدمیوں کا ساتھ ہوگا۔ دراصل فلاح نام ہی مکمل کامیابی کا ہے اور یہ آخرت میں حاصل ہوگی۔

نماز میں کامیابی

اصل بات یہ ہے کہ کامیابی نماز سے حاصل ہوتی ہے۔ بے نمازی آدمی کتنا ہی حسین ہو اس کے چہرہ پر رونق نہیں آتی۔ نمازی کتنا ہی کالا ہو مگر رونق چہرہ پر ظاہر ہوتی ہے۔

غفلت اور بے حسی

دل کی حس جب ختم ہو جاتی ہے تو اسکو برائی برائی نظر نہیں آتی بے فکری ہو جاتی ہے برائیوں سے بچنے کی فکر کرتا رہے پرواہ نہیں رہتی جس طرح بے ہوش کا بدن کاٹ دو تو خبر نہیں ہوتی اسی طرح دل کی حس جس کی ختم ہو جائے اس کو کچھ تمیز نہیں رہتی مگر ایک دن جب ہوش آئے گا تو بدن کے زخموں اور تکالیف کا پورا احساس

آجائے گا آج ہاتھ جلتا ہوا نظر نہیں آتا اس لئے کہ حس ماری گئی ہے نشہ کب اترے
گا جب ہمارا ظاہری ہوش جائے گا۔ جب آنکھیں ظاہری بند ہوں گی تب باطنی
آنکھیں کھلیں گی جیسے سونے والے کو کچھ خبر نہیں ہوتی اس کے آس پاس کیا ہو رہا
ہے۔ ہر انسان سو رہا ہے اور بیدار جب ہو گا جب اس کو موت کی ہچکی آئے گی سونے
والے کو نفع نقصان کا کچھ پتہ نہیں چلتا' ہاں جب بیدار ہو گا تب سب معلوم ہو جائے
گا۔

حقائق کا پتہ بھی جب ہی لگے گا۔ ہندو بھی مجاہدے کرتے تھے آنکھیں بند
کرکے' چاہے انکو آخرت میں کچھ نہ ملے مگر دنیا میں بھی ایک لذت ان کو ملتی تھی۔
آج دل کی حس ماری ہوئی ہے جھوٹ بولیں سچ بولیں کچھ فرق نظر نہیں آتا ہے گناہ
ہمارے لئے کھلونا و مذاق بن گئے ہیں دل پر ایک نکتہ سیاہ لگ جائے اس وقت وہ بھاری
معلوم ہوتا ہے بار بار اس کی طرف نگاہ جاتی ہے تکلیف دہ ہوتا ہے پھر اگر کپڑے پر دو
چار دس بیس پچاس نکتے لگ جائیں تو پھر اس کو احساس نہیں ہوتا بلکہ اور نکتے پڑ جائیں
تو بھلا معلوم ہوتا ہے اسی طرح پہلے گناہ پر اگر متنبہ ہو گیا تو اس کو توبہ سے دھو دیتا ہے
پھر بار بار نکتے پڑ کر سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے جس طرح سانپ کاٹے ہوئے کو نیم کھلا دو
تو اس کو کڑوا نہیں لگتا دل کی حس مرنے سے اچھے برے کی تمیز جاتی رہتی ہے۔

گناہوں کی آگ

گناہوں کی آگ دوزخ کی آگ ہے جو دلوں پر غالب آجاتی ہے اس کا اصل
محل قلب ہے یہ بدن کو نہیں جلاتی اس کا مرکز دل ہے جیسے بجلی کے تار کو پکڑ لیا ہو
بدن نہیں جلا دل پر اثر ہوا زندگی ختم ہو گئی' ظاہرا کچھ نہیں معلوم ہوا۔ اللہ پاک نے
فرمایا۔ اس کی آگ اللہ کی آگ ہے' یہ دلوں کو کھاتی ہے جہنم کی آگ کیا ہے اس کی
تفصیل قرآن میں ہے آگ میں ڈال دیا تو پھر دل کو کھانے کا خصوصی ذکر کیوں ہوا
سارے بدن میں دل بھی داخل ہے پھر دل کا ذکر کیوں ہے اس کا اصل جواب یہ ہے
کہ دنیا کی آگیں جتنی ہیں وہ دل سے پہلے جسم کو نقصان پہنچاتی ہیں یہاں تک کہ دل پر
آگ پہنچنے سے پہلے ہی وہ مر جائے گا زندگی کی حالت میں آگ دل تک نہیں پہنچ

سکتی اس لئے دوزخ کی آگ پہلے دل پہ پہنچے گی چونکہ موت تو وہاں آئے گی نہیں اس لئے براہ راست اس کا اثر دل پہ ہو گا جس شخص کا دل پر اثر ہو وہ آگ کیسی ہوگی؟ جیسوں کا مال کھانے کو آگ کے انگارے کہا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تو خوب مزے سے عیش اڑا رہا ہے بات یہ ہے کہ اس بے ہوشی کی حالت میں اس کو پتہ نہیں آنکھ بند ہوتے ہی پتہ لگ جائے گا کہ وہ ساری آگ تھی۔ ظاہری جسم کو نہیں چھوتی براہ راست دل پہ جاتی ہے دل کی حس ماری جاتی ہے۔

گناہ گاروں کو سکون نہیں

اور دعویٰ ہے کہ گناہگار کا دل کبھی چین سے نہیں رہ سکتا ہمیشہ بے چین رہے گا کروڑوں روپے کے مالک کو دیکھ کر دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ بڑے مزے میں ہے ارے وہ کم نصیب راحت کو جانتا ہی نہیں۔ دن رات فکر و غم میں جلتا ہے فلاں جہاز نہیں آیا وہ مشین ٹوٹ گئی ہے۔

جز بخلوت گاہ حق آرام نیست — ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست

راحت تعلق مع اللہ میں ہے

جہاں اللہ کی یاد ہوتی ہے بس فکروں غموں جھگڑوں سے نجات ہے تو وہاں ہے جس کا تعلق اللہ پاک سے جڑ گیا بس راحت اس کو ملی۔ یہ کام کرنے کا ہے اگر بے فکری چاہتے ہو تو اللہ سے تعلق جوڑ لو ؎

جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہو جائے

اللہ کو اتنا یاد کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں۔ ارے جو دیوانہ نہیں ہوا وہ دیوانہ ہے ورنہ فرزانہ تو وہی ہے جو دیوانہ ہو جائے اور جس نے اللہ سے رشتہ جوڑ لیا وہ دنیا میں بھی فلاح پاتا ہے اس کا اللہ پاک نے قرآن میں وعدہ کیا ہے ہم اس کی دنیا میں بھی مدد کریں گے۔

ہر تکلیف پر جب نظر اللہ پہ ہو کہ یہ میرے اللہ نے میرے لئے پسند کیا ہے تو

پھر وہ تکلیف نہیں رہتی جسم کو اگرچہ تکلیف ہو مگر دل ان کا مطمئن رہتا ہے بخلاف
عوام کے کہ جسم کو تکلیف کم ہو یا زیادہ مگر ذہن بہت خوفزدہ اور پریشان ہوتا ہے اللہ
پاک حکیم بھی ہیں اور رحیم بھی ہیں ہر تکلیف پر اگر سوچے کہ اس تکلیف کا انجام اللہ
نے بہتر رکھا ہے تو اس کا حال وہ ہو گا کہ آپریشن کرانے خود ہسپتال جاتا ہے ڈاکٹر سے
کہتا ہے خوشامد کرتا ہے چونکہ جانتا ہے کہ آپریشن سے وقتی تکلیف ضرور ہے مگر پھر
آرام آجائے گا تو اس کو آپریشن سے کیا اثر ہو گا ایک آدمی چھرا مار دے اور ایک ڈاکٹر
چاقو سے آپریشن کرے تکلیف پریشانی کس میں زیادہ ہے؟ ڈاکٹر کے چاقو سے پولیس کو
بلا وجہ بھاگ دوڑ گاؤں کو سے کچھ نہیں اگرچہ اس سے کم زخم کسی کے چاقو مارنے سے آئے
تو کتنی بھاگ دوڑ دشمنی ٹاکی گالی ہوتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل ؒ کے جب
کوڑے لگتے خون نکلتا تو کہتے ہم کو وہی چیز پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھی ہے۔
خلاف طبع بات جب ہوتی تو حضور ﷺ فرماتے۔

مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَاءْ لَمْ يَكُنْ.

(حق تعالیٰ نے جو چاہا وہ ہوا اور جو کچھ نہ چاہا وہ نہ ہوا)

کیا آسان نسخہ ہے غموں سے نجات پانے کا ساری قلبی تکلیف دور ہو جاتی
ہے جس کی نظر اللہ کی طرف نہ ہو تو دنیا بھر کے لڑائی جھگڑے نزاع پیدا ہو جائیں۔ جو
آدمی یہ سمجھ لے کہ دوست کی بھلائی اور دشمن کی برائی اللہ کے حکم سے ہو رہی ہے تو
کسی سے لڑائی جھگڑا نہ ہو۔

ایک دفعہ حضرت کے کوئی درد تھا "يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ارْحَمْنِي"
بار بار کہا پھر خیال آیا یہ درد بھی تو رحمت ہے اللہ کی اس لئے کہ مومن کو جب
تکلیف مرض مصیبت آتی ہے اس کے بعد اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں درجات
بڑھتے ہیں لہذا طبعی برداشت نہ ہو تو اس کی درخواست اللہ سے کر سکتا ہے "ارحمنی"
بھی کہہ سکتے ہو مگر یہ کہو کہ:

یا اللہ! میں اس رحمت کے برداشت کرنے کے قابل نہیں اس سے نجات
آرام دینے اور آرام کی رحمت عطا فرما۔ اگر آدمی کے سر پہ دو من بوجھ رکھ دے اور
کہے یہ تمہارا ہے مگر سر پر سے نہ اتارو تو کیا گوارا کرو گے برائی ختم کرو گے یہ کہہ کر مجھ

سے اتنی برداشت نہیں اس سے کم دیدو۔

اللہ کا تعلق بڑی نعمت ہے

خلاصہ یہ ہے کہ تعلق مع اللہ بہت بڑی چیز ہے یہ اپنے کو عاقل کہنے والے عاقل نہیں یہ سارے دنیا کے لوگ نابالغ ہیں جس طرح نابالغ کو شہوت کی لذت نہیں معلوم' وہ کیا جانتے جو رمیں کیا ہے۔ سوائے اس کے جو ہوا وہوس سے چھوٹ جائے' آنکھیں صحیح کھل جائیں تو دنیا میں کوئی چیز حاصل کرنے کی نہیں' سوائے اللہ سے تعلق کے باقی سب فنا ہے۔ سب یہاں رہ جائے گا۔

آخرت کی کرنسی

ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتے ہو اس کا سکہ وہاں بازار میں نہیں چلتا' ہر ملک کی الگ کرنسی ہے اگر وہاں کے ملک کی کرنسی پاس ہے تو وہاں سودا مل سکتا ہے۔ اللہ کی رضا سب سے بڑی کرنسی ہے آخرت کیلئے اس سے بڑھ کر دنیا میں کچھ نہیں اس کو حاصل کرو' فقط آخرت کا نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس سے کامیابی ملتی ہے کس کی مجال ہے کہ اللہ جس کیساتھ ہو اس کو کوئی پریشان کرے۔ دنیا میں جتنی بڑی سے بڑی فلاح مل سکتی ہے وہ اللہ کے ساتھ تعلق جوڑنے میں مل سکتی ہے چین آرام سکون سب اسی میں ہے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اس کے احکام کی تعمیل کرنے میں اسی کا نام تقویٰ ہے جن چیزوں کو اللہ نے منع فرمایا ہے اس سے بچے جس کے لئے حکم دیا ہے وہ کرے۔

علمی اور عملی قوت میں کمی

فرمایا ہماری قوت عملیہ اس لئے کمزور ہے کہ قوت علمیہ کمزور ہے نماز میں اٹھنے میں تساہل کیوں ہے اس کا علم نہیں یقین نہیں کہ آخرت میں خدا کے سامنے جواب دینا ہے کھڑے ہو کر حساب دینا ہے۔ نماز کی صفوں کے آگے پیچھے والوں میں

جو فرق ہے اس کے درجات کیا ہیں۔ صرف اس کا اشارہ کیا ہے درجات نہیں بتائے۔ فرمایا اگر لوگوں کو پتہ لگ جاتا کہ صف اول میں کیا درجہ ہے تکبیر اولیٰ کی کیا فضیلت ہے تو جھگڑے ہو جاتے قرعہ اندازی ہوا کرتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر آگے جا کر کہا کہ قوم تو پیچھے آرہی ہے میں اس لئے آگے آیا کہ آپ راضی ہو جائیں۔

تو ہمارا عقیدہ کمزور ہے کہ ہمارے آگے اور پیچھے جانے کو اللہ پاک دیکھ رہے ہیں اگر گناہ کا وبال پورا معلوم ہوتا تو کوئی گناہ صادر نہ ہوتا جیسے زہر کے اثر کا علم ہے کبھی آزمائش کے لئے بھی نہیں کھایا جس کو اللہ اور رسول ﷺ نے بتایا غیبت کا ایذا رسانی کا زنا کا آزادی کا سم قاتل ہے اس کا کوئی شعبہ بھی ہو مار کر ہی چھوڑتا ہے اگر علم آ بھی جاتا ہے تو یاد نہیں دھیان نہیں رہتا اس لئے کرتے چلے جاتے ہیں اس کو جیسے اوپر سے گرنے کا علم ہے تو کوئی آزمائش کے لئے بھی گر کر نہیں دیکھتا بہت سوں کو تو معلوم بھی نہیں کہ گناہ کا کیا عذاب ہے اور معلوم بھی ہو تو اس کا یقین پورا نہیں تو علم کی کمی عمل کی کمی بن جاتی ہے۔

خلوت کی حقیقت

فرمایا خلوت کے معنی ہیں دل خدا کے ساتھ رہے اگر مجمع میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کریں تو وہ بھی ذکر کی فہرست میں ہے اللہ فرماتے ہیں کوئی مجھے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اس کو دل میں یاد کرتا ہوں اور کوئی مجھے مجمع میں یاد کرے تو اس سے بہتر مجمع میں اس کو یاد کرتا ہوں ایک قانون بتا دیا تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا جب تم چاہو کہ اللہ مجھے یاد کرے یا میری مدد کو آئے بس اس کی یاد کرنے لگ جاؤ اس سے ایک بات نکلی کہ ذکر خلوت سے ذکر جلوت بہتر ہے بشرطیکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانا اور دعوت و تبلیغ مقصد ہو کہ دوسرے بھی اس ذکر میں شامل ہو جائیں اس لئے دونوں طرح ذکر کرنا خلوت میں اور جلوت میں دونوں کا معمول رکھے اور اصل بات یہ ہے کہ دل اگر تنہائی میں لگے ذکر کرنے میں تو وہ بہتر ہے ایک آدمی کو خلوت میں خیالات پریشان کرتے ہیں یا نیند آتی ہے اس کے لئے مجمع بہتر ہے مگر مجمع نیک ہو اور ایک آدمی

مجمع میں بیٹھنے سے تو نیند آتی ہے پھر اس کو خلوت بہتر ہے۔

بے علم کے لئے سب سے بہتر راستہ

اور جس کو علم دین نہ ہو اس کے لئے سب سے بہتر نفع یہ ہے کہ نیک لوگوں میں بیٹھے اہل اللہ کی صحبت زیادہ سے زیادہ حاصل کرے اپنی تسبیحات اور ذکر سے بڑھ کر یہ ہے کہ دین کی معلومات ہوں جن کو حلال حرام کی تمیز ہے جو دین سے مس ہے ان کو خلوت میں وقت نکال کر ذکر کرنا چاہئے اور عوام کیلئے یہ ہے کہ پہلے وہ حلال حرام معلوم کریں گناہ و ثواب معلوم کریں ایک زبان کے گناہ بہت ہیں اور اس کے علاوہ بھی کبیرہ بہت ہیں جیسے چوری اور زنا۔ کسی کے راز کو فاش کر دیا کسی کی کرید اور راز معلوم کرنے میں ۱۱ رعیب ہیں کسی پر تہمت باندھ دی کسی کی غیبت کی یہ کبیرہ گناہ ہیں جیسے سود شراب چوری غرض عوام کے لئے بہتر یہی ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھیں چونکہ اصل مقصد رضائے الٰہی ہے تعلق مع اللہ ہے لہذا دل خدا کے ساتھ وابستہ کر دو۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے آمین!

مجلس: ۲۹

اصلاح و تربیت کی باتیں

بری نظر کا علاج

حضرت تھانوی ﷫ کے ملفوظات میں ساری کتابوں کا نچوڑ ہے بڑے کام کی چیز ہے کسی شخص نے نظر بازی کا علاج دریافت کیا فرمایا کہ "بجز ہمت و تحمل کے اور کوئی علاج نہیں" جب تک ہمت نہ کرے کام نہ ہوگا' جتنی اپنی طاقت ہے اتنا کرو اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد چاہو' جو اپنی کوشش کرنے کو تیار نہیں' تو اللہ تبارک وتعالیٰ مدد کو کیسے آئے 'کسی پر نظر پڑنا فطری عمل ہے قرآن حکیم میں اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ اپنی نظر نیچی رکھا کرو اور اس جگہ نہ جاؤ جہاں غیر محرموں پر نظر پڑے اس کے باوجود اگر کسی ایسی جگہ سے گذر جاؤ تو نظر نیچی کر لو پھر اگر کسی پر پڑ جائے دوبارہ نہ دیکھو' خواہ نفس کا تقاضہ دوبارہ دیکھنے کا ہو اور اس نفس کو مارنے کا ایک بڑا اجر ہے کہ اس کا دل نور ایمان سے بھر دیا جائے گا۔

گواہی دینے کا حکم

ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ باوجود جاننے کے کوئی شخص عدالت میں شہادت نہ دے اس ڈر سے کہ عدالتوں میں بڑی پریشانی ہوتی ہے خود شاہد ہی مصیبت میں پھنس جاتا ہے' گواہی دینا خود کو عذاب میں ڈالنا ہے جیسا کہ آج کل عام ہوتا ہے' فرمایا کہ اپنے آپ کو ضرر سے بچانا جائز ہے عرض کیا چاہے اس میں دوسرے کا بھلا ہوتا ہو تو فرمایا کہ اپنا نقصان نہ ہوتا ہو اور دوسرے کا بھلا ہو تو ٹھیک ہے' دوسرے کو بچانے کیلئے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا ضروری نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص اتنا صابر ہو اور تحمل والا ہو تو بہت بڑا نفع ہے لیکن واجب اور ضروری نہیں۔

بدعتی کے سوالوں کا عجیب جواب

فرمایا' میری عمر ۲۰ سال کی تھی فارغ التحصیل ہو کر جوناگڑھ کے دارالعلوم میں گیا رمضان کا زمانہ اور مئی کا مہینہ اس وقت ہمت اور طاقت بھی تھی' سفر میں روزے رکھے ساتھ ہی چھوٹی لائن کا سفر تراویح جماعت کیساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کرا دی' جوناگڑھ پہنچے غروب آفتاب کا وقت تھا پہلے مسجد میں گئے افطار کیا ہی تھا کہ نماز کے بعد سوالنامہ آگیا' اس میں کیا خیال ہے' اس میں کیا کہتے ہیں' مطلب یہ کہ اور تھا' بحمداللہ ہم تو جب گئے لوگوں نے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ دیوبند کا نام نہ لینا' ہم کو دکھ ہوا مگر حق تعالیٰ کا انعام اور اکرام ہے کہ دیوبند اور دارالعلوم کے نام سے ساری تقاریر ہوئیں تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک بدعتی نے مجھ سے کچھ تحریری سوال کئے اور ان کا مقصود عوام میں مفتی کو بدنام کرنا ہوتا ہے تو بدعتی کے سوالوں کا جواب میں نے دیا کہ اگر مسائل کی تحقیق منظور ہے تو کتابیں موجود ہیں' حوالہ یہ ہے اور اگر مناظرہ کرنا ہے تو فن فساد سے میں ناواقف ہوں۔

دعا وہ ہے جو دل سے نکلے

ایک دعا کی درخواست پر فرمایا کہ میرا کام دعا ہی کرنا ہے جس کو جس کام میں لگا دیکھتا ہوں دعا کرتا ہوں دعا اپنے اختیار میں نہیں دعا تو وہ ہے جو دل سے نکلے' بھئی جس کی دعا لینی ہے اس کو خوش کرو۔ آرام پہنچاؤ خود دلوں سے دعا نکلتی ہے اس لئے فرمایا کہ جس کے ماں باپ زندہ ہوں اور وہ اپنے آپ کو نہ بخشوائے وہ نہایت نکما ہے اس لئے کہ ماں باپ بغیر خدمت کے بھی دعا کرتے ہیں پھر خدمت سے اور دعا نکلتی ہے۔ وہ کام کریں جس سے وہ خوش ہوں' ہمارے اکابر اس سے خوش ہوتے ہیں کہ دین کے کام میں مشغول ہوں آخرت کے کام میں لگیں:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾

قرآن کی دعا ہے تفسیروں نے کی ہے "ہمارے اہل وعیال کو ہماری آنکھوں

کی ٹھنڈک بنا دے"۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ یہ دین کے کام میں لگیں۔ یہی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے انبیاء کی دعا ہے استجاب کی دعا ہوتی ہے سمجھ لیجئے۔ اس سے بڑی دعا ان کی نظر میں نہیں تھی اہل و عیال کے لئے جو انہوں نے طلب کی ہے اور جن کو ہدایت نہیں ہے وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ ہمارا لڑکا لندن سے ڈاکٹری پاس کرے کوٹھی بنگلہ ہو مگر اصل ٹھنڈک اور اولاد کی دائمی راحت' اللہ کی اطاعت ہے اور یہی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

ہمارے استاد میاں صاحب سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ کشف و کرامت والے بزرگ تھے ایک مرتبہ میں نے ان کی منشاء کا کام کیا بہت خوش ہوئے دل سے دعائیں دیں پھر فرمایا دعا وہی ہے جو خود دل سے نکلے' جو کسی کو خوش کرے گا اس کی دعائیں لے گا۔

اخلاق کی درستی اصل چیز ہے

فرمایا کہ واللہ مجھے غلطیوں پر تغیر نہیں ہوتا۔ جو طالب آتے ہیں وظائف سے زیادہ ان کے اصلاح اخلاق پیش نظر ہوتا ہے ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوتی رہتی ہے' حضرت خواجہ صاحب بڑے لاڈلے تھے لکھنؤ میں ملازم تھے اتوار کی چھٹی تھی ہفتہ کی شام کو چلے صبح کو پہنچے' زیارت کے بعد ہی روانہ ہوگئے' پوچھا کہ صرف ملاقات کیلئے اتنا بڑا سفر' فرمایا کہ صرف ایک لمحہ کی زیارت مجھے سارے خرچوں اور سارے اوقات سے زیادہ قیمتی ہے۔

حضرت بڑے بڑے علماء کو ان کی غلطی پر ضرور اصلاح کرتے تھے' بلکہ بعض کو نکال دیا کرتے تھے خانقاہ سے ایک ڈپٹی کو نکال دیا وہ سوچنے لگے تو فرمایا کہ ابھی جاؤ انہوں نے کہا کہ گاڑی کا وقت نہیں' فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ اور بستر کے لئے مزدور کی بھی ضرورت نہیں چنانچہ بستر سر پر اٹھایا اور باہر چلے گئے روتے روتے چلے گھر پہنچے ہی تھے کہ حضرت کا خط ملا کہ اب آجاؤ پھر خوشی کی حد ہی نہ رہی اور بس اصلاح ہوگئی' سالکین کو اسی طرح رگڑ رگڑ کر مانجھا جاتا تھا آج کل تو یہ ہے کہ بس

وظائف چلے گئے اور دل میں کبر بے رہا ہے سارے جو اعمال چھوٹ پڑے تو ہاتھ سے وضع داریوں کے وہاں اپنی جگہ قائم رہے۔

بے پروائی سخت مضر ہے

فرمایا کہ واللہ مجھے غلطیوں پر تغیر نہیں ہوتا بلکہ جس پر تغیر ہوتا ہے وہ ایک تو بے پروائی اور ایک دھٹائی گناہ کر رہا ہے ندامت بھی ہے تو قابل برداشت ہے ہماری بڑی غلطی یہی ہے کہ گناہ کرتے رہتے ہیں اور ندامت دل میں نہیں ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سب خطاؤں میں ملوث ہو بہتر وہ ہے جو توبہ کرے تو جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے یہ الفاظ ہیں تو ہم کس گنتی میں ہیں' بے پروائی اور خود رائی یہ سب سے بڑا کبر ہے۔

میرے ایک دوست نے مجھ سے ملنے کا وقت لیا میں نے بہت دیر انتظار کیا کام میں بھی حرج ہوا نہ وہ آئے اور نہ ہی ان کی اطلاع آئی اگلے دن ہنستے ہوئے آئے اور آکر بیٹھ گئے' مجھے بہت غصہ آیا' معذرت بھی نہ کی' یہ بڑی تکلیف دہ چیز ہے۔ بے شمار لوگ اس میں مبتلا ہیں' وعدہ کرتے ہیں اور دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں پھر ندامت بھی نہیں کم از کم معذرت اور ندامت سے دوسروں کا غصہ تو کم ہو جاتا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ اعمال میں بے پروائی کی سخت پکڑ ہوتی ہے' نماز کا وقت ہے باتوں میں بیٹھے رہیں بڑے سخت پکڑ کی بات ہے۔ حدیث میں ہے کہ قعدہ اخیرہ بھی مل جائے تو جماعت کا ثواب ہے اس لئے کہ کوشش تو کر لی اسے اب چاہے جماعت نہ بھی ملے پھر بھی جماعت کا ثواب ہے وقت پر چلے اور پھر بھی جماعت نہ ملے تو کچھ نہیں ہاں وقت پر نہ گئے اور وقت نکل رہا ہے بے فکری کے ساتھ پھر گئے اور روئے دھوئے تو فرمایا کہ روتا ہوا جہنم میں ڈال دیا جائے گا گناہ کے معاملہ میں بے فکری بڑی پکڑ کی بات ہے۔

خود رائی زہر ہے

فرمایا کہ ایک ہے تجربہ اور دوسرے خود رائی کہ جو دل میں آیا کر ڈالا اول تو سب کے لئے مضر ہے لیکن سالکین کے لئے زہر ہے مثال اس کی یہ ہے کہ ڈاکٹر نے کچھ پرہیز بتایا اور آپ اس کے خلاف کریں تو مرض کا جانا تو الگ اور مہلک حد تک آپ پہنچ جائیں گے اور مر جائیں گے یہی حال ہے اس کا جو اصلاح کا طالب ہے خود رائی کا وہاں کوئی دخل نہیں۔

فرمایا کہ معاملات صرف بازار کے نہیں اپنے گھر کے معاملات میں بھی ہدایت کا تعلق ہے دوسرے کے سامنے آدمی تہذیب سے ہی رہتا ہے اصل اخلاق وہ ہیں جو گھر والوں میں کرتا ہے عیب اور ثواب تو اس میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ آپ کی ہر اچھائی اور برائی سے واقف ہے اگر آپ اس کے لئے اچھے ہوئے تو سب کے لئے اچھے ہوئے۔

فرمایا کہ بزرگوں کی کرامتوں میں سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ شریعت پر کون کتنا زیادہ چلتا ہے جتنا درجہ حضور اکرم ﷺ سے متابعت میں زیادہ ہے اتنا ہی درجہ اس کی بزرگی کا ہے۔

فرمایا کہ حضرت گنگوہی ؒ کی ساری ہدایت یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ کس طرح چلتے تھے کس طرح سوتے تھے کس طرح بیٹھتے تھے وہی اختیار کرو۔

اتباع سنت

دیوبند میں ایک بزرگ تھے حضرت عابد حسین ؒ گرمی میں مشکیزہ بھر کر سڑکوں پر لوگوں کو پانی پلاتے پھرتے تھے حالانکہ بڑے رئیس تھے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لیجا رہے ہیں اور بہت مخلوق پیچھے ہے ان میں حضرت گنگوہی ؒ بھی ہیں مگر سب لوگ دوڑ رہے ہیں مگر حضرت گنگوہی ؒ آہستہ آہستہ چل رہے ہیں میں نے کہا حضرت آپ بھی دوڑیئے فرمایا کہ نہیں میں تو نقش قدم دیکھ دیکھ کر چل رہا ہوں دیر میں پہنچوں وہ بات الگ ہے مگر اتباع اصل بنیادی چیز ہے رات

پھر جاگ کر عبادت کرتا رہے ور ایک نحو حضور اکرم ﷺ کی اتباع بہت بلند چیز ہے
فرمایا کہ ایک سنت اقتداء میں جانے کی رضا ہزاروں نفلی عبادتوں سے بہتر ہے اس میں
نور اور برکت ہی ور ہے۔ ایک صاحب روضہ اقدس ﷺ کے سامنے حاضر تھے دل
میں نادم تھے ان پر رعب تھا روضہ اقدس ﷺ کے قریب نہ جا سکے دور کھڑے
رہے جو لوگ مرتبہ جانتے ہیں وہ ادب کا معاملہ کرتے ہیں روز کر جالی کا چمٹنا اور چیز
ہے اور محبت روضہ ﷺ سے قدم آگے نہ بڑھنا اور چیز ہے جس کو جتنا تعلق آپ
ﷺ سے ہو گا اتنی ہی اس پر جلال کی کیفیت اور ہیبت دل پر ہوگی لوگ دھکے دے کر
آگے بڑھتے رہے یہ بیچارے پیچھے کھڑے سلام پڑھتے رہے دل میں حسرت بھی تھی
کہ لوگ آگے بڑھ رہے ہیں دل میں فوراً ایک ندا ہوئی "جن لوگوں سے قریب وہ ہیں
جو ہماری سنت پر عمل کرتے ہیں جو ہماری سنت پر عمل نہیں کرتے وہ چاہے ہماری
جالیوں سے چمٹے ہوئے ہوں دور ہیں اور یہ بھی سنا کہ لوگوں سے کہہ دو ہماری قربت
اور دوری ہماری اتباع میں ہے۔ حق تعالیٰ جس کو عشق دیتا ہے اس کو اتباع محمدی
ﷺ عطا کر دیتا ہے۔

فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب حج کا سفر کرتے تھے تو جس راستہ سے
حضور اکرم ﷺ سفر کرتے تھے اسی راستہ اسی منزل اسی طرح اترنا اسی جگہ کھانا
بلکہ بعض جگہ پیشاب کے لئے آپ اترے پیشاب نہ آتا تھا مگر بیٹھ جاتے۔ یہ احکام
نہیں مگر جس کو عشق ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کی کیا لذت ہے اور اس کے ثمرات
بھی وہی جانتا ہے کرنے کی بات سنت کا اتباع ہے حضور کی عظمت اور اتباع اللہ پاک ہم
سب کو عطا فرمائے۔ اور اتباع بھی ہر وقت کی نہ کہ تقریر اور چند دن کر کے اور چاہئے یہ
سنت ہماری زندگی میں داخل ہو جائے ہر کام میں اتباع سنت کا لحاظ ہو اس میں
ہمارے اوپر اور خصوصاً حضرت گنگوہی قدس سرہ اس کے خاص عاشق تھے ساری فکر
اسی کا عشق اور اسی شغل میں ساری زندگی ختم کر دی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سن ۵۷ء میں ان تمام بزرگوں نے جہاد
کیا تھا۔ تھانہ بھون ایک مستقل حکومت قائم شاملی تحصیل پر قبضہ کر لیا تھا اسلامی حکومت کا
جھنڈا لگ گیا تھا مگر منظور خدا کچھ اور ہی تھا۔ انگریز غالب آئے اور پھر پھانسیاں

دو سزائیں دی گئیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے۔ حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ روپوش ہو گئے اور تین دن بعد نکل آئے لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ کے لئے خطرہ ہے فرمایا کہ مجھ سے اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا، میرے محبوب تو تین ہی دن روپوش رہے تھے پولیس تلاش میں تھی آپ سادہ لباس میں رہتے تھے پولیس نے مسجد میں آکر آپ سے پوچھا کہ مولانا قاسم کہاں ہیں آپ ایک قدم پیچھے ہٹ گئے اور کہا کہ ابھی تو یہیں تھے پولیس والے تلاش کر کے واپس چلے گئے۔

ایک زمیندار دوسری علاقہ کا انگریزوں سے ملا ہوا تھا اور وہ نشان دہی کرتا تھا سینکڑوں کو اس نے پھانسی دلوا دی "الشفق" سے اس آوارگی اور ظلم کے باوجود حضرت کا معتقد تھا۔ جب حضرت عدالت میں پیش ہوئے تو کہا کہ ارے تو کہاں آگیا ملا! انگریز اس پر اعتبار کرتے تھے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا ارے یہ تو ہماری مسجد کا ملا ہے، چھوڑ دو اسے۔

فرمایا کہ ناجائز شہوت سے نقصان تو ہوتا ہی ہے جائز شہوت میں بھی غلو کرنے سے بہت نقصان وہ ہوتا ہے اس لئے کہ اس سے طبیعت کا نشاط جاتا رہتا ہے دین کے کام میں نقص واقع ہو جاتا ہے بالخصوص سالک کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

اہل حق کی پہچان

فرمایا کہ وہ کیا اہل حق ہے جس کی غیر پر نظر ہو غیر اللہ پر جب نظر ہوگی تو حق پر نظر نہ ہوگی جو آفتاب کو دیکھ لے اس کی نظر میں ٹمٹماتا ہوا دیا کیا آئے گا؟ اور اللہ جل شانہ کی مثال تو ایسی بھی نہیں۔

فرمایا کہ حضرت آپ مریدین کی تعداد کیوں نہیں بڑھاتے اس سے دین کا فروغ ہوگا فرمایا سارے مخلوق پر وہ توجہ کرے جس کی خالق پر نظر نہ ہو، حق خود سب سے بڑی طاقت ہے اگر عالم بھر میں صرف ایک حق اور سارے جہاں والے اہل باطل ہوں تو وہ بھی ان سے مرعوب نہ ہوگا اور دنیا میں ہوا بھی یہی ہے کہ ساری دنیا باطل پر تھی اور ایک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تھی اور پورا بھروسہ تھا کہ حق ہی باطل پر غالب آئیگا۔ اور شروع اسلام میں مسلمانوں کو تکالیف پہنچائی گئیں،

ابتداء میں تین سال تک چھپ کر تبلیغ ہوتی رہی پھر قرآن میں حکم اعلان آگیا۔ پھر ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ حق ساری دنیا پر غالب آگیا اور اگر حق میں یہ قوت بھی نہ ہو تو وہ حق ہے ہی نہیں۔

ایک مرتبہ (ندوہ میں جہاں دین اور دنیا کی تعلیم کی بھی بنیاد ڈالی گئی تھی یہ نظریہ بھی برابر تھا) حضرت مولانا یعقوب صاحب ؒ سے کسی نے عرض کیا تھا کہ دین کی تعلیم کے ساتھ دنیا کی تعلیم بھی جاری کرا دیجئے تو فرمایا کہ ناپاکی کے ساتھ بھی پاکی جمع نہیں ہوتی۔ دین کے ساتھ دنیا کو اگر جوڑا جائے تو تجربہ یہ ہے کہ صرف دنیا ہی رہ جاتی ہے نیز دین کی تعلیم الگ ہو پھر دنیا کی بعد میں ہو جائے معاش کے لئے تو جائز ہے۔ چنانچہ ندوہ میں تعلیم کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت گنگوہی ؒ کے پاس لوگ آئے حضرت نے فرمایا کہ اصول و مقاصد تو ٹھیک ہیں لیکن دل تو نہیں لگتا کہ دین بھی پورا ہو جائے اور دنیا کی تبلیغ بھی آپ نے یہ دل کو نہیں لگتا لہٰذا میں اس میں نہیں آسکتا آپ جو کریں میں اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ لیکن پھر لوگوں نے دیکھا کہ انگریزی تعلیم غالب آگئی اور دین صرف ایک علم بن کر رہ گیا اور عمل سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ مولانا عبدالماجد اور مولانا سلیمان ؒ وغیرہ تھانہ بھون آئے تو دیکھا کہ یہاں تو رنگ ہی اور ہے اور دین تو یہ ہے چنانچہ بیعت کی اور پھر ندوہ کی اصلاح کی فکر ہوتی طے ہوا کہ کوئی عالم جا کر اصلاح پر مامور کیا جائے لوگوں نے میرے لئے تجویز کیا کہ ان کو ندوہ بھیج دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ ندوہ کے لوگ یہ کہتے ہیں (وکالت اس کا نام ہے کہ اس کا پورا مطلب ظاہر کر دیا جائے اپنی طرف سے کوئی جملہ پسند یا ناپسند کا نہیں بڑھایا کہ جس سے مجھے آپ کی پسند یا ناپسند کا احساس ہو) میں نے عرض کیا کہ حضرت میں کیا عرض کروں میں تو بچہ ہوں پھر شبہ کرتا ہوں کہ مجھ میں کوئی خامی ضرور ہے جو مجھ پر نگاہ پڑی اور ان کی اصلاح یہ مجھ سے نہ ہو گا۔ یہ تو خود بڑے بڑے چراغ ہیں مجھ پر ہی یہ لوگ غالب آجائیں گے اس پر فرمایا کہ اس سے بے فکر رہو حق کا ایک ذرہ بھی تمام ظلمت پر بھاری رہتا ہے مگر یہ میرا حکم نہ تھا اور تم نے مفید اور اچھا فیصلہ کیا جی میرا بھی یہی چاہتا تھا۔

چنانچہ حضرت صدیق اکبر ؓ نے جب مسیلمہ کذاب سے قتال کا فیصلہ کیا تو

تمام صحابہ کرام اس کے مخالف تھے یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اس کے
خلاف تھے مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے اور فرمایا کہ جماعت میں
اتنے سخت تھے اور اسلام میں ایسے کمزور ہو گئے فرمایا کہ جاؤ مجھے کسی ساتھی کی
ضرورت نہیں اور فرمایا کہ مجھے کسی جن یا انس کی شجر و حجر کی مخالفت کی پرواہ نہیں میں
تنہا جہاد کروں گا اور گھوڑے پر اکیلے سوار ہو کر چل دیے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ اب آپ مدینے میں بیٹھیں اور جہاد کے لئے ہم جاتے
ہیں آپ نے فرمایا نہیں میں جاؤں گا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ ہم دونوں
کے ساتھ ہے تو اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں اللہ پاک میرے ساتھ ہیں اور یہ قرآن
سے ثابت ہے اکیلا تم ظالم کے ساتھ تنہا کافی ہوں یہ کہہ کر سب وہ مجبور ہو گئے اور
چل دیئے۔

مجلس : ۳۰

تربیت میں اعتدال

ارشاد فرمایا کہ گنگوہ میں حافظ حسین علی ایک متقی بزرگ تھے۔ گنگوہ کی لال مسجد میں امام اور بچوں کے معلم تھے' ان کی بزرگی کے لئے تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شہادت کافی ہے کہ ایک مرتبہ ایک گاؤں کے لوگوں نے ان کو اپنے یہاں لیجانا چاہا' تو انہوں نے کہہ دیا کہ میں تو گنگوہی کا خادم ہوں' اپنے معاملے میں خود مختار نہیں' حضرت والا سے اجازت لے لو تو میں چلا آؤں گا' ان لوگوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ "واہ میاں: گنگوہ میں ایک ہی مسلمان ہے۔ وہی تمہیں دیدوں' یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

ان کے تقویٰ اور خشیت کا یہ حال تھا کہ بعض اوقات کسی کوتاہی پر بچوں کو مارنے کی نوبت آجاتی تو مارنے کے بعد سوچتے کہ شاید مجھ سے مارنے میں کچھ زیادتی ہوگئی ہو' اس لئے بچوں کو بلا کر کہتے کہ ہم نے تم کو مارا ہے۔ تم ہمیں مار کر اپنا بدلہ اتارلو' بعض شریر بچے اس کام کے لئے تیار بھی ہو جاتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب مجھے ان کے اس معاملے کی خبر ہوئی تو میں نے کہا کہ ان کے اس معاملے کا منشاء خوف خدا اور خشیت ہے' جو انسان کے لئے بہترین سرمایہ ہے' مگر اس طرز عمل سے بچوں کی تربیت خراب ہو جائے گی' وہ بے ادب ہو جائیں گے' اچھی صورت یہ ہے کہ اول تو مارنے کے وقت اس کا پورا خیال رکھیں کہ حد اور ضرورت سے تجاوز نہ ہو اور پھر دوسرے وقت ان کے ساتھ ایسا محبت اور شفقت کا برتاؤ کریں کہ وہ خوش ہو جائیں۔

تشریح: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت بنایا تھا۔ اگر ہر استاد اس طرح بچوں سے معافی مانگا کرے اور یہ کہا کرے کہ ہم نے تم کو مارا ہے۔ تم ہمیں مار لو' تو

پھر بچے تو بگڑ جائیں گے' ان کی تعلیم تو خراب ہو جائے گی' اب بچوں کو تنبیہ تو کرنی پڑتی ہے اس میں اس بات کا خیال رہے کہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے اور اگر تجاوز ور زیادتی ہو جائے تو بعد میں ان کی تسلی کرے۔ ان کو خوش کرے حضرت ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ اگر کسی کو ڈانٹا یا دھمکایا' یا اگر کسی کو کسی بات پر مار بھی دیا تو پھر بعد میں کسی وقت اس کی تلافی بھی کیا کرتے تھے' اس کی دلداری بھی کرتے تھے۔ کبھی اس کو پیسے دیدیئے کبھی اور کچھ دیدیا اس کا دل ٹھنڈا کرنے کا کچھ انتظام کر دیا۔

پائے استقلال کو بوسہ

بعض اوقات عمل غلط ہوتا ہے مگر اس کا مادہ صحیح اور قابل قدر ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی ؒ نے دیکھا کہ ایک شخص کو سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ اس شخص نے کیا جرم کیا تھا؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ ڈاکو ہے' اولاً چوری میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا' پھر بھی یہ چوری سے باز نہ آیا تو پھر بایاں پاؤں کاٹا گیا۔ لیکن پھر بھی یہ باز نہ آیا' تو اب سولی کی نوبت آئی' حضرت جنید بغدادی آگے بڑھے اور اس کے پاؤں کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اس کے پاؤں کو بوسہ نہیں دیا بلکہ اس کے وصف استقلال و استقامت کو بوسہ دیا ہے۔ جو اس کے نفس میں تھا۔ اگرچہ اس بیوقوف نے اس کو معصیت اور گناہ میں استعمال کیا۔ جس کی وجہ سے سزا پائی مگر ہم یہ سوچتے ہیں کہ کاش ہمیں بھی خیر و طاعات کے معاملات میں ایسی ہی استقامت نصیب ہو جائے۔

تشریح: اصل میں بات یہ ہے کہ ان حضرات کی نظر اصول پر ہوتی ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ اس شخص کے اندر استقامت کا مادہ تھا' اپنی بات پر جمنے اور اس پر قائم رہنے کا مادہ تھا مگر اس شخص نے اس مادے کو چوری کرنے میں استعمال کیا۔ ایک غلط کام میں استعمال کیا۔ اگر اس کو کسی اچھے کام میں استعمال کرتا تو یہ شخص کتنے بلند مقام تک پہنچ جاتا۔ حضرت جنید بغدادی ؒ نے اس مادے کے اعتبار سے اس کی تعظیم کی' اسی واسطے حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ جتنے اوصاف رذائل اور برے سمجھے جاتے

ہیں وہ اپنی ذات کے اعتبار سے فی نفسہ رذائل نہیں ہوتے، بلکہ غیر محل میں استعمال کی وجہ سے وہ رذیلہ بن جاتا ہے، مثلاً "غصہ" ایک رذیلہ ہے، مگر "غصہ" کی ضرورت ہے، اگر آدمی کے اندر "غصہ" نہیں ہوگا تو وہ جہاد کیسے کرے گا؟ اور کافر سے کیسے لڑے گا۔ اس لئے غصے کی ضرورت ہے، لیکن اگر غصے کو جائز استعمال کیا۔ اور حدود شریعہ کے اندر استعمال کیا تو وہ ثواب اور موجب اجر بن جاتا ہے۔

ہر چیز حد کے اندر اچھی ہے

ہر چیز کا معاملہ یہی ہے کہ جب وہ اپنی حدود کے اندر رہتی ہے تو وہ غلط نہیں ہوتی، لیکن جب حدود سے تجاوز کر جائے تو غلط ہو جاتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر "جنسی شہوت" رکھی ہے۔ یہ ایک قوت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اس پر توالد و تناسل موقوف ہے، ساری دنیا کے کاروبار اس پر موقوف ہیں، وہ کوئی غلط چیز نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کو غیر مصرف میں استعمال کرے گا تو وہ بہت بڑا گناہ ہو جائے گا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھا کہ اصل چیز استقامت ہے اور کسی عمل پر جمنا ہے ان بزرگوں کی نظر اس پر ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے مزاج میں تلون ہوتا ہے۔ جیسے "پری" بن گئے کل کو "بھوت" بن گئے۔ کبھی کچھ بن گئے کبھی کچھ بن گئے، ایسے لوگوں کی بزرگی کا بھی اعتبار نہیں ہوتا، ہم نے بہت سے آدمی دیکھے ہیں کہ جب نماز پڑھنی شروع کی تو اب نوافل بھی پڑھے جا رہے ہیں۔ تہجد بھی پڑھی جا رہی ہے، جماعت بھی ہے، مسجد بھی ہے، سب کچھ ہے اور دس دن کے بعد دیکھا تو سب کچھ غائب، نہ تہجد، نہ نوافل، نہ مسجد، نہ جماعت، اسی لئے حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

خَیْرُ الْعَمَلِ مَا دِیْمَ عَلَیْہِ وَاِنْ قَلَّ۔

یعنی بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت ہو اور استقامت ہو اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہی ہو۔

سبحان اللہ! ان بزرگوں کی نظر کس قدر عمیق اور گہری ہوتی ہے کہ ہر چیز کے

صدمہ کو ہر حال میں بچالیتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کے اندر جو جذبات اور ملکات رکھے ہیں۔ روائی جلد نمود ہوتے ہیں۔

تشریح: انسان کے اندر جتنے جذبات و ملکات اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں وہ سب اپنی جگہ محمود ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً چہرے پر تل ہے جس کو حسن کی بہت بڑی چیز کہی جاتی ہے اور اس چہرے کو بہت حسین سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس تل کو علیحدہ رہا ہے نکال کر دیکھے تو اس کو دیکھ کر گھن آئے اس لئے کہ وہ مجموعے کے اعتبار سے حسین چیز ہے۔
ان کو بیجا اور گناہوں میں استعمال کیا جائے تو گناہ کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ انہی کو ٹھیک کام میں استعمال کیا جائے تو انسان کے لئے اعلیٰ ترقیات کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس بات کی تائید حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے ایران کے خزائن اور آپؓ کی دعا

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب عراق فتح ہوا تو کسریٰ کے خزائن مسجد نبوی میں لاکر ڈھیر کر دیئے گئے۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ یا اللہ! آپ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ﴾

(سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۴)

ترجمہ: خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی مثلاً عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیاوی زندگی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

یعنی لوگوں کے دلوں میں خواہشات نفسانی کی چیزیں، عورتیں، بچے، سونا چاندی کے ڈھیر وغیرہ کی محبت ڈال دی گئی ہے۔ اس لئے میں یہ دعا تو نہیں کرتا کہ یہ فطرت بدل دی جائے، مگر میں یہ دعا کرتا ہوں کہ ان چیزوں کی محبت آپ کے راستے اور آپ کی رضا جوئی میں ہمارے لئے معین و مددگار ہو جائے۔

رذائل کا امالہ مقصود ہے

حضرت ﷺ نے اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اسی لئے ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ رذائل کا ازالہ مقصود نہیں، امالہ مقصود ہے، یعنی رذائل کے رذائل وجذبات کو خیر وطاعت کی طرف مائل کر دینا مطلوب ہے۔

تشریح: حضرت فاروق اعظم ﷺ سے زیادہ کون عارف ہوگا۔ اصل میں یہی لوگ حقائق ومعارف کو پہچاننے والے لوگ ہیں، چنانچہ مال لاکر مسجد نبوی میں جب ڈھیر کر دیا گیا تو روایتوں میں آتا ہے کہ وہ اتنا بڑا ڈھیر تھا کہ دوسری طرف کے لوگ حضرت فاروق اعظم ﷺ کو اس ڈھیر کی وجہ سے نظر نہیں آرہے تھے۔ سونا چاندی وغیرہ کا اتنا بڑا ڈھیر تھا، یہ زمانہ نبوت ورسالت کا تھا۔ اس زمانے میں آج کی طرح اسٹیٹ بینک کی کوئی بارہ منزلہ عمارت تو تھی نہیں، جس میں اس کو رکھا جاتا، وہاں تو مسجد نبوی ہی میں سب کچھ ہوتا تھا۔ سارا مال وہیں آتا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس مال کے آنے کے بعد حضرت فاروق اعظم ﷺ نے فرمایا کہ یہ مال اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کے لئے بھیجا ہے آپ حضرات کو اختیار ہے اس میں سے جتنا مال چاہیں، لے لیں، لیکن کوئی شخص اس کو لینے کے لئے نہیں اٹھا، پھر دوبارہ اعلان کیا، پھر بھی کوئی نہیں اٹھا، جب تیسری مرتبہ اعلان کیا تو اس وقت ایک نوجوان نے کہا کہ امیرالمؤمنین! آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم میں سے کسی کو اس کی حاجت اور ضرورت نہیں، ہم میں سے سب کو اس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اگر یہ مال ہمارے لئے آیا ہے تو پھر آپ کو یہ مال ہمیں دینا چاہئے۔ ہمیں ذلت کا ذریعہ کیوں بناتے ہیں کہ ہم خود اس مال کو لیں۔ آپ کو ہمیں خود دینا چاہئے آپ ہمارے درمیان تقسیم کریں۔ بہرحال، اس طرح مال کے

ساتھ معاملہ ہوا۔

فرشتہ اور انسان بنانے میں حکمت ہے

یہ تو آسان تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ دعا کرتے کہ یا اللہ! اس مال کی محبت ہمارے دلوں سے نکال دے۔ لیکن آپ نے یہ دعا نہیں کی۔ اس واسطے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ " زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین۔ " ان چیزوں کی محبت کو آپ نے انسان کے لئے فطری بنا دیا ہے تو اس لئے اگر میں یہ دعا کروں گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں آپ سے یہ درخواست کروں کہ آپ انسان کی فطرت بدل دیں اور اس کو فرشتہ بنا دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت سے انسان کو انسان بنایا ہے اگر وہ چاہتے تو سب کو فرشتہ ہی بنا دیتے' جس طرح فرشتوں میں بھوک' شہوات وغیرہ نہیں ہوتی ہیں۔ ان میں بھی نہ ہوتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کو الگ بنایا ہے۔ فرشتوں کی تخلیق کو الگ بنایا ہے حکمت کے ساتھ بنایا ہے اب اس کی حکمت کے خلاف دعا مانگنا بے ادبی ہے۔ لہذا یہ دعا مانگنا کہ یا اللہ! ہمارے دلوں سے مال و دولت کی' عورت کی' بیوی بچوں کی محبت نکال دے' یہ فطرت کو بدلنے کی دعا ہے یہ اصول کے خلاف ہے۔ اس لئے میں یہ دعا تو نہیں مانگتا۔ مگر یہ دعا کرتا ہوں کہ اس محبت کو اپنے کام میں لگا دے اور یہ مال کی محبت' بیوی بچوں کی محبت یہ سب آخرت کی نجات اور کامیابی کا ذریعہ بن سکتی ہیں مثلاً بیوی کی محبت کے ذریعہ آدمی گناہوں سے' نگاہ بد سے اور بہت سے شرور سے بچ جائے گا' اولاد کی محبت دل میں ہوگی ان کی تربیت اچھی کرے گا۔ ان کی پرورش اچھی کرے گا پھر وہ آگے چل کر ماں باپ کے لئے صدقہ جاریہ بنیں گے اسی طرح مال کی محبت اپنی ذات میں کوئی جرم نہیں ہے اللہ نے اگر کسی کو مال دیا ہے اور اس کی محبت بھی اس کے دل میں ہو تو یہ کوئی جرم نہیں بشرطیکہ وہ محبت اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر غالب نہ آجائے' بلکہ اس مال کی حفاظت کرتا اس کی قدر کرتا ہے۔ اس کا شکر ادا کرتا ہے۔

نعمت کی قدر

یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت ﷺ کا خط میرے پاس آیا اس میں لکھا تھا کہ میرے پاس سے چار آنے کے ڈاک ٹکٹ کسی لفافے کے اندر غلط چلے گئے ہیں کہیں آپ کے پاس تو نہیں پہنچ گئے ہیں؟ وہ ٹکٹ میرے پاس نہیں پہنچے تھے اس لئے میں نے جواب لکھ دیا۔ اب جیسے حضرت والا نے مجھے یہ بات لکھی' خدا جانے کتنے لوگوں کو لکھ کر یہ بات پوچھی ہوگی' چنانچہ جب میں تھانہ بھون میں حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ ایک دن کی ڈاک میں جتنے خطوط آئے تھے ان سب کو لکھ کر اس چار آنے کے ٹکٹ کے بارے میں معلوم کیا۔ یہ بات صحیح ہے کہ اس زمانے کے چار آنے آج کے چار روپے کے برابر ہوں گے لیکن آج چار روپے کی خاطر بھی آدمی اتنی تحقیق اور اتنا لمبا چوڑا کام نہیں کرتا۔ مگر وہاں تو یہ بات تھی کہ وہ چار آنے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کو ضائع نہیں کرنا ہے۔ مال کو ضائع ہونے سے بچانا ہے اگر مال ضائع ہو گیا ہے تو تلاش ضرور کرنا ہے۔ تلاش نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت سے اعراض کر رہے ہو۔ یہ تو چار آنے کا قصہ تھا۔ حضرت والا تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کبھی میرا ایک پیسہ بھی کہیں گر جاتا تو چند منٹ تک ضرور اس کو تلاش کرتا ہوں اس لئے کہ یہ اس کا حق ہے اگر اس کا حق ادا نہیں کیا تو ہم نے اس نعمت کی ناشکری کی۔

مال کی محبت حد میں نعمت ہے

بہرحال مال کی محبت اپنی حد پر رہے تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ میں ابھی یہ بات بیان کر رہا تھا' حضرت سفیان ثوری بڑے عابد و زاہد علماء میں سے ہیں۔ ان کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ کسی شخص نے ان کو دیکھا کہ حرم کے اندر مطاف میں نیم بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ کسی نے قریب جا کر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اب جواب کے لئے زبان سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ بڑی مشکل سے آہستگی سے

جواب دیا کہ "بھوک" گویا کہ بھوک کی وجہ سے اٹھنے کے قابل نہیں تھے، حالانکہ تین جگہوں پر ان کی تجارت تھی، مکہ مکرمہ میں ایک دکان تھی۔ ایک شاید کوفہ میں دکان تھی ایک دوکان کسی اور جگہ تھی وہ تجارت جاری تھی لیکن اپنے اوپر پیسہ خرچ کرنے کے بجائے اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ کر دیتے تھے اور خود فقر و فاقہ میں گزارتے تھے لیکن وہ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ

لو لا ھذہ الدراھم لتمندل بنا ھو لاء

یعنی یہ درہم و دینار جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیئے ہیں ہم اس کی قدر اس لئے کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے ہم اپنے دین کو بچاتے ہیں اور ان بادشاہوں کے محتاج نہ ہوں۔ ورنہ آجکل کے بادشاہ لوگ ہمیں اپنا رومال بنالیتے اور حرام کھا کھا کر ہم سے دینا ت پوچھتے یعنی حرام کھا کر اس کو حلال کرنے کے لئے ہم سے فتوے لیتے۔

کیونکہ ملکات ورذائل مثلاً شہوت و غضب وغیرہ یہ اپنی ذات میں مذموم نہیں شہوات کو حلال میں صرف کیا جائے اور قوت غضب کو شیطان اور کفر کے مقابلے میں خرچ کیا جائے تو یہی درجات عالیہ کا ذریعہ بن جاتی ہیں حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا۔

شہوت دنیا مثال گلخن است
کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

چند ارشادات

حق تعالیٰ تک پہنچنے کا طریقہ ہر شخص کے لئے ہے

میں حضرت ﷺ کی خدمت میں گیا تو ایک مایوسانہ انداز میں کہا کہ لوگ اس راہ پر بڑے مجاہدہ کرتے ہیں۔ میرے پاس تو مشاغل بہت ہیں اور کمزور آدمی ہوں اور جی یہ چاہتا ہے کہ جیسے اور لوگ سلوک طے کرتے ہیں مجھے بھی کچھ حاصل ہو جائے۔ حضرت والا ﷺ نے فرمایا کہ اس سلوک کے سفر کرنے کا کوئی خاص ایک طریقہ تو ہے نہیں بلکہ طریق الوصول الی اللہ بعدد انفاس ہیں یہ تو ضعیف کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہمت ہوئی پھر تھوڑا سا پڑھنے کو بتلا دیا کہ اس کے پڑھنے میں دیر تک نہیں لگتی۔ پھر بہت دن تک کئی دفعہ عرض کیا کہ اور کچھ بتلا دیں فرمایا وہی کافی ہے۔ بالآخر سب کو ذکر کرتے دیکھا تو اور شوق ہو جاتا۔ جا کر ذکر بڑھایا ورنہ وہی کافی ہو جاتا۔

صالح کی صحبت کو لازم کرنا

حضرت ﷺ نے حضرت تھانوی قدس سرہ کے حوالہ سے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شہر میں ضابطہ کے بزرگ اور بڑے نہ ہوں تو نیک سیرت اور صالح لوگوں کے پاس جایا کریں۔

ہمت سے کام لو

فرمایا گناہ کے پاس مت جاؤ۔ نفس کی بڑی نگرانی رکھو اور ہمت سے کام لو۔ بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو اور کم ملو اور کم بولو۔

اصلاح باطن کا طریقہ

فرمایا اعمال کی اصلاح اور باطن کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کے جذبات

کی مخالفت کی جائے اور اس کو مشقت کا عادی بنایا جائے۔

اصلاح امراء کا طریقہ

فرمایا امراء کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے ذرا استغناء کرے۔

ذکر کی تعداد نفس کیلئے ہے

فرمایا۔ مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی مرحوم سے کسی شاہ صاحب نے کہا کہ تم لوگ گناہ تو بے گنتی کے کرتے ہو اور ذکر الٰہی گنتی کیساتھ کرتے ہو۔ بات اچھے ڈھنگ کی کہی لیکن مولوی عبدالکریم صاحب بہت سمجھدار تھے انہوں نے فرمایا کہ ذکر کی گنتی اپنے نفس کے لئے کرتے ہیں تاکہ یہ پابند رہے۔ حیلے بہانے نہ کرے۔ اگر کم کرے تو پورا کرنے کا مطالبہ رہے۔ اس لئے اپنے معمول کے ناغہ ہونے کو پورا کرنا چاہئے۔

احباب کی وجہ سے ترک معمولات

فرمایا اگر تم دوستوں اور احباب کی وجہ سے معمولات کو ناغہ کرو گے تو ایک دن بالکل کورے رہ جاؤ گے۔

بلا تحقیق بات کرنا

حضرت سلطان الاولیاء ؒ کے یہاں دو آدمی مرید ہونے کو آئے تو حوض پر جا کر یہ گفتگو کی حضرت سلطان جی ؒ سن رہے تھے ایک نے کہا کہ یہ حوض ہمارے حوض سے بڑا ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا تم اپنا حوض ناپ کر آئے ہو انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر بڑا کیسے کہہ دیا۔ جاؤ پہلے اپنے حوض کو ناپ کر آؤ پھر اسے ناپو۔ تب مرید کروں گا۔ بس دور سے آئے تھے واپس گئے پھر واپس آئے اس مشقت میں قلب کی صفائی ہو گئی۔

مرزا قتیل کا قصہ

فرمایا غالباً مرزا قتیل کا قصہ ہے کہ وہ داڑھی منڈایا کرتے تھے' ایک شخص ان سے ملنے آئے اور از روئے نصیحت ان سے کہا کہ

آغا ریش می تراشی؟

ترجمہ: بھائی صاحب کیا داڑھی کترواتے ہو؟

مرزا قتیل نے جواب میں کہا

آرے ریش می تراشم 'لیکن دل کسے رانمی تراشم

ترجمہ: ہاں داڑھی کترواتا ہوں 'لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا۔

اس شخص نے فوراً کہا:

آرے دل رسول اللہ ﷺ می تراشی

ترجمہ: ہاں تم رسول اللہ ﷺ کا دل دکھاتے ہو۔

اس جملہ کا مرزا قتیل پر یہ اثر ہوا کہ بیتاب ہو گئے اور وجد کی سی کیفیت ہو گئی اور توبہ کی اور بزبان حال بار بار یہ کہتے تھے ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا باجان جاں ہمراز کردی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھ کو جزاء خیر دے کہ تو نے میری آنکھیں کھول دیں 'مجھ کو میرے محبوب کے ساتھ ہمراز کر دیا۔

سیر الی اللہ کا مطلب

فرمایا اصطلاح میں سیر الی اللہ کا مطلب مقامات کو حاصل کرنا ہے جس کا دوسرا عنوان اخلاق کی درستی 'صبر' توکل اور رضا وغیرہ ہیں۔

سیر فی اللہ کا مطلب

فرمایا سیر فی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ بعد درستگی 'اس میں تبحر پیدا کرنا جس کو حالات بھی کہتے ہیں 'اس کی عینی مثال یہ ہے کہ جیسے درسیات پڑھنا 'پھر پڑھنے کے بعد اس میں تبحر پیدا کرنا۔

دماغ کا علاج کراؤ

تھانہ بھون ایک صاحب آئے۔ نو سال مجاہدہ کیا تھا۔ ان کے شیخ نے سوکھی روٹی کھلا کر، پتھر پر لٹا کر مجاہدے کرائے تھے۔ ان کا دماغ خراب ہو گیا لوگ سمجھے یہ مجذوب ہو گئے ہیں۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا

"تربیت تو بعد میں ہوگی پہلے ان کے دماغ کا علاج کراؤ" چنانچہ حکیم کا علاج کیا۔ مگر دماغ کا دورہ پڑا تو بھاگ گئے اور کورٹ میں جا کر دعویٰ کیا کہ پچاس روپے میرے دواؤں میں برباد کرا دیئے۔ میں تو اچھا خاصا ہوں۔ بعض اوقات زیادہ مجاہدے سے جنون کی نوبت آجاتی ہے یہ ہوتا ہے ان لوگوں سے جو جاہل صوفی ہوتے ہیں۔ مرید کی حالت سے واقف نہیں۔ مجاہدے کرائے جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک رنگ آتا ہے ان بگڑے ہوئے مجاہدوں سے۔ وہ ہے زندقہ۔ اس میں خواب وغیرہ الہام ہوتے ہیں۔ یہ شیطانی حرکات ہیں وہ کہتا ہے کہ مجھے براہ راست الہام ہونے لگا۔ بس وہ بھی بے راہ ہو جاتا ہے۔

نفس کشی کا مطلب

تصوف دراصل شریعت پر پورے عمل کا نام ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جو اس میدان میں قدم رکھے اور بغیر قدم رکھے ایمان پورا نہیں ہوتا۔ لیکن اپنے رائے سے کچھ نہ کرے کوئی شیخ کامل پکڑے اعظم گڑھ کے ہمارے ایک دوست تھے، وہاں شبلی اور غزالی بہت ہوتے ہیں وہ بھی شبلی تھے۔ بہت دبلے ڈھانچہ بنے ہوئے۔ میں نے پوچھا! کیا ہوا؟ وہ خاموش ہو گئے پھر کئی بار پوچھنے پر بتایا کہ اور کچھ نہیں۔ غذا بہت تھوڑی کھاتا ہوں۔ امام غزالی کی تعلیم پر عمل کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ "حضرت اپنے زمانہ کے غزالی سے پوچھو"۔ یہ جو کتابیں پڑھ کر اپنی اصلاح چاہتے ہو یہ غلط ہے۔ صدیوں پہلے اماموں کی تقلید آج کے زمانہ میں تم ہم جیسے کمزور طبیعتوں سے نہیں ہو سکتی۔ جب طاقت ہی نہ ہوگی تو طاعت کہاں سے ہوگی۔

صوفیؒ کے ہاں نفس کو مارنے کا جہالت سے نام بھوکا رہنے کا رکھ دیا ہے۔ پہلے

تو گویا جب نفس کو مار دیا تو مخالفت کہاں سے ہوگی۔

نفس کے کچھ حقوق ہیں کچھ حظوظ، حقوق کی ادائیگی واجب ہے۔ کیونکہ سونا کھانا، آرام پہنچانا یہ سب بالکل اسی طرح ہیں جیسے بیوی کے اولاد کے، پڑوسی کے حقوق۔

اگر نفس کے حقوق ادا نہ کئے تو جہنم میں جائے گا۔ ہاں دوسری چیز ہے نفس کے حظوظ۔ یعنی نفس کی وہ خواہشات جو ضروریات سے علاوہ بلکہ تضییع اوقات، تضییع مال وغیرہ سے ہیں۔ جن کے بغیر کام چل سکے، زندہ رہ سکے اس کو "حظوظ نفس" کہتے ہیں۔ ان خواہشات کے روکنے کا نام "نفس کشی" ہے

ذکر اللہ بے حد لذیذ ہے

اللہ کے ذکر سے زیادہ لذیذ کوئی شے نہیں اس میں کتنی لذت ہے جو اسے ورد میں رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں مگر یہ لذت، خاصہ ہے ذکر کا۔ انوار و برکات نظر آئیں گے چاہے وہ کافر بھی کرے تو اسے لذت آئے گی مگر مقصود نہیں، بس اس فرق کو سمجھ لیں۔

ایک بنیا تھا دوکان کھولتا بسم اللہ کہہ کر، ترازو اٹھاتا بسم اللہ کہہ کر اور ہر وقت اللہ اللہ کہتا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ میں مسلمان تو نہیں ہوا۔ مگر مزہ آتا ہے تو یہ انوار تو ظاہر ہیں مگر یہ لذت اور انوار مقصود نہیں۔ مقصود ہے اللہ کی رضا اور یہ رضا حضور ﷺ کے طریقوں میں ہے۔

اصل مقصود

فرمایا ذکر و طاعت میں مشغول ہونا ہی اصل مقصود ہے۔

نسبت کی حقیقت

فرمایا کثرت ذکر اور دوام طاعت سے جو تعلق خاص ہو جاتا ہے اس کو نام نسبت ہے اور یہ نسبت خاص دور معاصی سے زائل ہو جاتی ہے۔

ذکر اللہ کی فضیلت

اور فرمایا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا تمام مال میدان جہاد میں دیدیا حتیٰ کہ خود بھی نکل کھڑا ہوا اور پھر جان بھی دیدی، بڑی فضیلت کا کام کیا، لیکن ذکر اللہ اس سے بھی افضل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ اللہ کرنے والا اپنے گھر میں بیٹھا اللہ اللہ کر رہا ہے اس کو کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، اور جہاد میں مال، وقت اور اپنی جان کی بازی لگانے والے کو بہت بہادر سمجھتے ہیں جس میں ریا کا احتمال ہے، اخلاص کم ہونے کی بنا پر اجر کم ہے، آپ لوگ یہاں کسی ذاتی غرض کے واسطے نہیں آتے، مجھے معلوم ہے کہ کہاں کہاں سے مشقت برداشت کرکے آپ لوگ چل کر آئے ہیں یہاں آپ کا جمع ہونا خالصتاً اللہ کیلئے ہوتا ہے، اس کا نفع مجھے تو محسوس ہوتا ہے آپ کو معلوم نہیں محسوس ہوتا ہے یا نہیں؟

سلطان الاذکار کا مطلب اور پاس انفاس کا طریقہ

سلطان الاذکار کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ذکر ہوتا رہے کوئی وقت ذکر سے خالی نہ ہو۔ پاس انفاس کے متعلق فرمایا حضرت شاہ انور شاہ کشمیری ﷫ نے بتایا تھا کہ اندر سانس جائے تو لا (الہ کے) جب وہی سانس باہر آئے تو اللہ کہے۔ یعنی ہر ایک سانس میں اللہ سانس کے ساتھ کرتا رہے۔ مشق ہو جانے کے بعد خود بخود ہونے لگتا ہے اور جو بات مشقت کے بعد عادت ہو جاتی ہے اس کا ثواب ملتا رہتا ہے، ہاں بلا اختیار عمل ہو تو اس پر ثواب نہیں ملتا۔ حدیث میں ہے

إنما الأعمال بالنيات.

اور نیت ارادے اور قصد کا نام ہے۔

مجلس : ۲۱

اصلاح کیلئے مجاہدہ

فرمایا جس کو جو کچھ ملا ہے، وہ صرف جوتیاں سیدھی کرنے سے نہیں، بلکہ جوتیاں کھانے سے ملا ہے۔

تشریح: آج کل لوگ جو محروم رہتے ہیں نہ وہ حالات پیدا ہوتے ہیں اور آج کل دنیا میں جو مریدی بھی چل رہی ہے لوگ آکر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو جانثاری، جو خدمت اور شیخ کے پاس اپنے آپ کو فنا کر کے رہنا ہے یہ سب باتیں جو پہلے تھیں۔ اب معاشرے میں یہ باتیں کہاں ہیں؟

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

میں نے اپنے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یاسین صاحب) قدس اللہ سرہ سے ایک واقعہ سنا ہے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ سرہ بڑے درجے کے اور بڑے پائے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ہمارے سلسلہ چشتیہ میں ان کا بڑا اونچا مقام ہے خود انھوں نے بڑی فقیرانہ اور درویشانہ زندگی ایسی گزاری کہ کبھی دنیا کو چھوا بھی نہیں۔ کبھی دنیا کو پاس آنے نہیں دیا۔ جو لوگ کچھ دے جاتے تھے یا جو تحائف آتے تھے سب صدقہ خیرات کر کے فارغ ہو جاتے اور گھر میں فاقہ ہوتا۔ بچے روتے اور ماں سے کھانے کا کہتے تو ماں کہتی جاؤ اپنے ابا سے کہو جب رو رہا ہے آکر کہتے کہ بھوک لگ رہی ہے کچھ کھانے کو نہیں ہے حضرت فرماتے کہ کچھ فکر نہ کرو۔ دیکھیں چڑھ رہی ہیں کھانا پک رہا ہے ابھی مل جائے گا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جنت میں دیگیں چڑھ رہی ہیں۔ ایسے مزاج کے درویش تھے۔

دنیا سے بے رغبتی

غالباً عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا جب انہوں نے یہ خبر سنی کہ ایسے درویش ہیں تو انہوں نے کچھ گاؤں پر معافی نامہ لکھ کر بھیجا کہ یہ گاؤں آپ کے نام کرتا ہوں اور ان کا ٹیکس وغیرہ آپ کو معاف کرتا ہوں جب بادشاہ کا آدمی ان کے پاس لے کر آیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت نے آپ کو چند گاؤں بخشے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان گاؤں کو لے کر کیا کروں گا۔ جس کونے میں میں بیٹھا ہوں یہ کونا مجھ سے نہیں سنبھلتا۔ چنانچہ وہ بادشاہ کا پیغام حمام کی آگ میں ڈال دیا۔

محنت ایک کی پھل سب کھائیں

بہرحال خود تو اپنی زندگی اس شان سے گزاری، اصول یہ ہے کہ ایک اللہ کا بندہ محنت کر جاتا ہے اور بعد والے اس کا پھل کھاتے ہیں۔ اس وقت ان کے خاندان میں بہت سے عالم گنگوہ میں اور گنگوہ سے باہر بھی ہیں اور ماشاء اللہ ان کا خاندان بہت پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کراچی میں ان کے خاندان کے کچھ افراد آباد ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی کو دنیاوی اعتبار سے پریشان حال نہیں دیکھا۔ ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو دنیا والوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا پھرتا ہو یا اس کو معاشی تنگی ہو۔ بس اپنے اوپر تنگی برداشت کر گئے اور اولاد کو دنیا فراوانی کے ساتھ مل گئی۔

حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے کا مجاہدہ

بہرحال کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ انہی حضرت مولانا عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے تھے جن کو اپنے والد کی زندگی میں اپنی اصلاح اور دین کی طرف توجہ نہ ہوئی، والد ماجد کے پاس جو دولت تھی اس کو حاصل کرنے کی فکر نہ ہوئی۔ دوسرے بیٹوں نے اپنے والد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ان سے فیض حاصل کیا اور ولی اللہ اور خلیفہ ہوئے والد صاحب کی وفات کے بعد ان کو خیال آیا کہ ہائے افسوس!

والد صاحب کا خزانہ تو لٹ گیا اور میں نے کچھ محسوس نہ کیا۔

بلخ میں حاضری اور استقبال

اب تلاش ہوئی کہ والد صاحب کے خلفاء میں سے کون سب سے زیادہ بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ بلخ میں کابل سے قریب حضرت والا کے ایک خلیفہ ہیں جو ولی کامل ہیں چنانچہ قندوز سے سفر کر کے بلخ پہنچے۔ ان کو جب اطلاع ملی کہ میرے شیخ کے صاحبزادے آرہے ہیں۔ انہوں نے شہر بھر میں اعلان کرا دیا کہ ان کے استقبال کے لئے سب چلیں چنانچہ شہر کے روساء امراء شہر کا امیر غرض یہ کہ ہر طبقے کے لوگ ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ ان کو لے کر آئے اور بڑی آؤ بھگت کی اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس لئے کہ شیخ کے صاحبزادے تھے۔

اصلاح کی درخواست

جب دعوتیں کھاتے کھاتے دو تین روز گزر گئے تو ان صاحبزادے نے کہہ دیا کہ حضرت! میں یہاں دعوتیں کھانے تو نہیں آیا میں تو آپ سے وہ دولت لینے آیا ہوں جو آپ میرے والد سے لے کر آئے ہیں۔ وہ مجھے دیجئے۔ میں دعوت کھانے نہیں آیا ہوں۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ یہ تو آپ نے بہت سخت اور مشکل بات کہی ہے کہ آپ اس کام کے لئے اور اس مقصد کے لئے آئے ہیں تو اب معاملہ دوسرا ہوگا۔ اس لئے اب تک تو وہ سر کے تاج بنے ہوئے تھے خوب دعوتیں ہو رہی تھیں اور خاطر تواضع اور مدارات ہو رہی تھی۔ اب یہ حکم دیا کہ جاؤ مسجد کے حمام کی آگ جلا کر ہر وقت پانی گرم تیار رکھو اور اس کے لئے کوڑا کباڑ لکڑیاں چن کر لاؤ اس میں جھونکا کرو۔ چونکہ سردی کا موسم تھا۔ نمازیوں کے وضو کے لئے گرم پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ تو ان صاحبزادے سے کہہ دیا کہ بس تمہارا صرف یہی کام ہے کوئی وظیفہ کوئی تسبیح وغیرہ نہیں بتائی۔ کہاں تو وہ اعزاز و اکرام ہو رہا تھا اور کہاں یہ خدمت سپرد کر دی

تکبر کا علاج

چونکہ اخلاص کے ساتھ اپنی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ اس لئے گئے اور اس کام میں لگ گئے۔ اب ایک عرصہ دراز تک ان کے ذمہ بس یہی کام تھا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھو اور مسجد کا حمام روشن کرو۔ بزرگ جانتے تھے کہ ان صاحبزادوں میں خاندانی شرافت بھی ہوتی ہے۔ دلوں میں طہارت ہوتی ہے۔ مگر ایک عیب ان کے اندر ضرور ہوتا ہے وہ ہے تکبر اور ذاتی بڑائی۔ اس کا علاج کرنا منظور تھا اس لئے ایسا کام ان کے سپرد کیا تاکہ اس بیماری کا علاج ہو جائے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ دیکھنے کیلئے کہ شہزادگی کا خیال اور تصور ان کے دل میں ہے یا ختم ہو گیا ہے اس کی آزمائش کے لئے ان بزرگ نے اپنے گھر کی بھنگن کو جو گھر کا کوڑا اٹھا کر لیجاتی تھی۔ اس سے کہا کہ آج جب کوڑا اٹھا کر جاؤ تو حمام کے پاس جو صاحب حمام کی آگ روشن کرنے پر لگے ہوئے ہیں ان کے قریب سے گزر جانا اور جو کچھ تمہیں کہیں وہ آکر ہم سے کہنا چنانچہ جب وہ بھنگن کوڑا لے کر ان صاحبزادے کے پاس سے گزری تو ان کو بڑا طیش اور غصہ آیا اور کہا کہ یہ تیری مجال کہ ہمارے پاس سے گزرے۔ نہ ہوا کچھ ورنہ تجھے بتاتا۔ اب اس بھنگن نے جا کر شیخ کو اطلاع دے دی کہ یہ جواب دیا ہے۔ ان بزرگ نے سوچا کہ ابھی تو کچا پن باقی ہے ابھی کسر باقی ہے چنانچہ اسی حمام کے جھونکنے پر ان کو مامور رکھا۔

دوسرا امتحان

جب پھر کچھ عرصہ گزر گیا تو پھر بھنگن سے کہا کہ اب کوڑا اٹھا کر لے جاؤ اور اب کے بالکل ان کے قریب سے گزرو۔ چنانچہ وہ بھنگن اور زیادہ قریب سے گزری تو صاحبزادے نے اس بھنگن کو غصے سے دیکھا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ اس بھنگن نے جا کر شیخ کو اس کی اطلاع کر دی کہ آج یہ واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے سوچا کہ یہ علاج کارگر ثابت ہوا۔

تیسرا امتحان

پھر کچھ عرصے کے بعد شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ اب کی مرتبہ ان کے اتنے قریب سے گزرو کہ وہ کوڑا کباڑ کا ٹوکرا ان کو لگ بھی جائے اور اس میں سے کچھ کوڑا بھی ان کے اوپر گر جائے۔ چنانچہ وہ بھنگن ان کے قریب سے جب گزری اور تھوڑا کوڑا بھی ان پر گرا دیا۔ تو انہوں نے اب کی مرتبہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ پھر بھنگن نے جا کر شیخ کو اطلاع دیدی۔

چوتھا مرتبہ امتحان

کچھ عرصے کے بعد پھر شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ اب کی مرتبہ کوڑے کا ٹوکرا لے کر ان کے پاس سے گزرو اور ٹھوکر کھا کر ان کے پاس اس طرح گر جاؤ کہ کوڑا سارا ان کے اوپر گرے۔ پھر وہ جو کریں وہ مجھے آکر بتاؤ۔ چنانچہ وہ بھنگن گئی اور ٹھوکر کھا کر گر گئی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ بھنگن گر گئی ہے تو اب بجائے اس کے ان کو اپنی فکر ہوتی بلکہ اس بھنگن کی فکر ہوئی اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں لگ گئی۔ اپنی کچھ فکر نہیں ہوئی کہ میرے کپڑے گندے ہوگئے چنانچہ بھنگن نے جا کر شیخ کو اس کی اطلاع کر دی۔ فرمایا کہ اب اس واقعہ کے بعد کامیابی کی امید ہوتی اور اس کا مرا ملا۔

بڑی آزمائش اور عطاء دولت باطنی

اس کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا۔ وہ شیخ شکار کو باہر جایا کرتے تھے اور شکاری کتے بھی ساتھ ہوتے تھے اس میں بھی انہوں نے کوئی دینی مصلحت اور حکمت دیکھی ہوگی۔ شکاری کتوں کے ذریعہ شکار کرنا کوئی ناجائز کام تو تھا نہیں بلکہ جائز تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب شکار کے لئے جانے لگے ان صاحبزادے کو بھی ساتھ لے لیا اور شکاری کتے کی زنجیر ان صاحبزادے کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ وہ شکاری کتے بڑے تیم اور

بڑے خارش زدہ اور بیچارے ضعیف اور کمزور اور فاقہ مست تھے۔ چنانچہ جب شکاری کتے شکار کے پیچھے بھاگے اور کمزور ہونے کی وجہ سے ان کتوں کے ساتھ نہ بھاگ سکے۔ چنانچہ گر پڑے۔ چونکہ شیخ کی طرف سے حکم یہ تھا کہ زنجیر مت چھوڑنا۔ اس لئے زنجیر نہیں چھوڑی سارے گھسٹتے ہوئے لہولہان ہو گئے۔ لیکن شیخ کا حکم بجالانے کے لئے زنجیر نہیں چھوڑی۔

اس واقعہ کے بعد رات کو خواب میں اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی ﷫ کو دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ "میں نے تو تم سے اتنی مشقت نہیں لی" کیونکہ اولاد کا خیال تو باپ کو بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو ان کو بلا کر سینے سے لگایا اور فرمایا کہ جو دولت میں تمہارے والد سے لیکر آیا تھا، وہ اللہ نے تمہیں دیدی تم نے وہ دولت مانگی تھی جو تمہاری امانت تھی، تمہارے سپرد کر دی اور چونکہ اس طرز عمل کے بغیر یہ دولت نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے میں نے یہ طرز عمل اختیار کیا۔

فرمایا: اور یہ بھی جتلائے دیتا ہوں کہ وہ جوتیاں مارے گا نہیں، لیکن تمہیں اس کے لئے تیار ہو کر آنا چاہئے۔ تب اصلاح ہو سکتی ہے اور اگر کہیں روک ٹوک کرنے پر۔ ڈانٹ ڈپٹ کرنے پر دل میں کدورت پیدا ہوئی اور برداشت نہ کر سکا تو بس محروم رہے گا۔ ایسے شخص کو اس راہ میں قدم ہی نہ رکھنا چاہئے۔ اس میں سب سے اول شرط یہ ہے کہ:

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہا است بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اس حکمت کا طالب اس راہ میں قدم رکھتے ہی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا اور اگر برداشت نہ کر سکا اور وہ ڈیرا جمانے لگا تو بس ہو چکی اصلاح اور پہنچ چکا منزل مقصود پر۔ اسی کو مولانا رومی ﷫ فرماتے ہیں۔

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق
تو بجز نامے چہ می دانی ز عشق

اور فرماتے ہیں کہ:

گر بسر نہ نصیبے تو پہ کینہ شوئی
یہی کیا ہے صیقل آئینہ شوئی

تشریح: آئینہ تو جبھی بنتا ہے جو خوب رگڑ کھاتا ہے۔ ہمارے خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے شاعر بھی تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

جلا کردہ دست دلدار ہوں میں
مجھے دیکھ آئینہ یار ہوا میں

حقیقت یہ ہے کہ ٹھوکریں کھا کر مختیں کر کے، رگڑ رگڑ کر ہی یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ غالباً یہ ایسا سودا نہیں ہے کہ کسی شیخ اور بزرگ کے پاس گئے اور ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور یہ چیز حاصل ہو گئی۔

مجلس : ۳۲

مراقبات واشغال کا درجہ اور ہدیہ کے آداب

صوفیاء کے اشغال از خود نہ کریں

فرمایا کہ جب میں مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں مقیم تھا تو خیال آیا کہ غذائے روح میں حضرت نے جتنے اشغال نقل فرمائے ہیں سب کو دو دو دن کر کے دیکھوں مگر اس پر عمل کرنے سے پہلے حضرت سے اس کی اجازت چاہی۔

تشریح: "غذائے روح" کے نام سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے، اس میں بہت سے اعمال و اشغال ذکر کئے ہیں تو حضرت نے سوچا کہ اس میں جتنے اعمال و اشغال ہیں ان کو دو دو دن تو کر کے دیکھوں کہ ان کا کیا اثر ہوتا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کوئی کتاب کا سبق تھوڑا ہے کہ سب کو پڑھتے چلے جاؤ بلکہ یہ تو عطار کی دکان ہے جس میں ہزاروں دوائیں ہیں اور ہر دوا ہر مریض کے لئے مفید نہیں ہوتی کہ جس کا جی چاہے جو دوا چاہے اس دواخانے سے لیکر کھالے۔

تشریح: دواخانے میں دوائیں رکھی ہیں۔ جی چاہا کہ آج اس شیشی میں سے کھا لوں۔ کل اس میں سے کھالوں اور پرسوں اس میں سے۔ سب دوائیں لگاتار کھاتے چلے جاؤ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مریگا اور کیا ہوگا؟ اس لئے حضرت حاجی صاحب نے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

ایک مرتبہ مجھے ایک خبط سوار ہوا میں نے سوچا کہ امراض باطنہ کے ازالہ کا تجربہ میں نے نہیں کیا حضرت والا سے میں نے ذکر کیا کہ دل یوں چاہتا ہے کہ میں تحصیل ریاضت شروع کروں حضرت والا نے بھی مجھے یہی جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ

ہے کہ وہ زمانے میں جتنی رواجیں ہیں سب کو مٹا دوں' چنانچہ آپ نے ان سے منع کر دیا۔

اشغال صوفیہ کا مقصد

پھر فرمایا کہ صوفیاء کرام نے جتنے اشغال لکھے ہیں ان کی اصل غرض اتنی ہے کہ ان کے ذریعہ جمعیت خاطر حاصل ہو جائے۔ وساوس و خیالات سے قلب فارغ ہو جائے' ان اشغال کی جزئیات تو سنت سے ثابت نہیں مگر اس کی اصل ثابت ہے۔ نماز میں نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کا جو حکم ہے اس کا مقصد بھی جمعیت خاطر ہے۔

تشریح: نماز میں یہ جو حکم ہے کہ کوئی چیز آگے کھڑی کر دو تاکہ کوئی شخص اس کے آگے سے نہ گزرے بلکہ پیچھے سے گزرے یہ اس لئے کہ جب سترہ کھڑا کر دیا تو آدمی کی نظر اس تک جائے گی اس سے آگے نہ جائے گی۔

ان اشغال کو اگر کوئی شخص طاعت مقصودہ سمجھ بیٹھے تو وہ بدعت ہو جائیں گے جیسے زکام میں گل بنفشہ پینا اگر کوئی شخص طاعت مقصودہ سمجھنے لگے تو وہ بھی بدعت ہو جائے گا اور ایک تدبیر صحت سمجھ کر استعمال کرے تو جائز ہے چونکہ تحصیل صحت جائز بلکہ مامور بہ ہے۔

اذکار و اشغال میں فرق

تشریح: آپ لوگوں کو سمجھ میں نہیں آیا ہوگا۔ صوفیاء کے یہاں دو طرح کی چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ ایک تو اوراد و وظائف' تسبیحات' اللہ کا نام' قرآن کی تلاوت' یہ سب تو موجب اجر و ثواب ہیں۔ اعمال صالحہ بھی ہیں اور قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ دوسری طرح کی چیزیں وہ ہوتی ہیں جو صوفیاء کرام کے یہاں اشغال کہلاتی ہیں۔ وہ ایک قسم کی توجہ اور غور و فکر کی چیز ہوتی ہے۔ صوفیاء کرام یہ بھی اشغال کراتے ہیں اس کے متعلق فرما رہے ہیں کہ ان سے مقصد جمعیت خاطر حاصل کرنا ہے' اب جمعیت خاطر کا مقصود اور مطلوب ہونا تو حدیث سے ثابت ہو گیا' لیکن ہر شغل

حدیث ہی سے ثابت ہو' ایسا نہیں ہے جیسا کہ یہ ثابت نہیں ہے کہ زکام میں گل بنفشہ پیا کرو۔ یہ مفید ہوگا فلاں دوا فلاں چیز میں نفع کرے گی۔ حدیث میں ثابت ہونا ضروری نہیں۔ اتنا کافی ہے کہ تجربہ سے اس کے ذریعہ شفا حاصل ہونا ثابت ہو جائے۔ اسی طرح یہ اشغال تجربہ کی چیزیں ہیں' بزرگوں نے تجربے کئے اور ان کے ذریعہ جمعیت خاطر حاصل ہو جاتی ہے' اس لئے ان کو اختیار کیا ہے

ذکر میں جہر و ضرب کا درجہ

اسی طرح ان اشغال کو جمعیت خاطر کا ذریعہ سمجھ کر کرے تو درست ہے' عبادت مقصودہ سمجھ کر کرے تو بدعت ہے۔ یہی حکم ذکر اللہ میں جہر کرنے کا ہے کہ ذکر جہر دفع وساوس اور جمعیت خاطر کے حصول کی تدبیر سمجھ کر کرے تو درست ہے۔ خود جہر کو طاعت مقصودہ سمجھے تو بدعت ہے۔

تشریح: ذکر جہر اور ضرب جو صوفیاء کا خاص کر چشتیہ کا جو طریقہ ہے' اگر اس کو مقصود سمجھ لیا جائے تو یہی فعل بدعت ہو جائے گا' البتہ اگر یہ سمجھ کر کیا جائے کہ اس سے جمعیت خاطر حاصل ہوتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں' اس لئے کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کی بات ہے کہ اگر ایک انسان آہستہ آہستہ لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ پڑھتا رہے تو اس میں جمعیت خاطر حاصل نہیں ہوتی۔ جتنی جہر اور ضرب سے حاصل ہوتی ہے۔

قبول ہدیہ سے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر اشکال اور جواب

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو ہدیہ اس نیت سے دے کر یہ شخص صالح اور بزرگ ہیں اور واقعہ میں وہ شخص ایسا نہ ہو تو ہدیہ قبول کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔

تشریح: اس لئے کہ اس میں دھوکہ ہو گیا۔ اس نے تو بزرگ سمجھ کر دیا' اور ہم بزرگ ہیں نہیں' گویا کہ ہم نے اپنی وضع قطع سے دھوکہ دیا' اور اس سے ہدیہ لے لیا۔

اس پر حضرت مولانا رشید احمد کانپوری نے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ یہ

سوال کیا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہدیہ کا لینا اور دینا کسی حال میں بھی جائز نہ ہو، کیونکہ جس شخص کو صالح اور بزرگ سمجھ کر ہدیہ دیا جا رہا ہے اگر وہ خود بھی اپنا معتقد ہو اور اپنے آپ کو صالح اور بزرگ سمجھتا ہو تو یہ تزکیہ نفس ہے، جو نص قرآن،

وَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ (اپنے نفوس کو عیب سے پاک نہ کہو)۔

کے خلاف ہونے کی وجہ سے گناہ ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو بزرگ سمجھنا گناہ ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو صالح اور بزرگ نہیں سمجھتا تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر اس کو ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔

تشریح: یہ مولانا رشید احمد صاحب حضرت کے شاگرد تھے مکتب خانہ رشیدیہ جو دہلی میں اب بھی ہے اور انہی کا قائم کیا ہوا ہے۔ بڑے ذہین آدمی تھے اور یہ بھی ذہانت کا سوال تھا کہ اگر اس نے اپنے آپ کو بزرگ سمجھا تو اس لئے ناجائز ہے کہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنا گناہ ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو نہیں سمجھتا تو ہدیہ لینا ہی ناجائز ہے گویا کہ دونوں صورتوں میں ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔ بزرگ ہے تو جائز نہیں، بزرگ نہیں تو بھی جائز نہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب دیا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ جو شخص قصد کر کے لوگوں کو اپنی بزرگی اور نیکی کا معتقد اس لئے بنائے کہ وہ اس کو ہدیہ دیں گے، یہ حرام ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا فریب ہے لیکن بغیر کسی قصد اور کوشش کے لوگ کسی کے معتقد ہو جائیں اور اس کو نیک اور بزرگ سمجھ کر ہدیہ پیش کریں اور وہ اپنے دل میں جانتا ہے کہ میں ایسا نہیں تو ایسی حالت میں قبول ہدیہ ممنوع نہیں۔

دھوکہ سے بچانا

تشریح: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا کہ دھوکہ نہ ہو، ایک مرتبہ اپنا واقعہ سنایا کہ ایک شخص مجلس میں آتا تھا۔ غریب آدمی تھا۔ تنخواہ بھی کم تھی۔ وہ اکثر دو روپے ہدیہ پیش کرتا اور حضرت بڑے اہتمام سے اس کا ہدیہ قبول فرما لیتے اور کبھی اس کا ہدیہ رد نہیں فرمایا، کبھی اگر زیادہ ہدیہ دیا تو بس پانچ روپے دیدیئے۔ گویا کہ دو روپے سے پانچ روپے تک دیتے اس سے زائد نہ دیتے۔

ضرورت مند سمجھ کر زیادہ ہدیہ دینا

جب حضرت کی بیماری کا زمانہ تھا تو ایک مرتبہ میں نے غالباً بیس روپے ہدیہ کے طور پر حضرت والا کو پیش کیے' اب حضرت کے کمالات کو دیکھئے کہ انسان اس کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ اب اگر وہ ہدیہ رد کر دیتے تو میرا دل برا ہوتا کہ میرا ہدیہ واپس کر دیا۔ اس لئے ہدیہ رد تو نہیں کیا۔ قبول تو کر لیا۔ لیکن ایک قصہ سنا دیا' تاکہ اس بات کی اصلاح ہو جائے۔

قصہ یہ سنایا کہ نواب جمشید علی خان جو باغپت کے نواب ہیں۔ وہ اب کی مرتبہ جب آئے تو خلاف عادت ہدیہ زیادہ دیا' مثلاً پہلے سو روپے دیتے تھے اب کے اس کا دگنا دیا' مجھے یہ شبہ ہوا کہ انہوں نے اس لئے ہدیہ زیادہ دیا ہے کہ دیکھا کہ میں بیمار ہوں اور بیماری کے اخراجات زیادہ ہوں گے' اس لئے زیادہ ہدیہ دیا۔ میں نے سوچا کہ یہ بیچارے خواہ مخواہ دھوکے میں ہیں' مجھے ضرورت ہے نہیں اور انہوں نے ضرورت سمجھ کر ہدیہ دیا ہے' تو میں نے ان نواب صاحب سے کہا کہ دیکھو بھائی! صفائی کی بات یہ ہے کہ غالباً آپ نے جو ہدیہ زیادہ دیا ہے وہ یہ سمجھ کر دیا ہے کہ میں بیمار ہوں اور بیماری میں اخراجات زیادہ ہو رہے ہیں اور اخراجات کی وجہ سے ضرورت زیادہ ہوگی تو اگر آپ نے اس نیت سے دیا ہے تو ہدیہ واپس لے لو کیونکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے اور دھوکہ ہے اور مجھے اللہ کا شکر ہے کہ ضرورت نہیں ہے اس لئے بیماری کے اخراجات ضرورت کے مطابق موجود ہیں۔ وہ بھی چونکہ حضرت کے پڑھائے ہوئے اور سکھائے ہوئے لوگ تھے۔ فوراً ہدیہ واپس لے لیا اور گھر واپس جانے کے بعد اس کا دگنا ہدیہ دوبارہ بھیج دیا اور حضرت نے اس کو قبول کر لیا۔

یہ سارا قصہ مجھے اس لئے سنایا تاکہ میرے حال کی اصلاح ہو جائے کہ میں یہ سمجھ کر ہدیہ پیش کروں کہ حضرت کو ضرورت ہوگی' گویا کہ واقعہ سنا کر اصلاح بھی کر دی اور میری یہ رعایت بھی کر دی کہ میرا ہدیہ واپس نہیں کیا۔

مجلس: ٢٢

ہمت اور حسرت

ایک حدیث کا ترجمہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ جو چیز اس کی طاقت میں ہے اس میں غفلت نہ کرے اور جو نہیں کر سکتا (چاہے وہ دین کا کام ہو اور اس کی قدرت اس کو نہ ہو) اس پر غمگین رہے ' تاسف کرتا رہے مثلاً آپ کو طاقت ہے تہجد کی نماز پڑھ سکتے ہیں اور اٹھ کر پڑھتے ہیں یہ ہمت ہے اور ہمت تو ہر چیز میں ہوتی ہے مگر جس کی طاقت ہے اس کو نہ چھوڑے اور جس کی طاقت اور قدرت نہیں اس کا کم از کم افسوس رہے۔

حسرت نایاب

قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساری رات کھڑے ہو کر روزانہ قرآن پڑھتے رہتے ہیں اب ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے تو اس پر افسوس ظاہر کریں۔ کاش ہم میں بھی اتنی طاقت ہوتی حسرت نایاب اسی کو کہتے ہیں۔

اصلاح کے دو اصول

حضرت فرماتے ہیں کہ اس سے دو امر ثابت ہوئے ایک تو ہمت نہ ہارے دوسرے نیک کام کا ارادہ کرے اور یہ شیطان کا دھوکا ہے کہ نفس کہتا ہے کہ یہ کام تجھ سے نہیں ہوگا جب طاقت اس کی موجود ہے تو اس کو ضرور کرے ' دین کے کام میں تھوڑی تکان تو ہوئے جب دنیا کے کام میں پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے تو آخرت کے لئے کم از کم مشقت تو برداشت کرے ' نفس کہتا ہے کہ کیا کریں ہم سے ہو نہیں سکتا ورنہ کر لیتے ' ایک صاحب نے کہا کہ مجھ سے وضو نہیں ہوتا میں نے کہا کہ ہاتھ میں تکلیف ہے یا کیا بات ہے؟ کہنے لگے نہیں بس یہ بار سا ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ

ہمت کیا کرو، انہوں نے ہمت کر کے لوٹا اٹھایا اور وضو کیا تو کچھ بھی نہ تھا۔

اہل وعیال کی اصلاح کا طریقہ

ایک حکیم صاحب روزہ کو مہلک بتاتے تھے میں نے کہا کہ یہ لاکھوں آدمی جو روزہ رکھتے ہیں ان کو عید کے بعد وزن کر کے دیکھ لیں کوئی کمی کی نہ ہوگی۔ بیوی نماز نہیں پڑھتی، بیٹا روزہ نہیں رکھتا، یہ سب نفس کا دھوکہ ہے تمہارے بکس میں سے روپیہ نکال کر لے جائے، بیوی تمہارے قتل کے درپے ہو جائے دیکھیں تم کیا تدبیر نہ کرو گے، تدبیر اسی درجہ کی کرو۔ جس کا تم اپنے نفس کے مذاق کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ گویا از عمل تھک جانے والا کوئی نفس نہیں رکھتا اپنی طاقت تک اس کام کو کرتے رہو، جب نہیں ہوتا سوچتے ہیں ایک لمبی سڑک پر دو طرف درخت ہیں دور جا کر آپ کو دونوں قطاریں ملتی نظر آتی ہیں کہ اب آپ سمجھیں کہ موڑ لے جا کر کیا کروں گا آگے سڑک تو بند ہے پھر راستہ کیسے قطع ہوگا، یہی حال از عمل کا جو ترک ہے بڑا گناہ ہے جو نیک اعمال سے محروم کر دیتا ہے۔

بقدر ہمت عمل کرامت سے بڑھ کر ہے

مولانا رومی فرماتے ہیں

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف وار می باید دوید

اگر یوسف علیہ السلام نہ ہمت کر کے بھاگتے تو دروازہ کیسے کھلتا اپنی طاقت جمع نہ کرتے تو دروازہ خود نہیں کھلتا۔ جتنا تمہارے بس کی بات ہے وہ کرو تو آگے اللہ پاک مدد کریں گے اور وہ ہمیشہ مدد کرتے ہیں اور کون مدد کرنے والا ہے۔ قید خانہ میں ایک بزرگ جمعہ کے دن غسل کر کے کپڑے بدل کر کوٹھڑی سے نکل کر جیل کے دروازہ تک پہنچے یہاں پہنچ کر ہمارے دل میں آتا ہے کہ اپنے بزرگ کے لئے دروازہ کھل جائے گا حالانکہ یوں بھی ہو سکتا ہے مگر اس کرامت سے بڑھ کر اور کرامت ان کو ملی کہ اگلے جمعہ کو پھر اسی طرح اہتمام کر کے دروازہ تک جاتے پھر دعا کرتے کہ یا اللہ میرے بس

میں تو بس اتنا ہی تھا' آگے آپ کے ہاتھ میں ہے' نماز پڑھنے میں' خشوع کرنے میں' نیکی کرنے میں' دل لگانے میں اپنی طرف سے کوشش کرو' پھر وساوس آجائیں تو کوئی بات نہیں' یہ تمہارے بس میں نہیں' تم ایسا کرتے رہو گے اور وساوس کا خیال نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائیں گے بعض اوقات اللہ پاک تمہاری کوششوں پر اپنی غیبی مدد عطا فرمائیں گے اور بعض وقت اس سے بڑھ کر انعام دیتے ہیں یعنی آخرت کے درجات بڑھ جائیں گے۔ یہ ساری کرامتوں سے بڑھ کر ہے یعنی اگر وہ بزرگ دروازہ کھل جانے پر باہر جا کر نماز ادا کر لیتے تو جو ثواب اس پر ملتا تھا اس سے زیادہ ثواب ان کو نہ جانے پر ملا کہ ہر جمعہ کو توفیق ملی اس اہتمام کی اور یہ اہتمام اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے میں کہیں بڑھا ہوا تھا۔ کھڑا ہے۔ بیچارہ نماز پڑھتا ہے یہ چاہتا ہے کہ وساوس نہ آئیں مگر آتے ہیں پھر اپنا خیال ہٹا کر اللہ کی طرف متوجہ کر لیتا ہے پھر وساوس آتے ہیں اور ایک شخص وہ ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوا ہے اور خشوع اور خضوع سے نماز ادا کر لی اور وساوس بالکل نہیں آئے۔ دراصل درجہ اس کا بڑھا ہوا ہے جس کو وساوس آتے ہیں اور پھر بھی لگا ہوا ہے کوششوں میں اس چیز میں درجات کا اضافہ زیادہ ہوتا ہے۔ ایک شخص غیبت نہ کرنے کا عہد کرتا ہے کوشش کرتا ہے پھر اس سے ہو جاتی ہے مگر پھر توبہ کرتا ہے۔ پھر عہد کرتا ہے۔ اس کوشش پر جو ثمرہ ملے گا وہ اس سے زیادہ ہے۔ جس سے بالکل غیبت نہیں ہوتی۔ لغو کلام نہیں کرتا' جھوٹ نہیں بولتا جو لگا رہے محنت کرتا رہے اس کو بھی کامیاب کا تو درجہ ملتا ہے' جو یہ سوچ لے بھئی ہم کہاں تک پہنچیں گے کہاں سے ایسے تقویٰ کی زندگی لائیں جھوٹ اور غیبت سے کہاں تک بچیں' تمہاری زبان تمہارے اختیار میں ہے کوئی دوسرا تمہاری زبان پکڑ کر نہیں ہلاتا' بس اس میں خود بے احتیاطی کرتے ہو۔ زبان سے خود بخود کچھ نہیں نکلتا تمہاری غفلت اور کوتاہی سے نکلتا ہے۔ قبل از عمل مایوسی کے بہت شکار ہیں' تکبر' ریا' کینہ' دل آزاری' جھوٹ' حرص' مال کی محبت اس سے بچنے کی کوشش میں لگا رہے۔ حاصل آنچہ شد آں چہ جستجو ئے مبکنم۔

ملنے والوں کے برابر ہوا کرتی ہے۔ ایک شخص دوڑتا ہوا مسجد میں آیا نماز ہو چکی اس کو ثواب اور اجر جماعت کا ملے گا، ہاں نماز کا وقت تو ایک بجے ہے اور دوڑتا ہوا آرہا ہے دو بجے تو پھر اجر نہیں، حسرت اس کو ہوتی ہے جو عین وقت پر آئے اور پھر نہ مل سکے۔

حسرت کا اجر

حضرت ابراہیم ادہم کے پڑوس میں ایک لوہار رہتا تھا، زیادہ عبادت گذار تو نہ تھا، بس محنت کرتا، نماز پڑھتا اور کوئی خاص عبادت اس کی نہ تھی جب اس لوہار کا اور حضرت ابراہیم ادہم کا انتقال ہوا تو کچھ لوگوں نے ابراہیم ابن ادہم کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا معاملہ رہا؟ کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا شکر ہے بڑے درجات ہیں۔ مگر وہ درجہ نہیں ملا جو ہمارے پڑوس کے لوہار کو ملا ہے لوٹ گئے لوہار کی بیوی کے پاس پوچھا کہ ان کا کیا عمل تھا اس نے کہا کہ کوئی خاص عمل نہیں، البتہ اکثر روتے تھے کہ کاش ہم کو بھی فرصت ہوتی تو ایسی عبادت کرتے جیسے ابراہیم بن ادہم کرتے تھا یہ ہے حسرت نایافت، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس حسرت کی بہت قیمت ہے اگر دل سے ہو، مومن کی شان حسرت نایافت ہے مگر غلو اس میں بھی برا ہے، غلو دین اور دنیا کے ہر کام میں برا ہے، حزن وملال تو چاہیے مگر اعتدال کیساتھ یعنی اتنا ملال بھی نہ ہو کہ اس کی صحت پر اثر پڑے یہ بھی برا ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں۔ ذلیل ہوئی ناک اس کی (تین بار فرمایا) عرض کیا کون یا رسول اللہ ﷺ، فرمایا۔

(۱) ایک وہ جس کے سامنے میرا نام آیا اور اس نے درود نہ بھیجا

(۲) دوسرا وہ جس کے ماں باپ اس کے سامنے بڑھاپے کو پہنچ گئے اور ماں باپ نے اس کو بخشوایا نہیں (اور جبکہ ماں باپ سے اپنی بخشش کا سامان لینا اس کے اپنے اختیار میں تھا)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرائض وواجبات کے بعد ماں باپ کی خدمت سب سے بڑا عمل ہے کوئی عمل ماں باپ کی اطاعت سے بڑھ کر نہیں جسے کچھ حاصل کرنا ہو ماں

باپ کو راضی کر لے اور یہ بہت آسان ہے وہ تو ہوتے ہی ہیں راضی۔

(۳) تیسرا وہ کہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا اور چلا گیا اور اس کے گناہ معاف نہ ہوئے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ ہمارے اختیار میں تھوڑا ہی ہے کہ گناہ معاف ہو جائیں' رمضان المبارک کے ایام میں راتیں ایسی ہیں کہ ہماری ذرا سی محنت ذرا سی کوشش ہم کو نکھار دیتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں سے کام نہ لیا اس طرف متوجہ نہ ہوئے کوشش نہ کی اس سے جو کر لیا بس یہی ہوئی' ہمارے جیسے روزے اور نماز ہیں' نہ آداب کا پتہ' نہ فرائض اور واجبات کا دھیان' نہ حلال و حرام کی تمیز۔

بہرحال اتنے روزے گذر گئے یعنی ۵ روزے گذر گئے ہیں کہ باقی ایام کی اصلاح کر لو ان کو درست کر لو تو وہ کریم ہیں باقی بھی ٹھیک کر دیں گے۔ ان ہی میں جدوجہد کرو' ظاہری اور باطنی آداب کے مطابق محنت کرلو' اللہ پاک اس کی توفیق عطا فرمائیں آمین!

مجلس : ۳۴

محاسبہ نفس

حضرت حارث محاسبی صوفیاءِ کرام کے امام مانے گئے ہیں۔ امام تقی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ بغدادی ان کے شاگرد ہیں۔ یہ بڑے درجے کے عالم ہیں۔ ان کے ملفوظات میں سے ہے فرماتے ہیں۔

حَاسِبْ نَفْسَكَ فِي كُلِّ خَطْرَةٍ وَرَاقِبِ اللّٰهَ فِي كُلِّ نَفَسٍ

اپنے نفس کا محاسبہ کرو ہر خطرہ میں۔ قلب کی کیفیات کے وہ ماہر تھے۔ فرمایا دل میں خیال آیا کہ فلاں تمنت' فلاں تماشہ بڑا اچھا ہے۔ دل میں میلان پیدا ہوا۔ پہلے دل میں ایک خطرہ ایک خیال آتا ہے اگر خطرہ کی پرورش کی جائے تو ارادہ بنتا ہے۔ ارادہ پر عمل آتا ہے اور عمل سے عادت بن جاتی ہے اگر خیال پر آپ نے محاسبہ کر لیا۔ ذہن سے نکال دیا تو فارغ ہو گئے۔ ورنہ سوچتے سوچتے دل میں ارادہ ہو جائے گا اور ارادہ کسی نہ کسی وقت عمل کی صورت اختیار کرے گا۔

شیطان کے بہکانے کا طریقہ

شیطان ایک آدمی کو یہ نہیں کہتا کہ تم زنا کرو۔ پہلے ایک حسین صورت دکھائی۔ اگر تم نے اس کی توجہ ذہن سے نہ نکال لی تو بار بار آئے گا۔ پہلی نظر اختیاری نہ تھی دوسری نظر اختیاری ہوگی۔ پھر آگے چل کر ایک رغبت ہو جائے گا کیونکہ اس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ذرائع میں لگ جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ گناہ صادر ہو جائے گا اور ارادہ کامل کے بعد عمل لازمی طور پر ہو جاتا ہے۔

پھر ایک دفعہ گناہ ہو جائے تو بہ کر لے تائب ہو جائے گا اور اگر توبہ نہ کی تو یہ عادت ہوگی اس واسطے فرمایا کہ اول دل میں ارادہ پیدا ہو تو محاسبہ کرو۔ اچھا ہے یا برا؟ اللہ کو ناپسند ہے یا پسند؟ اگر معلوم ہو کہ گناہ ہے تو اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ جس

میں پڑ جائے ایسا نفع بھی نہیں چاہئے۔
اگر اس کو رفع نہ کیا تو اس پہ عمل ہوگا اور پھر عادت ہو جائے گی۔

عادی گنہگار کا دل الٹے برتن کی طرح ہے

حدیث میں ہے کہ ایک شخص عادی ہو جائے گناہ کا تو اس کا قلب ایسا ہو جاتا ہے جیسا الٹا برتن جس میں کوئی چیز نہ آئے۔ پھر نہ کسی بھلائی کو بھلائی اور نہ برائی کو برائی سمجھتا ہے۔ شروع خطرہ سے ہوتا ہے۔ جیسے ڈاکٹر جانتا ہے کہ فلاں بیماری کے جراثیم یہاں سے چلتے ہیں۔ وہ اس کو وہیں روکتے ہیں۔ اسی طرح یہ عارف' باطن کے طبیب ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سب سے پہلے کہاں سے گناہ پرورش پاتا ہے' شہوات نفسانی کا کیا حال ہے اس لئے شریعت نے وہیں پہ محاسبہ کا حکم دیا ہے' فرمایا پہلی مرتبہ غیر اختیاری نظر کسی پہ پڑ گئی وہ گناہ نہیں لیکن دوسری مرتبہ دیکھنا گناہ ہے وہ اختیاری ہے۔

آپ ﷺ ایک اونٹنی پہ سوار تھے افضل بن عباس ساتھ تھے۔ برابر ایک دوسرا اونٹ گزرا اس پہ عورت سوار تھی۔ فضل بن عباس بار بار ادھر دیکھتے۔ آپ نے ان کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ تو وہ خطرہ جاہ کا ہو۔ شہوات کا ہو یہ شروع میں اسی دل سے پیدا ہوتا ہے۔

بے پردگی کا عذاب

سب سے پہلے نظر پہ پردہ بٹھایا۔ آج ہمارے جہاں میں یہ بے پردگی کا عذاب عام ہے لوگ کہتے ہیں کہ نظر ڈالنے سے وسوسہ نہیں آتا۔ یہ جھوٹ ہے شیطان کا دھوکہ ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ نظر ڈالے بار بار اور وسوسہ نہ آئے۔ آج بازار میں چلنا مشکل ہو گیا ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ ایسی تفریحات ایسی مجلسیں ایسی جگہ سے بچنا چاہئے' جہاں عورتیں' مرد جمع ہوں۔ اپنے اہل و عیال میں اس کی فکر کریں کہ پردہ قائم ہو۔ جس شریعت نے نظر پہ پہرہ بٹھایا تھا۔ اس کے ماننے والے آج بے

پاک بازاروں میں بے پردہ پھرا رہے ہیں اپنی لڑکیوں کو۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ ترقی ہے۔ سب سے بڑا عذاب امت پر آج بے حیائی' بے پردگی کا ہے اور کوئی اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ کسی کو ہوش نہیں ہے۔ بڑے پاکباز عالم بھی اس پر توجہ نہیں کرتے۔ بزرگوں کو نظر سے پتہ چلتا تھا کہ کون کیسی نظر ڈال کر آیا ہے۔

آج ترقی کا زمانہ سمجھتے ہیں۔ غیرت میت برباد ہو رہے ہیں۔ ساری نیکی' تقویٰ برباد کرنے کے بعد پکڑ کے ہاتھ آ جائیں یہ ترقی ہے۔ جو عارف لوگ ہیں ان کو جڑ سے اکھاڑنے کی بات بتلاتے ہیں کہ ذہن میں کوئی خطرہ آ جائے اس کو دفع کرو۔

دوسری نظر اور دوسرا خیال لانا وبال ہے

یہاں ایک سوال ہے۔ خطرہ دل میں آنا غیر اختیاری ہے۔ حضرت نے فرمایا: خطرہ جب بلا اختیار آئے تو پہلی نظر پڑنے کے مترادف ہے۔ یہ معاف ہے۔ جیسے سامنے اچانک ایک لڑکی آ جائے اب دوبارہ نہ دیکھو۔ اسی طرح خطرہ دل میں آ جائے۔ پھر اس کی پرورش کرنا' اس کے راستے اختیار کرنا یہ وبال ہے' یہ اختیاری ہے' آدمی سب سے پہلے اس کا خیال کرے کہ اگر دل میں شیطان وسوسہ ڈالے تو یہ اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ اس کی مدد کرے گا۔ اس کو تقویت اللہ پاک کی طرف سے ملے گی۔

ہر وقت حق تعالیٰ کا دھیان رکھو

آگے فرمایا: اللہ کا مراقبہ کرو ہر سانس میں۔ اب سانس کی طرف توجہ کرو۔ ایک سانس کی قیمت کے آگے ساری دنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ ہارون الرشید دیندار اور عیش پسند بادشاہ تھے ایک مجذوب ان کے زمانے میں بہلول تھے۔ دربار میں عام اجازت ان کو تھی۔ وہ ایک روز پہنچے۔ بادشاہ خود گلاس میں شربت لے کر پینا چاہتے تھے یہ پہنچے' پوچھا اے امیر المومنین' اگر تجھے بہت پیاس لگی ہو اور کوئی شخص تم کو آدھی سلطنت کے بدلے یہ گلاس دینا چاہے تو دو گے یا نہیں؟ اس نے کہا۔ ضرور دوں

گا۔ فرمایا یہ تو آدھی سلطنت کا سودا ہے۔
اگر یہ پیٹ میں جا کر رک گیا' پیشاب نہ ہوا۔ پھر دوسری آدھی سلطنت اس پیشاب کے بدلہ دو گے یا نہیں؟ فرمایا ہاں! دوں گا۔ فرمایا: بس ایک گلاس کی قیمت ساری سلطنت ہے تو جو کنوئیں پی کر خالی کر دیئے ان کی کیا قیمت ہے؟

عابد اور فیاض حکیم

ایک حکیم تھے دہلی میں۔ عابد بھی اور فیاض بھی۔ انھوں نے بتایا کہ بمبئی میں ایک کروڑپتی سوداگر بھاگا ہوا آیا۔ کہا میرا باپ مریض ہے۔ ایسی دوا دیجئے کہ تجوری کی چابیاں ہم کو معلوم نہیں ہیں' ہم کو اس کی فکر نہیں کہ باپ مرے یا بچے۔ بلکہ بتا دے کہ چابیاں کہاں ہیں۔ ایک دفعہ اس کی زبان کھل جائے۔ حکیم صاحب نے فرمایا پچاس ہزار روپیہ لوں گا۔ انھوں نے دوا دی۔ زبان پر ڈالنے سے زبان ایک لحہ کے لئے کھل گئی۔

سانس عمر کے اجزاء ہیں

یہ سانس جانتے ہو کیا چیز ہے؟ تمہاری عمر کے اجزاء ہیں ایک سانس گھٹ گیا' ایک جز عمر کا کم ہو گیا' عربی کا ایک شعر ہے (جس کا مطلب ہے) تیری ساری عمر کیا ہے؟ کچھ سانس ہیں جو اللہ کے یہاں گنے ہوئے ہیں تمہیں ان کی تعداد معلوم نہیں۔ جب تم جانتے ہو کہ یہ قیمتی اجزاء ہیں ان کو خالی نہ جانے دو۔
صوفیاء کرام نے ایسی باتیں ہم کو بتائیں کہ کوئی سانس اللہ کی یاد سے خالی نہ جائے۔ سانس اندر گیا ایک نعمت ہے۔ باہر آیا دوسری نعمت ہے کیا انعام ہے خداوند کریم کا؟ حضرت فاروق اعظم فرماتے ہیں۔ محاسبہ کرو اپنے نفس کا۔ قبل اس کے اللہ کے یہاں اس کا حساب ہو۔ ہوشیار تاجر انکم ٹیکس چوٹ سے قبل اپنا حساب تیار رکھتا ہے۔ یہ دوکاندار دو رجسٹر رکھتے ہیں۔ مگر اللہ پاک کے یہاں دو رجسٹر نہیں چلیں گے۔ انکم ٹیکس کی آخری شرح یہ ہے کہ روپے میں سے ساڑھے پندرہ آنے

حکومت کے۔ وہ پیسے دوکاندار کے۔ کون ایسا بیوقوف ہے جو ایسا ہونے دیگا؟ یہی وجہ ہے چوری کی۔ اگر مقدار اس کی اتنی تھوڑی ہوتی تو زیادہ لوگ واویلا کرتے مگر انکم ٹیکس انسپکٹر کے ہاتھ میں کچھ رکھ کر اس کو چلتا بھی کر سکتے ہیں۔

مگر اس علیم و خبیر کا محاسبہ۔ جہاں پر کچھ نہیں چلے گا۔ محشر کے حساب سے پہلے یہاں جانچ کر لو۔

آخرت کے پانچ سوال

حدیث میں ہے۔ یاد رکھو! قیامت کے میدان میں جہاں نہ کوئی سایہ ہوگا، نہ کوئی چیز، نہ درخت، نہ پہاڑ، نہ اونچا نیچا۔ ساری مخلوق اس میدان میں کھڑی ہے۔ دھوپ تیز ہے۔ کوئی آدمی اپنی جگہ سے نہ ہلے گا۔ جب تک پانچ سوالوں کا جواب نہ دے گا۔ آج امتحان کے سوالات خفیہ رکھے جاتے ہیں۔ معلوم ہو جانے سے کہتے ہیں کہ پرچہ آؤٹ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہے۔ چھاپ دیا ہے۔ یہ پانچ سوال ہوتے ہیں۔ ساری عمر اس کی تیاری کر لو۔

(۱) اپنی عمر کس کام میں صرف کی؟ اتنے سانس کی تعداد۔ ساری عمر کا محاسبہ۔

(۲) جوانی جو عمر کا بہترین حصہ تھی اس طاقت کو کہاں لگایا۔ بڑھاپے میں تو شاید ہمت، طاقت کے کام نہ کر سکے جوان تو پہاڑ اٹھا کر رکھ دے۔ تو نے ہمارے لئے کیا کیا؟

(۳) یہ مال جو تم نے کمایا کہاں سے کمایا، حلال سے یا حرام سے؟

(۴) یہ مال جو تم کو دیا تھا کس طرح خرچ کیا۔ حرام میں یا حلال میں اور اللہ کے بتائے ہوئے احکام میں؟

(۵) جو ہم نے علم دیا تھا جس درجہ کا بھی دیا تھا۔ عام علم مسلمانوں کو یہ ہے۔ جھوٹ، چوری، زنا، شراب اور دھوکہ یہ حرام ہیں۔ جو علم دیا تھا اس سے کیا عمل کیا؟ ہم نے تم کو اپنے رسول، اچھے نیک بندوں کی معرفت، تم کو علم پہنچایا۔ اس پر تم نے کہاں تک عمل کیا؟

عقلمند وہ ہے جو ان سوالوں کے جواب کی تیاری کر لے۔ جو حساب حشر

میں کیا جائے گا اس کو آج سوچ لیں۔ ساری عمر تیاری کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے پتہ رکھا
ہے یہ سوال ضروری ہیں۔

آج اکاؤنٹ کا زمانہ ہے' مستقل فن بن گیا ہے ان حسابوں میں جس طرح
کے ہو ایک اور بھی اکاؤنٹ ہے ہمارا۔ جو ضروری ہے جن کے خزانے سے یہ چیزیں
ملی ہیں وہ ہم سے حساب لینے والے ہیں۔

ڈرائی کلین کی مشین

ایک دوست ایک ڈرائی کلین کی مشین دکھانے لے گئے۔ میں نے یہ فکر کی کہ
کپڑے کے داغ دھبے دور کرنے میں کیا کیا کوششیں کیں۔ ہزاروں مصالحے' ہزاروں
مشینیں' لاکھوں روپے برباد کیے' وہ کپڑا جو چند ہی دنوں میں بوسیدہ ہو کر ختم ہو جائے
گا۔ اس کا حاصل معلوم ہے کہ یہ داغ آج چھٹ جائے گا۔ کل پھر میلا ہو جائے گا۔
بلکہ دھوتے دھوتے ختم ہو جائے گا۔ اس کا اتنا اہتمام۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک گناہ کرنے سے قلب پر ایک دھبہ لگ
جاتا ہے۔ دوسرے سے دوسرا۔ یہاں تک کہ قلب سیاہ اور الٹا ہو جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی
دولت اس قلب کے برابر نہیں ہے اور مخبر صادق ﷺ اس کو دیکھ رہے ہیں اس کو بتا
رہے ہیں۔ اس کے داغ دھبے دھولو' دور کر لو۔ اس کی ڈرائی کلین والے صوفیاء
کرام اور علماء عظام ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ کس مصالحہ سے دھبہ دور ہو گا۔

اسی لئے فرماتے ہیں آج حساب لے لو اپنے نفسوں کا اور یہ کوئی مشکل نہیں۔
یہ جو آمد و خرچ کا ہم روز حساب کرتے ہیں' پانچ منٹ میں اپنے روزانہ کا محاسبہ کر
لیں۔ بہت سی برائیوں سے نجات مل جائے آگے فرمایا۔ اپنے اعمال کو تولو قبل اس
کے کہ حشر کے دن ترازو میں تولے جائیں۔ کثرت اعمال مقصود نہیں' بھاری اعمال کی
ضرورت ہے۔ وزن اللہ کے ہاں اعمال کا ہے۔ ڈھیر روئی کے گالوں کی طرح نہ ہو۔
تھوڑا ہو لیکن خالص اور وزنی ہو۔ وزن اعمال کا آتا ہے۔ نیت درست ہو۔ صحابہ
کرام کی شان تھی کہ ایک مد (آدھا سیر) کے برابر خرچ کرتے تو دوسرے لوگوں کے
پہاڑوں کے برابر خرچ کرنے سے بڑھا ہوا ہوتا۔ یہ ان کے اخلاص کی برکت

ہم نیک کام کرتے ہیں۔اس میں بھی شیطان کچھ دنیا کے نفع کا لالچ ہمارے دل میں ڈال کر وزن ہلکا کر دیتا ہے۔دل لگا کر نماز پڑھی تو وزن ہے۔غیر خشوع کے نماز کا وزن نہیں ہے۔

ہمارا وجود ایک متحرک کارخانہ ہے

اور فرمایا: حشر میں اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے آج اس کی تیاری کر لو۔آج ہمارا وجود ایک چلتا پھرتا کارخانہ ہے۔اس میں ایسی چیز تیار کر لو جو حشر کے دن کام آئے۔

فرمایا "اپنے دل میں صرف اللہ سے خوف کرو۔یعنی دین کے معاملہ میں جہاں کوتاہی ہو اس کو اللہ کے خوف سے دور کرنے کی کوشش کرو اور خیر کی امید اللہ سے ہی رکھو۔تمام امور میں خیر کے طالب اللہ سے رہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا ساری چیز دل سے ڈرتی ہے۔ملازم آقا سے تاجر نقصان سے 'لیکن دراصل سوائے گناہ کے اور کوئی چیز ڈرنے کی نہیں۔برباد کرنے والی اصل میں اس کا گناہ ہے اور امید سوائے اپنے رب کے کسی اور سے نہ رکھو۔یہ جو رنج پیش آتے ہیں۔اس لئے کہ دوستوں عزیزوں سے امیدیں باندھ رکھی ہیں۔وہ پوری نہیں ہوتیں۔پھر روتے ہیں۔رب ہی وہ ذات کریم ہے جو تمہاری امیدیں پوری کر سکتی ہیں۔اول تو دوست احباب ارادہ ہی نہیں کرتے۔پھر وہ ارادہ کریں بھی اور مدد نہ کر سکیں تو وہ خود محتاج ہیں۔اللہ پاک مختار ہیں۔خود مختار سے مانگو۔محتاج سے نہ مانگو۔

اللہ پاک اس پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

مجلس: ۲۵

دل میں گناہوں کا خیال لانا

ایک بڑے بزرگ عارف ؒ ہوئے وہ بڑے صوفی اور امام ہیں حضرت جنید بغدادی ؒ کے استادوں میں ہیں ان کے ملفوظات میں ہے فرمایا "کسی گناہ کا دل میں خیال بھی نہ لاؤ"۔ دل میں خیال لانے کا مطلب یہ ہے کہ عمل چاہے نہ ہو مگر دل میں سوچ کر کسی گناہ سے مزے لینا خیال پکانا یہ بھی نہ کرو۔

اب یہ بزرگ بہت فیاض ہیں حکیم ہیں تجربہ کی بات کہتے ہیں جو چیز مضر ہے انسان کیلئے اس کے دل میں خیال سے بھی منع کرتے ہیں' حاذق ڈاکٹر کا کام ہے' ابتداء بیماری کے جراثیم سے روکتا ہے وہ بیمار کو بات کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے مریض سے ملنے کو بھی منع کرتے ہیں۔ دراصل یہ پرہیز بیماری کو مضر نہیں مگر وہ جانتے ہیں کہ انجام اس کا برا ہے' صوفیاء کرام ؒ جانتے ہیں کس چیز سے آدمی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے حدیث کی رو سے گناہ تو نہیں مگر اکثر یہ ہوتا ہے جب ایک منصوبہ دل میں بنا لیا غلط راستوں کا نقشہ ذہن میں بٹھا لیا' عادت یہ ہے کہ پھر بچنا مشکل ہو جاتا ہے فطرت یہی ہے کہ منصوبہ پکا لیا۔ پھر اس پر ٹھہرنا مشکل ہے ایسے مواقع سے بچو ایسے خیالوں سے بچو ایسی مجلسوں سے بچو دل کو گناہ کے خیال سے ہی بچاؤ اور دل کو اتنی دیر اور کسی لائحہ عمل میں لگا لو ذکر کرو۔

صغیرہ اور کبیرہ دونوں گناہوں سے بچو

دوسری نصیحت صغیرہ گناہ اور کبیرہ گناہ دو قسم کے ہیں فرق یہ ہے کہ کبیرہ بغیر توبہ و ندامت اور بغیر چھوڑنے کا عہد کے معاف نہیں ہوتا پہلے کئے پر ندامت ہو' آگے کیلئے عزم کریں' اور عملاً اس کے پاس بھی نہ جائیں اور صغیرہ گناہ اللہ پاک

نیک کام کرنے سے خود بخود معاف کر دیتے ہیں قرآن میں ہے نیکیاں برائیوں کو مٹا
دیتی ہیں اس سے مراد صغیرہ ہی ہے کبائر جیسے قتل زنا چوری' رشوت' جھوٹ'
غیبت یہ تو معاف ہو نہیں سکتے' صغیرہ جتنے ہیں ان کے بارے میں اللہ پاک نے اپنی
رحمت سے کام لیا ہے کہ نیکیاں کرنے سے وہ خود معاف ہو جاتے ہیں۔

صغائر کی مثالیں

ایک آدمی صبح اٹھتا ہے سلام کر لیا ایک گناہ معاف ہو گیا کسی سے ہنس کر بات
کر لی' مسجد کی طرف چل دیئے۔ ہر قدم پر ایک نیکی لکھی گئی ایک گناہ معاف ہوا وضو
سے ہاتھ پاؤں کے گناہ معاف ہو گئے مگر یہ سارے صغیرہ گناہوں کے لئے ہیں یہ فرق
ہے دونوں میں صغیرہ گناہ بے شمار ہیں سنت کے خلاف سارے عمل صغیرہ ہیں پانی بسم
اللہ کہہ کر نہیں پیا یہ صغیرہ ہو گیا۔ داہنے کے بجائے بائیں سے کھا لیا صغیرہ گناہ ہے
سینکڑوں گناہ معلوم ہی نہیں تو عمل اس سے بچنے کا کیسے ہو گا۔ غرض حضور ﷺ کے
طریقوں کے خلاف کرنا سارے صغیرہ ہیں اور بسا اوقات ایسے گناہ ہو جاتے ہیں کہ
آدمی کو خبر بھی نہیں ہوتی اسی طرح اللہ پاک ان کو ایسے معاف کر دیتے ہیں کہ ان کو
خبر بھی نہیں ہوتی جیسے صغیرہ گناہ ہونے کے سینکڑوں راستے ہیں ایسے ہی اس کے
معاف ہونے کے بھی سینکڑوں راستے ہیں۔

صغیرہ کو معمولی نہ سمجھو

یہ صوفیاء اسپیشلسٹ ڈاکٹر ہیں جانتے ہیں انسان کی ہر رگ و ریشہ کو' فرمایا۔
صغیرہ کو چھوٹا سمجھ کر بے پرواہی نہ کرو غفلت ہو جائے دوسری بات ہے مگر یہ نہ سوچے
صغیرہ کر ہی لیا تو کیا حرج ہے' یہ بڑا گناہ ہے چونکہ جس چھوٹے کو چھوٹا سمجھ لیا وہ کبیرہ
ہو گیا کسی نے پوچھا۔ کبیرہ گناہ کیا ہے فرمایا جو اللہ کو ناپسند ہے وہ کبیرہ ہے اب اس کا
کیا چاہئے بتایا جائے چھوٹے گناہ بڑے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے چھوٹا بچھو اور بڑا بچھو۔
عقلمند آدمی چھوٹے بچھو کو بھی ہاتھ میں نہیں لیتا چونکہ وہ بھی کم زہریلا نہیں ہے۔ فرمایا

صغیرہ سے بھی اس طرح بچو جیسے کبیرہ سے بچتے ہو جان بوجھ کر کسی چھوٹے گناہ کو کرنا
اللہ کے سامنے جرات ہے اور یہ بڑا گناہ بن جاتا ہے سب سے بڑا جرم ہے اور صغیرہ گناہ پر
اصرار کرنا بھی کبیرہ ہے۔ مثلاً پہلے دائیں کروٹ لیٹ گئے پھر چاہے جس طرح لیٹے اگر
جان بوجھ کر بائیں کروٹ نہ چھوڑا اور معلوم ہونے کے باوجود ضد یا اصرار سے ایسا کیا تو
یہ کبیرہ ہے۔ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شیطان کا کام ہے۔ آج کے مسلمان عموماً اس کے
خلاف کرتے ہیں کھاتے وقت بھری انگلیوں سے گلاس دائیں سے پکڑنا نفاست کے
خلاف ہے مگر بائیں سے گلاس پکڑ لو اور پینا شروع کرو بایاں ہاتھ نیچے رکھ کر تاکہ
رسول پاک ﷺ کے فرمان کا احترام اور عظمت ہو۔

ہر حاجت اللہ سے مانگو

اور فرمایا جب تمہیں کوئی حاجت پیش آئے اللہ سے رجوع کرو۔ اس سے یہ
ہوگا کہ دل میں رجوع الی اللہ کا خیال آتے ہی پہلے تو اس کا ثواب مل گیا کلام پاک
میں ہے اے اللہ جب میں اس کام میں داخل ہوں مجھے اچھی طرح داخل کیجئے اور اچھی
طرح نکالئے اور اس میں میرا کوئی مددگار بنا دیجئے "رب ادخلنی..... الخ" کسی
کام کے شروع میں یہ پڑھ لیا تو نفع تو یہ ملا کہ تلاوت کا ثواب ملا پھر اس میں
آسانیاں اللہ پاک نے پیدا کر دیں۔

اصحاب کہف اور خدا کی قدرت

اصحاب کہف مومن تھے بادشاہ ظالم تھا انہوں نے اپنے دین کو بچانے کے لئے غار
میں پناہ لی تین سو سال۔ نیند اللہ نے مسلط کر دی نہ بدن گلا نہ بھوک لگی اس عرصہ
میں حکومت بھی بدل دی بزرگوں نے لکھا ہے کہ ان پر جو رحمت انہوں نے مانگی تھی
اس کے سبب اللہ نے ان کو بے نیاز کر کے قائم رکھا اللہ پاک صرف منہ سے کھلانے
کے محتاج نہیں آج بھی انجکشن سے غذا پہنچائی ہے اللہ پاک مسامات سے ناک سے
جس راستے سے بھی چاہیں غذا دیدیں اور غذا ضروری نہیں کہ روٹی ہو صرف ہوا میں

وہ طاقت دیتے ہیں کہ پیٹ بھر جائے
صوم وصال حضور ﷺ رکھتے تھے لیکن صحابہ کرام کو آپ نے اس سے منع فرمایا کہ اللہ پاک مجھے تو غذا کی حالت میں بھی دے دیتا ہے۔ تم کو یہ درجہ نہیں مل سکتا۔ آج ہومیو پیتھک کی دوا جتنی طاقت کم ہوگی فائدہ زیادہ ہوگی۔ ایٹم بم کی بنیاد بھی ذرات پر ہے جو سب سے کم درجے کے ہوں اللہ پاک کی قدرت ان تمام ایٹموں سے کہیں زیادہ ہے وہ جس طرح چاہیں انتظام کر دیں۔

پہلے حق تعالیٰ سے مانگو پھر ذریعہ اختیار کرو

اللہ پاک نے اصحاب کہف کو ایسا رکھا کہ دیکھنے والا سمجھے کہ جاگ رہے ہیں آنکھیں کھلی ہیں اور مزید یہ کہ ایک کتا دروازے پر بٹھا دیا اس کی بھی ہیئت ایسی ہے کہ سب سمجھیں کہ جاگ رہا ہے غرض نہ کوئی آفت باہر سے آئی نہ اندر سے یہ اس دعا کی برکت ہے جو اصحاب کہف نے مانگی' غرض مومن کے سارے مقاصد کیلئے رجوع الی اللہ ہے ڈاکٹر کے پاس جانے سے پہلے اللہ سے دعا کرو۔ وکیل سے پہلے خدا سے مشورہ لو دوکان سے پہلے اللہ سے مانگو ذرائع سارے بعد میں اختیار کرو پہلے دعا کر لو۔ ان اسباب میں برکت ہوگی اور اس کا اجر بھی اللہ پاک سے ملے گا۔

ہر حال میں ہم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں

آگے فرمایا اللہ کے سامنے محتاج بنے رہو ہر حال میں اللہ سے بے نیازی ظاہر نہ کرو اپنے طرز عمل سے زبان سے دل سے یعنی ظاہر کرو اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو ضائع نہ کرو۔ جس کے گھر بہت سا غلہ بھرا ہے کھانا سامنے آئے دو چار نوالے کھا کر باقی پھینک دیا گیا پرواہ نہیں بلکہ جیسے حاجت مند فقیر کھاتا ہے اس طرح اسے کھاؤ اس کا شکر ادا کرو۔ محتاجی اللہ سے ظاہر کرو۔

رسول پاک ﷺ کے سامنے کوئی چیز ہدیہ پیش کرتا آپ کی عادت تھی کہ گرچہ اس کی ضرورت نہ ہو یا پسند نہ ہو مگر ایسے اس کو لیتے تھے جیسے اس کے محتاج ہوں اس

کی ضرورت ان کو ہو یہ کہنا کہ ہم کو تو ضرورت نہیں بڑا گناہ ہے تاکہ دینے والے کا دل ٹھنڈا رہے۔

ہر نعمت کی قدر کرو

جو نعمت اللہ کی طرف سے ملے اس کی قدر پہچانو یہ کہو کہ میرے پاس سینکڑوں آجائیں گے یہ سب اس نے دیا ہے اگر ناقدری کی تو ترس جاؤ گے دانہ دانہ کو آج کل میں رزق کی ایسی بے ادبی ہے اس کی وجہ سے مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے کوئی نہیں جانتا کہ یہ گرانی مہنگائی کس لئے ہے یہ ساری رزق سے بے اعتنائی کی وجہ ہے۔

عربوں کی مہمان نوازی

ایک عرب کے پاس کسی کا ۱۰ درہم قرض تھا وہ قرض خواہ تقاضا کرنے آیا اس نے عذر کیا وہ چلنے لگا اسے روک لیا کہ تم میرے مہمان ہو' دنبہ ۱۰۰ روپے کا ذبح کیا اسے کھانا کھلایا عرب کی فطرت مہمان نوازی کی ہے مگر ضائع اس کو نہیں کرتے۔ یہاں نئے نئے ہوٹل تو بنتے جا رہے ہیں مگر قیمتی کھانے بھی بچ جانے کے بعد ضائع کر دیئے جاتے ہیں یہ گرانی اسی وجہ سے ہے۔ فرمایا اللہ کے سامنے ہر وقت بتکلف محتاج بنے رہو اور فرمایا ہر کام میں اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ دنیا کے کام کرو مگر اعتقاد یہ بناؤ کہ نفع دینے والا اللہ ہے اور فرمایا نفس کی خواہشات سے بچو جس چیز کی رغبت نفس کی زیادہ ہو اسے غور کرو کہیں یہ گناہ تو نہیں ایسے ہی جس وقت نفس نے تقاضا کیا وہ کام نہ کر ڈالو بلکہ سوچ لو اور نیک کاموں کو کل پر نہ ڈالو۔ کوشش کرو کہ جو کل کرنا ہے وہ آج کر ڈالو کل آنے والا کام بھی تو اپنی جگہ اہم ہوں گے پھر آج کا کام کل کرنے سے بوجھ ہو جائے گا۔ جب آج نہ کر سکے تو کل کیسے کرو گے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت کو چین نہیں آتا تھا جب تک کام پورا نہ ہو جائے۔ تمام کاموں کا

پوچھو اور پھر سب کا نپٹنا صرف ڈاک کو دیکھئے ہزاروں مختلف لمبے لمبے خطوط سب کا جواب دینا۔ ہم صرف ایک خط پڑھنا چاہیں تو بعض بعض ایسے کہ پورے دن میں نہ پڑھ سکیں اور آپ سارے خطوط چاہے کتنی رات ہو جائے کھانا نہ کھائیں گے جواب ضرور جائے گا وہ کام کرنے والے تھے نفس کے بہانوں سے بچو اور نیک کام فوراً کر ڈالو۔

شہرت یا مصیبت

اور فرمایا اپنے ذکر کو گمنام کرو کوئی نہ جانے کہ کیا پڑھتے ہیں اکبر نے کہا ہے۔

اک زمانہ میں یہ خواہش تھی کہ جانیں ہم کو لوگ
اب یہ رونا ہے کہ ہم کیوں اس قدر جانے گئے

زیادہ تعارف سے راحتیں بھی ہیں مگر ایک عذاب بھی ہے کہ چین نہیں ملتا نفع کم نقصان زیادہ ہے اور فرمایا اللہ کا ہر حال میں شکر ادا کرتے رہو۔ یہاں تک کہ مصیبت' بیماری' تکلیف میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اور صبر بھی کرو۔ اب سوچنا یہ ہے کہ جیسے اللہ کی نعمتوں کی حدود کی انتہا نہیں ایسے ہی مصائب کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ شکر کرو کہ یا اللہ مجھے جتنی تکلیف ہے یہ کم ہے مجھ سے زیادہ تکلیف والے لوگ دنیا میں موجود ہیں دوسرے یہ کہ دنیا کی مصیبت آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ دین کی مصیبت آئے مثلاً کسی نے سود' شراب' غیبت شروع کر دی یہ اس سے بڑی مصیبت ہے جو بیماری یا مصیبت یا پریشانی تم پر آئی اس لئے ان گناہوں سے بچ گیا تو یہ بات بھی قابل شکر ہے۔

دنیا کی تکلیف آخرت کی کلفت سے بہتر ہے

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا جیل میں چار سال کی قید اور اسی سال کی عمر میں رہاں سے لکھا یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا الحمد للہ! مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں گناہوں میں نہیں' کتنے دن کی زندگی ہے اگر ساری زندگی بھی مصیبت میں کٹ جائے اور

گناہوں سے بچ جائے تو یہ بہت اعلیٰ سودا ہے بڑا منافع ہے اس میں، جب بے چینی میں ہو تو کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ حَالِ اَھْلِ النَّارِ۔ کیسے پیارے الفاظ ہیں رسول پاک ﷺ کے۔ اللہ پاک ہم کو اس پر دائم بنائے اور فرمایا استغفار کی کثرت کرو۔ توبہ کرتے رہو اس واسطے کہ آدمی کثرت سے گناہوں میں مبتلا ہے تو استغفار بھی کثرت سے ہو جایا کرے۔

مجلس : ۳۶

زبان کی آفتیں

ایک حدیث میں سرکار دوعالم ﷺ نے "زبان" کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿جِرْمُهُ صَغِيرٌ وَجُرْمُهُ كَبِيرٌ﴾

"اس کا جسم تو چھوٹا سا ہے مگر یہ جرم بڑے بڑے کرتی ہے"۔

اور حقیقت یہ ہے کہ انسانی جسم میں جتنے زیادہ گناہ زبان کی اس قدرتی مشین سے سرزد ہوتے ہیں شاید ہی کسی اور عضو سے اتنے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہو، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ اپنی زبان کو پکڑ کر مروڑ رہے ہیں، پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

"اِنَّ هٰذَا اَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ" اس چیز نے مجھے بہت سی ہلاکتوں میں مبتلا کیا ہے۔

زبان کے بعض سنگین گناہ

زبان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے تو وہ ہیں جن کا گناہ ہونا سب جانتے ہیں مثلاً جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ اور گانا بجانا وغیرہ۔ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ یہ چیزیں ناجائز ہیں اگر کوئی شخص ان کا ارتکاب کرتا بھی ہے تو گناہ سمجھ کر کرتا ہے، دل میں شرمندہ ہوتا ہے اور یہ امید رہتی ہے کہ کسی وقت اس گناہ سے نجات حاصل کرلیگا۔ لیکن زبان کے بعض سنگین جرائم ایسے ہیں جن کے گناہ ہونے کا احساس بھی لوگوں کو نہیں ہوتا اور جب بیمار کو اپنی بیماری کا شعور ہی نہ ہو تو اس کی صحت کی کیا خاک امید ہو سکتی ہے؟ اس لئے یہ جرائم زیادہ خطرناک اور موجب ہلاکت ہیں، آج اسی قسم کے چند گناہوں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

اسلامی باتیں

زبان ایک قدرتی مشین ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو مرحمت فرمائی ہے تاکہ وہ اس کو ایسے کاموں میں صرف کرے جو اس کے دین یا دنیا کے لئے مفید ہوں۔ لہٰذا اگر اس کو کسی ایسے کام میں استعمال کیا جائے جو نہ دین کے لئے مفید ہو نہ دنیا کے لئے تو یہ اس قدرتی مشین کا بیجا استعمال ہے اور اسلام میں اس سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ فضول اور بے فائدہ باتوں میں زبان کا استعمال کرنا ہر اعتبار سے مضر ہی مضر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں منقول ہے:

"کَانَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَزْرَ الْکَلَامِ طَوِیْلَ الصَّمْتِ۔"

"آپ کم گو اور زیادہ تر خاموش رہنے والے تھے"۔

امام اعظم ابو حنیفہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی انگوٹھی پر یہ قول نقش کرایا ہوا تھا کہ:

قُلِ الْخَیْرَ وَإِلَّا فَاصْمُتْ

"نیک بات کہو ورنہ خاموش رہو"۔

علمائے دیوبند میں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت میاں صاحب کے لقب سے معروف ہیں) عجیب شان کے بزرگ تھے۔ مجھ پر خاص شفقت فرماتے تھے۔ ایک روز میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ "آج گفتگو عربی میں کریں گے"۔ اس سے قبل چونکہ حضرت نے کبھی ایسی فرمائش نہیں کی تھی اس لئے مجھے حیرت ہوئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کی حکمت بیان فرمائی کہ "عربی میں بلا تکلف بولنے کی مشق نہ تم کو ہے نہ مجھے اس لئے اس قید کی وجہ سے باتیں کم ہوں گی"۔ اور پھر فرمایا کہ "ہماری مثال اس مسافر کی سی ہے جس کی روپیوں سے بھری ہوئی تھیلی ختم ہونے لگی ہو اب وہ ایک ایک روپیہ بڑی احتیاط سے خرچ کرتا ہے"۔

۲ـ فضول مباحثے

لایعنی باتوں ہی کی ایک قسم جس میں اہل علم بطور خاص مبتلا ہو جاتے ہیں فضول بحث و مباحثہ ہے جس کے پیچھے کوئی فائدہ نہ ہو۔ ایک بحث و مباحثہ تو وہ ہے جس کا مقصد تحقیق حق ہوتا ہے اور جو طالب علموں کی ضرورت ہے وہ تو بالکل جائز بلکہ مستحسن ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ ”مجالس علمیہ کہ چون و چرا نہ کند و صوفی کہ چون و چرا گفت ہر دو را بچراگاہ باید رفت“ لیکن یہاں میری مراد بحثوں سے ہے جن کے پیچھے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ دو بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے استرشاد کے لئے بلخ سے دہلی پہنچے، حوض پر وضو کرنے بیٹھے تو دونوں میں بحث چھڑ گئی کہ یہ حوض بڑا ہے یا بلخ کا فلاں حوض۔ کافی دیر تک جانبین سے ”دلائل“ پیش کئے جاتے رہے۔ حضرت نظام الدین رحمہ اللہ کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ جب دونوں نماز کے بعد حاضر ہوئے اور مدعا عرض کیا تو حضرت نے فرمایا۔ ”کیا فیصلہ ہوا؟ کونسا حوض بڑا ہے؟“ دونوں خاموش رہے تو حضرت نے فرمایا کہ جاؤ تمہارا علاج یہ ہے کہ دونوں حوضوں کی پیمائش کرکے پہلے اس بحث کا فیصلہ کرو، اس کے بعد آگے بات ہوگی“

عوام میں بھی یہ مرض آج کل شدید ہو رہا ہے کہ دین کی ضروری باتوں سے مطلق بے خبر ہیں مگر فضول کی بحثوں میں الجھے رہتے ہیں۔ مجھ سے جب کوئی ایسے فضول سوال پوچھتا ہے تو میں جواب میں یہ حدیث سنا دیتا ہوں کہ من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ ”انسان کے اسلام کی اچھائی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے“۔

۳ـ مراء وجدال

پھر جو بحثیں جائز اور مفید ہیں ان میں بھی ایک بڑی آفت ”مراء وجدال“ ہے۔ آج کل یہ وبا اس قدر عام ہو گئی ہے کہ بحث خواہ کتنی ہی اور مفید ہو لیکن اس میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع، طنز و تعریض اور چوٹیں کئے بغیر تنقید کو تنقید سمجھا ہی نہیں جاتا

اور اس مقصد کے لئے طرح طرح کی "مہذب" گالیاں ایجاد کی جاتی ہیں اور اس کو بڑا ہنر سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ "المراء في العلم يذهب بنور الايمان" علم میں جھگڑا کرنا ایمان کے نور کو زائل کر دیتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ "اگر کوئی کسی شخص کو خلاف سنت کام کرتے دیکھے تو کیا کرے؟" فرمایا کہ "نرمی سے سمجھا دے اور جدال نہ کرے"۔

واقعہ یہ ہے کہ اس فقرہ بازی سے مسلمان کی دل آزاری کا انفرادی گناہ تو ہوتا ہی ہے، اس کے علاوہ اس کا ایک زبردست اجتماعی مفسدہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کے باہمی افتراق و انتشار کو ہوا ملتی ہے اور فرقہ بندی اور جماعتی تعصب کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اگر علمی بحثیں خالص علمی انداز میں کی جانے لگیں تو مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ افتراق میں بڑی نمایاں کمی واقع ہوگی۔

چند ارشادات

زبان کو قابو کیجئے

انسان کو چاہئے کہ کوئی بات ایسی نہ کرے کہ جس سے دوسرے کو تکلیف اور اذیت پہنچے یہ کل سلوک ہے۔

بزرگوں کو ستانا سخت گناہ ہے

فرمایا۔ میاں جی نور محمد صاحب حضرت شیخ کے داداپیر تھے۔ ایک شخص سے ان کی شان میں کچھ گستاخی ہوگئی۔ اور پھر وہ بیعت بھی ہو گیا حضرت سے۔ آپ نے ایک مدت کے بعد فرمایا کہ ابھی تم کو مجھ سے کوئی فائدہ تو نہیں پہنچ سکتا۔ چونکہ جب کبھی میں کوئی فائدہ پہنچانے کے لئے تم پر توجہ کرتا ہوں۔ وہ تمہارے الفاظ دیوار بن کر حائل ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ میں نے معاف کر دیا ہے لیکن دل پر ابھی تک اس کا اثر موجود ہے۔ بزرگوں کی شان میں گستاخی بعض اوقات رکاوٹ ہو جاتی ہے دینی مدارج حاصل کرنے میں اسی طرح کسی بزرگ کی بے ادبی کرنا' یا دل دکھانا سخت ترین گناہ ہے ایک صحابی جنہوں نے قبل اسلام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم اچھا ہے کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔ تم کو دیکھ کر مجھے اپنے چچا کا واقعہ یاد آتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ جب کسی کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو وہ نیک لوگوں کی برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ جس کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں وہ کسی عیب دار کو بھی برا نہیں کہتا۔ گناہ کا برا ہونا اور بات ہے۔ کسی گنہگار کو برا مت خیال کرو اس کے گناہ سے نفرت کرو۔ معلوم نہیں کب وہ توبہ کرلے اور اس کا کیا معاملہ پیش آئے۔ انجام کسی کا معلوم نہیں۔

سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے دو آدمیوں کو بیعت کرنے سے قبل فرمایا کہ پہلے اس حوض کو ناپ کر آؤ۔ جس کو تم بڑا کہہ رہے ہو۔ پھر جب وہ ناپ کر آئے اور کہا کہ ایک بالشت بڑا

ہے تو پھر فرمایا کہ تم نے بہت بڑی نیکی کمائی۔ ہم تم کو بیعت نہیں کرتے۔ آج کل شعبدے یاد
کر لیتے اور پیر بن گئے۔ نعوذ باللہ یہ لوگ بھی سب حرام۔ مگر شعبدہ باز بھی کامل ہو گئے۔
بزرگوں نے ایسے مجاہدات کئے تب یہ درجات حاصل ہوئے۔ ہم تو بغیر محنت کے وہ
درجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ پاک اپنے دین کی سمجھ عطا فرمائیں اور نیک عمل کی
توفیق ہم سب کو عطا کریں۔ آمین

غیبت کا علاج

صاحب حق سے معاف کرا کر توبہ کرنا سب سے زیادہ ضروری اور مؤثر
ہے۔

مجلس: ۳۷

متقی بنانے والی کتاب

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا مطلب

(فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا مطلب سمجھنے کے لئے) ایک مثال پیش کرتا ہوں اس سے یہ مفہوم سمجھ میں آجائے گا وہ یہ کہ کسی جگہ چند انگریزی کتابیں رکھی ہوں جو بی اے کے کورس میں داخل ہوں اب ان کتابوں کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ بی اے کا کورس ہے۔ درست ہے یا نہیں؟ سب نے کہا کہ یہ درست ہے۔ حضرت والا نے پھر یہ فرمایا۔ جو شخص بی اے کر چکا ہے اس کو تو اس کورس کی ضرورت نہیں اور جس نے یہ کورس نہیں کیا وہ بی اے نہیں جو جواب آپ یہاں دیتے ہیں سو وہی "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" کا جواب ہے سب کے سب مطمئن ہو کر خاموش ہو گئے اور مطلب واضح ہو گیا کہ یہ کتاب متقی بنانے والی ہے۔

تشریح: "بی اے" کے کورس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر آدمی بی اے ہو جاتا ہے' اسی طرح قرآن کریم سے ہدایت حاصل ہو جاتی ہے تو "تمثیل" ایک ایسا فن ہے جو اللہ تعالی خاص خاص لوگوں کو دیتا ہے اور یہ انبیاء کا خاص فن ہے اور سب سے بڑھ کر قرآن کریم کی تمثیل ہے۔ اس کے بعد است کے خاص خاص لوگوں کو اللہ تعالی نے تمثیل کا فن عطا فرمایا ہے۔ ان میں سے خصوصی امتیاز حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے ایسی مثال دے کر بات سمجھاتے ہیں کہ دل میں بات اترتی چلی جاتی ہے۔

۱۸۵۷ء کی ایک نصیحت آمیز حکایت

حضرت نے فرمایا کہ ہمارے ماموں جو ایک آزاد منش درویش تھے انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مقام پر بہت سی لاشیں

پڑی ہوئی تھیں ایک لالہ جی (یعنی بنیا) دور کھڑے ہو کر تماشہ دیکھ رہے تھے ۔ لاشوں میں سے ایک زخمی جو ابھی مرا نہیں تھا اس نے لالہ جی کو آواز دی کہ لالہ جی یہاں آؤ ۔ لالہ جی گھبرا گئے اور بھاگنے لگے کہ مردہ بول اٹھا اس نے پھر آواز دی کہ لالہ جی گھبراؤ نہیں میں مردہ نہیں ہوں بلکہ زخمی ہو گیا ہوں اور مرنے والا ہوں اور میری کمر میں بہت سے روپے بندھے ہوئے ہیں ' مجھے یہ خیال آیا کہ اب یہ روپے میرے کام کے تو نہیں ۔ تمہیں ہی دیدوں ۔ تمہارے کام آجائیں گے ۔ روپیہ کا نام سن کر لالہ جی پگھل گئے اور ڈرتے ڈرتے زخمی کے پاس گئے ' جب بالکل قریب آگئے تو زخمی نے تلوار اٹھائی اور لالہ جی کی ٹانگ کاٹ دی ۔ اب لالہ جی گر پڑے تو گرتے ہی اس کی کمر ٹٹولی کہ روپیہ تو سنبھالوں ۔ زخمی نے کہا ۔ لالہ جی تم پاگل ہوئے ہو کوئی میدان جنگ میں بھی روپیہ باندھ کر لایا کرتا ہے ۔ بس بات اتنی ہے کہ یہاں سب مردے پڑے ہیں اور میں تنہا زندہ ہوں ' رات ہو رہی ہے میں نے چاہا کہ بات چیت کے لئے آدمی ہو تو رات آسان ہو جائے گی ۔ تمہیں ویسے ٹھہرنے کو کہتا تو تم کہاں رہتے ' میں نے اس کے لئے تمہیں اپنے ساتھ کر لیا ہے ۔ لالہ جی غصے میں بھر کر بولے : سنگھ گاوت کے آرت ' نہ خود چلے نہ دوسروں کو چلنے دے ۔

ماموں صاحب نے یہ حکایت بیان کر کے سنایا کہ آج اللہ کے راستے میں لوگوں کا یہی حال ہے کہ خود تو چلتے ہی نہیں ' کوئی دوسرا چلنا چاہے تو اس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں ۔

اصلاح میں خود رائی مضر ہے

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب جو میرے مخصوص دوستوں میں سے ہیں انہوں نے بعض رذائل کی اصلاح میں بار بار تخلف ورزی ہو جانے سے تنگ ہو کر اپنے نفس پر بطور سزا ایک بڑی رقم ماہوار صدقہ کرنا تجویز کر لیا ۔ مجھے اطلاع ہوئی تو میں نے منع کر دیا کہ تمہیں ایک پیسہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر یہ خرچ کریں گے تو تشویش میں پڑ جائیں گے اور اہل و عیال کے حقوق جو ان کے ذمے ہیں ان میں کوتاہی ہوگی ۔

تشریح : بس یہ تو عارف ہی جانتا ہے کہ کس کے لئے کیا مناسب ہے ۔ حضرت والا تھانویؒ

تو ایسی تجویزیں خود کیا کرتے تھے کہ اگر کوئی آدمی غلطی کر بیٹھے اور یہ معلوم ہو کہ بار بار یہ
غلطی ہوتی ہے تو آپ اس سے فرماتے کہ اپنے اوپر جرمانہ قائم کرو اور کبھی نفل پڑھنے کا اور
کبھی صدقہ خیرات کرنے کا جرمانہ لگاتے۔ لیکن یہاں یہ ہوا کہ اس شخص نے اپنی خود رائی
سے اپنے اوپر جرمانہ لگا لیا اور بہت بڑا جرمانہ لگالیا کہ اتنی رقم ماہوار صدقہ کروں گا اور اتنی
رقم ماہوار صدقہ کرنے کی اس کی پوزیشن نہیں تھی اور اتنی حیثیت نہیں تھی کہ ماہوار اتنا
صدقہ کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کا خرچ بھی اٹھا سکے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل و عیال
بھوکے مرنے لگے۔ اس واسطے حضرت والا نے ان کو روک دیا۔

مجلس: ۴۸

اعمال صالحہ

تین دوست

آج پہلے ایک ملفوظ سن لیں ابن عطا ءاللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ کا جو بلند پایہ بزرگ ہیں! فرمایا اے عزیز! اس دنیا میں تمہارے تین دوست ہیں ایک "مال" جو تکلیف کے وقت کام آتا ہے اس سے دنیا کے سب قصے چلتے ہیں اسی لئے لوگ سب سے زیادہ اسی کی فکر کرتے ہیں اس کو بنانے رکھنے کے واسطے منتظر رہتے ہیں دوسرا دوست تمہارے "عیال" ہیں بچپن میں ماں باپ جوانی میں بیوی بچے یہ بھی تکلیف و خوشی کے ساتھی ہیں اور تیسرا وہ جس کو تم دوست نہیں سمجھتے وہ ہیں "اعمال" دنیا میں بھی اعمال کے اثرات مرتب ہوتے ہیں گو وہ تم کو معلوم نہ ہوں مگر کس عمل سے یہ فائدہ ہوا کس سے یہ نقصان ہوا سب کچھ نہ کچھ اپنے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے 'نیک اعمال کے ثمرات فراخی عیش 'آسائیاں اور بد اعمال کے اثرات تنگی 'ذلت 'بے چینی ہیں۔

فوائد تقویٰ

فرمایا جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ پاک اس کے لئے ہر جگہ راستہ نکال دیتے ہیں اور رزق ایسی جگہ سے دیتے ہیں 'جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہوتا ہو اس کے کام آسان کر دیتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ جیسے مال اور عیال مشکلات میں کام آتے ہیں اسی طرح اعمال ہیں جو دنیا میں بھی آسانیاں کر دیتے ہیں اور مدد پہنچاتے ہیں فرق اتنا ہے کہ بیٹے نے مدد کی تو اندازہ ہوا 'ہاں یہ کام آیا 'پیسہ دیا تو نظر آیا ہاں پیسے نے کام دیا اور اعمال کی مدد نظر نہیں آتی اس لئے آپ کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔

گناہوں کے اثرات

گناہوں کے اثرات جب دنیا میں پھیلتے ہیں تو وبائی صورت اختیار کر لیتے ہیں' جیسے آج کل ہو رہا ہے' رشوت و حرام سے جائداد بنالی تو تیرے اوپر بھی کوئی اور ظالم آئے گا جو تجھ سے یہ چھین لے گا یا تکلیف پہنچائے گا آج بالائی آمدنی سے لوگ بڑے خوش ہیں مگر یہ خبر نہیں کہ اس سے زیادہ خرچ ہو جائے گا اور تجھ کو خبر نہ ہوگی گھی والا ملاوٹ کر کے خوش ہو گیا مگر جب دودھ لینے گیا تو اس کو اس سے زیادہ ملاوٹ کی شے ملی اس مسکین کو خبر نہیں کہ یہ کیا ہوا جائے گا کس راستے سے خدا بچائے لوگ خوش ہیں کہ ہم نے خوب تجوریاں بھر لیں مگر حقیقت یہ ہے کہ امن و عافیت سے خالی ہیں' غرض اس تیسرے دوست اعمال کی مدد نظر نہیں آتی۔

آپ گھر سے نکلے جس سے ملنا تھا راستے میں مل گیا کام ہو گیا گھر آ گئے اگر یہ درست نہ ہوا تو جس سے ملنے گئے وہ تو نہ ملا ایک اور آفت دوسری کھڑی ہو گئی اس سے نجات نہ ملی تھی کہ تیسری مصیبت کھڑی ہو گئی الجھن پر الجھن بڑھ گئی' ٹریفک کا سگنل جب کھلا ملا تو ہر جگہ کھلتا ہی ملتا گیا' بند ہوا تو ہر جگہ رکاوٹ ہوتی چلی گئی یہ اتفاقات نہیں ہیں بلکہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تمہارے ساتھ ہو رہا ہے تم کو خبر نہیں۔

سب سے اچھا دوست اعمال صالحہ ہیں

مولانا رومی ؒ فرماتے ہیں تجربیں کر لوگوں کے سالہا سال سر توڑ بار بار کو دن جاگ بن کر دیکھو کیسے کیسے گل نکلتے ہیں آزمائش کے لئے ہی تھوڑا احتیاز کر کے دیکھو تو پھر مشاہدہ ہو جائے گا امداد غیبی کا' غرض یہ تین دوست ہیں ان میں اعمال تیسرا دوست سب سے زیادہ مدد کرتا ہے اور احسان بھی نہیں جتاتا۔ اس کام ہو جاتا ہے اس کا ایک خاص اور سب مال تو سب سے پہلے ختم ہو جاتا ہے دم گلے تک آیا اور بینک بیلنس تمہارا رخصت ہو گیا اب رہ گئے اہل و عیال وہ دوسرا دوست ہے جب تک سانس ہے تمہارے ساتھ کام کر رہا ہے' وہ

مرنے کے بعد غسل کفن دفن تک تمہارے ساتھ رہے گا یہ پکا دوست ہے زیادہ وفادار ہے مگر قبر میں اتارنے کے بعد یہ بھی رخصت ہو گئے تھی بھی میت کرنے والی اولاد ہو' بیوی ہو قبرستان سے واپس آ جاتے ہیں نہ ایک دوسرے کی قبر نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں تیسرا دوست قبر میں بھی تمہارے ساتھ موجود ہے زیادہ سے زیادہ۔ سب یہاں وہ تمہارے ساتھ رہ کر کام کرے گا فرمایا کہ یہاں بعض آدمی کے پاس ایک خوبصورت شکل کا آدمی آئے گا مردہ پوچھے گا کون ہے؟ وہ کہے گا میں تمہارا نیک عمل ہوں تاکہ تمہاری تنہائی کا مونس ہوں اور بدعمل کی ہیبت ناک سانپ کی شکل ہوگی جو تارک زکوٰۃ کو ڈسنے کا سانپ بن کر۔

فرمایا سر کی طرف سے عذاب آئے گا تو قرآن بچائے گا داہنی طرف سے نماز ڈھال ہوگی بائیں طرف سے روزہ' پیروں کی طرف سے صدقات چاروں طرف پہرہ اپنے اعمال کا ہوگا۔ یہ اعمال برزخ میں بھی ساتھ رہ کر قبر کے عذاب سے بچائیں گے جو لغزشوں اور گناہوں کے نتیجہ میں قبر میں آتا ہے۔

برزخ میں ہر ایک کا حال جدا ہے

برزخ کی حقیقت تو اللہ ہی جانے دنیا کا ہی حال نہیں معلوم' وہاں ہر ایک کی زندگی جدا ہے دنیا میں ایک قوم کا ایک حال ایک لباس ایک خوراک ہے دوسری کا دوسرا مگر برزخ میں ہر ایک کا حال دوسرے سے جدا ہے۔

ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا کتابوں کا مطالعہ کر رہے ہیں چاروں طرف کتابیں لگی ہیں پوچھا کہ یہ کیا بات؟ یہاں تو اعمال اور سزا و جزاء سب بند ہیں اب کتابیں کیوں دیکھ رہے ہیں فرمایا یہاں ہر شخص سے پوچھا جاتا ہے اس انتظار گاہ میں کس طرح وقت گزارو گے میری جو مشغولی دنیا میں رہی یہاں بھی کر دی گئی اس طرح مجرموں کی انتظار گاہ جیل خانہ ہوتی ہے غرض وہ عالم تھے تو علم ان کا ذوق تھا نماز کی عبادت بھی ایسی ہی لذت ہے اس کی لذت اس سے پوچھو جس کی یہ غذا بن جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا جنکو یہ لذت آ جائے اسکو پھر

دوسری چیز جس میں چین نہیں آتا آپ کی عادت شریفہ حضور ﷺ کی تھی جب کوئی مشکل یا خوشی یا غم پیش آتا نماز کی طرف رجوع کرتے ساری بیماریوں کا علاج نماز ہے جو اپنی لذیذ عبادت ہے کہ دنیا چھوڑنے کے بعد بھی وہاں کو نہیں چھوڑ سکتا خلاصہ یہ کہ اعمال صالحہ یا اعمال بد جیسے بھی ہوں تمہارا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور برزخ میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتے ہیں قرآن اور حدیث میں یہ اعمال کی تشبیہ جگہ جگہ ہے برزخ میں مردے کے لئے ڈھال بن کر اور برے آدمی کے لئے کہیں سانپ بچھو بن کر سامنے آتے ہیں محشر کا بھی یہی حال ہے اعمال آنکھوں کے سامنے موجود ہوں گے۔

انسان کا ہر بول محفوظ ہے

کسی کو گالی دی ہم سمجھے وہ ختم ہو گیا مگر یاد رکھو اللہ نہیں بھولا اللہ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے تمہارا ٹیپ ریکارڈر امریکہ سے آتا ہے جو خراب ہو جائے تو بجانے والا بھی مشکل سے ملتا ہے اللہ کا ٹیپ ریکارڈ ان مشینوں سے مبرا ہے جو لگے ہوئے ہیں سارے جہاں میں فرمایا قرآن میں ایک کلمہ بھی تمہاری زبان سے ایسا نہیں نکلتا کہ اس کی حفاظت نہ کی جاتی ہو اور محفوظ نہ ہو اور جب ٹیلی ویژن میں آواز کے ساتھ شکل بھی آتی ہے تو ایسے ہی عمل کی شکل بن کر محشر میں سامنے آئے گا جو راحت یا تکلیف پہنچانے کا خلاصہ یہ کہ یہ تیرا دوست پیچھا نہ چھوڑے گا

عقلمندی کا فیصلہ

فرمایا ابن عطاء اللہ ؒ نے اب فیصلہ کرو کہ کون عقلمند ہے وہ جس نے چاند پر جھنڈا گاڑ دیا یا جس نے اعمال صالحہ کرنے کی فکر کی اگر آخرت پر ایمان ہے تو اس کے سوا کوئی جواب نہیں کہ جو اپنی خواہشات پورا کرنے کی فکر میں رہا اور نفس کی ہوا سے نہ بچا اور آخرت کی فکر نہ کی تو دوزخ کے عذاب سے کیسے بچے گا۔

لقمہ حرام ایک انگارہ ہے

قرآن میں ہے کہ حرام کا لقمہ ایک انگارہ ہے تم کہو گے کیسے انگارہ ہے وہ تو موٹا ہو گیا بدن پھول گیا عیش کر رہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ عمل نے ابھی اصلی شکل اختیار نہیں کی چیونٹی چھڑک دیا ابھی پتہ نہیں چلا تھوڑی دیر بعد پتہ چلے گا۔ سنکھیا قاتل ہے ہاتھ میں لے لو جلے گا نہیں کھا لو فوراً اثر نہ ہو گا تھوڑی دیر بعد پتہ چلے گا ذرا دو بالشت زمین کے نیچے اتر جاؤ تب معلوم ہو گا یہ عمل ابھی بچہ ہے پرورش پا کر بڑا ہو گا جب اصلی شکل اختیار کرے گا فرمایا عاقل کون ہے کون سے دوست کی فکر کرنا چاہئے کس کو روٹھے پر منانا ہے۔ کس کی تکلیف دور کرنا ہے بس احکام الٰہی سے اوامر و نواہی کو پہچانو اور نواہی سے بچو۔

آج کل تین ماہ کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہوتا ہے دنیا کے کاروبار تیز ہو گئے ہیں اللہ میاں نے بھی اپنا کاروبار تیز کر دیا ہے پچھلے برسوں میں انقلاب آتا تھا اب روزانہ اخبار میں ایک انقلاب کی خبر سن لو یہ تعجب کی بات نہ رہی شام کو بادشاہ تھا صبح کو فقیر بلکہ آہنی زنجیر کے اندر نظر آتا ہے ایسے واقعات آج تیزی سے ہو رہے ہیں۔

عقلمند کون ہیں؟

ایک سوال پیش ہوا ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا مال اس کو دے دیا جائے جو عقلمند ہو مر گیا اب کس کو دیا جائے ایسا کون ہے جو اپنے کو عاقل نہ کہے دولتمندی سے انکار کرے کہ میں دولت مند نہیں ہوں مگر عقلمندی سے کون انکار کرے گا کہ میں بیوقوف ہوں۔ فقہاء عظام امت نے فرمایا جو قناعت کر کے بیٹھے ہیں دنیا کے پیچھے نہیں پڑے ہیں وہ عقلمند ہیں ان کو دے دیا جائے آج کل اس کا بالکل الٹ ہے عاقل سب سے بڑا وہ ہے جس کی تجوری بڑی ہو وہ آکل تو ہے کھانے والا ہے مگر عاقل نہیں۔

انگریز عقلمند نہیں

ایک بزرگ سے کہا انگریز بڑے عقلمند ہیں فرمایا عقلمند خاک ہیں اب قینچی چاقو

خوب بتاتے ہیں عقلمند تو وہ ہے جس کو آخرت کی فکر ہے 'علماء بھی اس صف میں نہیں زاہدوں کا یہ حق ہے کہ ان کو عقلاء کہا جائے پھر فرمایا اس دنیا میں جس نے جائز ناجائز کو پہچانا وہ سب سے بڑا عاقل ہے۔

اصلی کرامت

حضرت جیؒ نے فرمایا آج کل لوگ بزرگوں سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ خرق عادت کوئی کرامت دکھائیں ان شعبدوں کا انتظار کرتے ہیں انبیاء علیہم السلام 'صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ تو کوئی بزرگ نہیں ہو سکتا پھر یہ کیسے ان سے بڑھ جائیں گے۔ شیخ کی کرامت کائنات میں تلاش مت کر اپنے نفس میں تلاش کر شیخ کی کرامت آسمان پر اڑنا اگر تجھ کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا تو تیرے لئے بیکار ہے اپنے نفس میں کیا ڈھونڈے یہ نہیں کہ دل چلنے لگا یا نہیں حضور ﷺ نے کسی صحابی کا دل نہیں چلایا جیسے آج مجلسوں میں مراقبہ کراتے اور آنسو لاتے ہیں پانچ منٹ بعد وہ غائب ہو گیا جیسے جھوٹ بولتا تھا ویسے ہی بولتا رہا وہ شعبدے ہیں اس کی وجہ سے وہ جو کچھ کر رہا تھا وہ بھی گیا۔

ایک شخص مخلص ہے مگر دل چلنے کو کامیابی سمجھتا ہے عیوب سے نہ بچا تو دل چلنا اختلاج قلب کے مریض کو سب سے زیادہ ہوتا ہے اپنے نفس میں کرامت یہ دیکھنی ہے کہ تم کو جائز ناجائز کی فکر بھی لگی یا نہیں دماغ بھی آخرت کی طرف رجوع ہوا یا نہیں اللہ کس سے راضی ہوتا ہے کس سے ناراض بس یہ شیخ کی کرامت ہے بلکہ رسول پاک ﷺ کی اتباع نصیب ہو جائے تو یہی اللہ کی رضا ہے اگر تم میں کوئی فرق نہ آیا تو سمجھ لو یا تو شیخ کامل نہیں یا تمہیں مناسبت نہیں 'قاعدہ یہی ہے کہ دھن لگ جائے اچھا برا معلوم کرنے کی اللہ کی طرف پہنچنے کا راستہ طے ہو رہا ہے یا نہیں تو ہزار خواب آئیں کشف ہو سارے ہیچ ہیں 'حضرت جیؒ نے فرمایا کیفیات محمود تو ہیں مقصود نہیں۔

آنسو آنا بھی کیفیت ہے مگر ایسا نہیں کہ اس کے بغیر عمل مقصود نہ ہو 'حضور ﷺ نے فرمایا اے اللہ! مجھے ایسی آنکھ دے جو تیرے خوف سے آنسو بہاتی رہیں یہ دعا کرنا تو اچھا ہے مگر اس کے حاصل نہ ہونے پر کڑھنا یہ فکر کی بات نہیں اس فکر میں اپنا وقت ضائع

نہ کرے یہ غیر اختیاری ہے۔

تقویٰ اور خوف خدا

تجربہ شاہد ہے جب تقویٰ اور خوف خدا و آخرت غالب ہوتا ہے تو بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں باہمی منافرت کے پہاڑ گر رہن کرا دیا جاتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کو کسی جنگ و جدل اور جھگڑے سے تو کیا دلچسپی ہوتی ان کو تو خلائق کی صلح اور درستی کے لئے بھی فرصت نہیں ملتی کیونکہ جس کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبت و خوف اور یاد میں مشغول ہو اس کو دوسروں سے تعلقات بڑھانے کی کہاں فرصت ہے۔

دقیق تقویٰ

فرمایا، بعض حکایات اصحاب حال لوگوں کی وعظ میں پڑھیں مثلاً ایک کا بیل کسی دوسرے کے کھیت میں چلا گیا تو پہلے بیل والے کو خیال ہوا کہ میرے بیل کے کھروں میں مٹی لگ کر دوسرے کے کھیت میں آ گئی ہوگی اور غیر کی ملکیت میں بلا اجازت کھیت بولیا سو اس نے اس کھیت کی گندم ہی نہیں کھائی۔

اس واقعہ کے بعد فرمایا ایک ہوتا ہے دقیق تقویٰ اور ایک ہوتا ہے سد للذرائع اور یہ دقیق تقویٰ متقدمین صوفیاء میں پایا جاتا ہے لیکن بعض مرتبہ مباح چیز کو اس لئے ترک کر دیا جاتا ہے کہ کہیں یہ مباح چیز معصیت اور حیلہ سازی نفس کا ذریعہ نہ بن جائے یہ ترک مباح سد للذرائع ہے۔

اس پر حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ لفافہ پر ایسا ٹکٹ لگا ہوا آیا کہ اس ٹکٹ پر ڈاکخانہ کی مہر لگی ہوئی نہ تھی اس کو دیکھ کر فرمایا اب اس کا کیا کیا جائے اس کا دوبارہ لگانا تو جائز نہیں کیونکہ یہ ایک بار استعمال ہو چکا اس کا حق صاحب معاملہ پورا پورا اٹھا چکا۔ لہٰذا اس کو چاک کر دیا پھر فرمانے لگے کہ مجھے اس ٹکٹ کا استعمال جائز تھا کیونکہ میں نے حکومت کو ایسا ٹیکس دیا ہے کہ اس سے محسوب کر سکتا تھا مگر صرف

اس لئے مشغول میں نہیں ہیں تاکہ کسی نفس کو حیلہ و ذریعہ نہ مل جائے اور اس قسم کے حیلہ
کرنے کا عادی نہ بن جائے کیونکہ عادی ہونے کے بعد معصیت میں بھی حیلہ بازی کرے
گا۔ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عزیزوں کو فرمایا (جیسا کہ ان کی شریعت میں بھی آ
یا گیا ہے) فرمودہ ذنب بالالقاب ور سے بلائے عزیزو! ملا متقی کے ساتھ بھولے بھالے کسی
نے عرض کیا کہ عزیزوں کے لئے ملا متقی کا لفظ کیوں استعمال کیا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا
کہ کہیں زبان برے الفاظ کے استعمال کرنے کی عادی نہ بن جائے اس لئے یہ الفاظ نہ بولا
جائے جب بات نکلے ملا متقی ہی نکلے۔

تقویٰ حاصل کرنے کا ایک اور طریقہ

حضرت تھانوی نے نصیحت فرمائی کہ "اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" کہ تقویٰ
صادقین کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوگا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
کے مواعظ میں یہ برکت رکھی ہے کہ ان کے پڑھنے سے تجربہ شاہد ہے کہ تقویٰ پیدا ہوتا
ہے" اور فرمایا کہ خطبات "قصد السبیل" "تعلیم الدین" "مواعظ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ" اور "حیاۃ
المسلمین" کا فرصت کے وقت گھر جا کر چھٹیوں میں مطالعہ کرنا اور اپنے محلہ کی مسجد میں حیاۃ
المسلمین کو تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سناؤ اور آخر میں فرمایا کہ اگر کسی نے میری اس نصیحت پر عمل
کیا تو تمام عالم کا مولوی ہی کا مولوی ہے" اور تمام اعمال میں صدق کا خیال رکھو جس طالب
علموں کا سب سے پہلا عمل صدق ہے اگر انہوں نے اس پر عمل کر لیا اور اپنے تمام امور میں
اس کا خیال رکھا تو گویا انہوں نے سارے دین پر عمل کر لیا۔

مجلس : ۳۹

اعتقادِ عوام کی حقیقت

فرمایا کہ میں سوچتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرا معتقد ہو گیا۔ تو دین کا کیا فائدہ ہوا؟ ایسے ہی اگر کوئی شخص میرا معتقد نہ رہا تو دین کا کیا ضرر ہوا؟ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو دنیا کا بھی کوئی ضرر نہیں۔

تشریح: آجکل یہ بیماری عام ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ اکثر علماء عباد وزہاد جو اللہ والے کہلاتے ہیں' ان میں یہ بیماری زیادہ ہے کہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ لوگ ہمارے معتقد ہو جائیں۔ حضرت والا ﷺ فرماتے ہیں کہ غور کرو کہ اگر معتقد ہو گئے تو کیا فائدہ ہوا اور معتقد نہ رہے تو کیا نقصان ہوا؟ سوچنے کی بات ہے۔ نہ دین کا فائدہ' نہ دین کا کوئی نقصان۔ اس فکر میں نہ پڑنا چاہئے یہ فکر خود دنیا پرستی ہے۔

لباس میں تکلف کی پابندی نکما پن ہے

فرمایا کہ جب میں کسی کو دیکھتا ہوں کہ لباس میں تکلف کا پابند ہے تو دو چیزوں پر استدلال کرتا ہوں۔ اول یہ کہ وہ نکما آدمی ہے۔ کام میں مشغول رہنے والا اس کا پابند نہیں ہو سکتا' دوسرے یہ کہ یہ پست حوصلہ ہے اس کے سامنے کوئی بڑا مقصد نہیں۔ اگر وہ ہوتا تو اس میں لگ کر اپنے اوقات کو ضائع نہ کرتا۔

تشریح: ایک ہوتا ہے صاف ستھرا لباس پہننا' وہ تو مسنون ہے۔ میلا کچیلا نہ رہے۔ بدبودار نہ رہے۔ یہ تو نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ لیکن ایک ہے لباس میں تکلف کرنا کہ شاندار لباس ہو اور بھڑکدار لباس ہو۔ تکلف کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اہتمام کرنا کہ جب لباس پہنے گا تو ایسا ہی پہنے گا' اس کے بارے میں حضرت والا ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو میں دیکھتا ہوں کہ وہ لباس میں اہتمام کرتا ہے تو میں دو چیزوں پر

استدلال کرتا ہوں ایک تو یہ کہ یہ آدمی نکما اور بے کار ہے اس لئے کہ کام کے آدمی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرا لباس کیسا ہو رہا ہے چاہے دنیا کے کاریگروں کو دیکھ لو دین کے کاموں میں لگنے والوں کو دیکھ لو۔ جن کے ذہن کاموں کی کثرت ہوتی ہے ان کو اس کا خیال بھی نہیں رہتا کہ میرے لباس پر کوئی دھبہ یا داغ آگیا ہے۔ آجکل لوگ مغرب کے مقلد ہیں اور وہاں کی نقل کیا کرتے ہیں وہاں کے جتنے موجدین ہیں جو نئی نئی ایجادات کرتے ہیں ان کی کوئی مختصر تصویریں دیکھے تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ کوئی وحشی جانور ہے ان کو تو سر کی خبر نہ پیر کی خبر نہ لباس کی خبر نہ کسی اور چیز کی خبر بس دن رات اپنے کاموں میں کھپے ہوئے ہیں اور لگے ہوئے ہیں۔ جو آدمی غور و فکر میں لگا ہوگا اس کو اپنی ظاہری آرائش کی فکر بھی نہیں ہوگی کبھی اچھا کپڑا مل گیا وہ پہن لیا۔ کبھی خراب ملا وہ پہن لیا تکلف کرکے ہمیشہ اچھا ہی لباس استعمال کرنے یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ نکما اور بے کار ہے اس کو کوئی کام دھندا نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بات موسط ہے اگر کوئی مقصد اس کے سامنے ہوتا تو اس مقصد کے پیچھے لگتا یہ کام نہ کرتا۔

ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ اگر انسان کو اچھا کپڑا میسر ہو اور پھر بھی وہ اس کو نہ پہنے یہ بھی سنت کے خلاف ہے۔ غیب سے اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی اچھا اور عمدہ لباس دیدیا ہے تو اس کو شکر کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے لیکن اہتمام میں لگنا کہ جب تک عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ لباس نہیں ہوگا نہیں پہنوں گا۔ یہ برا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کیلئے ایک صاحب ۳۱۰ جوڑے بنا کر دے جاتے تھے تاکہ روزانہ ایک نیا جوڑا پہنیں۔ جو جوڑا ان کے بدن پر آج آگیا وہ دوبارہ نوبت کر نہیں آتا تھا۔ وہ نوکروں کو صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ ہر روز نیا جوڑا استعمال کرتے۔ چونکہ ایک آدمی نے اس کو اپنے ذمے لیا اور اس کا انتظام کر دیا۔ یہ اس کی وسعت ہے یہ کوئی گناہ اور کوئی عیب نہیں تھا لیکن اس اہتمام میں لگنا کہ نیا ہی کپڑا پہنا کریں گے اور بہت اعلیٰ کپڑا ہی پہنا کریں گے۔ یہ غلط ہے۔

رحمتِ حق تعالیٰ کا ایک عجیب واقعہ

ایک جاہل عورت مرنے کے وقت کچھ کلمات یوں رہی تھی جو اس کے جاہل گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے وہ لوگ کسی مولوی صاحب کو بلا کر لائے اور کہا کہ ذرا دیکھو یہ کیا بڑبڑا رہی ہے۔ مولوی صاحب نے قریب ہو کر سنا تو عربی زبان کے یہ کلمات اس کی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔

إنَّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ يَقُولَانِ: أُدْخُلِي الْجَنَّةَ۔

یہ دو آدمی مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

قبر اور آخرت کی زبان عربی ہے

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی دفتری اور سرکاری زبان عربی ہے جیسے دنیا میں سرکاری زبانیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سرکاری زبان عربی ہے۔ چنانچہ جب اس عالم میں قبر سے داخلہ شروع ہوتا ہے تو وہیں سے عربی زبان شروع ہو جاتی ہے اور قبر میں جب فرشتے سوال کریں گے کہ مَنْ رَبُّكَ؟ وَمَا دِيْنُكَ؟ وہ عربی ہی میں پوچھیں گے اور جواب دینے والا بھی عربی میں جواب دے گا وہ کہے گا "رَبِّيَ اللّٰهُ" اب جو عربی نہیں جانتا وہ بھی عربی بولنے لگے گا۔ قبر میں پہنچتے ہی سرکاری زبان کا عمل شروع ہو جائے گا۔ یہ تو حدیث میں آیا ہے کہ "لِسَانُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ" اہلِ جنت کی زبان عربی ہوگی۔ لیکن قبر میں بھی سوال و جواب عربی میں ہوں گے اور یہ مذکورہ واقعہ تو قبر سے بھی پہلے کا ہے، مرنے سے پہلے وہ عورت کہہ رہی ہے کہ "إنَّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ يَقُولَانِ اُدْخُلِي الْجَنَّةَ" یہ دو آدمی کہہ رہے ہیں کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ دو آدمی کون ہوں گے؟ وہ فرشتے ہوں گے اللہ کی قدرت ہے۔

کسی کو حقیر مت سمجھو

اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ کسی کو حقیر نہ جانو، اب یہ ایک جاہل عورت ہے وہ مر رہی ہے اور مرتے وقت اس کے پاس اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے بھیج دیئے وہ

اس کو بشارت دے رہے ہیں کہ جنت میں چلی جاؤ۔

قرآن کریم میں قیامت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ."

میدان محشر کا عجیب عالم ہوگا، وہ بہتوں کو بلند کرنے والا ہے، اور بہتوں کو پست کرنے والا ہے جو لوگ دنیا میں بعض اوقات بڑے اونچے نظر آیا کرتے تھے، بڑے علامہ ہیں۔ بڑے مولانا ہیں، بڑے بزرگ ہیں لیکن یوں معلوم ہوگا کہ بڑے نیچے پڑے ہیں، بعض لوگوں کو دنیا میں کوئی نہیں سمجھتا تھا کہ یہ بڑے ولی ہیں بڑے بزرگ ہیں وہاں اس کا بڑا اونچا مقام ہوگا۔ اس لئے فرمایا کہ "خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ" وہ پست کرنے والی ہے اور بلند کرنے والی ہے۔ آج کی بلندی اور پستی کا کوئی اعتبار نہیں۔ آج تو جلسے اور جھنڈے کرکے آدمی شہرت حاصل کر لیتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں کون بڑا ہے کون چھوٹا ہے کون اونچا ہے کون پست ہے یہ وہاں جا کر معلوم ہوگا، یہ پستی اور بلندی اللہ جل شانہ کے فضل کے تابع ہے اسی وجہ سے فرمایا کہ کسی کو حقیر نہ جانو۔

سب سے پہلا کام، بڑا کام اور ضروری کام یہ ہے کہ کسی مسلمان کو حقیر نہ جانو، کیسا ہی گناہ گار ہو۔ کیسا ہی گناہ میں مبتلا ہو۔ حقیر نہ جانو۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کا انجام ہم سے بہتر ہو جائے اور وہ ہم سے آگے پہنچ جائے۔

اسم الٰہی کی عظمت

مولوی صاحب حیرت میں رہ گئے مگر کے جاہل لوگوں کو بتایا کہ اس کو تو جنت کی بشارت دی جارہی ہے اس کے اعمال کیا تھے؟ جس کے بدلے میں اس کو یہ نعمت ملی، لوگوں نے کہا کہ یہ تو بے عمل بلکہ بدعمل عورت تھی، مولوی صاحب نے کہا: غور کرو۔ اس کا کوئی اچھا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو گیا ہے وہ کیا عمل تھا؟ بہت سوچنے کے بعد لوگوں نے بتلایا کہ اس کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب اذان ہوتی تو سب کام چھوڑ دیتی تھی اور اذان کی طرف متوجہ ہو کر سنتی تھی اور دوسروں کو بھی

اس وقت بولنے نہیں دیتی تھی' مولوی صاحب نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی عزت کرنا ہی اس کے کام آگیا اور اس نے دوسری برائیوں پر پانی پھیر دیا۔

تشریح : اللہ تعالیٰ کا کرم ہے وہ اگر بخشنا چاہیں تو ایک بات پسند آگئی جس نے تمام عیوب پر پردہ ڈال دیا اسی واسطے حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر اور کم سمجھ کر مت چھوڑو۔ اگر دل میں یہ خیال آیا کہ یہ ذرا سی نیکی کر لیں تو کر گزرو۔ یہ نہ سوچو یہ ذرا سی نیکی ہے کیا کسی ایک آدمی بے نمازی ہے اور نماز نہیں پڑھتا' لیکن کان میں جب اذان کی آواز آئی تو دل میں خیال آیا کہ لاؤ اذان کا جواب دیدیں۔ اللہ اکبر' اللہ اکبر' کہہ دیں' تو یہ کہہ لینا چاہئے' چاہے نماز نہیں پڑھی' لیکن جتنی نیکی کا دل میں خیال آیا اس کو کر گزرو' بعض دفعہ یہ چھوٹی نیکی بڑی نیکی کا سبب بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جاتی ہے اور سارے عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے اور سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ اب یہی وجہ ہے کہ اذان کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کی عزت اور عظمت کرنے کا معاملہ کر لیا گیا کہ سارے گناہ معاف ہو گئے۔

انعامی وظیفہ کا درجہ

انعامی وظائف کا کوئی قانون نہیں ہوا کرتا۔ یہ خوب سمجھ لو' اس کا یہ مطلب نہیں کہ آج کوئی آدمی سارے گناہ کرتا رہے' اور صرف اذان کے وقت خاموش رہ کر اللہ کا نام لیا کرے تو اس کو بھی یہی انعام مل جائے گا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کیونکہ یہ انعامی وظیفہ ہے اللہ تعالیٰ کو ایک بات پسند آگئی اس کو اس پر انعام دیدیا گیا اب ضروری نہیں کہ دوسروں کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو۔ لیکن بہرحال! اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کے نام کی عزت اور عظمت کرنا اور اذان کے وقت خاموش رہنا ایسی بڑی نعمت ہے کہ بعض اوقات یہ سارے گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی یہی حال تھا کہ وہ اذان کے وقت خود بھی کام نہیں کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی نہیں بولنے دیتی

تھیں۔

اللہ جل شانہ کی اس رحمت عامہ کا یہ واقعہ نقل فرمانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے متعلق کسی صاحب کا یہ شعر مجھے بہت پسند ہے

تصدق اپنے خدا کے جاؤں کہ مجھ کو آتا ہے پیار اتنا
ادھر سے اتنے گناہ پیہم ادھر سے یہ دم بدم عنایت

بیوی کی غلطی پر صبر باعث مغفرت

تشریح: اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ اب یہ ایک معمولی سا کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کو پسند آگیا اور اس پر بخشش ہو گئی۔ ایک واقعہ یاد آیا۔ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس حضرت ملا محمود دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند ہی کے باشندے تھے، بڑے عالم تھے اور ہزاروں علماء کے استاد تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے پہلے شاگرد اور ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے استاد۔ ان دونوں حضرات سے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی۔ ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا: کیا گزری؟ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ اس نے بخش دیا۔ پوچھا کہ مغفرت کا سبب کیا ہوا؟ فرمایا کہ اور کسی چیز کے بارے میں نہ پڑھنے لکھنے کے بارے میں تو کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ درس و تدریس، درس حدیث کے بارے میں کسی نے نہیں پوچھا۔ البتہ یہ کہا گیا کہ فلاں دن تم نے اپنے گھر میں کھچڑی پکانے کو کہا تھا اور کھچڑی میں نمک تیز ہو گیا تھا اور بیوی نے غلطی سے نمک تیز کر دیا اور تم نے اس کھچڑی کو صبر کے ساتھ کھا لیا اور اپنی بیوی کو کچھ کہا نہیں اور تم نے اس تکلیف کو صبر کیساتھ تحمل کیا اور اس لئے اس کا اظہار نہیں کیا کہ اس سے اس کا دل دکھے گا۔ اس صبر و تحمل کے نتیجے میں تمہیں بخشا جاتا ہے۔

یہ انعامی وظائف ہوتے ہیں۔ جب کسی کو انعام دینا ہوتا ہے تو معمولی چیز پر بھی انعام دیدیا جاتا ہے۔

دیوبند ہی کے ایک مدرس اور بڑے عالم مولانا منفعت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑوں بڑوں کے استاد تھے خود میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ کانپور میں اچانک ان

کا انتقال ہو گیا۔ شاید کوئی قلبی مرض پیش آیا اور وفات ہو گئی اور کوئی قریبی عزیز تو
کیا ہوتا کوئی دوسرا شخص بھی پاس نہیں تھا۔ بے کسی کے عالم میں وفات ہو گئی۔ ان کے
مرنے کے بعد ہمارے عزیزوں میں سے ایک صاحب نے ان کو خواب میں دیکھا اور
پوچھا کہ کیا ہوا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بخش فرمایا اور یہ فرمایا کہ تیری موت بے کسی
میں آئی اور اس پر ہمیں رحم آیا اور تمہیں بخش دیا۔

تو ایسا ہوا کرتا ہے۔ بعض اوقات اللہ جل شانہ چھوٹی چیزوں کو قبول کر لیتے
ہیں۔ عمل چھوٹا ہوتا ہے لیکن وہ اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے قبول کر لیا جاتا ہے
اور سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بار بار اس لئے کہہ رہا ہوں۔ تاکہ لوگ اس
مغالطے میں نہ پڑ جائیں کہ بس اتنا چھوٹا سا عمل کر لیا اور باقی سب کام چھوڑ دیئے تو
بھی بخشش ہو جائے گی۔

اس پر ایک مثال یاد آئی حیدر آباد کی۔ نظام حیدر آباد بادشاہانہ مزاج رکھتے
تھے۔ آجکل کے حکمرانوں کی طرح نہیں تھے بلکہ پرانے طرز کے بادشاہوں جیسا ان کا
مزاج تھا۔ ایک وزیر نے ان کی کھانے کی دعوت کی، چنانچہ وہاں ان کے گھر دعوت کے
لئے گئے وزیر کے گھر ان کا چھوٹا بچہ بھاگ دوڑ رہا تھا بادشاہ نے اس بچے کو قریب بلا
کر چھیڑا۔ اس پر بچے نے بادشاہ کو گالی دے دی۔ اب وزیر نے جب دیکھا کہ میرے بچے
نے بادشاہ کو گالی دی ہے اس نے فوراً تلوار نکال لی کہ اس بچے کو فوراً قتل کر دوں۔
بادشاہ نے کہا: کوئی بات نہیں بچہ ہے اور ہم اس پر اس کا وظیفہ مقرر کرتے ہیں اس
لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچہ ہوشیار اور سمجھدار ہے اور اس پر اس کا
وظیفہ دشنام (گالی کا وظیفہ) کہہ کر بچے کا وظیفہ جاری کر دیا۔ اور عمر بھر وہ وظیفہ اس
کو ملتا رہا۔ شیخ سعدی نے جو فارسی کا مقولہ نقل کیا ہے کہ:

گاہے بہ دشنام خلعت دہند

وہ بالکل اس پر صادق آتا ہے لیکن اب دوسرا شخص کہے کہ میں بھی یہ کام
کروں اور بادشاہ کو گالی دوں تاکہ مجھے بھی وظیفہ ملے۔ تو دیکھئے ملے گا۔ جوتا
نہیں۔ اسی طرح اللہ جل شانہ کے انعامات وہ قیاس اور قانون نہیں ہوتے۔ قانون
وہی ہے کہ شریعت پر سیدھے طریقے پر عمل کرو گے تو جنت میں جاؤ گے اور گڑ بڑ کرو

گے تو مارے جاؤ گے" البتہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس کی توقع ضرور رکھو کہ ہر نیک کام - چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کو کر گزرو اور یہ نیت رکھو کہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالیں اور یہ ہی نیکی ہمارے کام آجائے۔

احقر مرتب کہتا ہے کہ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد برزخ میں سب کی زبان خود بخود عربی ہو جائے گی۔ کیونکہ وہی انسان کے اصلی وطن یعنی جنت کی زبان ہے اسی میں اللہ تعالیٰ کی سب کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی زبان میں اس کے ترجمے اپنی امت کو سنائے ہیں۔

تشریح: بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ توریت 'عبرانی زبان میں نازل ہوئی ہے اور دوسری آسمانی کتابیں دوسری زبانوں میں آئی ہیں۔ بات یہ ہے کہ اصل زبان تو عربی ہی تھی 'انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے ملکی اور مقامی زبانوں میں ترجمہ کرکے اس کو بتلایا ہے۔ ورنہ تمام آسمانی کتابوں کی اصلی زبان اور فطری زبان عربی ہے اور برزخ سے اس زبان پر عمل شروع ہو جائے گا۔

حضرت کرش مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت

"جامع کرامات الاولیاء" طبع مصر میں ایک واقعہ حضرت کرش مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کیا ہے یہ بزرگ ولی اللہ جذامی تھے (یعنی کوڑھی تھے) اس لئے نکاح نہیں کرتے تھے کہ دوسروں کو تکلیف ہوگی مگر جوان تھے۔ طبعی تقاضے موجود تھے۔ ایک روز اس تقاضے کی بناء پر مریدوں سے کہا کہ ہم نے نکاح کرنے کا ارادہ کرلیا ہے آپ پیغام دو مگر اس طرح کہ ہمارا پورا حال بیان کردو اگر کوئی عورت ان حالات کے باوجود نکاح پر راضی ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ صبر کریں گے ایک مرید اٹھا اور اپنے گھر گیا۔ اس کی ایک جوان بیٹی تھی۔ اس سے پیر صاحب کا پورا حال بیان کرکے نکاح کے متعلق پوچھا (حال بیان کردیا کہ کوڑھی اور جذامی ہے) لڑکی نے خوشدلی سے کہا میں راضی ہوں یہ مرید خوش ہو کر واپس آیا اور کرش مجذوب سے کہا کہ میری لڑکی راضی ہے آپ نے پھر پوچھا کہ تم نے اس کے سامنے میری پوری حالت بتلا دی تھی یا نہیں؟ اس نے کہا کہ بالکل واضح کرکے بتلا دی تھی مگر لڑکی نے کہا کہ میں ان کی

خدمت گزاری کو دینی سعادت سمجھ کر قبول کرتی ہوں۔ چنانچہ نکاح ہو گیا۔ کرش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کرامات و تصرفات کے مالک تھے۔ لڑکی کی اس بلند حوصلگی کو سن کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جب میں اس کے پاس جاؤں تو میری صورت تندرست اور حسین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ جب گھر میں تشریف لے گئے تو ایک جوان رعنا کی صورت میں تھے۔ لڑکی نے ان کو دیکھ کر پردہ کر لیا اور کہا کہ تم کون ہو؟ کرش مجذوم نے کہا کہ میں تمہارا شوہر کرش ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ تو مجذوم ہے تم وہ نہیں ہو۔ جب کرش رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ کرامت ذکر کر کے بتلایا کہ اب میں جب بھی تمہارے پاس آؤں گا اسی صورت میں آؤں گا۔ لڑکی کی عالی حوصلگی دیکھئے کہ اس نے جواب دیا کہ افسوس! آپ نے میری نیت اور اس کے ثواب کو برباد کر دیا۔ میں نے آپ سے نکاح محض معذور سمجھ کر خدمت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے کیا۔ دنیاوی راحت اور خواہش نفسانی کے لئے نہیں۔ اب اگر آپ اپنی اصلی صورت میں ملنا چاہیں تو میں خادمہ ہوں ورنہ مجھے طلاق دیجئے۔ حضرت کرش رحمۃ اللہ علیہ یہ بات سن کر اپنی اصلی ہیئت اور صورت میں آگئے اور لڑکی ان کے ساتھ اسی حالت میں رہنے لگی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آج اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میں آج کسی فقیہ کو ضرور دیکھوں گا تو اس قسم سے اس وقت تک سبکدوش نہ ہو گا جب تک وہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نہ کرے۔"

تشریح: اس کا حاصل یہ ہے کہ اس زمانے میں فقیہ کا لفظ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ میں منحصر تھا صرف وہی ایک فقیہ تھے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارے اس قصبے میں صرف حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ "فقیہ" کہلانے کے مستحق ہیں اور کوئی نہیں۔ یہ واقعہ نقل فرما کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی جو بات امتیازی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں کوئی تصنع اور تکلف نہ تھا۔

تشریح: یعنی ایک بزرگ دوسرے بزرگ کی کس طرح تعریف کر رہے ہیں۔ ورنہ آج کل تو ہر بزرگ یہ چاہتا ہے وہ دوسرے سے مقدم ہو جائے اور دوسرے بزرگ کا عیب ظاہر کرتے ہیں۔

بیماری میں حضرت نانوتوی کا تیمم نہ کرنا
اور مولانا یعقوب کی تنبیہ

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے اور پانی کا استعمال مضر تھا۔ مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تکلیف کے باوجود وضو ہی کرتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے لئے تیمم جائز ہے کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں مگر مولانا ہی عزیمت پر عمل کرنے کے لئے تکلیف اور مشقت برداشت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ عیادت کیلئے آئے اور یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ ایسی حالت میں رخصت پر عمل کرنے میں احتیاط برتنا میرے نزدیک اچھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری جتانے کے مترادف ہے اس وقت آپ کو تیمم کرنے ہی میں زیادہ ثواب ملے گا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے فرمانے کو قبول فرمایا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جب بیماری نازل کی ہے تو اس بیماری کے حقوق ادا کرو۔

اہل علم کے لئے انتظامی کاموں سے الگ رہنا ہی بہتر ہے

ارشاد فرمایا کہ میں اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی مدرسے میں درس و تدریس کا موقع نصیب فرمائیں تو انتظام اور اہتمام کو اپنے لئے قبول نہ کریں کیوں کہ ان دونوں میں تضاد ہے۔ مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کے لئے یہی زیبا ہے کہ اپنے علمی مشغلہ میں لگے رہیں۔ مقامی اور ملکی سیاست سے یکسو رہیں۔

تشریح: حقیقت میں تو علم اس وقت آتا ہے جب آدمی اس کے پیچھے لگا رہے۔

ذکر جہر، اشغالِ صوفیاء اور بدعت کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ عام احادیث میں ذکر اللہ میں جہر کی ممانعت مستفاد ہوتی ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی ہے۔ ہمارے بزرگوں میں سب سے بڑے فقیہ اور محتاط بزرگ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کی تحقیق اس معاملے میں یہ ہے کہ ذکر اللہ میں جہر کو کوئی شخص افضل یا زیادتی ثواب کا موجب سمجھ کر جہر کرے تو یہ بدعت ہے ہاں! جمعیت خاطر اور قطع وساوس کی تدبیر وعلاج کے طور پر کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

تشریح: اس کے ذریعہ یکسوئی اور دلجمعی حاصل ہوتی ہے، یہ سمجھ کر بطور علاج ذکر جہر اختیار کرے تو ٹھیک ہے۔

اس کی مثال بعینہٖ یہ ہے کہ زکام میں گل بنفشہ پکا کر پیئے تو اگر کوئی شخص ثواب اور عبادت سمجھنے لگے تو یہ بھی بدعت ہو جائے گا اور اگر محض علاج اور تدبیر کے طور پر کرے تو اس کا بدعت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس معاملے میں امیر شاہ صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حدیث کی جو تحقیق نقل کی ہے وہ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ."

یعنی جس نے ہمارے دین میں کسی نئی چیز کو بڑھایا وہ مردود ہے۔ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث میں جس چیز کی ممانعت فرمائی ہے وہ احداث فی الدین ہے۔ لیکن دین کے احکام بروئے کار لانے کے لئے جن ذرائع اور وسائل کی ضرورت پیش آئے ان کا قرآن وحدیث میں منصوص یا منقول ہونا ضروری نہیں، وہ ہر زمانے میں کام کی مناسبت سے اختیار کئے جا سکتے ہیں جیسے اس زمانے میں حج کے لئے ہوائی جہاز اور جہاد کے لئے ٹینک اور بم وغیرہ استعمال کرتے ہیں اس کو احداث فی الدین نہیں کہہ سکتے۔

تشریح: حضور ﷺ کے زمانے میں تو یہ چیزیں نہیں تھیں۔ لیکن یہ دین نہیں بلکہ

دین کا ذریعہ ہیں۔ دین کے ذرائع میں تو تنوع ہو سکتا ہے نئے سے نئے ذرائع پیدا ہو سکتے ہیں لیکن دین میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اس کو "احداث فی الدین" نہیں کہہ سکتے بلکہ احداث للدین" کہا جائے گا۔ وہ جائز ہے۔اسی طرح جمعیت خاطر اور قطع وساوس کے لئے ذکر میں جو اشغال صوفیاء میں سے کوئی شغل اختیار کرنا بھی "احداث فی الدین" نہیں۔ بلکہ "للدین" ہے۔

حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا تکملہ لکھا ہے اور "خاتم مثنوی" کے نام سے معروف ہیں بڑے عالم اور متقی تو معروف ہی ہیں۔ان کا تقویٰ بھی ضرب المثل تھا۔حضرت سید احمد صاحب بریلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تو فرمایا کہ ہم قرآن کریم کو پہلے بھی پڑھتے تھے مگر حضرت سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کے بعد اس کا اور ہی رنگ نظر آنے لگا۔

تشریح: حقیقت یہ ہے کہ یہ ظاہری علم کے انوار و برکات اس وقت نظر آنے لگتے ہیں جب آدمی کا باطن درست ہونے لگے۔ کسی بزرگ کی صحبت میں رہ کر دل کی اصلاح ہو اور باطن کی اصلاح ہو تو پھر اس کا رنگ ہی جدا اور ہوتا ہے۔

مجلس : ۴۰

اخلاق حمیدہ

اعمال باطنہ میں اخلاق محمودہ جن کی تحصیل کا حکم ہے وہ مندرجہ ذیل چند مقامات ہیں۔ حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں جب تک کسی صفت میں پوری طرح رسوخ نہ ہو اس کو حال کہتے ہیں۔ اور جب پورا رسوخ ہو جائے یعنی وہ عادت ثانیہ بن جائے، اس کو مقام کہتے ہیں۔ یہ اخلاق حمیدہ بھی جب نفس میں راسخ ہو جائیں تو مقامات کہلاتے ہیں۔ وہ مقامات یہ ہیں۔ توبہ، صبر، شکر، خوف، رجاء، زہد، توحید، توکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ، تفکر۔

تعلیم الدین میں سیدی حضرت حکیم الامت ﷺ نے ان تمام مقامات کو ایک فصل میں اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور مکمل تفصیل و تشریح احیاء العلوم جلد چہارم میں مذکور ہے، اس مجلس میں انہیں مختصر فصول کو کسی قدر تشریح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی فصل توبہ میں

اس کا بیان احیاء العلوم میں بڑی تفصیل کے ساتھ پچاس صفحات میں آیا ہے۔ اس فصل میں حضرت ﷺ نے توبہ کی ماہیت و حقیقت یہ بیان فرمائی ہے کہ خطا کو یاد کر کے دل دکھ جانا اور اس کے لئے لازم ہے بالفعل اس گناہ کو ترک کر دینا اور آئندہ کو دل میں پختہ ارادہ رکھنا کہ اب اس کے پاس نہ جائیں گے پھر اگر کسی وقت نفس میں اس گناہ کی خواہش پیدا ہو تو مجاہدہ کر کے نفس کو اس سے روکنا۔ یہ حقیقت ہے توبہ کی۔

عام طور سے لوگوں کے ذہن میں "توبہ" کا مفہوم یہ ہے کہ صرف زبان

سے "استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ" کا ورد کرلیں حالانکہ یہ بڑی سخت غلط فہمی ہے۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنے پچھلے گناہوں پر حسرت وندامت ہو اور بالفعل ان کو چھوڑ دیا جائے اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا عزم مصمم ہو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو بڑی اچھی طرح سمجھایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں "خیر" اور "شر" ملے جلے رہتے ہیں اس میں "تقویٰ" کے دواعی بھی موجود ہیں، اور فسق وفجور کے بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو آپ کو نیکی کی ترغیب دیتی ہیں اور بہت سی وہ ہیں جو آپ میں گناہ کرنے کا داعیہ پیدا کرتی ہیں، آپ کا فرض یہ ہے کہ گناہ کے دواعی کو مغلوب کرکے نیکی کے دواعی کو اس پر غالب کر دیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال اس "سونے" کی سی ہے جس میں کھوٹ ملا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ ایسے سونے سے آپ اس وقت تک کام نہیں لے سکتے جب تک کہ سونے کو کھوٹ سے الگ نہ کرلیں جس کا واحد ذریعہ آگ کی تپش ہے، یہ آگ کی تپش ہی سونے کو کھوٹ سے جدا کرتی ہے۔

امام فرماتے ہیں کہ بالکل اسی طرح انسان کے "نیک" کو "بد" سے ممتاز کرنے کے لئے بھی "تپش" کی ضرورت ہے، یہ "تپش" جو انسان کو کھوٹ سے نجات عطا کرتی ہے، دو طرح کی ہے، ایک تو عذاب جہنم کی تپش لیکن مومن کے لئے جہنم کی آگ بھی درحقیقت کھوٹ ہی کو الگ کرنے کے لئے ہوگی محض جلانا مقصود نہیں ہوگا بلکہ پاک صاف کرکے جنت میں داخل کرنا مقصود ہوگا، بخلاف کافروں کے کہ انہیں دائمی طور پر جلتے رہنے کے لئے جہنم میں ڈالا جائے گا، اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا
"وھل نجزی الا الکفور" – (ہم حقیقی سزا نہیں دیتے مگر کافر کو)

دوسری قسم کی "تپش" حسرت وندامت کی تپش ہے یہ ایسی آگ ہے جو اس دنیا میں کھوٹ کو پگھلا سکتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو کھوٹ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان دو قسموں میں سے کسی ایک قسم کی آگ میں جانا ضروری ہے اب اگر وہ چاہے تو جہنم کی آگ کو اختیار کرے اور اگر یہ بات اسے

مشکل معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ واقعتاً بھی یہ بڑی مشکل ہے۔ تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ اسی دنیا میں اپنے دل کے اندر حسرت و ندامت کی تپش اور سوزش پیدا کرے۔ اسی تپش اور سوزش کا نام "توبہ" ہے۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

اِنَّمَا التَّوْبَۃُ النَّدَامَۃُ۔ "توبہ ندامت ہی کا نام ہے"۔

توبہ کے تین درجے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ندامت کس طرح پیدا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ندامت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ "علم" ہے کیونکہ جب تک آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ میں نے جو کام کیا ہے وہ غلط یا مضر تھا اسے اپنے کئے پر کبھی پشیمانی نہیں ہوگی' جس شخص کو یہی پتہ نہ ہو کہ جو چیز میں نے کھائی ہے وہ زہر تھی اسے ندامت کیسے ہو؟ ندامت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسے یہ علم ہو کہ میں نے زہر کھایا ہے اور یہ میرے لئے مہلک ہے۔

پہلا درجہ

بالکل اسی طرح جب تک آدمی کو یہ علم نہ ہو کہ جو کام میں نے کیا ہے وہ برا' ناجائز یا عذاب جہنم کا موجب ہے اس وقت تک اسے اپنے اس فعل پر ندامت نہیں ہو سکتی لہذا اگر "ندامت" کی تپش پیدا کرنی ہے تو اس کا پہلا راستہ یہ ہے کہ گناہ کے گناہ ہونے کا علم پیدا کیا جائے اور علم بھی محض رسمی اور لفظی علم نہیں' جس میں پھیلاؤ بہت ہے بلکہ مختصر ایسا علم جو دل میں فکر آخرت' خوف خدا اور گناہ کی نفرت سے زیادہ اس کی نفرت پیدا کرے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اللہ سے ڈرنے کو علم کی علامت قرار دیا ہے ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ۔

"اللہ کے بندوں میں سے جاننے والے ہی اس سے ڈرتے ہیں"۔

جس شخص کے دل میں خوف خدا اور فکر آخرت نہ ہو اور جسے گناہوں کی تباہ کاری کا علم یقین حاصل نہ ہو' وہ عالم نہیں' بدترین جاہل ہے مولانا رومی فرماتے ہیں۔

جان جملہ علمہا این است و بس
کہ بدانی من کیم در یوم دین؟

جب تک گناہوں کے بارے میں یہ یقینی علم حاصل نہ ہو کہ وہ ظاہری طور پر کتنے ہی لذت بخش کیوں نہ ہوں حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اس علم یقین کے بغیر انسان عالم نہیں کہلا سکتا اور نہ اس کے بغیر توبہ کی حقیقت حاصل ہو سکتی ہے۔

اس "علم" کو پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن و سنت میں غور کر کے گناہوں کے وبال اور عذاب کا استحضار پیدا کیا جائے اور ان کی تباہ کاریوں کو مراقبہ کے ذریعہ ذہن میں خوب اچھی طرح جمایا اور بٹھایا جائے۔ شیخ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل کتاب میں گناہوں کی فہرست جمع کر دی ہے جس میں تین سو گناہ کبیرہ شمار کئے ہیں اس کا اردو ترجمہ بھی چھپ گیا ہے۔ حافظ زین الدین ابن نجیم اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی بھی اس موضوع پر مستقل کتابیں ہیں جن کا خلاصہ احقر نے اپنے رسالہ "گناہ بے لذت" میں لکھ دیا ہے اور اردو میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف اور بالخصوص "جزاء الاعمال" میں اس پہلو کو واضح فرمایا ہے۔ ان کتابوں کا مطالعہ مذکورہ "علم" کے حاصل کرنے کے لئے کافی ہے۔

دوسرا درجہ

اس "علم" کے بعد توبہ کا دوسرا درجہ "ندامت" ہے ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کو کسی ناجائز فعل کے تباہ کن ہونے کا یقینی علم حاصل ہو جائے گا تو اگر اس نے ماضی میں وہ ناجائز فعل کیا ہے تو اس کو لازماً اپنے کئے پر "ندامت" اور پشیمانی ہوگی۔

تیسرا درجہ

اس کے بعد تیسرا درجہ "تدارک" ہے جس کیلئے دو کام کرنے ضروری ہیں:

(۶) آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم۔

(۷) ماضی میں جو گناہ ہوئے ہیں اگر وہ حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں تو ان کی حتی المقدور واپسی مثلاً اگر کسی کا مال ناحق لیا ہے تو اسے واپس کیا جائے کسی کو ہاتھ یا زبان سے تکلیف پہنچائی ہے تو اس کے بدلے کے لئے تیار ہو کر اس سے درخواست کرے کہ یا بدلہ لے لو یا خدا کیلئے معاف کر دو۔

اور اگر وہ گناہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتا ہو تو جن گناہوں کا قضا یا کفارہ سے تدارک ممکن ہو ان کا اسی طرح تدارک کرنا مثلاً اگر نمازیں یا روزے چھوڑ رکھے ہیں تو ان کی قضا کی جائے یا اگر قسم کھا کر توڑی ہے تو اس کا کفارہ ادا کیا جائے۔ زکوۃ صدقۃ الفطر ادا نہیں کیا تو اب گزشتہ سالوں کا حساب کر کے ادا کرے۔

اور اگر گناہ ایسا ہے کہ شریعت میں قضاء یا کفارہ کے ذریعہ اس کا تدارک ممکن نہیں جیسے کسی واقعہ ماضیہ پر جھوٹی قسم کھانا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ سے پوری عاجزی کے ساتھ استغفار کرنا معافی مانگنا۔

حضرت تھانوی ﷫ کے یہاں ان تمام چیزوں کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا اور وہ ہمیشہ توبہ کے وقت سابقہ گناہوں کے تدارک کی ہر امکانی کوشش کام میں لانے کی تلقین فرماتے تھے۔

اگر اس طریقے پر گناہوں سے توبہ کی جائے تو بقول حضرت مولانا تھانوی ﷫ کے ایک شخص چند لمحوں میں ولی کامل بن سکتا ہے اس لئے کہ حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ۔

"گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے وہ شخص جس نے کبھی گناہ ہی نہ کیا ہو"۔

توبہ کا یہ دروازہ ہر شخص کے لئے اس وقت تک کھلا ہوا ہے جب تک نزع کی کیفیت اس پر طاری نہیں ہو جاتی اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔

بیعت طریقت

صوفیائے کرام کے یہاں جو بیعت طریقت معروف ہے یہ درحقیقت گناہوں سے

توبہ اور شریعت کی پابندی کے معاہدہ ہی کا نام ہے یوں تو ہر شخص کو ہر وقت اپنے گناہوں سے توبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتے رہنا چاہئے لیکن جب توبہ کسی شیخ کامل مرشد کے ہاتھ پر کی جاتی ہے تو اسی کا نام بیعت ہے یہ سنت سے بھی ثابت ہے اور اگرچہ توبہ یا اصلاح اعمال کیلئے اس طرح کی بیعت شرط نہیں مگر اس کی برکت ناقابل انکار ہے اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس طریق میں کسی مرشد کامل کے بغیر کامیابی سخت مشکل تقریباً ناممکن ہے علوم ظاہرہ میں بھی عادۃً کوئی علم صحیح بغیر استاد کے مطالعہ کے زور سے حاصل نہیں کیا جا سکتا صرف کتابوں کا مطالعہ کر کے دنیا میں کبھی کوئی عالم نہیں بنا اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ استاد اور مرشد کی ضرورت اصلاح اعمال کیلئے ہے خصوصاً اعمال باطنہ کیلئے اس لئے اس طریق میں قدم رکھنے والے کیلئے سب سے پہلی مہم شیخ کامل کی تلاش ہونا چاہئے اور جب وہ مل جائے تو خود کو اس کے ایسا سپرد کر دیا جائے جیسا مردہ بدست زندہ ہر جائز کام میں اس کا اتباع کرے اس کی مخالفت سے بچے اور ہر ایسے کام سے جو اس کے لئے بار خاطر ہو مکمل پرہیز کرے۔

چند ارشادات

اخلاق کی تعریف

فرمایا: اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ ہم سے کسی کو کسی قسم کی ایذا دنیوی یا باطنی حضور یا غیبت میں نہ پہنچے۔

تعلیم کا اصل مقصد تزکیہ اخلاق

تزکیہ اخلاق اور باطنی طہارت ایک ایسا کام ہے جس کو ہماری قوموں اور سوسائٹیوں نے سرے سے نظر انداز کر رکھا ہے انسانی لیاقت و استعداد کا معیار اس کی تعلیمی ڈگریاں سمجھی جاتی ہیں انہیں ڈگریوں کے وزن کے ساتھ انسانوں کا وزن گھٹتا بڑھتا ہے اسلام نے تعلیم کے ساتھ تزکیہ کو ضمیمہ بنا کر تعلیم کے اصل مقصد کو پورا کر دکھایا۔

تصوف میں اصل چیز تہذیب اخلاق ہے

اس راہ میں اصل وظائف نہیں بلکہ تہذیب اخلاق ہے۔ جب آدمیت آجائے تو بہت جلد وصول ہو جاتا ہے۔ اور جب تک آدمی بگڑے ہوئے آدمی نہیں بنتا اور بڑے شیخ کے پاس گئے ہیں۔ اس کے کام بھی خود کرے اس کی خدمت کرنے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے میں غلطیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان ہی باتوں پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ کسی کو علم غیب تو ہے نہیں اور نہ برکت ہے یہاں تو حرکت کی ضرورت ہے۔

ایثار نفس

فرمایا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر تقویٰ کے کسی خاص درجہ پر عمل کرنے سے دوسرے کی رسائی نہ ہو تو فتویٰ پر عمل کرنا چاہئے ایسے موقع پر تقویٰ کی حفاظت جائز نہیں۔

مجلس : ۱۴

صبر

توبہ کے بعد دوسرا قدم یہ ہے کہ انسان اپنی ظاہری اور باطنی زندگی کی اصلاح کی فکر کرے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے انھیں بجالائے اور جن چیزوں سے روکا ہے ان سے باز رہے ظاہری زندگی میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے انھیں "مامورات" کہا جاتا ہے مثلاً نماز روزہ وغیرہ اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے انھیں "منہیات" کہتے ہیں۔ مثلاً چوری' شراب نوشی وغیرہ۔ مامورات اور منہیات علم فقہ کا موضوع ہیں اور یہاں زیر بحث نہیں ہیں۔

البتہ بالکل اسی طرح ہماری باطنی زندگی کے بھی کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن سے روکا گیا ہے 'علم تصوف کی اصطلاح میں پہلی قسم کے اعمال کو "فضائل" اور دوسری قسم کو "رذائل" کہا جاتا ہے۔ یہاں پہلے فضائل کا بیان کیا جائے گا اس کے بعد "رذائل" کا۔

یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب انسان کو کسی "فضیلت" کی اتنی عادت پڑ جائے کہ وہ اس کی طبیعت ثانیہ بن جائے تو اس کو تصوف کی اصطلاح میں "مقام" کہتے ہیں' لہٰذا جب ہم یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے "مقام صبر" حاصل کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ "صبر" کا باطنی عمل جو "فضائل" میں سے ہے اس کے اندر خوب راسخ ہو کر اس میں اچھی طرح رچ بس گیا ہے۔ آج کی محفل میں "مقام صبر" کے بارے میں کچھ ضروری باتیں عرض کرنی ہیں "صبر" کے لغوی معنی ہیں "روکنا" اور اسلامی اصطلاح میں "صبر" کی تعریف ہے "اپنے آپ کو ناجائز خواہشات سے روکنا"

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن کریم اور اسلام کی اصطلاح کے مطابق "صبر" کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ کسی تکلیف یا رنج پر واویلا نہ کیا جائے (جیسا کہ عام گفتگو میں

"صبر" کا لفظ اسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، بلکہ اس کے شرعی معنی بہت وسیع اور ہمہ گیر ہیں اور اس میں دین کے تقریباً تمام شعبے داخل ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جس قدر تاکید "مقام صبر" حاصل کرنے کی آئی ہے اتنی تاکید شاید ہی کسی اور چیز کی آئی ہو، اور اس کا اجر و ثواب بھی اتنا بتلایا گیا ہے کہ شاید کسی اور چیز کا نہ بتایا گیا ہو، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

"تم ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کی نصیحت کرو"۔

اور فرمایا جاتا ہے:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

"بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب نوازا جائے گا"۔

"صبر" کی مندرجہ بالا اہمیت کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیل کی ضرورت ہوگی۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں بھلائی کا مادہ بھی رکھا ہے اور برائی کا بھی، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾

"اللہ نے انسان کی جان کو گناہ اور تقویٰ دونوں سے باخبر کر دیا ہے"۔

اور چونکہ دنیا میں آزمائش کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان برائی کو چھوڑ کر بھلائی اختیار کرے، اس لئے اللہ نے بھلائی کے مادے کی تقویت کے لئے بھی کچھ سامان مقرر فرمائے ہیں اور برائی کے مادے کو تقویت دینے کے لئے بھی۔

نیکی کی دعوت دینے والی قوتیں

انسان کو بھلائی کی طرف راغب کرنے کے لئے ایک قوت تو خود انسان کے دل میں رکھی گئی ہے جسے "نفس لوامہ" کہا جاتا ہے اور عرف عام میں اس کا نام "ضمیر" ہے۔ ہر انسان جب کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو ایک بار اندر کی قوت اسے برائی سے روکتی ہے۔ لیکن

قوت "نفس لوامہ" ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خارجی طاقتیں ہیں جو انسان کو نیکی پر آمادہ کرتی اور برائی سے روکتی ہیں، یہ خارجی قوتیں "فرشتے" ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار مخلوق ہے اور اس میں برائی کا مادہ پیدا ہی نہیں کیا گیا۔

برائی کی دعوت دینے والی قوتیں

دوسری طرف دو قوتیں ایسی ہیں جو انسان کو برائی کی طرف راغب کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک خود انسان کے باطن میں موجود ہے جسے "نفس امارہ" کہا جاتا ہے۔ یہ نفسانی خواہشات کا وہ منبع ہے جو نیکیوں سے جی چرانے اور گناہوں کی طرف مائل ہونے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اور دوسری قوت "شیاطین" کی ہے جنہوں نے اپنا مقصد زندگی ہی یہ قرار دیا ہوا ہے کہ انسان کو نیکیوں سے ہٹا کر برائیوں کی طرف لیجائیں۔

ان دو متضاد قوتوں کی کشاکش ہی میں انسان کی آزمائش ہے۔ اور اس آزمائش میں کامیاب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان نیکی کے تقاضوں کو بدی کے تقاضوں پر غالب کر دے اور اسی کا نام شریعت کی اصطلاح میں "صبر" ہے۔

اس مقام کا حصول محض زبانی جمع خرچ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے بڑی محنتیں کرنی پڑتی ہیں، صوفیاء کرام نے بیشتر مجاہدات اسی مقام کو حاصل کرنے کے لئے مقرر کئے ہیں، یہ جو بہت سے صوفیاء کرام سے منقول ہے کہ انہوں نے بعض مرتبہ مباحات کو بھی ترک کر دیا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ان مباحات کو حرام سمجھتے تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے نفسانی خواہشات کو قابو میں کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔

نفسانی خواہشات پر قابو پانا

شروع میں انسان کو نفسانی خواہشات کے دبانے میں مشقت ہوتی ہے، لیکن جب ایک مرتبہ یہ کڑوی دوا پی لے تو پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ کام بہت آسان کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کا نفس "نفس مطمئنہ" بن جاتا ہے یعنی اس میں بھلائی کے تقاضے

اس قدر غالب ہو جاتے ہیں کہ بدی کے تقاضے ان کے سامنے بالکل مردہ اور مضمحل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی بات کو آنحضرت ﷺ نے اس طرح تعبیر فرمایا ہے کہ:

"مَنْ یَتَصَبَّرْ یُصَبِّرْهُ اللهُ."

"جو شخص مقام صبر تک پہنچنا چاہے اللہ اسے صبر دے دیتا ہے"۔

اور جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو جائے اس کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "لم یؤت احد نعمة أوسع من الصبر." (او کما قال)

"کسی شخص کو صبر سے زیادہ وسیع نعمت کوئی نہیں دی گئی"۔

مقام صبر حاصل کرنے کا طریقہ

اس مقام کو حاصل کرنے کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے جنہیں "صبر" کی نعمت حاصل ہے تجربہ شاہد ہے کہ انسان کے ماحول اور صحبت سے زیادہ اس کا مربی کوئی نہیں ہوتا اگر انسان "صابرین" کا ماحول اختیار کرلے تو رفتہ رفتہ خود بھی "صابر" بن جائے گا۔

اس کے علاوہ مقام صبر حاصل کرنے کا انفرادی طریقہ یہ ہے کہ جب بھی دل میں کسی گناہ کا خیال پیدا ہو اس کے ساتھ ہی اس عذاب اور وعید کا تصور جمائے جو قرآن کریم اور احادیث میں اس گناہ کے کرنے والے کے لئے بیان فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنی موت، انجام اور قبر کی تنہائی کو یاد کرے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے تلقین فرمائی ہے کہ:

اکثروا ذکر ھاذم اللذات

"تمام لذتیں ختم کرنے والی چیز (یعنی موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو"۔

صابرین بھی ہوشیار رہیں

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے "صبر" کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اور جن کی نیکیوں کی قوت بدی کی قوت پر غالب ہے انہیں بھی کسی وقت بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ سیدی حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفاء کو اس کی تلقین فرماتے تھے کہ وہ کسی وقت اپنی اصلاح سے غافل نہ ہوں۔ ایک دن خلفاء سے خطاب کرتے ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی مولانا روم کی ایک حکایت نقل فرمائی کہ ایک لکڑہارا روزانہ صبح اندھیرے جنگل جاتا اور شام کو لکڑیاں لیکر لوٹتا تھا۔ ایک دن ایک لکڑی کے ساتھ ایک سردی سے ٹھٹھرا ہوا سانپ بھی بندھ کر آگیا۔ راستے بھر تو وہ بے حس و حرکت رہا اور لکڑہارے کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا لیکن جب گھر پہنچ کر اس میں کچھ گرمی پیدا ہوئی تو اس نے ابھرنا شروع کیا اور لکڑہارے کے لئے خطرۂ جان بن گیا۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ "نفس امارہ" کی مثال بالکل اس ٹھٹھرے ہوئے سانپ کی سی ہے جو مرا نہیں بلکہ وقتی طور پر افسردہ ہو گیا ہے۔

نفس اژدھا است او کے مردہ است
از غم بے آلتی افسردہ است

اس لئے اس سے غافل اور بے فکر ہونے کے کوئی معنی نہیں یہ واقعہ نقل کر کے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بات میں صرف آپ ہی سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ خود اپنا نفس بھی میرا مساوی طور سے مخاطب ہے اور بحمد اللہ اس بات پر کاربند بھی ہوں اور یہ کہہ کر اپنے ڈیسک سے کچھ پرچے نکال کر دکھلائے جن پر کچھ ہدایات لکھی ہوئی تھیں اور فرمایا کہ میں اپنے اندر جو کمزوریاں محسوس کرتا ہوں، یہ پرچے ان کے علاج کے لئے ہیں۔

بے صبری تباہی ہے

اس کے برعکس اگر انسان اس مقام "صبر" کو حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہ کرے تو نفسانی خواہشات اسے پچھاڑ دیتی ہیں اور وہ ان کے ہاتھوں بے بس ہو کر رہ جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایک مومن کے لئے اس سے زیادہ خطرناک بات کوئی نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور اگر آدمی اس کی طرف کوئی توجہ نہ کرے اور مسلسل گناہوں میں ملوث ہوتا چلا جائے تو رفتہ رفتہ یہ سیاہی پورے دل کو گھیر لیتی ہے اور جب آدمی اس مرحلے پر پہنچ جائے تو وہ گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور ضمیر کی قوت اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ اسے کوئی گناہ،

محسوس نہیں ہوتا۔

حیات میں اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر کسی شفاف کپڑے پر کوئی دھبہ لگ جائے تو وہ ہر وقت نگاہوں میں کھٹکتا ہے اور اسے مٹانے کی فکر بھی پیدا ہوتی ہے لیکن اگر کپڑے پر بیشمار دھبے لگ جائیں تو ان کی وہ برائی دل میں باقی نہیں رہتی اور انہیں مٹانے کی فکر بھی کم ہو جاتی ہے۔

بس اسی طرح اگر دل پر لگنے والے پہلے داغ کو توبہ کے ذریعہ دھو لیا گیا اور اس کے بعد "صبر" کے ذریعہ احتیاط نہ کی جائے تو پورا نفس داغ دار ہو جاتا ہے۔ اور اسی کو حدیث میں "دل کے زنگ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حکیم الامت کی احتیاط

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی اصلاح کی فکر اور آخرت کی فکر دیتا ہے انہیں ہر وقت اس بات کی طرف توجہ رہتی ہے کہ کہیں نفس "صبر" کا دامن چھوڑ کر گناہوں کا عادی نہ بن جائے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی ؒ کے پاس ایک مرتبہ ڈاک میں ایک لفافہ ایسا آیا کہ اس پر ٹکٹ تو لگا ہوا تھا مگر مہر نہ لگی تھی۔ حضرت نے اسے چاک کر کے پھینک دیا، اور فرمایا کہ اگرچہ حکومت ہم سے بہت سارا روپیہ ناجائز ٹیکسوں میں وصول کرتی ہے اس لئے ہمیں فتوے کی رو سے یہ حق ہے کہ ہم اس طرح اپنا حق جس قدر ہو سکے وصول کر لیں، لیکن ان طریقوں کو اس لئے استعمال نہیں کرتا کہ اس طرح نفس کو حیلے نکالنے کی بری عادت پڑ جاتی ہے۔

مجلس: ۴۲

صبر ایمان کا سر ہے

حضرت قاری حارث المحاسبی ؒ حدیث و تفسیر کے امام ہیں اور صوفیاء کرام میں اکثر ان کے شاگرد ہیں آپ کے ملفوظات میں سے ہے' فرمایا:

ان الصبر من الایمان — صبر ایمان میں سے ہے

صبر اور ایمان میں ایسی نسبت ہے جیسے سر کی سارے بدن میں اگر سر کاٹ دیا جائے تو بدن بیکار ہے صبر نہ رہے تو ایمان نہ رہے۔ حدیث پاک ہے دنیا میں کسی کو صبر سے زیادہ وسیع تر نعمت نہیں ملی جب ایک دفعہ ایک حدیث کا درس ہوا تو خیال ہوا ایمان سے بڑھ کر دین میں آخرت کے اعتبار سے کوئی نعمت نہیں پھر ان دونوں میں ایسا اختلاف کیوں؟ پھر مندرجہ بالا قول سے حدیث کی شرح نکل آئی کہ صبر ایمان کا سر ہے اب صبر کے جو معنی ہیں اس پر تعجب ہوتا ہے کہ ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ صبر کہتے ہیں کسی کے مرجانے پر خاموش ہو جانے کو لیکن حقیقت یہ ہے کہ ناجائز خواہشات سے روکنے کا نام صبر ہے' یہی قرآن کریم کی اصطلاح ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کے مرجانے پر ہی صبر موقوف نہیں ہے بلکہ ایمان بھی اسی کی ایک نوع ہے' گھروں میں گمراہی ہو رہی ہے' ہمارا نفس تقاضا کرتا ہے کہ ان رسوں کو جاری رکھیں خواہ حرام ہوں یا حلال۔ عرب میں آخر تک بہت سے مشرکین اسی وجہ سے ایمان نہ لائے کہ رسموں کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔ ابو طالب جن کی وفات شرک پر ہوئی ہے باوجود ایمان پر قائم نہ ہونے کے ان کا نام عظمت سے لینے کو جی چاہتا ہے اس لئے کہ ان کو پوری زندگی حضور ﷺ سے محبت رہی۔ آخر وقت میں انتقال کے وقت رسول کریم ﷺ نے بار بار فرمایا کہ ایک دفعہ کلمہ پڑھ لو' آپ کی نجات ہو جائے گی' تمنا اس کی تھی' وہ نہ مانے' ابوجہل ابولہب وغیرہ نے گھیراؤ ڈال رکھا تھا کہ کہیں آخر وقت میں

اپنا آبائی دین نہ چھوڑ دیں مگر چچا نے کہا میں جانتا ہوں آپ کے دین سے بہتر کوئی دین نہیں ہے آپ سچ فرماتے ہیں مگر یہ لوگ گالی دیں گے کہ موت کے ڈر سے مسلمان ہو گیا اس لئے ہمت نہیں تو ایمان لانے کے لئے بھی صبر کی ضرورت ہے اپنے نفس پر قابو پائے جب ہی ایمان لا سکتا ہے اس لئے حدیث کی شرح بھی ہو گئی کہ سب سے بڑی نعمت صبر ہے' صبر کے معنی بری خواہشات سے روکنے کے ہیں۔

چنانچہ بہت سے لوگ تیجہ' چہلم اور بہت سی رسموں کو جانتے ہیں کہ بری ہیں مگر اتنی جراءت نہیں ہوتی کہ انہیں چھوڑ دیں اس لئے کہ برادری کے لوگ برا کہیں گے تو صبر حاصل نہیں ہے اس لئے مجبور ہیں۔

نفس کو قابو میں رکھنے کا نام صبر ہے

جب صبر کا یہ مقام ہے تو اگر اپنے کسی حریف مقابل سے ایسا کلمہ سنو جس سے آپ کو غصہ آجائے تو اس کو معاف کر دو اور اس کا کوئی انتقام نہ لو نفس کو قابو میں رکھنے کا نام صبر ہے' کیا ہوا تو ٹکڑ رہ جائے گا معاف کر دو گے تو دنیا میں کوئی نقصان نہ ہو گا آخرت میں درجات بڑھیں گے' آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا۔ اسلام کے لئے تو بے شک انتقام ہوا مگر اپنے لئے کبھی ایسا نہ کیا اور جن کو اللہ نے یہ مقام عطا کر دیا ہے ان کو ایسی بیہودہ باتوں کا کوئی خیال بھی نہیں ہوتا کوئی برا کہے بھلا کہے دونوں یکساں ہیں۔ کسی کی تعریف اور برائی کا اثر نہ ہوتا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت دن سے خط نہیں لکھا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو' حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا کہ خط نہ لکھنے کی کیا وجہ ہے جواب میں فرمایا۔ میں خطا وار ہوں کسی قابل نہیں کیا لکھوں' مگر حالت یہ ہے کہ لوگ مجھے برا کہیں بھلا کہیں مجھے کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا یعنی مدح یا برائی میں کوئی خوشی یا غم اثر نہیں کرتا۔ یہ مقام اسی کو ملتا ہے جس کا اللہ سے تعلق ایسا ہو کہ ساری دنیا اس کی نظر میں کالعدم ہو۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے آپ نے جانور پال رکھے ہیں ایک جانور آپ کو برا کہہ رہا ہے دوسرا اچھا اگر آپ کو معلوم بھی ہو جائے تو آپ کو کیا فرق محسوس ہو گا ان کی برائی بھلائی سے بس یہی حالت اس کی ہوتی ہے جس کو تعلق مع

اللہ حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک درویش کا واقعہ

گلستان میں واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ کے یہاں ایک درویش پہنچے کوئی بات ان کی ناگوار ہوئی۔ انھوں نے کہا بند کر دو، وہ قید میں پڑے۔ بادشاہ نے کہا اچھا جیتے جی ساری عمر قید میں بند رکھو، وہ مسکرائے اس نے ہنسنے کی وجہ پوچھی فرمایا کہ مجھے یہ نہیں معلوم تھی عمر میری یہ چاہے قید میں گذرے چاہے باہر گذرے اس میں کیا فرق پڑتا ہے، مجھے اس میں کوئی خوشی یا غم نہیں۔ اور تمہارا دنیا کی زندگی کے بعد آگے تیرے بس میں نہیں ہے تو اتنی قلیل مدت کی کیا پروا ہے جس طرح بھی گذر جائے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگر جب ایمان لائے اور فرعون نے ان کو دھمکایا تو وہ کہنے لگے ہم کو کیا ہے جو تیرا جی چاہے کر لے ہم اس سے نہ پھریں گے یہ جب ہوتا ہے جب آدمی خوگر بنا لے نفس کے خلاف چلنے کا تو سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

خیالات کا محاسبہ

آگے فرمایا، تمہارے دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں ان کا محاسبہ کرو، ان کی حفاظت کرو، کسی غلط راستہ میں نہ پڑ جاؤ۔ دیکھو! دل میں اور خیال میں دوسروں کے عیب آتے ہیں فلاں میں یہ عیب ہے اس میں یہ عیب ہے مگر اپنے عیب کی خبر نہیں اور یہ عیب سب سے بڑا ہے اس لئے کہ جو بیمار خود کو بیمار سمجھے وہ دوا کریگا مگر جو خود بیمار نہ سمجھے، وہ کتنی ہلاکت کی طرف جائے گا۔ جب خدا سے کسی کو تعلق ہو جاتا ہے نظر تیز ہو جاتی ہے اپنے عیوب اس پر آشکارا ہو جاتے ہیں اللہ پاک ان کی نظر کو خوردبین عطا کر دیتا ہے اور وہ اپنے معاملہ میں اتنے باریک نظر ہو جاتے ہیں کہ ذرا ذرا سی اپنی برائی ان کو نظر آنے لگی اور دوسروں کے معاملہ میں وسیع نظر ہو جاتے ہیں ہر شخص سے حسن ظن رکھتے ہیں۔

اپنے عیوب کی فکر کریں

فرمایا دوسروں کے عیوب دیکھنے کی بجائے اپنے عیب کے دور کرنے کی فکر کرو اور توبہ کرلو۔ اگر اپنے عیوب نظر آنے لگیں تو دوسروں کے عیوب بھی جو نظر آتے ہیں ان کی طرف نگاہ بھی نہیں جائے گی کسی کا سارا بدن زخموں سے چور چور ہو تو دوسرے کی پھانس یا خراش اس پر کیا اثر کرے گی۔

بہادر شاہ ظفر نے لکھا ہے

تھے جو اپنے عیوب سے بے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

ایک شاعر کا قصہ ہے جو آزاد منش آدمی تھا دینداری کی بھی پرواہ نہ تھی، انتقال ہوا خواب میں دیکھا جنت میں ٹہل رہے ہیں پوچھا تم یہاں کیسے کہنے لگے تم کو معلوم ہے کہ میں کیسا آدمی تھا مگر مرنے سے پہلے چند شعر کہے یا اللہ تجھ کو معلوم ہے ساری عمر آوارہ رہا کوئی نیک کام نہیں کیا ہاں ایک تھوڑی بات پر ایمان ضرور ہے اور حب رسول ﷺ پر ایمان ہے پھر میں نے چند شعر کہے جو کسی کو سنائے بھی نہیں بس مالک کا کرم ہو گیا۔ بعض اوقات یہ بھی کام آجاتا ہے

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

یہ دوسروں کے عیوب نظر آنا اپنے گناہوں سے غافل رہنے کا سبب ہے۔

توکل اور کمانے میں اعتدال

ایک جملہ ان کا یہ ہے اپنی عقل کو کام میں لاؤ کہ تدبیر چھوڑ دو اللہ کے حوالے کر دو۔

مراد اس کی یہ ہے کہ روٹی پاس رکھی ہے کھاتا نہیں، وہ متوکل ہے کھلا دے اللہ یہ بھی توکل ہے ضروریات زندگی حاصل کرنا فرض ہے ان کو چھوڑنا گناہ ہے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے یہ مطلب ہے کہ جتنے اختیار اور اسباب تم کو ملے ہیں وہ کر لو پھر رضائے الٰہی کا انتظار کرو جو اللہ نے کیا ملے یا نہ ملے، آدھا ملے پورا ملے اس پر راضی

رسی پلو میں باندھنے کی چیز ہے۔

فرمایا: "اجملوا في الطلب وتوكلوا عليه"

اختصار کرو طلب میں اور توکل کرو اللہ پر یہ ہے اصل توکل ' جتنے اسباب اپنے اختیار میں ہیں ان کو استعمال کرو مگر تفکر نہیں ' ان میں اختصار کرو ' پھر اللہ پر توکل کرو ' ایک بیمار ہے اس کا علاج موجود ہے اس کا علاج نہ کرنا جائز نہیں ہے ' ڈاکٹر کے پاس جائے دوا لے ' پرہیز کرے مگر اس کے بعد ایک قدم مومن کا ہے کہ ڈاکٹر یا دوا کو شفا نہ سمجھے بلکہ اللہ پاک کی طرف سے شفا ہے ' جب اللہ کو منظور نہیں ہوتا تو بڑے سے بڑا ڈاکٹر ایسی لغو غلطی کرتا ہے کہ مریض بچتا نہیں ۔ تو اختصار ہے تدبیر میں یہ نہیں کہ فلاں جگہ جو تمہارے فی الحال پہنچ سے باہر ہے اس کا بڑا نام ہے ' وہ بہتر ہے اس کام کا ' زیادہ لمبی فکروں میں نہ جاؤ ' قریب قریب کی تدبیریں کرو ' تفکر نہیں علاج ہو ' مقدمہ ہو ' تجارت ہو ' ظاہری آسانیوں سے ہونے والی تدبیریں اکٹھی کر کے دماغ پر بوجھ نہ ڈالو ' آسانی سے ہونے والی تدبیریں حاصل نہ کرنا تو کفر ہے مگر جان کھپا دینا اپنی اس کے اندر یہ اس توکل کے خلاف ہے۔

دنیا میں جان مت کھپاؤ

جن پر اللہ پاک حقیقت کھول دیتے ہیں

ہے کہاں کا فسانہ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

خلاصہ یہ ہے کہ ان تدبیروں میں اتنی جان کھپا دینا کہ اصل دینے والے کو بھول جانے یہ مومن کا کام نہیں ہے بس مختصر اسباب کرے پھر اللہ کے حوالے کر دے ' نقصان پہنچ جائے تب بھی راضی رہے ' نفع ہو تب بھی راضی رہے ۔ آخر لوگ باوجود لاکھ کوششوں کے بھی ہار جاتے ہیں ' جرمنی اور امریکہ میں علاج کرانے والے بھی مر جاتے ہیں یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ اس پر جان کھپا دو۔ عقل کی مقتضی یہ ہے

کہ ہماری بصیرت محدود ہے کرنے والا تو وہ ہے ہم نے جو تقاضا ہیں تم رد کر دیں۔

حضرت علی ﷺ نے فرمایا اے آدم کے بیٹے مالداری پر بہت خوش نہ ہو اور فقر و فاقہ آگیا تو بہت مایوس مت ہو۔ دونوں حالتیں ہمیشہ قائم ہونے والی نہیں اس پر عقل کا کھپانا عقلمندی نہیں ہے اور بیماری یا نقصان یا کچھ اور حادثہ ہو جائے اس پر زیادہ غمگین نہ ہو۔

تکالیف گناہوں کا کفارہ ہیں

جب سونا نکھارا جاتا ہے آگ میں ڈال کر اللہ کے نیک بندوں کو بھی دنیا میں ایسی تکلیف دے کر ان کے گناہوں کو دھویا جاتا ہے اور یہ سمجھ لو گے تو گناہوں کا کفارہ بھی ہو جائے گا ورنہ تکلیف تو یوں بھی آتی ہے جو اہل جنت ہیں ان کو دنیا میں تکالیف پہنچتی ہیں کیونکہ یہ جنت کے تحفے ہیں اور اہل جہنم کو دنیا میں راحت اور عیش ملتا ہے کہ یہ جہنم کے گرد کے پھل ہیں۔

فرمایا حضور ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت نعمتوں کی جگہ بنائی اور جہنم تکالیف کی جگہ بنائی مگر ان کے گرد ایک باڑ لگائی جہنم کے گرد لذت اور عیش اور راحت' شہوات' دل لبھانے والی چیزوں کی باڑ لگائی ہے' جنت کے گرد مختلف تکلیف مشقت کی باڑ لگی ہوئی ہے لہذا کانٹے مصیبت اور تکلیف اٹھانے کے بعد ہی جنت میں داخلہ ہو گا۔

جنت کے تحفے

مومن کا ایمان سلامت رہے تو یہ تکالیف' غم' بیماری اور مصیبت یہ تحفے ہیں جنت کے یہ کانٹا چبانا جنت کا راستہ ملے۔ جو لذائذ میں مبتلا ہیں وہ سوچ سمجھ کر قدم رکھیں کہ اس میں کہیں خلاف شرع تو کچھ نہیں کہ یہ جہنم کا تحفہ ہو اللہ پاک ہر مومن کو اس سے بچائے۔

عقلمند اور متقی کی دوستی اور اس کا معیار

فرمایا: مجلس رکھو عاقل اور متقی سے۔ بیوقوف سے آرام کی بجائے تکلیف پہنچ جاتی ہے اور غیر تقویٰ والا جو خدا کا خوف نہ رکھے اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ حدیث میں ہے سوال کیا گیا ہم کن لوگوں کے پاس بیٹھیں، آپ ﷺ نے فرمایا، جن میں تین وصف ہوں، آج سمجھ لو یہ شیطان کا دھوکا ہے جو ہم کو بتاتا ہے کہ کوئی عالم بھی خالص نہیں کہاں بیٹھیں شیخ ہی کہاں ہیں آج کل تو یہ غلط ہے بے شک جنید رحمۃ اللہ علیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ تو نہ ملیں گے مگر ایک کسوٹی ہے اس پر شیخ کو دیکھ لو کوئی کہے میں تو افلاطون سے علاج کراؤں گا تو مر جائے گا بوعلی سینا نہ ملے گا۔

(۱) جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اس کی یاد کا نور ایسا ہے جو چہرہ سے فوراً عیاں ہوتا ہے۔

(۲) جب وہ بولے تو علم کی بات کہے فضولیات میں وقت برباد نہ کرے۔

(۳) اس کے عمل سے آخرت کی یاد آئے، قول سے نہیں بلکہ اس کے عمل سے تم کو آخرت کی فکر غالب ہو۔ نہ وہ آسمان پر اڑے، نہ کوئی کرامت ضروری ہے بس یہ تین صفت دیکھ لو اور وہ انہیں لوگوں میں ہو گا۔

مجلس : ۴۲

باقی اور فانی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ ۔
وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا
یَعْمَلُوْنَ ○

یہ کلام پاک کی آیت ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے
وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور جو
لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجران
کو ضرور دیں گے۔

جو کچھ تمہارے پاس ہے

اس مختصر آیت میں اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے فرمایا ہے جو کچھ
تمہارے پاس ہے اب ہم سوچیں کہ ہمارے پاس کیا ہے اول تو جو کچھ ہے وہ خدا کا
دیا ہوا ہے۔ پھر اگر مستعار طور پر ہم اس کے مالک مجازی بنا بھی دیئے گئے تو وہ کسی
طرح ملکیت ہماری شمار نہیں ہو سکتی۔ دولت ہو' اولاد ہو' مال' جائیداد ہو' کھیتی
کاروبار ہو اور اس کے علاوہ جو بھی ہو وہ سب "جو کچھ" کی تعریف میں آتا ہے تو ظاہر
ہے کہ دولت' اولاد' جائیداد ان میں سے کچھ باقی رہنے والا نہیں۔ اب اپنے جسم پر
غور کیا جائے۔ صحت' طاقت' جوانی' حسن' یہ بھی چیزیں باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ پھر
حالات کا جائزہ لو' خوشی' غمی' بے فکری' بے چینی' غصہ' خوشی' صحت' بیماری' امیری'
غریبی' غرض کوئی حالت ہو۔ وہ بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ انسان کسی ایک حالت پر

تھوڑی سی دیر بھی قائم نہیں رہتا۔ بلکہ وہ حالات ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی بڑی خوشی حاصل ہوئی اس کی لذت تھوڑی دیر میں جاتی رہی۔ کوئی بڑی تکلیف آئی۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد اس کو بھول گیا۔

گو وقتی طور پر تھوڑی سی دیر کے لئے ان حالات کے تاثرات ہمارے ذہن میں بھی رہتے ہیں۔ لیکن جوں جوں مدت گزرتی جائے ان کا خیال بھی دماغ سے محو ہو جاتا ہے۔ بیشتر واقعات یا حادثات ایسے ہماری زندگی میں پیش آئے ہیں کہ اگر صدمہ کا اثر اسی حادثہ کے وقت کی طرح آج بھی ہمارے ذہن میں بدستور قائم رہتا تو ہمارے ذہنوں کا کیا حال ہوتا' یا کوئی بڑی سے بڑی لذت مسلسل ہمارے پاس رہتی تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہم اس لذت سے بھی بے کیفی محسوس کرتے اور اکتا جاتے۔ اسی خوشی یا لذت سے غرض تھوڑا یا بہت چھوٹا یا بڑا کوئی صدمہ کوئی خوشی ایسی نہیں جو باقی رہنے والی ہو اور یہ سب اس آیت کے پہلے لفظ "جو کچھ" کی تعریف میں آتا ہے یعنی جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے۔

جو کچھ خدا کے پاس ہے

اور پھر فرمایا جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ یہاں پر ایک بات کتنی واضح ہے کہ خدا خود بھی باقی رہنے والا ہے۔ اس لئے جو کچھ اس کے پاس ہے وہ بھی باقی رہنے والا ہے اور جو کچھ تمہارے بھیجے ہوئے عمل اس کے پاس پہنچ گئے وہ بھی باقی رہیں گے یعنی دنیا کی لذت اور خوشی پا کر ہم نے اگر خدا کا شکر ادا کر لیا تو لذت اور خوشی تو رہنے والی نہیں مگر شکر کے وہ چند الفاظ جو ہم نے اپنی زبان سے ادا کر لئے وہ اللہ کے پاس باقی رہیں گے۔

اور مصیبت اور تکلیف کا صدمہ تو ہمیشہ باقی نہ رہے گا۔ ہاں! اس پر صبر کے نکلے ہوئے الفاظ حیات جاودانی اختیار کر لیں گے اور قیامت کے دن اللہ پاک شمار کرا کرا ایک ایک نیکی کا کئی کئی بار بدلہ عطا فرمائیں گے۔

یہ صرف ذہن بنانے کی بات ہے اگر ہم اپنا ذہن اس طرح بنا لیں کہ جو کچھ غم یا خوشی آئے اللہ کے ذکر کے ساتھ اس وقت کہ رسول پاک ﷺ کی سنت کے

مطابق گزار دیں۔ تو ان تمام حالات میں سے ایسے باقی ذخائر ہم اللہ کے پاس بھیج دیں گے جو ہمیشہ کے لئے اس کے پاس ہمارے حساب میں جمع ہو جائیں گے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ ہم کو کسی نے گالی دی یا کوئی نقصان پہنچایا' تو وہ نہ تو گالی ہمیشہ باقی رہے گی اور نہ نقصان ہمیشہ قائم رہے گا اور گالی تو شخص بد زبانی کا اظہار ہے۔ اس سے تو ہمارا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ بلکہ ایسی بے بنیاد چیز پر یعنی گالی کے بدلے ہم نے اگر ایک گالی دیدی تو اسکی اور ہماری دونوں کی بد زبانی کا گناہ دونوں پر باقی رہ جائے گا اور وہ ہم کو قیامت کے دن خسارہ پہنچ جائے گا۔ لیکن اگر ہم اس گالی کو برداشت کر گئے اور جواباً اس کو کہہ دیا کہ اللہ تم کو نیک ہدایت دے تو یہ دعائیہ جملے ہمارے واسطے سرمایہ آخرت اور اس کے واسطے ذریعہ ہدایت بن جائیں گے۔ اسی طرح کسی خوشی اور نقصان کے تاثرات تو تھوڑی دیر میں ختم ہو جائیں گے۔ لیکن باقی رہنے والی وہ نیکیاں یا برائیاں ہوں گی جو اسکو پاکر ہم نے اپنے دل اور زبان سے ادا کیا۔

بزرگان دین کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی خوشی یا صدمہ آتا تو نوافل پڑھتے اور خدا کا ذکر کرتے تھے اور یہی چیز خدا کے پاس باقی رہنے والی ہے۔

صبر کا بدلہ

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ پھر ہم جلد ہی اس صبر کا بدلہ دیں گے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ ساری تعلیم کس کے لئے دی جارہی ہے۔ دراصل صبر کے لئے بندوں کو تیار کرنا تھا۔ پتہ چلا کہ صبر کے معنی یہی نہیں کہ کوئی مر جائے تو اس پر صبر کریں' بلکہ ہر چھوٹی یا بڑی ناگواری کو برداشت کرنا صبر ہے۔ چونکہ صبر اللہ پاک کو بہت پسند ہے اور صبر کا بدلہ بہت اچھا ملنے والا ہے اور ایک ایک صبر کا بدلہ زندگی بھر کی نیکیوں سے بڑھ کر دینے والے ہیں۔ مخبر صادق ﷺ خبر دیتے ہیں کہ خدا تمہاری ایک نیکی کو اگرچہ وہ کھجور کی گٹھلی کے برابر ہو۔ پال پال کر احد کے پہاڑ کے برابر قیامت کے دن اس کا بدلہ عطا فرمائیں گے ظاہر ہے کہ کسی چیز کو پالنے سے وہ بڑھتی ہے اور پھر جب رزاق دو جہاں کا پالنے والا ہو تو کتنی پرورش ہوگی وہ جو اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر

چلنے والی سیاہ چیونٹی کی رفتار سنتا ہے اور پتھر کے نیچے دبے ہوئے کیڑے کو رزق دیتا کرتا ہے۔ اس کا پانا کیسا ہوگا؟ اب ایک ذرا سے نقصان پر جو ہم نے صبر کیا اور اس پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس ہماری نیکی کو اللہ پاک باقی رکھیں گے اور یہی نہیں بلکہ زندگی کے اچھے سے اچھے نیک کام کا جو بدلہ ہو سکتا ہے اس پر وہ عطا فرمائیں گے۔

اب اگر ہم کو اس کا یقین ہو جائے کہ گالی سن کر یا نقصان اٹھا کر جو ذرا سی دیر میں ختم ہو جانے والا ہے ہم صبر کریں تو خدا کے یہاں کتنا بڑا بدلہ ملنے والا ہے تو ہم بڑے سے بڑے نقصان پر بھی اس کا شکر ادا کریں اور صابر ہو جائیں۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ دنیا کا کوئی بڑا حاکم ہم کو بلائے اور ہمارے لئے سامان آراستہ ہوں، ارکین حکومت ہم کو لینے کے لئے باادب حاضر ہوں اور راستہ میں کوئی شخص ہم کو گالی دیدے تو ہم اس کی گالی کو شمار بھی نہیں کریں گے۔ بدلہ لینا تو کیا ہے؟ چونکہ ہمارے سامنے وہ عزت اور مرتبہ عطا ہونے والا ہے کہ اگر ہم اس وقت اس گالی دینے والے کی طرف توجہ بھی کریں گے تو ہمارا قیمتی وقت ضائع ہو جائے گا۔ اور توجہ دوسری طرف ہو جانے گی۔ اس پر نہ تو ہم منہ بنائیں گے اور نہ غصہ ہوں گے نہ اس کی گالی کا کوئی خیال دل میں لائیں گے۔ بلکہ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کریں گے۔ بلکہ اپنے چہرہ پر اور بھی مسکراہٹ اور تشکر کا اظہار پیدا کریں گے کہ سامنے عظیم ترقی ہمارے استقبال میں ہے۔

بالکل اسی طرح خبردار کیا جا رہا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

طاعت میں لگنے والا وقت

لہٰذا دنیا میں جتنا وقت ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں صرف کریں گے وہی وقت قیمتی ہوگا۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ہم کو کسی سے لڑائی جھگڑا کرنے کا وقت تو کیا کسی سے صلح کرنے کا وقت بھی نہیں ہے۔ جتنا وقت اس کی یاد کے بغیر گذرے گا وہ بے قیمت ہوگا اور باقی رہنے والی وہی ساعتیں ہوں گی جو اس کے ذکر میں معروف ہوں۔

ایک بزرگ ستو پھانک کر گذارا کرتے تھے۔ ان سے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ جواب دیا۔ میں نے حساب لگایا ہے' جتنا وقت روٹی کھانے میں صرف کروں اتنی دیر میں کئی ہزار بار سبحان اللہ کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ چالیس سال سے یہی دستور رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ ہم بھی ستو پھانکیں بلکہ یہ مثالیں اس لئے ہیں کہ ہمارے ذہن میں یہ آجائے کہ جو وقت بھی میسر ہو' خدا کے ذکر میں گذارنے کی کوشش کریں اور یہ خیال رکھیں کہ جلد ہمیں اس کے پاس جانا ہے اور ایک ایک ذرہ کا حساب دینا ہے' جو حالات بھی ہم پر دنیا میں آئیں گے وہ ختم ہو جائیں گے۔ لیکن ان کے اوپر جو نیکیاں ہم خدا کے پاس بھیج دیں گے وہ باقی رہیں گی۔

سو سال کا کافر اگر ایک دفعہ صدق دل سے کلمہ پڑھ لے تو اس کی ساری زندگی کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک مسلمان کیلئے کیا کچھ عطائیں ہیں۔ ساری دنیا کے لوگ اگر کمائی پر لگ جائیں تو ساری عمر میں اتنا نہیں کما سکتے۔ جتنا ایک مسلمان ایک منٹ میں کما سکتا ہے بس ایک منٹ کی قیمت معلوم ہونا شرط ہے جس کے لئے یقین کی ضرورت ہے۔

اللہ پاک کو ہم اپنی ذات عالی کا یقین عطا فرمائیں اور ہر وقت اپنے ذکر کی توفیق عطا کریں۔ آمین ثم آمین!

چند ارشادات

تمام اعمال کا مغز

فرمایا: تمام اعمال کا مغز یہ ہے کہ نفس کو جانوروں کی طرح آزاد نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کو پابند کیا جائے۔ اسی کو صبر کہتے ہیں اور اسی کی تاکید وتواصوا بالصبر میں ہے۔

بے صبری

فرمایا حدود شرعیہ سے بالاختیار (اپنے اختیار سے) تجاوز کرنا بے صبری ہے۔

صبر کی حقیقت

فرمایا نفس کی ناگوار باتوں کو تحمل کرنا اس طرح کہ حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہونے پائے صبر ہے (یعنی جزع وفزع اور خلاف شرع اقوال سے بچنا صبر کہلاتا ہے)

صبر کا ادب

فرمایا: صبر کا ادب یہ ہے کہ زبان کو شکوہ وشکایت سے روکا جائے اور سوائے حق تعالیٰ کے اپنی مصیبت کسی کے سامنے بیان نہ کرے۔

مجلس : ۴۴

شکر کی حقیقت

"صبر" کے بعد دوسرا مقام جس کی تفصیل فرض ہے "مقام شکر" کہلاتا ہے' اگر آپ نے قرآن کریم پڑھا ہے تو اس میں بے شمار آیات دیکھی ہوں گی جن میں انسان کے ذمہ "شکر" کو واجب قرار دیا گیا ہے' آج کی مجلس میں مختصراً یہ بتلانا ہے کہ اس "شکر" سے کیا مراد ہے؟ اور اس مقام کو کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

شکر کیلئے تین لازمی عناصر

"شکر" کی حقیقت یہ ہے کہ محسن حقیقی کی نعمتوں کا اس طرح اقرار کرنا کہ اس سے دل میں محسن کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو' گویا "شکر" کے تین لازمی عناصر ہیں۔

(۱) اس بات کا اقرار و اعتراف کہ جتنی نعمتیں مجھے حاصل ہیں وہ سب کی سب اللہ کی طرف سے ہیں اور اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمائی ہیں۔

(۲) چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنے فضل و کرم کی بارشیں برسا رکھی ہیں۔ اس لئے کائنات میں میرے لئے اس سے بڑا محبوب کوئی نہیں ہونا چاہئے۔

(۳) اللہ کے بے پایاں انعامات کا فطری تقاضا یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں اسی کی اطاعت کروں اور اس کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہ کروں' بالفاظ دیگر جو نعمتیں اس نے مجھ کو عطا فرمائی ہیں' ان کو انہی کاموں میں خرچ کروں جو اس کی مرضی کے مطابق ہیں' اور ان کاموں میں خرچ کرنے سے بچوں جو اس کی مرضی کے خلاف ہیں۔

مقامِ شکر

جب یہ تینوں جذبات کسی انسان کے ذہن میں پختہ ہو جاتے ہیں تو "تصوف" کی اصطلاح میں اسے کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے "مقامِ شکر" کو حاصل کر لیا ہے۔

پھر "مقامِ شکر" کو حاصل کرنے کے لئے ان تینوں جذبات میں سے بھی اصل الاصول پہلا ہی جذبہ ہے کیونکہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال کما حقہ راسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر کتنی نعمتیں ہر آن مبذول رہتی ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اطاعت کا جذبہ خود بخود پیدا ہو گا۔ لہٰذا اگر کسی وقت "محبت" اور "اطاعت" میں کوتاہی محسوس ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح اقرار و اعتراف دل میں پیدا نہیں ہوا۔

فرض کیجئے کہ ایک نامعلوم شخص ہے جو ہر مشکل کے وقت آپ کی مدد کرتا ہے جب بھی آپ کو روپے پیسے کی شدید ضرورت ہوتی ہے تو وہ خود بخود کسی ذریعہ سے روپیہ پیسہ آپ کے پاس بھجوا دیتا ہے، جب کبھی آپ بیمار پڑتے ہیں تو نہایت موثر دوائیں آپ کے لئے مہیا کرتا ہے جب کبھی آپ بے روزگار ہوتے ہیں وہ بہترین روزگار آپ کو دلوا دیتا ہے غرض ہر اس موقع پر نامعلوم طریقے سے آپ کی مدد کرتا ہے جب آپ پریشان یا خستہ حال ہوں۔ فطری بات ہے کہ آپ خواہ کتنے ہی سنگدل کیوں نہ ہوں اس شخص کی محبت آپ کے دل میں جاگزیں ہو جائے گی۔ اور اگر کسی موقع پر یہ شخص آپ سے کوئی کام کرنے کو کہے گا تو اس کی تعمیل میں آپ فخر اور مسرت محسوس کریں گے۔

مقامِ شکر حاصل کرنے کا طریقہ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر "محسن" کے احسانات کا علم اور اعتراف صحیح طریقے سے ہو تو اس کی محبت اور اطاعت خود بخود دل میں پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا "مقامِ شکر" کو حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا صحیح اقرار اور استحضار پیدا کیا جائے۔

عقیدۃً تو ہر صاحب مذہب اس بات کو مانتا ہے کہ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے آئی ہیں، لیکن "مقام شکر" تک پہنچنے کے لئے ضروری یہ ہے کہ یہ حقیقت خیالات میں اتنی پیوست ہو جائے کہ آدمی کو ہر وقت یہ حقیقت سامنے محسوس نظر آئے، مختصر لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ اس حقیقت کا استحضار اتنا قوی ہو کہ اسے اس کے ثبوت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہ رہے بلکہ وہ اس کا مشاہدہ کرے یہاں تک کہ تکلیفوں اور پریشانیوں کے وقت بھی وہ ان ان گنت نعمتوں کو فراموش نہ کرے جو عین اس وقت بھی اس پر مبذول ہیں۔

مقام شکر سے محرومی کا انجام

جب انسان کو "مقام شکر" حاصل نہیں ہوتا تو تکلیفوں اور پریشانیوں کے لئے اس کا احساس تیز اور نعمتوں اور راحتوں کے لئے نہایت سست ہو جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں نعمتوں اور راحتوں کے درمیان اگر اسے ذرا سی تکلیف پہنچ جائے تو وہ نعمتوں کو بھول کر اپنی ساری توجہات کا مرکز اس تکلیف کو بنا لیتا ہے اور اسی کا غم لئے بیٹھا رہتا ہے اس کے برعکس جس شخص کو "مقام شکر" حاصل ہو وہ چند در چند پریشانیوں میں بھی نعمتوں کا پلہ بھاری دیکھتا ہے اور اسی وجہ سے اس حالت میں بھی اس کی زبان پر شکووں اور آہوں کے بجائے شکر ہی کے کلمات جاری رہتے ہیں۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر دیوبند میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں، میرے نہایت شفیق استاذ اور مربی تھے ایک مرتبہ انہیں شدید بخار آیا، میں مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا تو وہ چارپائی پر تقریباً مدہوشی لیٹے ہوئے تھے، بخار اپنے شباب پر تھا اور اس کی شدت کی وجہ سے غشی سی طاری تھی، وہ ذرا ہوش میں آئے تو میں نے سلام کر کے مزاج پوچھا انہوں نے بے ساختہ کہا:

"الحمد للہ! الحمد للہ! بہت اچھا ہوں، خدا کا شکر ہے کہ دل صحت مند ہے گردے میں درد نہیں، سینے میں کوئی تکلیف نہیں ہے، معدہ ٹھیک کام کر

رہے ہیں ابھی بخار ہے!"

یہ ہے "مقام شکر" کا نتیجہ کہ انسان شدید بخار میں 'مدہوشی ہونے کی حالت میں بھی اس حقیقت کا استحضار رکھتا ہے کہ "تکلیف ایک ہے اور نعمتیں بے شمار" حقیقت بلاشبہ وہی ہے جو حضرت میاں صاحب نے بیان فرمائی کہ بخار بیشک ایک تکلیف ہے لیکن اس کے ساتھ نعمتیں کتنی موجود ہیں! دیکھنے کے لئے آنکھ 'بولنے کے لئے زبان' سننے کے لئے کان 'پکڑنے کے لئے ہاتھ 'علاج کے لئے حکیم اور ڈاکٹر تیمار داری کے لئے عزیز و قریب اور رشتہ دار 'پھر تکلیف بھی صرف بخار ہے 'دل' دماغ' سینہ 'گردہ ہر چیز اپنی مخصوص بیماری سے محفوظ ہے۔ یہ حقیقت تو بیشک ہے 'لیکن عام حالات میں انسان ایسے موقع پر ان تمام نعمتوں سے بکسر غافل ہو جاتا ہے اور اسے بخار کی تکلیف کے سوا کچھ نظر نہیں آتا' اس حقیقت کا ادراک اور استحضار انہی لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں اللہ نے "مقام شکر" کی دولت نصیب فرمائی ہو۔

رنج و بیماری میں مقام شکر کا حصول

یہ دولت حاصل کس طرح ہوتی ہے؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کثرت کے ساتھ اللہ کی نعمتوں پر غور کیا کرے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں تفصیل کے ساتھ ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جن پر غور کرنے سے انسان "مقام شکر" حاصل کر سکتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعمتیں دو قسم کی ہیں' ایک مخصوص نعمتیں جو کسی شخص کو انفرادی طور سے ملتی ہیں' فلاں شخص بہت بڑا عالم ہے' فلاں کے پاس اچھا مکان ہے فلاں کو بڑی سعادت مند اولاد ملی ہوئی ہے' فلاں شخص بڑا ہر دلعزیز ہے۔ یہ ساری نعمتیں مخصوص نعمتیں ہیں' اس کے علاوہ کچھ نعمتیں عام قسم کی ہیں جو ہر انسان کو ہر وقت میسر ہیں' چاند' سورج' ستارے' ہوا' آگ' پانی' مٹی' جنگل' پہاڑ' پھر جسم کے اعضاء آنکھ' کان' ناک' ہاتھ پاؤں وغیرہ اگر انسان ان تمام نعمتوں اور ان کی حکمتوں پر سنجیدگی سے غور کرے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ انسان کو "مقام شکر" حاصل نہ ہو' لیکن چونکہ یہ ساری نعمتیں بے مانگے اللہ نے دے دی ہیں' انہیں حاصل

کرنے کے لئے کوئی محنت اٹھانی نہیں پڑتی اور کوئی پیسہ خرچ کرنا نہیں پڑتا اس لئے انسان انہیں نعمت یا تو سمجھتا ہی نہیں ہے یا سمجھتا ہے تو سرسری طور پر دیکھ کر گذر جاتا ہے حالانکہ انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر کسی وقت ان میں سے ایک نعمت بھی چھن جائے تو کروڑ دو کروڑ روپیہ نہیں، ساری دنیا کے تمام خزانے ملا کر بھی کیا وہ اس نعمت کو واپس لا سکتا ہے؟ قرآن کریم اسی طرف اشارہ فرماتا ہے۔

﴿إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ﴾

"اگر اللہ تم پر قیامت کے دن تک دائمی رات مسلط کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لا کر دے سکے؟"

اسی طرح

﴿إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ﴾

"اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی دن مسلط کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں ایسی رات لا کر دے سکے جس میں تمہیں سکون حاصل ہو۔"

غرض انسان کو چاہئے کہ اولاً وہ ان مخصوص نعمتوں پر غور کرے جن سے بہت سے افراد محروم ہیں، پھر عام نعمتوں پر غور کرے جو ہر انسان کو میسر ہیں مگر ان میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ دنیا بھر کے عقلاء، حکماء اور سائنسدان مل کر بھی چاہیں تو اس کو پیدا نہ کر سکیں اگر وہ چھن جائے تو واپس نہ لا سکیں۔

اس معاملے میں امام غزالی کی ایک مختصر کتاب "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ" بہت مفید ہے اس کا اردو ترجمہ بھی اسی نام سے شائع ہو چکا ہے "مقام شکر" کو حاصل کرنے اور اللہ کی نعمتوں کا استحضار پیدا کرنے کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

چند ارشادات

شکر کا مفہوم

فرمایا جو حالت طبیعت کے موافق ہو خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری اس حالت کو دل سے خدا تعالیٰ کا عطیہ اور نعمت سمجھنا اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زائد سمجھنا اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کو جوارح (اعضاء) سے گناہوں میں استعمال نہ کرنا یہ شکر ہے۔

معمولی نعمت کی قدر

فرمایا: کاغذ کا ٹکڑا بھی کارآمد بناتا ہوں اور ان کو مختلف کاموں میں لاتا رہتا ہوں۔

قدر نعمت بعد زوال

فرمایا النعمة وحشية قيدوها بالشكر (نعمت ایک وحشی جانور ہے اس کو شکر سے قید کرو) فرمایا انسان کو جب نعمت حاصل ہوتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے لیکن چند روز بعد یہ نعمت اپنی عمومیت کی وجہ سے اپنی قدر و قیمت کھو دیتی ہے اب اس میں کوئی ندرت باقی نہیں رہتی اب اگر یہ نعمت اس سے چھین لی جائے تو پھر اس کو اس کی قدر ہوتی ہے۔

فرمایا نعمت کے شعور سے نعمت کا بقا ہے، شعور کا فقدان نعمت کا فقدان ہے اس لئے احساس نعمت کو زندہ رکھنا چاہئے اور یہ چیز شکر سے حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا نعمتیں دو قسم ہیں (ایک) نعمت نفع (دوسرے) نعمت دفع۔

مجلس : ۴۵

مقامِ زہد

زہد کے لفظی اور شرعی معنی

"زہد" کے لغوی معنی ہیں : اپنی کسی مرغوب چیز کو کسی دوسری بہتر چیز کے لئے چھوڑ دینا اسلامی اصطلاح میں زہد کا مطلب ہے آخرت کے لئے دنیا کو ترک کر دینا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ محض "ترکِ دنیا" کا نام "زہد" نہیں ہے' لہٰذا اگر کوئی شخص بے حسی کی بنا پر دنیا کو چھوڑ دے تو یہ "زہد" نہیں کہلا سکتا۔

پھر آخرت کے لئے بھی جس "ترکِ دنیا" کی ترغیب دی گئی ہے اس کا مطلب سمجھنے میں بھی بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں' بعض لوگ "زہد" کو "رھبانیت" کا مرادف سمجھنے لگتے ہیں' اور یہ سمجھتے ہیں کہ کھانا' پینا' تجارت یا کسبِ معاش کے ذرائع اختیار کرنا "زہد" کے خلاف ہے حالانکہ اس قسم کی "ترکِ دنیا" قرآن و سنت کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

حقوقِ نفس کی ادائیگی ضروری ہے

ہمیشہ یاد رکھئے کہ ایک تو ہیں دنیا کے مقاصدِ ضروریہ جن کے بغیر انسانی زندگی کا بقاء ممکن نہیں اور جنہیں حاصل کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے' مثلاً بقدرِ ضرورت کھانا' پینا اور حصولِ معاش کی کوشش ایسی چیزوں کو "حقوقِ نفس" کہا جاتا ہے' اور شریعت نے انسان کے ذمے ضروری قرار دیا ہے کہ "نفس" کے ان "حقوق" کو ادا کیا جائے' اور انہی حقوق کو ترک کرنے کا نام "رھبانیت" ہے جس کی قرآن کریم نے ممانعت فرمائی ہے۔ اور حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

طَلَبُ الْمَعَاشِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ.

"طلبِ معاش فرائضِ اسلام کے بعد دوسرا فریضہ ہے"۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی ؒ اسی وجہ سے اپنے متوسلین کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی "صحت" کا خاص خیال رکھا کریں کیونکہ وہ حقوق نفس میں سے ہے اور اگر صحت خراب ہو جائے تو آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔

حظوظ نفس کو چھوڑنا چاہئے

دوسری چیز ہے "حظوظ نفس" یعنی وہ نفسانی لذتیں جن پر نہ انسان کی بقاء موقوف ہے اور نہ ان کی تحصیل انسان کی فطرت میں داخل ہے' انسان انھیں محض اپنی زائد از ضرورت نفسانی خواہشات کی تسکین کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اس قسم کی خواہشات کو ترک کرنے کا نام "زہد" ہے اور یہ اسلام میں مطلوب و محبوب ہے۔ قرآن و حدیث یا فقہاء و صوفیاء کے کلام میں "ترک دنیا" سے مراد یہی "زہد" ہی ہوتا ہے۔ "رہبانیت" نہیں۔

زہد کے تین درجے

صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ "زہد" کے تین درجات ہیں۔

زہد کا پہلا درجہ

(۱) سب سے اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ دل و دماغ سے دل میں ایسا اعراض اور نفرت ہو کہ کوئی بے مانگے بھی دے جائے تو اچھا نہ لگے۔ مگر اس نفرت کے باوجود اسے بقدر ضرورت استعمال کرے' اور ضروریات اصلیہ سے زائد حصے کو چھوڑ دے یہ اعلیٰ مقام سرکار دو عالم ﷺ کا تھا' آپ ﷺ نے فرمایا۔

"مَالِي وَلِلدُّنْيَا اِنَّمَا اَنَا كَمَثَلِ رَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ ارْتَحَلَ." (او کما قال)

"مجھے دنیا سے کیا کام؟ میری مثال تو اس شہسوار کی سی ہے جو ذرا دیر کے لئے کسی درخت کی چھاؤں لیتا ہے' پھر آگے بڑھ جاتا ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کا معمول کھانے پینے میں یہ تھا کہ بہت تھوڑی مقدار پر

کرتا فرماتے تھے۔ شمائل ترمذی کی متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی "سیر" ہو کر کھانا تناول نہیں فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بعض اوقات دو مہینوں تک صرف پانی اور کھجور پر اکتفا کرتے تھے۔

زہد کا دوسرا درجہ

(۲) زہد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی نہ دنیوی مال و متاع سے بالکل نفرت کرتا ہو اور نہ اس کی کوئی خاص رغبت ہو، کوئی زائد از ضرورت چیز بھی مل گئی تو اللہ کا شکر کر کے استعمال کی اور اگر کچھ نہ ملا تو بھی چنداں رنج و افسوس نہ ہوا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ان کا سارا مال چوری ہو گیا، چوروں نے ان کے گھر میں بالکل جھاڑو سی دے دی، ایک چیز نہ چھوڑی، حضرت کو پتہ چلا تو چنداں ملال کا اظہار نہ فرمایا بلکہ ایک خاص کیفیت میں یہ مصرعہ پڑھا:

ما نہ داریم غم ہیچ نداریم

اتفاق سے حکومت کی کوشش سے وہ مال مسروقہ دوبارہ مل گیا، تو اس پر بھی مسرت کا اظہار فرمایا اور اسے استعمال کیا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ منقول ہے۔

زہد کا تیسرا درجہ

(۳) زہد کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی کو دنیا کی طرف رغبت تو ہو مگر اس کی فکر میں زیادہ نہ پڑے، اسی وجہ سے دنیا کی محبت اسے اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی یہ درجہ "قناعت" بھی کہلاتا ہے، اسی کو حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی سونا چاندی اور بیوی بچے دنیا نہیں، دنیا یہ ہے کہ آدمی کی توجہات اور فکری دلچسپی و توانائیوں کا سارا مرکز یہ چیزیں بن جائیں، اور وہ خدا سے غافل ہو جائے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص مالدار ہے مگر اس کی دولت اسے اللہ سے غافل نہیں کرتی تو یہ "دنیا" نہیں، اور اگر کسی کے پاس چار ہی پیسے ہیں، مگر انہیں میں اس کا دل الجھا ہوا ہے تو یہ "دنیا" ہے اور مذموم ہے۔

ایک بزرگ زاہد کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بہت بڑے تاجر تھے، ایک شخص ان کی بزرگی کا شہرہ سن کر ان کے پاس بڑی عقیدت کے ساتھ بیعت ہونے کے لئے پہنچا۔ مگر دیکھا کہ ان کے اوقات کا بڑا حصہ تجارت اور کاروبار میں صرف ہوتا ہے۔ اس کے دل میں شبہ پیدا ہوا اور اس نے ان بزرگ سے کہا کہ "حضرت! کیا یہ اتنا بڑا کاروبار زہد کے منافی نہیں"۔ بزرگ نے اس وقت کوئی جواب نہ دیا، پھر ایک دن تفریح کے لئے وہ اپنے مرید کو لے کر آبادی سے دور نکل گئے۔ وہیں انہوں نے اچانک مرید سے کہا کہ: "بھائی! حج کرنے کو دل چاہ رہا ہے"۔ مرید نے کہا: "حضرت! دل تو میرا بھی چاہتا ہے"۔ بزرگ نے کہا: "پھر چلو!" اور یہ کہہ کر مکہ مکرمہ کی سمت چل پڑے۔ مرید نے کہا: "حضرت! میری ایک چادر شہر میں رہ گئی ہے، ذرا وہ لے آؤں"۔ اس پر بزرگ نے فرمایا: "تمہیں اپنی چادر کی تو بڑی فکر ہوئی، مگر یہ نہ دیکھا کہ ہمارا کاروبار کس قدر پھیلا پڑا ہے۔ مرید کو اس موقع پر تنبہ ہوا اور اس نے کہا کہ بات سمجھ میں آگئی"۔

زہد کی مکمل مثال

حضرت مولانا رومی نے ایک نہایت دلنشین مثال سے اس کو سمجھایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ انسان کی مثال کشتی کی سی ہے، اور دنیا کی مثال پانی کی سی ہے کشتی کے لئے پانی اس قدر ناگزیر ہے کہ کشتی اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتی، اور جب تک پانی کشتی کے اردگرد رہے اس کے لئے رحمت ہے، لیکن اگر یہی پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو وہی کشتی کی تباہی کا سامان بن جاتا ہے، بالکل یہی حال دنیا کا ہے کہ جب تک وہ انسان کے اردگرد رہے تو اس کے لئے رحمت ہے، لیکن اگر انسان کے دل میں

باطن ہو جائے تو یہی دنیا انسان کو تباہ کر ڈالتی ہے؎

آب اندر زیر کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

روحِ زہد

حقیقت یہ ہے کہ اس حکیمانہ مثال سے مولانا رومی نے "دنیا" کی حقیقت اس طرح واضح فرما دی ہے کہ اس پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ بس! "زہد" کی روح یہ ہے کہ آدمی کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے خالی ہو، خواہ وہ بیوی بچوں کے بیچ درمیان رہے۔ کسب معاش کی کوششیں بھی کرے۔ کمائے اور بچے بھی، آرام اور تفریح بھی کرے، لیکن ان میں سے کسی چیز کی محبت کو اپنے دل پر غالب نہ ہونے دے، اور اسے یادِ خدا کے لئے مخصوص رکھے۔ اکبر نے کیا خوب کہا ہے؎

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں، جو گیا سو گیا، جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصتِ عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

ہمارے حضرت مجذوب صاحب فرماتے ہیں؎

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

اس زمانے میں "زہد" کے پہلے دو درجات کو حاصل کرنا مشکل ہے اور اگر فقر و فاقہ حد سے گزر جائے تو موجودہ حالات میں گناہوں کا سبب بھی بن سکتا ہے، اس لئے محقق صوفیاء کا کہنا ہے کہ اس دور میں تیسرے درجے کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اپنے متوسلین سے فرمایا کرتے تھے کہ تم سب کے بدلے فقر و فاقہ میں نے کر لیا ہے، تمہارا زہد یہ ہے کہ حلال راستوں سے معاش حاصل کرو، اور خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔

زہد کے متعلق چند ارشادات

زہد کی حقیقت

فرمایا زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیل لذات (لذتوں میں کمی کرنا) زہد کیلئے کافی ہے یعنی ہر وقت اس کی فکر میں نہ لگا رہے کہ یہ پکنا چاہیے' وہ پکنا چاہیے' یہ پہننا چاہیے وہ اوڑھنا چاہیے۔

فرمایا زہد کی ماہیت دنیا سے بے رغبتی کرنا ہے۔

حاجت پوری ہونے پر اکتفا کیجئے

ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی نظر کو ہر چیز میں صرف حاجت روائی کے درجہ تک مختصر (محدود) رکھے تزئین اور لذت کے درجہ پر نظر نہ ہو کیونکہ لذت کی کوئی حد نہیں ہے سو جو اس کے درپے ہو گا اس کو کبھی تشویش سے نجات نہ ہوگی اور جو شخص حاجت پر کفایت کرے گا جس وقت حاجت پوری ہو جائے گی اس کو سکون ہو جائے گا۔

دین دار دنیا کی طرف نہ جھکے

فرمایا اگر دنیا والا تھوڑا سا بھی دین کی طرف متوجہ ہو تو غنیمت ہے اور اگر دیندار تھوڑا سا بھی دنیا کی طرف متوجہ ہو تو رنج ہوتا ہے۔

ترک دنیا اچھی چیز ہے

فرمایا' ترک دنیا بہت اچھی چیز ہے' اسی واسطے طالبان دنیا کو بھی ان مولویوں سے محبت ہوتی ہے (جو تارک دنیا ہوتے ہیں) تو معلوم ہوا کہ ترک دنیا تمہارے

نزدیک بھی اچھی ہے۔

زہد حاصل کرنے کا طریقہ

فرمایا: زہد حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ متاع دنیا ہے' سب سے امید قطع کر دے جو شخص ایسا کرے گا' اس کا قلب راحت میں رہے گا کیونکہ زہد قلب اور بدن دونوں کو راحت رہتا ہے۔

مجلس : ۴۶

مقام توحید

توحید کا مفہوم

جن کمال باتوں کو حاصل کرنا انسان کے ذمہ ضروری ہے' ان میں سے ایک "توحید" ہے۔ توحید کا ایک مفہوم تو آپ نے علم عقائد میں پڑھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کو ایک مانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے یہ توحید اعتقادی ہے جس پر انسان کا ایمان موقوف ہے اور اس کے بغیر انسان مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔

توحید عملی

لیکن علم تصوف میں "توحید" سے مراد "توحید عملی" ہوتی ہے جو توحید اعتقادی سے اگلا درجہ ہے' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ "توحید اعتقادی" میں جس عقیدے کو عملی طور پر حاصل کیا گیا تو اسے عملی طور پر اپنا "حال" بنا لیا جائے یعنی ہر آن اس حقیقت کو نگاہوں کے سامنے رکھا جائے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے' وہ صرف اللہ کی ذات واحد سے ہو رہا ہے۔ اس دنیا میں جتنے واقعات پیش آتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی طرف سے آتے ہیں اور اس کی مشیت کے بغیر کوئی ذرہ ادھر سے ادھر حرکت نہیں کر سکتا' عقیدے کی حد تک تو اس بات کو ہر مسلمان جانتا اور مانتا ہے' لیکن ہر رنج و راحت اور غم و مسرت کے وقت اس حقیقت کا استحضار نہیں رہتا' اس لئے جب کسی ظاہری ذریعے سے کوئی خوشی یا تکلیف پہنچتی ہے تو آدمی اسی ظاہری ذریعہ کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے اور خوشی اور تکلیف دونوں کی نسبت اسی کی طرف کرتا ہے۔ لیکن "توحید عملی" کا مطالبہ انسان سے یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو ہر

تک اس طرح مستحضر رکھے گویا اس کو دیکھ رہا ہے' اسی کو بعض بزرگوں نے اس طرح تعبیر فرمایا ہے کہ :

"توحید خدا واحد دیدن بود' نہ واحد گفتن"

جب انسان کائنات کے ہر واقعے کے پیچھے ہر آن خدائے واحد ہی کو دیکھتا ہے تو وہ لوگوں کی دشمنی اور دوستی سے بے نیاز ہو جاتا ہے' اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ جو راحت یا تکلیف اسے پہنچتی ہے وہ تمام تر خدا ہی کی طرف سے ہے' اور جو انسان ظاہری طور پر اس کا سبب نظر آرہا ہے' وہ محض ایک واسطہ ہے' اس سے زائد کچھ نہیں ہے۔

از خدا دان خلاف دشمن و دوست
کہ دل ہر دو در تصرف اوست

سرکار دو عالم ﷺ سے منقول ہے کہ جب آپ ﷺ کے سامنے کوئی ناگوار طبع بات پیش آتی تو زیادہ غم و غصہ کا اظہار فرمانے کے بجائے صرف اتنا فرمایا کرتے تھے کہ "مَا شَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَا یَکُوْنُ۔" (جو کچھ اللہ نے چاہا وہ ہو گیا اور جو کچھ وہ نہیں چاہے گا وہ نہیں ہوگا) اور حقیقت یہ ہے کہ رنج و تکلیف کے موقع پر تسکین قلب کا اس سے بہتر نسخہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

توحید کی مثال

امام غزالی نے ایک تمثیل کے ذریعے اس بات کو سمجھایا ہے' فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے تلوار پر دعویٰ کیا کہ تو نے مجھے مارا ہے' اس نے جواب میں کہا کہ میں کون ہوں! مجھ میں کیا طاقت تھی؟ مجھے تو ہاتھ نے استعمال کیا' دعویٰ کرنا ہے تو اس پر کرو' اس شخص نے ہاتھ پر دعویٰ کیا تو اس نے کہا کہ میرا کیا قصور؟ میں تو بے حس و بے شعور تھا' یہ "ارادہ" تھا جس نے آکر مجھے چلایا اس لئے لڑنا ہے تو اس سے لڑو' اس نے "ارادہ" پر دعویٰ کیا تو اس نے کہا میں کیا چیز ہوں؟ مجھے تو دل نے اس حرکت پر برانگیختہ کیا تھا' دل کے پاس پہنچا تو وہ بولا کہ میری حقیقت کیا ہے؟ میں تو کسی اور کے قبضہ قدرت میں ہوں' اَلْقُلُوْبُ بَیْنَ اِصْبَعَیِ الرَّحْمٰنِ! اس طرح انجام

کار تمام حرکات کی ذات ایک ہی ذاتِ حقیقی پر ہوتی ہے اور وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ۔
بس یہی وہ حقیقت ہے جس کا استحضار "توحید عملی" کو مطلوب ہے اور
جب انسان توحید کے اس مقام کو درجہ اتم حاصل کر لیتا ہے تو نہ اس کے دل میں کسی
کی خوشامد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، نہ وہ چاپلوسی کرتا ہے نہ وہ خدا کے سوا کسی سے ڈرتا
ہے، نہ مال و دولت کی لالچ اسے کسی کام پر آمادہ کر سکتی ہے۔ اور یہ حال کا ظرف اسی
کو شیخ سعدی فرماتے ہیں؎

موحد! چہ برپائے ریزی زرش
چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس
ہمیں است بنیاد توحید وبس

اس لئے کہ وہ اس حقیقت کو صرف جانتا ہی نہیں بلکہ آنکھوں دیکھتا ہے کہ
ساری دنیا کے انسان مل کر مجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے، اور سارے
جہاں کی مخلوقات جمع ہو کر مجھے کوئی ضرر دینا چاہیں تو نہیں دے سکتیں، اس لئے
میں کسی سے کیوں ڈروں؟ اور کسی خوشامد کی لالچ کا شکار کیوں ہوں؟ چنانچہ وہ اللہ
کے سوا نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ کسی کے سامنے جھکتا ہے نہ کسی کی خوشامد کرتا ہے، نہ
کسی سے کوئی ایسی امید باندھتا ہے جس کی خلاف ورزی سے اسے تکلیف پہنچے! بس وہ
تو ایک ہی ذات کے ساتھ تعلق میں مست ہے، اور اس کا نعرہ یہ ہے کہ ؏

یکے داں، یکے خواں، یکے بیں، یکے جو

مقامِ توحید حاصل کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مقام حاصل کیسے ہو؟ بات دراصل یہ ہے کہ
ہر مسلمان کو اعتقاداً توحید کا یقین تو ہوتا ہے، لیکن چونکہ انسان کی نگاہیں ظاہری وسائل
کے خم و پیچ میں الجھی رہتی ہیں، اس لئے اس یقین پر کچھ اوہام مسلط ہوتے رہتے ہیں،
اس کی مثال بقول امام غزالی ایسی ہے جیسے ایک مردہ انسان کی لاش کے بارے میں ہر
انسان کو عقلی یقین ہوتا ہے کہ یہ جماد ہے، اس میں کوئی شعور نہیں، یہ از خود حرکت

نہیں کر سکتی' لیکن اس یقین کے باوجود انسان اس لاش کے ساتھ ایک ہی بستر پر سونے سے وحشت محسوس کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لاش کے بے جان ہونے کا قائل نہیں' بلاشبہ وہ اسکے بے جان ہونے کا قائل ہے' لیکن کچھ اوہام اس کے ذہن کو پریشان کرتے ہیں۔

بس! اسی طرح ہر مسلمان ان ظاہری وسائل کو بے بس تو سمجھتا ہے مگر اس کے قلب میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ اوہام کو اپنے اوپر غالب نہ ہونے دے۔ اگر قلب میں یہ قوت پیدا ہو جائے تو "توحید عملی" کا مقام خود بخود حاصل ہو جائے گا' حضرت مجذوب فرماتے ہیں ؎

کچھ بھی مجنوں! جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے
تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

قلب کی یہ قوت "مراقبات" کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے' جب انسان یکسوئی کے ساتھ روزانہ واقعات عالم پر نظر کرتا ہے' اور یہ دیکھتا ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے منصوبے کس طرح روزانہ خاک میں مل جاتے ہیں' تو رفتہ رفتہ اس کے دل سے اوہام کے بادل چھٹنے لگتے ہیں اور "عقیدہ توحید" اس کی رگ و پے میں سرایت کر کے اس کا "حال" بننے لگتا ہے۔ ہاں! ان مراقبات میں کسی شیخ کامل کی رہنمائی کی ضرورت ہے' تاکہ وہ انسان کو افراط و تفریط میں مبتلا ہونے سے روکتا رہے۔

توحید کا ایک لطیف ادب

افراط و تفریط کے سلسلے میں دو باتیں یاد رکھنے کی ہیں' ایک تو یہ کہ اگرچہ اس کائنات میں ہر خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' اور انسان کو راحت بھی اسی کی طرف سے پہنچتی ہے اور تکلیف بھی لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خیر کے جزئیات کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کرے لیکن شر کے جزئیات کی نسبت اس کی طرف نہ کرے' قرآن عزیز کا ارشاد ہے کہ:

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا

فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ﴾

"اللہ جس رحمت کو کھول دے تو اسے بند کرنے والا کوئی نہیں اور جس چیز کو بند کر دے اسے اس کے سوا کوئی چھوڑنے والا نہیں۔

یہاں باری تعالیٰ نے کھولنے کے ساتھ تو "رحمت" کا ذکر فرمایا ہے مگر بند کرنے کے ساتھ "رحمت" کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ وہاں "جس چیز" کے الفاظ ہیں اور اس "چیز" کی تصریح نہیں فرمائی۔ اس میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ رحمت کو بند کرنے کی نسبت اللہ کی طرف کرنا خلاف ادب ہے اور اس میں یہ نکتہ بھی ہے کہ جو چیز بہ ظاہر خلاف رحمت نظر آتی ہے وہ بھی کائنات کے تکوینی مصالح کے پیش نظر رحمت ہی ہوتی ہے۔

اسی طریقے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا قرآن کریم میں ہے کہ وہ تمام اچھی چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کرتے رہے کہ وہ مجھے ہدایت دیتا ہے، مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ:

﴿ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴾

"اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے"۔

یہاں شفا دینے کی نسبت اللہ کی طرف فرمائی اور مرض کی نسبت خود اپنی طرف کی۔

اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام نے ایک جگہ تو فرمایا کہ "فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يُبْدِلَهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا" یہاں اچھی بات کے ارادے کی نسبت اللہ کی طرف فرمائی لیکن کشتی کے قصے میں فرمایا "فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا" یہاں چونکہ "عیب" کا لفظ آ گیا تھا اس لئے اس کی نسبت خود اپنی طرف فرمائی۔

اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے صرف "خالق الکلاب والخنازیر" کے الفاظ استعمال کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ کائنات کے تمام واقعات میں فاعل و موثر حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے لیکن اسلامی شریعت نے ظاہری وسائط کو دنیوی احکام میں بالکل

خارج از بحث قرار نہیں دیا بلکہ ان کے بھی کچھ حقوق رکھے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل حقیقی تو بلاشبہ اللہ ہی ہے لیکن اللہ نے جس چیز کو فعل کے وقوع کے لئے واسطہ بنایا اس کا بھی ایک مقام ہے چنانچہ اگر کوئی شخص آپ پر کوئی احسان کرے تو اس کا شکر ادا کرنا بھی آپ پر واجب ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے علماء نے لکھا ہے کہ حصول علم کے جو آلات ہوتے مثلاً قلم' دوات اور کاغذ وغیرہ' طالب علم کو ان کا بھی احترام کرنا چاہئے۔

البتہ ان وسائل کو کس حد تک ملحوظ رکھا جائے اور کہاں ان سے صرف نظر کر لیا جائے؟ یہی وہ باریک فرق ہے جو "توحید عملی" کی راہ پر چلنے والے کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے اور عملاً اس کی حدود کا تعین کسی شیخ کامل کی رہنمائی ہی سے ہو سکتا ہے۔

مجلس : ۴۷

مقام توکل

توکل کے لفظی اور شرعی معنی

جن باطنی اعمال کو حاصل کرنا انسان کے ذمہ ضروری ہے ان میں سے ایک "توکل" ہے جو درحقیقت اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان "مقام توحید" کو حاصل کر چکا ہو، قرآن و حدیث میں توکل کی تاکید بار بار آئی ہے اور جگہ جگہ اس کے فضائل و فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ آج کی مجلس میں اسی کی حقیقت بیان کرنا مقصود ہے۔

"توکل" عربی زبان کا لفظ ہے جو "وکالۃ" سے ماخوذ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں۔ "کسی پر بھروسہ کر کے کسی کام کو اس کے سپرد کر دینا"۔ پھر اسلامی اصطلاح میں توکل اسے کہتے ہیں کہ انسان اسباب پر تکیہ کرنے کے بجائے اللہ پر مکمل بھروسہ کر کے اپنے تمام امور اسی کو سونپ دے۔

کسی پر بھروسہ کرنے کی تین وجہ

غور فرمایئے کہ آپ کسی شخص پر کب بھروسہ کرتے ہیں جس شخص کو آپ بھروسہ کا اہل سمجھتے ہوں اس میں کیا صفات آپ دیکھنا چاہتے ہیں؟ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ ایک انسان بھروسہ کا اہل اس وقت ہوتا ہے جب اس میں تین چیزیں پائی جاتی ہوں۔ علم، قدرت اور ہمدردی و شفقت!

(۱) یعنی اول تو آپ اس بات کا اطمینان کرنا چاہیں گے کہ جس شخص پر آپ بھروسہ کر رہے ہیں وہ آپ سے آپ کے احوال سے اور تمام متعلقہ امور سے پوری واقفیت

رکھتا ہو ورنہ ظاہر ہے کہ وہ آپ کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

(۲) دوسرے آپ یہ چاہیں گے کہ جو کام آپ اس کے سپرد کر رہے ہیں وہ اسے انجام دینے کی پوری صلاحیت اور قدرت رکھتا ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر وہ اس معاملے میں بے بس ہوا تو آپ کی کیا مدد کر سکے گا؟

(۳) تیسرے آپ کی خواہش یہ ہوگی کہ جس شخص پر آپ نے بھروسہ کیا ہے وہ آپ کا ہمدرد اور آپ پر مہربان ہو، ورنہ اس کی وسیع معلومات اور عمدہ صلاحیتیں آپ کے کچھ کام نہ آسکیں گی۔

تینوں اوصاف حق تعالیٰ میں کامل ہیں

اسکے بعد ذرا اپنے گردوپیش پر ایک نظر ڈال کر دیکھئے کیا کوئی انسان ایسا نظر آتا ہے جس میں یہ تینوں صفات مکمل طور سے موجود ہوں اور زندگی کے ہر معاملے میں آپ اس کے علم، قدرت اور شفقت پر بھروسہ کر سکتے ہوں! اگر آپ حقیقت پسندی کا مظاہرہ کریں گے تو یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا۔ ایسا کوئی شخص آپ کو ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکے گا جس میں یہ تینوں اوصاف اس قدر کمال کے ساتھ موجود ہوں کہ آپ اپنی زندگی کا ہر معاملہ اسے سونپ کر بالکل مطمئن ہو سکیں۔

اب اللہ جل شانہ کے معاملے پر غور فرمایئے تو نظر آئے گا کہ اس میں یہ تینوں اوصاف اس قدر کمال کے ساتھ موجود ہیں کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا کیا وہ ذات اس لائق نہیں ہے کہ انسان اپنی زندگی کا ہر معاملہ اسے سونپ کر مطمئن ہو جائے اور ہر معاملے میں بس اسی پر بھروسہ کرے یقیناً ہے!

اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

"اور مومن بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں"۔

توکل کی تین قسمیں

چونکہ توکل کا صحیح مفہوم سمجھنے میں لوگ بہت غلطیاں کرتے ہیں اس لئے یہ سمجھ لیجئے کہ اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) توکل کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان نظری طور سے تو اپنا معاملہ اللہ ہی کے سپرد کر دے۔ لیکن عملی طور پر اس کا دھیان اسباب ہی کی طرف لگا رہے' اور ظاہری اسباب و وسائل ہی اس کی بیشتر توجہ کا مرکز بنے رہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ اپنا مقدمہ کسی وکیل کو سپرد کر دیتے ہیں' اس پر آپ کو بھروسہ تو ہوتا ہے' لیکن آپ معاملہ اس کے سپرد کر کے بالکل فارغ نہیں ہو جاتے' بلکہ ہر وقت دھیان اور کوشش اس کی طرف لگی رہتی ہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ آپ ظاہری اسباب کو معمولی طور سے صرف اس لئے اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے' اس کے بعد معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیں اور یہ بات ہر آن مستحضر رکھیں کہ یہ ظاہری اسباب کوئی حقیقت نہیں رکھتے' کرنے والا اللہ ہی ہے' چنانچہ آپ کی بیشتر توجہات اللہ ہی کو پکارنے اور اسی کے سامنے اپنی حاجتیں بیان کرنے میں صرف ہوں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بچے کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی ہے' وہ بس اپنی ماں ہی کو پکارتا ہے' خود کچھ ہاتھ پاؤں مارے بھی تو اس پر مطمئن نہیں ہوتا اس کی توجہ اسی کی طرف رہتی ہے کہ کسی طرح ماں متوجہ ہو جائے تو وہ ہر مشکل کو حل کر دے گی۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس درجہ بھروسہ کیا جائے کہ ظاہری اسباب کی طرف مطلق نظر نہ ہو' یہاں تک کہ اللہ کو پکارے بھی نہیں' اور یہ سمجھے کہ وہ تو خود میرے دکھ درد کو جانتا ہے' وہ خود ہی مداوا کرے گا۔

ایک روایت ہے کہ جب نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال رہا تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور پوچھا کہ اگر کسی خدمت کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ حضرت خلیل اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

أَمَّا إِلَيْكَ فَلَا. وَأَمَّا اللهُ فَهُوَ يَعْلَمُ مَا بِي.

"تمہاری تو مجھے احتیاج نہیں' ہاں اللہ کی طرف محتاج ہوں' مگر وہ میرے حال کو خود جانتا ہے"۔

توکل کے ان تین درجات میں سے پہلا درجہ تو عامیانہ توکل ہے جو توکل کا بالکل ادنیٰ درجہ ہے' اور تیسرا درجہ توکل کی حقیقت کے اعتبار سے تو بہت اعلیٰ ہے' مگر یہ انبیاء و صلحاء کے خاص احوال سے متعلق ہے دائمی طرز عمل کے لئے شریعت میں مطلوب نہیں ہے۔

توکل کا مطلوب درجہ

شریعت میں مطلوب توکل کا دوسرا درجہ ہے' آنحضرت ﷺ نے سنت اسی کو قرار دیا ہے' کہ ظاہری اسباب کو معمولی طور سے اختیار کرو' اللہ سے دعائیں بھی کرو' لیکن بھروسہ ان ظاہری اسباب پر کرنے کے بجائے اللہ ہی پر رکھو۔

مجلس : ۴۸

ترکِ اسباب کا نام توکل نہیں

بعض ناواقف لوگوں نے "توکل" کو بہت غلط استعمال کیا' انھوں نے اسباب کو بالکل ترک کر دینے کا نام توکل رکھا ہے' بعض صوفیاء نے جو اپنے کچھ اقوال یا اشعار میں' ترکِ اسباب کو قابلِ تعریف قرار دیا ہے' یہ لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں' حالانکہ ان کا منشا یہ تھا کہ ظاہری اسباب کی حقیقت ہر آن پیشِ نظر رکھو کہ حقیقت میں نہ وہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان' نفع و ضرر تمام تر اللہ ہی کے قبضے میں ہے' ان کا منشاء یہ ہرگز نہیں تھا کہ ظاہری اسباب کو بالکل چھوڑ دو۔

یہاں "ترکِ سبب" کے مسئلے کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر دینا مناسب ہو گا۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں جتنے کام کرتا ہے' اس سے یا جلبِ منفعت (نفع حاصل کرنا) مقصود ہوتا ہے یا حفظِ منفعت (حاصل شدہ نفع کی حفاظت) یا دفعِ مضرت (کسی نقصان کو ختم کرنا) انھیں کاموں کے لئے ساری دنیا دن رات سرگرداں ہے' اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کام کے لئے کچھ اسباب بنائے ہیں' ان اسباب کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) یقینی اسباب

یعنی ایسے اسباب جن کے ذریعے مسبب کا حصول یقینی ہوتا ہے۔ مثلاً بھوک لگ رہی ہے' روٹی سامنے رکھی ہے یقین ہے کہ اس کے کھا لینے سے بھوک رفع ہو جائے گی ایسے سبب کو چھوڑ دینا توکل نہیں' جنون ہے' اور شرعاً حرام ہے۔

(۲) ظنی اسباب

یعنی ایسے اسباب جن کو اختیار کرنے سے مسبب کا حصول پوری طرح یقینی تو

نہیں ہے لیکن عادۃً ہو جایا کرتا ہے' مثلاً تجارت' زراعت وغیرہ کے ذریعہ معاش کا حصول' ایسے اسباب کو ترک کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ نہ سبب کو اختیار کرے' نہ اسباب کے ماحول میں رہے' مثلاً کوئی شخص جنگل میں جاکر بیٹھ جائے' یہ تو شرعاً ناجائز ہے۔

ترک اسباب کی شرطیں

دوسری صورت یہ ہے کہ اسباب کے ماحول میں رہ کر اسباب کو چھوڑے' مثلاً شہروں میں لوگوں کے ساتھ رہے لیکن کسب معاش کی فکر نہ کرے' عام حالات میں تو یہ بھی جائز نہیں' لیکن چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(الف) صاحب عیال نہ ہو یعنی کسی کا نان ونفقہ شرعاً اس کے ذمہ نہ ہو۔

(ب) صاحب عزم اور پختہ کار ہو۔

(ج) ہر حال میں راضی برضا رہے۔

(د) کسی سے صراحۃً یا اشارۃً سوال نہ کرے۔

ان شرائط کے ساتھ کوئی شخص علاجاً اسباب معاش کو ترک کرے تو شرعاً جائز ہوگا لیکن ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو ناجائز ہو جائے گا۔ جن صوفیاء کرام سے منقول ہے کہ وہ اسباب معاش کو ترک کرکے بیٹھ گئے تھے ان کا حال یہی تھا کہ وہ واقعتاً راضی برضا تھے' اولوالعزم اور پختہ کار تھے' کسی دیکھنے والے کو گمان ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ فاقہ سے ہیں' یا انہیں روپے پیسے کی کوئی ضرورت ہے' قرآن کریم نے اصحاب صفہ کی یہی شان بیان فرمائی ہے کہ:

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (بقرہ)

"ناواقف آدمی ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے انہیں مالدار سمجھتا ہے"۔

اسلاف کا ترک اسباب علاج کے طور پر تھا

پھر یہاں یہ بھی یاد رکھئے کہ جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یا صوفیاء کرام

سے اسباب معاش کو ترک کر: منقول ہے' وہ کسی ذاتی یا اجتماعی ضرورت یا علاج نفس کے لئے تھا' ورنہ عام حالات میں افضل بہر صورت یہی ہے کہ انسان کسب معاش کرے اور یہ توکل کے کسی طرح منافی نہیں ہے' انبیاء علیہم السلام' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اونچے درجے کے عارفین کا توکل یہی ہے کہ وہ کسب معاش کرکے نظر اللہ کے سوا کسی اور پر نہیں رکھتے۔

توکل کی حکیمانہ حکایت

انوار سہیلی فارسی کی مشہور کتاب ہے' اس میں ایک بڑی حکیمانہ حکایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے ایک کوے کو دیکھا کہ اس کے پر کٹے ہوئے ہیں' وہ دل میں سوچنے لگا کہ یہ بیچارہ کیسے زندہ رہے گا؟ اس کے لئے خوراک کیسے مہیا ہوگی؟ ابھی کچھ ہی دیر گذری تھی کہ ایک عقاب نظر آیا جو اپنی چونچ میں ایک شکار پکڑ کر لایا تھا' یہ عقاب کوے کے قریب پہنچا اور کوے کے منہ میں شکار ڈال گیا۔ اس شخص نے جب یہ دیکھا تو خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو اس طرح بھی رزق دیتا ہے۔ پھر میں تلاش معاش کی فکر کیوں کروں۔ اللہ تعالیٰ خود میرے لئے رزق بھیجے گا' چنانچہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا' کئی روز گذر گئے مگر اسے کچھ نہ ملا' پھر کسی حکیم نے اسے سمجھایا کہ بندۂ خدا تجھے دو پرندے دکھلائے گئے تھے' ایک پر کٹا کوا' دوسرے عقاب۔ تو نے کوا بننے کو ترجیح کیوں دی؟ عقاب بننے کا خیال کیوں نہ آیا؟ جو خود بھی کھاتا ہے اور دوسرے معذوروں کو بھی کھلاتا ہے۔

یہ حکایت توکل کی حقیقت کی بالکل ٹھیک ٹھیک نشان دہی کرتی ہے جس شخص کے پاس اسباب و وسائل موجود ہوں اس کا اسباب کا چھوڑ دینا غلط ہے' اس کی مثال عقاب کی سی ہے' اسے خود بھی کمانا چاہئے' دوسروں کو بھی کھلانا چاہئے' ہاں اگر کوئی شخص معذوری و مجبوری سے اسباب سے محروم ہو جائے تو پھر یہ غیر معمولی فکر بھی غلط ہے کہ روزی کہاں سے آئے گی؟ اس کو ہر آن یہ سوچنا چاہئے کہ اسباب و وسائل تو چند آلات تھے' اصل رزاق تو اللہ ہے' اگر اسے زندہ رکھنا منظور ہے تو وہ کوئی نہ کوئی انتظام کرے گا۔

اسباب اختیار کرنا بہتر ہے یا ترک کرنا

چنانچہ صوفیاء کرام نے اس مسئلے پر گفتگو کی ہے کہ جن صورتوں میں انسان کے لئے ترک سبب جائز ہوتا ہے ان صورتوں میں بھی اسباب عادیہ کو ترک کرکے توکل کرنا بہتر ہے یا اسباب عادیہ کو اختیار کرکے؟ شیخ عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اسباب کو اختیار کرنے پر زبان طعن دراز کرے وہ اللہ کی حکمت پر اعتراض کرتا ہے، اور جو شخص (جائز مواقع پر) اسباب عادیہ کو ترک کرنے پر اعتراض کرتا ہے وہ توحید کی حقیقت کا انکار کرتا ہے، لہٰذا اپنے موقعہ پر جائز تو دونوں ہیں، لیکن افضل واعلیٰ طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دی ہے اور جو ان حضرات کی سنت ہے، اور وہ یہ کہ اسباب کو اختیار بھی کیا جائے، لیکن بھروسہ تمام تر اللہ پر ہو، اسباب کو کارساز نہ سمجھا جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "اعقلہا وتوکل" کے سادہ، مختصر اور بلیغ جملے میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

عصر حاضر میں خاص طور سے "توکل" کا صحیح طریقہ یہی ہے کیونکہ جن مواقع پر ترک اسباب جائز ہوتا ہے وہاں بھی اسباب کو چھوڑنے سے آج کل سینکڑوں مفاسد اور غوائل کا خطرہ ہے، اور یہ چیز کم از کم کبر تو پیدا کر ہی دیتی ہے۔

اسباب خفیہ کو ترک کرنا چاہئے

ہاں اسباب کی ایک قسم اور ہے جسے اسباب خفیہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے دوراز کار اور باریک تدبیروں کے پیچھے پڑنا، یہ چیز بلاشبہ "توکل" کے منافی ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جس مقصد کو بھی حاصل کرنا ہو، اس کے لئے سامنے کے ان ظاہری اسباب کو تو ضرور اختیار کیا جائے جو انسان کے بس میں ہوں، قلب ودماغ کو لمبی چوڑی تدبیروں کی فکر سے آزاد رکھا جائے، حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو اس طرح تعبیر فرمایا ہے کہ۔

اجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ وَتَوَكَّلُوا عَلَيْهِ

"کسی چیز کو طلب کرنے میں اختصار سے کام لو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو"۔
صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان افراد کا ذکر فرمایا ہے جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو۔

لا یکتوون

"داغ دینے کا علاج نہیں کرتے"۔

اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ باریک تدبیروں کے پیچھے پڑنا اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اہل عرب میں لوہے کے ذریعہ داغ دینے کا علاج آخری علاج سمجھا جاتا تھا مقولہ مشہور ہے کہ "آخر الدواء الکی" (آخری دوا داغ دینا ہے) خود آنحضرت ﷺ کا معاملہ بھی یہ تھا کہ سامنے کے اسباب اور تدبیروں کو اختیار فرماتے اور اس کے بعد یہ دعا فرماتے کہ

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا الْجَھْدُ وَعَلَیْکَ التُّکْلَانُ

(اے اللہ! یہ تھی کوشش تھی اور بھروسہ آپ ہی پر ہے)۔

اسباب اختیار کرنا اور توکل

۱۸۵۷ء کے جہاد میں دہلی کے چند بزرگ ایک مکان میں محصور ہو گئے باہر قتل عام ہو رہا تھا اس لئے نکلنا ممکن نہ تھا پانی کا جتنا ذخیرہ مکان کے اندر موجود تھا وہ دو تین روز میں ختم ہو گیا۔ جب پیاس سے عاجز ہو گئے تو ایک بزرگ نے پیالہ لے کر پرنالے کے نیچے رکھ دیا اور دعا کی کہ یا اللہ! میرے بس کا تو اتنا ہی کام تھا آگے بارش برسانا آپ کا کام ہے' چنانچہ اللہ کے فضل و کرم سے بارش ہوئی اور سب لوگ سیراب ہوئے۔

توکل کا خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک اسباب کو بالکل چھوڑ دینا غلط ہے لیکن

توکل کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو اسباب کی حقیقت ہر آن ذہن میں مستحضر رہے اور کسی بھی مرحلے پر ظاہری اسباب پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ اسکے بجائے اختصار اور اعتدال کے ساتھ اسباب کو اختیار کر کے معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

البتہ افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کے اس راستہ کو اختیار کرنا بہت مشکل کام ہے اور عادۃً کسی شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر اس مقام کو حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا' اس لئے "مقام توکل" کو حاصل کرنے کا صحیح طریقہ بھی یہی ہے کہ کسی شیخ کامل سے رجوع کر کے اپنے حالات و واقعات سے اسے باخبر رکھا جائے' اور اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔

مجلس: ۴۰۹

رزق رسانی کا قدرتی نظام

اللہ پاک کی کچھ مخلوق ایسی بھی ہے جو بالکل کاہل یا اپاہج ہے اور اللہ پاک اس کو بھی رزق مہیا فرماتا ہے اس کی مثال مولانا رومی ﷺ نے اپنے اشعار میں دی ہے کہ زمین نہ تو چل سکتی ہے اور نہ جدوجہد کر سکتی ہے اللہ پاک نے اس کی پیاس بجھانے کے لئے بادلوں کو بنایا جو سمندروں سے پانی لاکر اس جگہ پہنچاتے ہیں جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یاد آیا ابھی کچھ روز قبل محکمہ موسمیات نے اعلان کیا تھا کہ فلاں جگہ بارش ہوگی لیکن بارش تو ہوئی مگر اس جگہ سے فاصلہ پر اور پھر محکمہ موسمیات نے اعلان کیا کہ دراصل اس زمین کو جہاں یہ بارش ہوئی ہے زیادہ ضرورت تھی پانی کی' خیر چلو انہوں نے یہ تو مان لیا کہ جہاں زیادہ ضرورت تھی وہاں پہ بادل جاکر برسے' لیکن یہ سب کچھ یونہی نہیں ایک باقاعدہ نظام ہے ہر چیز کا قدرت نے ایک نظام بنایا ہے چنانچہ پانی جو زندگی کا اہم ترین جزو ہے ہو سکتا تھا کہ اللہ پاک یہ کہہ دیتے کہ سال میں ایک یا دو مرتبہ بارش ہوگی اور جس کو جتنی ضرورت ہو پانی لے کر رکھ لے بھرنے لگے گا تو کیا ہو گا مگر قربان جایئے اس کی رزاقی کے کیا مصلحت آمیز نظام ہے کہ پہلے تو بادل پانی اٹھا کر لیجاتے ہیں سمندر کے کڑوے پانی کو اوپر جاکر چھلنیوں کے بغیر ٹھنڈا اور میٹھا بناتے ہیں' پھر جس جگہ ضرورت ہوتی ہے اس کے حکم اور اندازے کے مطابق برستے ہیں' مجال کیا ہے اس کے خلاف کر جائیں۔

آب رسانی کا قدرتی نظام

آپ کی کراچی کے اوپر سے سارے بادل جہاز کے جہاز پانی کے بھر کر جاتے ہیں ایک بوند تو آپ کو مل جائے اس میں سے بغیر اس کے حکم کے' غرض یہ برست

بھی اتنی کہ ندی نالے کنوئیں سیراب ہو جائیں زمین تروتازہ ہو جائے کچھ عرصہ تک کام آسکے اتنا پانی برساتے ہیں اور باقی حصہ پہاڑوں پر جا کر ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں جو برف کی صورت میں جمع ہو جاتا ہے سبحان اللہ پانی کے ذخیرہ کا بھی کیسا انتظام کیا اگر یونہی پانی کسی جگہ جمع ہو جاتا یا ہمارے آپ کی طرح ٹینکوں میں بھر کر رکھ دیا جاتا تو گل سڑ کر خراب ہو جاتا یہ نہیں بلکہ برف کی صورت میں جمع کیے پھر آہستہ آہستہ اس کو جب اور جس جگہ ضرورت ہوتی ہے پہاڑوں پتھروں کی رگوں سے سوتے کی شکل میں اور آفتاب کی تمازت سے پگھلا کر دریاؤں کی شکل میں لا کر ہم تک پہنچایا غرض وہی اس مردہ زمین کو پھر زندہ بھی کر دیتے ہیں اب اس سے مطلب یہ نہ نکال لیا جائے کہ کاہل اور حصدی بن کر پڑ جائیں کہ خدا تو رازق ہے روزی دے گا بے شک توکل کا یہ درجہ جن کو حاصل ہے ان کو وہ ایسے بھی غیب سے بھیج کر پالتے ہیں مگر اسباب بنائے اور حکم وہی اسی وجہ سے کہ ہاتھ پاؤں ہلاؤ تم اور روزی عطا کریں گے ہم۔

کوے اور باز کی حکایت

اس پر ایک واقعہ یاد آیا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص محنت مزدوری کرتا تھا مگر تنگی سے گذارہ ہوتا تھا اس نے ایک دفعہ جنگل میں دیکھا ایک کوا پڑا ہوا ہے جس کے دونوں بازو بے کار ہیں وہ چل پھر نہ سکتا تھا تھوڑی دیر میں ایک باز آیا اس نے گوشت کا ٹکڑا یا کوئی لقمہ اس کی چونچ میں ڈال دیا اور اڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد اپنی چونچ میں پانی لایا اور وہ بھی اس کوے کی چونچ میں ڈال کر چلا گیا۔ اس نے سوچا جب وہ ایک کوے کو اس طرح دیتا ہے تو ہم تو اشرف المخلوقات ہیں۔ ہم کو بھی ایسے ہی دیوے گا چنانچہ بیٹھ گئے ' جنگل میں جا کر ایک بزرگ آئے انہوں نے ان سے کہا میاں تم نے جانور دو ہی دیکھے تھے ایک کوا دوسرا باز تو تم کوے کیوں بنے ہو باز کیوں نہیں بنتے کہ خود بھی اپنا پیٹ بھرو اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ سبحان اللہ کیا مثال دی ہے غرض یہ کہ اسباب اختیار کرنا اور پھر خدا پہ توکل کرنا ہی شریعت ہے۔ شریعت نے عام حالات میں اسباب قطع کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

حصول رزق میں اختصار کی حدود

ہاں یہ ضرور ہے کہ طلب میں اختصار کرو اب طلب میں اختصار کی حدود کیا ہیں چنانچہ فرمایا تین چیزیں ہیں ایک تو ذلت سے بچو یعنی کمائی کے لئے کسی کے آگے ہاتھ مت پھیلاؤ جتنا جد وجہد سے مل جائے اسی پر قناعت کرو، دوسرے انہماک سے بچو یعنی کمانے میں اتنے مستغرق نہ ہو جاؤ کہ نہ بیوی بچوں کے حقوق ادا ہو رہے ہیں نہ مہمان کی خبر ہے نہ پڑوسی کا دھیان ہے۔ بس کمانا کمانا ہی زندگی بنی ہوئی ہے اس سے بچو اور تیسرے تعب سے بچو یعنی اتنی کاوش کمائی کے لئے نہ کرو کہ تھک کر چور ہو جاؤ یا اپنی صحت پر اثر پڑے دن رات ایک کر کے لگے ہوئے ہیں کمائی کے پیچھے نہ عزت کا خیال ہے نہ آخرت کا دھیان نہ ذکر الٰہی کے لئے وقت ہے غرض یہ تین چیزیں بچنے کی ہیں۔

(اتفاق سے تینوں منہیات کے اول حروف ذات ہیں راقم نے عرض کیا یعنی ذات کو نہ بھولو شیخ نے فرمایا ہاں اپنی ذات کو) یہ ہے اختصار طلب کا طریقہ تو طلب میں اختصار کرو اور پھر توکل کرو خدا پر بھروسہ رکھو۔

پریشانیوں کا نفسیاتی علاج

رہا یہ کہ پھر بھی پریشانیاں باقی رہیں تو اس کے لئے حضرت نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ دنیا کی تمام پریشانیوں سے بچنے کا ایک واحد طریقہ ہے آخر ہیں تو حکیم الامت کیا حکمت کی بات بتلائی ہے پریشانیوں کو پریشانیاں نہ سمجھو تو کوئی پریشانی باقی نہیں رہتی۔ اب ہم یہ کہیں گے کہ صاحب درد تو ہو رہا ہے اس کو درد نہ سمجھا جائے تو پھر کیا کریں تو آج کل بھی اس زمانہ میں نفسیات کو علاج میں بڑا دخل دیا جا رہا ہے یہاں تو باقاعدہ اس کا شعبہ قائم ہے کہ ہر بیماری کا نفسیات سے علاج ہو رہا ہے۔ نفسیات کیا ہے کہ دماغ کو اس تکلیف سے ہٹا لو تو تکلیف جاتی رہتی ہے یعنی اگر کسی کو بخار ہے اور دوسرے نے کہہ دیا کہ یہ بخار بہت خطرناک ہے تو اب تک تو خطرناک

نہ تھا ہاں اب خطرناک بن گیا اسی طرح اگر پریشانی کو یہ سمجھا جائے کہ یہ پریشانی کچھ بھی نہیں ہے تو وہ پریشانی نہیں رہتی بہت سے مریض اور پریشانی میں مبتلا شخص اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو صحت مند اور راحت میں محسوس کر سکتے ہیں اور دراصل اس کی یہ ہے کہ دنیا میں جتنے لوگ ہیں ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی تکلیف میں گھرا ہوا نہ ہو' ایسا تو کوئی بھی نہیں جس کی تمام خواہشات پوری ہو جائیں یہ تو صرف خدا کو درجہ حاصل ہے یہاں تک کہ انبیاء کے اوپر بھی پریشانیاں آئیں تو اب یہ سمجھا جائے کہ اللہ پاک نے ہم کو اس پریشانی میں جو مبتلا کیا ہے یہ ان کی مہربانی ہے ورنہ اس سے زیادہ اور پریشانی اور تکلیف وہ چیزیں دنیا میں موجود ہیں ہو سکتا ہے ہم کو اس سے نکال کر اس سے زیادہ خطرناک پریشانی میں مبتلا کر دیں جو دنیوی نہیں تو دین کے لحاظ سے خطرہ کا باعث ہوں' چونکہ ظاہری امراض تو انسان دیکھ سکتا ہے اور اس کا علاج بھی کر سکتا ہے مگر باطنی روگ ایسے ہیں کہ اللہ ان سے محفوظ رکھے۔ عجب' کبر' حسد' غیبت' بے ایمانی' بے انصافی' دل آزاری یہ ایسے روگ ہیں کہ نظر بھی نہیں آتے اور انسان ان کو جب اپنے اندر محسوس ہی نہیں کرتا تو پھر علاج کس طرح کرائے گا غرض باطنی بیماریاں زیادہ خطرناک ہیں اور سب سے زیادہ خطرناک بیماری یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ ہم کو باطن کا کوئی روگ نہیں۔

باطنی امراض سے بچنے کا طریقہ

اب یہ کیسے معلوم ہو کہ ہمارے اندر باطنی روگ ہیں اور ان کا علاج کیا ہے تو حکیم الامت نے اس کے معلوم کرنے کا بھی ایک تھرما میٹر دیا ہے جس سے اندر کا بخار بھی پتہ چل جائے وہ یہ کہ اگر تم کوئی طاعت کرتے ہو' کوئی نیک کام کرتے ہو تو یہ سوچ کر دل میں عجب پیدا نہ ہو جائے کہ ہم نے فلاں نیک کام کر لیا یا ہم بڑے دین دار ہو گئے' اس میں یہ سوچ لیا کرو کہ جیسا اس طاعت یا نیکی کا حق تھا ہم نے ویسا ہی اس کو کر لیا ہے یا نہیں ظاہر ہے کہ طاعت اور نیکی جیسا کہ اس کا حق ہے ہم جیسے ناقصوں سے ادا نہیں ہو سکتا تو اس سے عجب یا کبر ہی پیدا نہ ہو گا بلکہ اس سے اور اعلیٰ کرنے کی فکر پیدا ہو جائے گی اور دراصل اس فکر ہی سے انسان متوجہ ہو جاتا ہے اللہ کی

طرف اور اللہ پاک اس کے عجز کو ہی شرف قبولیت عطا فرما دیتے ہیں حاصل اس کا یہ ہے کہ مشکلات کے دور ہونے کے لئے اللہ پاک سے دعا بھی کریں اور استغفار بھی کثرت سے کریں اور اللہ پاک جس حالت میں رکھے اس میں صابر و شاکر رہیں اور اللہ پاک کے سامنے اپنی کوتاہیوں کا ہر وقت اعتراف کریں اور معصیت سے بچنے اور نیکی کرنے کی توفیق بھی اللہ ہی سے مانگیں۔ اللہ پاک ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

توکل کے بارے میں چند ارشادات

تفویض و توکل

فرمایا خدا کی تجویز میں اپنی تجویز کو فنا کر دو۔ ابتداء میں تو اہل اللہ کو یہ حالت تکلف کے ساتھ حاصل ہوتی ہے' خدا تعالیٰ کی حکمت و قدرت کو سوچ کر اپنے ارادہ و تجویز کو فنا کرنا پڑتا' پھر یہ حالت ان کے لئے امر طبعی بن جاتی ہے۔ پھر فرمایا اپنے ارادہ کو خدا کے ارادہ کے تابع کر دو جو کچھ ہوگا ہم اس پر راضی ہیں۔ توکل مطلوب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا جو وہ چاہیں گے وہ ہی ہوگا' اور خلاف شرع تدبیر نہ کرو! واللہ تم متوکل ہوا اور فرمایا تمام تدابیر کے بعد تفویض ہی سے گرہ کھلتی ہے۔

پھر فرمایا کب تک دوائی ہوس کو اور جلد دو اپنی تجویز کو بس فنا اور تفویض کلی اختیار کرو میاں کو راضی رکھنے کی کوشش کرو اپنی ہوس کرنے والے تم کون ہو۔

حقیقت توکل

فرمایا توکل ترک اسباب نہیں' ترک رویت اسباب ہے (یعنی توکل اسباب چھوڑنے کا نام نہیں اسباب تو اختیار کرے مگر اسباب پر نظر اور بھروسہ نہ کرے بلکہ بھروسہ صرف حق تعالیٰ پر کرے اس کو توکل کہتے ہیں)

آدمی تدابیر کرے' دوا کرے اور پھر خدا پر بھروسہ رکھے یہ ہے اصل توکل۔

سکون کا طریقہ

سکون کا بہترین اور سہل طریقہ تسلیم و تفویض اور افتقار و انکسار ہے۔

اکابر کا توکل

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کتابیں چھاپتے تھے سان لوگوں نے جان بوجھ کر یہ طریقے

اختیار کرتے تھے حالانکہ وہ اس سے مستغنی تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اجازت ہو تو اس ملازمت کو چھوڑ دوں۔ فرمایا مولانا ابھی تو مشورہ لے رہے ہیں، یہ دلیل ہے خامی کی کہ ابھی توکل ابھی نہیں ہوا۔ اس حالت میں ملازمت چھوڑنا جائز نہیں۔

آج ہم جیسے کم علم لوگ بغیر اسباب کے توکل کے الفاظ کہتے ہیں۔ یہ کیسی غلطی ہے۔ خود حضرت حکیم الامت کو حاجی صاحب نے بوقت رخصت فرمایا کہ کانپور کی ملازمت جب چھوڑ دو تو پھر اور کوئی ملازمت نہ کرنا۔ فرمایا۔ دل میں خیال آیا کہ میں چھوڑنے ہی کیوں لگا لیکن جب آگے چل کر یہ معاملہ پیش آیا کہ ذکر شغل میں سب کچھ چھوٹ گیا۔ یہاں تک کہ ملازمت بھی چھوڑنا پڑی تو وہ بات یاد آگئی۔

ملازمت چھوڑنے کے بعد ڈیڑھ سو روپے قرض ہو گیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ادائیگی قرض کے لئے دعا کی درخواست کی۔ فرمایا دارالعلوم میں مدرسی کی ملازمت کر لو۔ فرمایا۔ اگر آپ حکم دیں تو کر لوں گا۔ لیکن حاجی صاحب نے آئندہ ملازمت کو منع کر دیا تھا اب آپ کا حکم مقدم ہو گا۔ حاجی صاحب کا حکم موخر ہے۔ فرمایا نہیں جب حاجی صاحب کا حکم ہے تو اس پر قائم رہیں اور دعا کر دی۔ فرمایا کہ قرض تو ادا ہو ہی گیا۔ لیکن اس کے بعد سے ہر وقت میرے پاس ڈیڑھ سو روپیہ ضروریات سے علیحدہ فارغ رہتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارا بھی دارالعلوم سے ملازمت چھوڑنے کا معاملہ پیش آیا سال بھر تک روکے رکھا۔ پھر فرمایا اب چھوڑ دو۔ ترک معاش کرنا بغیر مجبوری کے پسندیدہ نہیں۔ جب ۶۲ھ سے ۸۶ھ تک چوبیس سال ہو گئے۔ آج تک کبھی معاشی پریشانی تو ہوئی نہیں۔ بزرگوں کے ارشاد پر عمل کیا وہ بصیرت سے حکم دیتے تھے۔ حالانکہ مجھے حضرت نے آئندہ ملازمت کرنے کو منع بھی نہیں فرمایا۔ لیکن میں نے یہ چاہا کہ آپ کی سنت پر عمل کروں۔ دین کی عظمت حقیقت میں بزرگوں پر منکشف ہو گئی تھی۔

مجلس : ۵۰

مقام محبت

تحصیل محبت فرض ہے

جن باطنی اعمال کو حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے ان میں سے ایک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِینَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾

"اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ سے زیادہ محبت رکھتے ہیں"

اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُم حَتّٰی یَکُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا" (وکما قال)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اللہ اور اس کا رسول اس کے لئے ہر ماسوا سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے"۔

ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے۔

محبت کا دعویٰ کر دینا تو بہت آسان ہے اور ہر شخص یہ زبانی خدمات انجام دے سکتا لیکن

وکلٌّ یدعی حبًّا للیلی ولیلی لا تقر لهم بذاکا

اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ محبت کی یہ حقیقت بھی دل میں موجود ہے یا نہیں۔ دنیا کی ہر چیز کی طرح محبت کی بھی ایک علامت ہے اور وہ علامت ہے محبوب کی اطاعت۔

إن المحب لمن یحب مطیع

اسی حقیقت کو قرآن کریم نے اس طرح واضح فرمایا ہے کہ

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾

''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو محبوب رکھے گا''۔

محبت حاصل کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ یہ محبت حاصل کیسے ہو؟ اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو دوسری محبتوں سے خالی کرے۔ صوفیائے کرام نے بالکل درست فرمایا ہے کہ قلب ایک ایسا برتن ہے جس میں دو چیزیں بیک وقت نہیں سما سکتیں۔ دل کو اللہ تعالیٰ نے دراصل اپنے لئے بنایا ہے۔ اب اگر یہ دل دنیا اور جاہ و مال کی محبت سے بھرا ہوا ہو تو اس میں اللہ کی محبت کیسے آئے؟

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ ایک مرتبہ خانقاہ سے گھر جا رہے تھے، مجھے بھی اسی طرف جانا تھا میں بھی ساتھ ہو لیا۔ راستے میں چلتے چلتے جھک کر ایک جیب سے کاغذ اور قلم نکالا کچھ کچھ لکھ کر کاغذ جیب میں ڈال لیا۔ پھر خود ہی مجھ سے پوچھا "کچھ مولوی شفیع کیا بات ہوئی؟" میں نے انکار کیا تو فرمایا کہ "دل کا یہ تقاضا تھا، ڈال دیا، ایک کام یاد آیا تھا جو خانقاہ میں وہیں اگر کرتا ہے۔ نہ لکھتا تو دل میں کھٹکا رہتا۔ اب دل فارغ ہے"۔ پھر فرمایا۔ "دل کو اللہ نے اپنے لئے ہی بنایا ہے"۔

دل اللہ پاک کی یاد کیلئے ہے

لہٰذا دل کا صحیح مصرف اللہ کی یاد ہے۔ بقدر ضرورت دیگر اشیاء کے خیال میں مضائقہ نہیں، لیکن دل کو دنیوی امور کی محبت اور انہی کی فکر سے معمور رکھنا غلط ہے۔ انبیاء و اولیاء میں اور ہم میں فرق یہی ہے کہ دنیوی کام وہ بھی کرتے تھے اور ہم بھی کرتے ہیں مگر وہ "دست بکار و دل بیار" کے مصداق تھے۔ تو میں دنیا کے کام انجام دیتے وقت بھی

ان کا قلب اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں محو ہوتا تھا اس کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ ان کاموں میں ہمارے ہاتھ پاؤں تو کم صرف ہوتے ہیں مگر دل ہمہ وقت دنیا ہی میں مشغول رہتا ہے۔

حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی گھریلو زندگی کیسی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ اسی طرح گھر میں تشریف لاتے تھے جس طرح دنیا کے سب مرد، لیکن فرق یہ ہے کہ تمام دنیوی امور انجام دینے کے ساتھ ساتھ جب کان میں اذان کی آواز پڑتی تھی تو:

كَأَنْ لَمْ يَعْرِفْنَا

"اس طرح اٹھ کر چلے جاتے تھے جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں"۔

شیخ حداد کا حال

مشہور محدث امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے ایک بزرگ حداد (لوہار) تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ گرم لوہے پر ضربیں لگاتے لگاتے جس وقت اذان کی آواز کان میں پڑتی تو اگر ہتھوڑا سر سے اوپر اٹھایا ہوا ہوتا تو اسے وہیں پیچھے کی طرف چھوڑ دیتے تھے اور اس ایک ضرب کو کام میں لانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

حضرت طلحہ ؓ کے باغ کا صدقہ

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑی خطیر رقم صرف کرکے ایک باغ لگایا تھا، ایک دن دیکھ بھال کے لئے باغ میں گئے ذرا فرصت ملی تو نماز کے لئے کھڑے ہوگئے سامنے ہی ایک پرندہ آکر کھجوروں کے خوشوں میں الجھ گیا اور پھڑ پھڑانے لگا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس پر پڑی تو ذہن کچھ دیر کے لئے نماز سے ہٹ کر اس طرف متوجہ ہوگیا۔ سلام پھیرا تو تنبہ ہوا اور جاکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ باغ مجھے اللہ کی یاد سے غافل کرتا ہے اس لئے میں اسے صدقہ کرتا ہوں۔ اس زمانے میں یہ باغ نو ہزار میں فروخت ہوا۔ (موطا امام مالک)

محبت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ

تو اللہ کی محبت حاصل کرنے کیلئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ دل کو غیراللہ کی محبت سے فارغ کیا جائے۔ اس کے علاوہ دوسرا طریقہ "معرفت" کی کوشش ہے۔ عقلی طور سے انسان غور کرے تو کسی کے ساتھ محبت کرنے کے عموماً چار اسباب ہوتے ہیں۔

۱۔ حسن وجمال ۲۔ فضل وکمال ۳۔ لطف ونوال ۴۔ جود ونوال

اور یہ چاروں چیزیں ذات باری تعالیٰ میں اس درجہ مکمل طور پر پائی جاتی ہیں کہ کسی اور میں نہیں پائی جاسکتیں مخلوقات میں جہاں کہیں ان میں سے کوئی چیز موجود ہے وہ اللہ ہی کی عطا کردہ ہے لہٰذا حقاً اللہ سے زیادہ محبوبیت کا مستحق کوئی نہیں۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ:

"من عرف اللّٰہ احبہ و من عرف الدنیا زھد فیہ ."

"جسے اللہ کی معرفت حاصل ہو وہ اس کے سوا کسی سے محبت نہیں کرے گا اور جو شخص دنیا کی حقیقت پہچان لے وہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرے گا۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کائنات کا ہر ذرہ معرفت حق کا راستہ ہے۔ جس مخلوق پر بھی تفصیلی نگاہ ڈالو' وہ اپنے خالق کی عظمت پر دلالت کرے گی۔

محبت حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ

محبت الٰہی کے حصول کا تیسرا طریقہ "ذکر لسانی" ہے انسان اگر کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرے تو رفتہ رفتہ اللہ کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ "ذکر" کے دوران اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ذہن اور دل زیادہ سے زیادہ "ذکر" ہی کی طرف متوجہ رہے۔ دوسرے خیالات میں نہ لگے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طریق سلوک میں جمعیت خاطر رکھنا اور مشوشات سے دل کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ غیر اختیاری افکار میں تو مضائقہ نہیں لیکن بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ "غیر

ضروری یا انکار دل کا ستیاناس کر دیتے ہیں"۔

محبت حاصل کرنے کا اصل طریقہ

آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ مقام محبت کے حصول کا اصلی طریقہ کسی کامل اللہ بزرگ کی طویل صحبت ہے اپنے آپ کو کسی مرشد کامل کے حوالے کئے بغیر یہ مقام حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان مقامات کو حاصل کرنے کے طریقے مختلف لوگوں کے اختلافِ طبائع کی مناسبت سے مختلف ہوتے ہیں اور انہیں کوئی شیخ کامل ہی پہچان سکتا ہے۔

مقام محبت کے متعلق ایک ارشاد

عمل پیدا کرنے کا طریقہ

فرمایا (عمل پیدا کرنے کا طریقہ) غلبہ محبت الٰہی کا حاصل کرنا ہے۔

مجلس: ۵۱

مقام شوق وانس اور رضا بالقضاء

شوق وانس کا مطلب

جن باطنی اعمال کی تحصیل انسان کے ذمہ ضروری ہے ان میں سے ایک "شوق وانس" بھی ہے۔ یہ دونوں علم تصوف کی اصطلاحات ہیں۔ "شوق" کے معنی یہ ہیں کہ "جو اچھی صفت انسان کو حاصل نہیں ہے اس کی طرف دل مائل ہو" اور انس کا مطلب یہ ہے کہ "جو اچھی صفت انسان کو حاصل ہے اس پر دل مسرور ہو" اگر انسان اپنے دل کی دنیا کو درست رکھنا چاہتا ہے تو اس میں یہ دونوں صفات ضرور موجود ہونی چاہئیں۔

دل کی نزاکت

لیکن دل کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے جذبات کی اس پوشیدہ دنیا میں بسا اوقات دو متضاد چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور ایسے وقت میں دل کو صحیح راستے پر قائم رکھنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے اچھی چیز کا "شوق" قابل تعریف صفت ہے لیکن اگر یہی شوق بڑی سے اتر جائے تو "ناشکری" اور "حسد" بھی بن سکتا ہے۔ اگر معاملہ صرف یہاں تک ہے کہ اچھی چیز کی طرف دل مائل ہوتا ہے تو البتہ درست ہے لیکن اگر انسان اس کو ذرا آگے بڑھا کر اپنی تقدیر کا شکوہ شروع کر دے تو یہی چیز "ناشکری" ہو گئی یا اگر اس کو دوسرے کے پاس دیکھ کر جلنے لگے تو یہی "حسد" بن گیا۔

اسی طرح اگر انسان اپنی کسی نیکی پر خوش ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ضمیر کا اطمینان وسکون محسوس کرتا ہے تو یہ "انس" ہے قابل تعریف ہے اور ایمان کی علامت ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿اذا سرتك حسنتك وساءتك سيئتك فانت

عُجب (ذکر کا تسلسل)

جب تمہیں اپنی نیکی پر خوشی ہو اور اپنی برائی بری لگے تو سمجھو کہ تم مومن ہو۔

لیکن اگر اس سے خود پسندی پیدا ہو جائے تو یہی "عجب" بن جاتا ہے۔ جو دل کی ہلاکت کا شاید سب سے بڑا سامان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی کسی اچھی صفت پر خوش ہونا اس نقطہ نظر سے ہونا چاہیے کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ چیز عطا فرمادی ورنہ میں خود اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو قیامت تک نہ کر سکتا لیکن اگر آدمی خوش اس لئے ہوتا ہے کہ یہ قابل تعریف صفت میرا اپنا کارنامہ ہے اور اس سے میرے مقام کی بلندی کا پتہ چلتا ہے تو بس یہی خوشی "عجب" بن گئی اور سارے کئے کرائے پر پانی پھر گیا۔

دل کی دنیا کے یہ حالات اور ان کا باہمی فرق اتنا باریک ہوتا ہے کہ بسا اوقات انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے۔ اسی وجہ سے اصلاح باطن کے لئے کسی مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بغیر منزل مقصود تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

رضا بالقضاء

قلب کے جن اوصاف حمیدہ کو حاصل کرنا ضروری ہے ان میں سے ایک "رضا بالقضاء" بھی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو مصیبت کے وقت مسلم اور کافر کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے اور جس سے انسان کے غم و الم سکون و اطمینان سے بدل جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی تقدیر کے فیصلوں پر ہر حال میں راضی رہے اور اپنی تقدیر کا شکوہ نہ کرے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اعتراض کرے بلکہ خوشی ہو یا رنج، تکلیف ہو یا راحت ہر آن یہ بات مستحضر رکھے کہ قدرت کی مصلحتوں کے تحت یہی چیز مناسب تھی۔

اس پر عام طور سے ذہنوں میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ رنج سے رنجیدہ اور خوشی سے خوش ہونا تو انسانی فطرت کا تقاضا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کو درد ہو اور وہ اس پر کراہنے کے بجائے خوشی کا اظہار کرے، اور اگر کوئی شخص ایسا کرے بھی تو وہ یا تصنع

ہو گا یا فطرت کے ساتھ بغاوت۔

رضا بالقضاء کا صحیح مفہوم

اس اعتراض کے جواب میں عارفین نے فرمایا ہے کہ "رضا بالقضاء" کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی کو اسباب غم سے غم نہ ہو یا وہ اسباب غم سے الٹا مسرور ہو، بلکہ رضا بالقضاء کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان تقدیر پر معترض نہ ہو اللہ کا شکوہ نہ کرے ورنہ تکلیف کو تکلیف سمجھنا "رضا بالقضاء" کے خلاف نہیں۔ ہاں البتہ بعض صوفیاء کرام پر یہ "رضا بالقضاء" بطور حال طاری ہو جاتا ہے۔ اس وقت یہ حال ان کی طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے اس کے بعد واقعتاً انہیں تکلیف سے تکلیف نہیں ہوتی، وہ رنج اور مصیبت میں بھی مست اور مسرور رہتے ہیں، لہٰذا جن صوفیاء سے یہ منقول ہے کہ وہ اسباب غم پر خوش ہوئے؛ اسی غلبہ حال پر محمول ہے۔ جو محمود اور قابل تعریف تو ہے، لیکن مطلوب و مقصود نہیں۔

بہرکیف "رضا بالقضاء" کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ رنج و مصیبت کے حالات میں بھی انسان کے منہ یا دل سے کوئی شکایت کا کلمہ نہ نکلے۔ اس کے بجائے اس کی زبان ہر وقت اللہ کے شکر اور اس کی حمد سے تر و تازہ رہے، چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی رنج و تکلیف پیش آئے تو اسے یہی کہنا چاہئے کہ:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ"

"ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں"۔

اس تعلیم کی عقلی وجہ یہ ہے کہ بیچارے انسان کا علم نہایت محدود ہے، وہ حقیقت میں اپنے بھلے برے کو نہیں پہچانتا۔ بسا اوقات وہ کسی چیز کو اپنے لئے اچھا سمجھتا ہے وہ درحقیقت اس کے لئے بری ہوتی ہے، یا کسی چیز کو برا سمجھتا ہے مگر وہ اس کے لئے اچھی ہوتی ہے۔ اگر انسان اپنے گردوپیش پر نظر ڈال کر دیکھے تو اس کے سینکڑوں شواہد اسے روز مرہ کی زندگی میں مل جائیں گے۔

گاڑی نکل جانا بہتر ہوا

ایک صاحب کو غیر منقسم ہندوستان میں بریلی سے مونڈھا پیل میں سوار ہونا تھا۔ گاڑی رات گئے وہاں پہنچتی تھی' وہ گاڑی کے انتظار میں ویٹنگ روم کے اندر سو گئے اور اسٹیشن ماسٹر سے کہہ دیا کہ گاڑی کے وقت مجھے جگا دیا جائے۔ اتفاق سے اسٹیشن ماسٹر کو یاد نہیں رہا اور گاڑی نکل گئی۔ سو اٹھ کر اسٹیشن ماسٹر پر بہت خفا ہوئے لیکن تھوڑی ہی دیر میں پتہ چلا کہ وہ گاڑی ذرا آگے جا کر ایک شدید حادثے کا شکار ہو گئی۔ یہ صاحب گاڑی نکلنے کو اپنے حق میں برا سمجھ رہے تھے مگر معلوم ہوا کہ اگر گاڑی نہ نکلتی تو زندہ بچنے کا کوئی سوال نہ تھا۔

اس واقعہ میں تو فوراً پتہ چل گیا کہ جس چیز کو برا سمجھ رہے تھے وہ در حقیقت اچھی تھی۔ بعض اوقات انسان کو یہ پتہ بھی نہیں چلتا۔

میرے لڑکے محمد زکی سلمہ (محمد زکی کیفی) جب چھوٹے سے بچے تھے تو ایک دن میں نے انہیں دیکھا کہ مکان کی چھت کے بالکل کنارے کھڑے ہوئے باہر کو جھک رہے ہیں' صورت حال ایسی تھی کہ اگر وہ ذرا اور آگے کو جھکتے تو نیچے گر جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر آواز دے کر انہیں پیچھے ہٹنے کو کہتا ہوں تو کہیں گھبرا کر آگے کو نہ لڑھک جائیں۔ اس لئے میں چپکے سے دبے پاؤں ان کے پیچھے کی طرف سے گیا اور قریب پہنچ کر انہیں اپنی طرف کو زور کا جھٹکا دیا' وہ اندر کی طرف آ گرے اور رونا شروع کر دیا۔ وہ سمجھے کہ باپ نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے کہ پکڑ کر گرا دیا۔ لیکن حقیقت میں یہی "ظلم" ان کی جان بچانے کا ذریعہ بن گیا مگر انہیں کم از کم بچپن تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ باپ نے یہ ظلم کیوں کیا تھا؟

اسباب غم سے غم ہونا بے خبری کی وجہ سے ہے

لہٰذا جن چیزوں سے ہم اس دنیا میں رنجیدہ ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو مظلوم سمجھتے ہیں' در حقیقت وہ اپنی بے خبری اور جہالت کی وجہ سے سمجھتے ہیں۔ ورنہ یہ تمام واقعات مصلحت و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ بعض کی حکمت ہمیں آگے چل کر معلوم ہو جاتی ہے اور

بہتری کی معلوم نہیں ہوتی۔

’’اگر انسان کو اپنی اس بے خبری کا استحضار رہے تو وہ ہمیشہ راضی برضا رہے گا اور اللہ سے اس کی تقدیر سے شکایت کے جذبات اس کے ذہن میں کبھی پیدا نہ ہوں گے‘‘۔

لہٰذا رضا بالقضاء کے مقام کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات پر غور کیا جاتا رہے۔ جنہیں انسان ابتداء میں اپنے لئے مضر سمجھتا ہے مگر بعد میں وہی مفید ثابت ہوتے ہیں۔

مجلس : ۵۲

اصل چیز تعلق مع اللہ ہے

حضرت سید نا احمد کبیر رفاعی ﷺ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی ﷺ کے پایہ کے بزرگ ہیں اور ان کے ہم عصر بھی ہیں دنیا میں ان کے ساتھ ایک خصوصی واقعہ پیش آیا ہے اولیاء کرام سب ہی عاشق ہیں رسول پاک ﷺ کے مگر ان کا جذبہ کچھ عجیب تھا دربار نبوت میں حاضری ہوئی مزار اقدس کے سامنے جا کر دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ ہے کہ ”جب تک دور تھا دور سے سلام بھیجا تھا اب دربار میں حاضر ہوں اپنا دست مبارک دیجئے میں اس کو بوسہ دوں“ نوے ہزار مسلمان اس وقت موجود تھے اکابر علماء بھی ان میں شامل تھے دن کا وقت تھا سب نے دیکھا کہ روضہ اقدس میں سے ہاتھ نکلا اور انہوں نے بوسہ دیا سب نے زیارت کی ان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بھی تھے یہ مقام تھا ان کا مگر اتنے بڑے اعزاز والے کیا کرتے ہیں ایسے وقت میں ہم تو بہت خوش ہوں گے مگر انہوں نے کیا کیا دروازہ میں آکر لیٹ گئے سب کو قسم دی کہ مجھ پر پیر رکھ کر گزر جاؤ۔ حقیقت میں یہی اولیاء اللہ ہیں۔ دین کتابوں سے باتوں سے نہیں پھیلا اپنے بزرگوں سے دین پھیلا ہے۔

ڈاکٹر حبیب اللہ کا حال ہی میں ایک خط آیا ہے وہ اردو زبانوں کے ماہر ہیں اور بالکل صوفی آدمی ہیں پیرس میں رہتے ہیں اسلام کی خدمت کر رہے ہیں بڑی تعداد مسلمانوں کی وہاں ہے ان کا پیغام آیا ہے میں نے ان کو لکھا تھا کہ علم اور عمل کی طرف لگو اب ان کا جواب آیا ہے کہ یہ جملہ پڑھا تو رونے لگا وہاں کے مسلمان ایمان راسخ والے ہیں وہ دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی بات کو دل میں لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دل وابستہ ہونا

حضرت سید احمد کبیر نے فرمایا مجھے بھیک مانگنے والوں کا وسیلہ تم بناؤ میری تعریفیں

نہ کرو۔ میری خانقاہ کو حرم کی طرح زیارت گاہ نہ بنانا اور مرنے کے بعد میری قبر کو بت نہ
بنانا" میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ مجھے دنیا میں اپنی ذات کا دھیان عطا فرمانا" سو بحمد اللہ یہ
بات جمعیت قلب کیساتھ حاصل ہوگئی ہے' یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ کہنے کو آسان ہے کہ کسی
چیز میں دل نہ لگا ہوا ہو' صرف اللہ سے تعلق ہو ایسے شخص کو دنیا ہی میں جنت مل جاتی ہے۔

حضرت تھانوی کے دل کا حال

ایک مرتبہ حضرت کے پاس حاضر تھا فرمایا میاں بات کہنے کی نہیں کہیں دعویٰ نہ ہو
جائے مگر اللہ کی نعمت کا اظہار کر کہوں کہ میں اب اپنے کو تنہا پاتا ہوں اور کچھ نظر نہیں آتا۔
بیوی بچے' طلبا مریدین ایک تماشہ لگا ہے مگر کچھ نظر نہیں آتا۔ صرف اپنے آپ کو تنہا پاتا
ہوں یہ ہے جلوت میں بھی خلوت' یہ بڑوں کا مقام ہوتا ہے ۔یہ ہوتی ہے مجمع میں بھی ہو اور
دل اللہ سے لگا ہو۔ فرماتے ہیں الحمد للہ یہ مجھے حاصل ہے اور امید ہے کہ دنیا سے جدا ہو کر
وہاں بھی وہ خیریت کے ساتھ گزار دیں گے جس کو اللہ مل گیا پھر وہ کسی کی کیا پروا کرے گا
اس دنیا میں کچھ حاصل کرنے کی چیز ہے تو وہ اللہ سے تعلق ہے سیاست ریاست سب یہاں
رہ جانے والا ہے ۔بس یہ تعلق سب پر پانی پھیر دیتا ہے ۔یہ بیوی بچے دولت دکان جب تک
یاد آتی ہے جب تک اللہ کی یاد دل میں جگہ نہ کر لے کل کے وزیر آج قیدی بنے دنیا میں
بھی دکھائی دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو فنا نہیں اس کے تعلق کو بھی فنا نہیں جو تعلق اللہ کے
واسطے سے قائم ہو وہ بھی باقی رہنے والا ہے اس کو بھی فنا نہیں اللہ کو یاد کرو تو اللہ بھی باقی رہتا
ہے جس طرح اس کی ذات باقی ہے اس کی یاد میں بھی بقا ہے۔
یہ بزرگ جن کا آج ذکر ہو رہا ہے تقریباً ایک ہزار سال ہو گئے آج بھی وہ زندہ ہیں
جس مجلس میں ان کا ذکر آجاتا ہے ان کا نور اس مجلس میں محسوس ہونے لگتا ہے اس جہاں
سے کوئی چیز ساتھ بھی گئی ہے وہ اللہ کا ذکر ہے کسی کا شعر ہے۔

ذکر اتنا کیا ترا ہم نے — قابل ذکر ہو گئے ہم بھی

ان کا ذکر جس محفل میں آجاتا ہے قلب کی حالت بدلنا شروع ہو جاتی ہے۔
آگے فرمایا اللہ کے تعلق کو لازم سمجھو یہی اصل سرمایہ ہے ہمیشہ کا جتنی باقی رہنے

والا نہیں لہٰذا اس اصل سرمایہ کو جمع کرو اللہ کے حق کی قسم کہ اس کے سوا نہ کوئی نفع دے
سکتا ہے نہ ضرر یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا رب بنالیا ہے کہنے کو
ہم بھی اللہ کو رب العالمین کہتے ہیں مگر جب واسطہ پڑتا ہے خدا معلوم کس کس کو راضی
کرنے کی فکر کرتے ہیں افسروں اور سرکاروں کو راضی کرنے کی فکر کرتے ہیں اگر اس سے
آدھی فکر بھی ہم خدا کو راضی کرنے کی کرلیں وہ آسانی سے راضی ہوجاتے ہیں حدیث میں
ارشاد ہے "یقین کرو کہ اگر ساری دنیا کے انسان جنات تم کو ضرر پہنچانا چاہیں تو تم کو ضرر
نہیں پہنچا سکتے اور جو اللہ پاک تم کو دینا چاہیں اور ساری زمین و آسمان کی طاقتیں تم کو دینا
چاہیں تو ہرگز نہیں دے سکتے۔

اہل اللہ کی بادشاہت

عقیدہ تو ہمارا یہی ہے مگر اس کا رنگ رچ جائے وہی کام آنے والی بات ہے اگر کسی
پر یہ حال غالب ہوجائے تو دنیا میں اس سے بڑھ کر کون بادشاہ ہوگا۔ کسی نے پوچھا حضرت
کیسا مزاج ہے فرمایا کیا بات ہے ہمارا مزاج بگڑا کب ہے ہماری خواہش سے ہی سب ہو رہا
ہے وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے مزاج کو اللہ کی رضا میں فنا کردیا ہے۔ اللہ کی مرضی ہے ہم کو
بخار آجائے ہم اس میں خوش ہیں بادشاہت مل جائے اس میں خوش ہیں فاقہ آجائے اس
میں خوش ہیں پھر مزاج خراب کیوں ہوتا۔ حقیقت میں خوشحال تو وہ ہیں جو ہر حال میں خوش
ہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ایک درویش پر ایک بادشاہ خفا ہوا درویش ہنس پڑے بادشاہ کو
اور غصہ آیا کہ بڑا گستاخ ہے فرمایا اس کو قید کردو انہوں نے کہا اگر اتنی عمر دو چند ہوجائے
اور اسے بھی قید میں ڈال دو پھر بھی کیا پرواہ ہے تمہارے ہاتھ میں ہے کیا۔

صحبت کا اثر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگر ہار گئے اور پھر مسلمان ہوگئے فرعون نے کہا
میں تم کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ جواب دیا "جو تیرا جی چاہے حکم دے" دنیا کی زندگی پوری تو ہوجا

سکتا ہے اس کے بعد کیا کرے گا یہ تو چند دن کی زندگی ہے ہم کو اس کی پرواہ نہیں ساتی جلد مسلمان ہو جاتا تھا پختہ ایمان ہو جاتا یہ کیا ہے نبی کی صحبت ۔ بس اللہ والوں کی صحبت میں یہ کایا پلٹ ہوتی ہے کہ ستر برس کا مسلمان ایسا پختہ ایمان والا نہ ہو گا جیسا ایک لمحہ کے مسلمان کا ایمان پختہ ہوا یہ اثر صحبت ہی کا تو تھا ۔ تم دنیا بھر کے سامان کرتے پھرتے ہو اگر ایک اللہ کے ہو جاؤ سب تمہارے ہو جائیں گے کوئی کسی کو دولت ظاہری باطنی نہیں دے سکتا ۔ ہماری نظریں اسباب پر ہوتی ہیں ہم نے انہیں کو رب بنا لیا ہے اصل دینے والا اللہ ہے ۔ مگر وہ پردہ میں رکھ کر اسباب سے دیتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ ظاہری اسباب پر کون ایمان رکھتا ہے اور غیب پر کس کا ایمان ہے؟

ماں کی محبت کی حقیقت

مولانا رومی والدین کی اطاعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ماں کی خدمت بڑی نعمت ہے بڑا احسان ہے مگر آنکھیں کھولو ماں کی شفقت کہاں سے آئی اللہ نے ہی سب کو پیدا کیا ماں بیچاری کیا کر سکتی وہ خود کہاں سے آئی ایک عجیب عالم سامنے کرتے ہیں ایک لڑکی کو ماں باپ نے پالا جان سے عزیز اس کو رکھا اپنی جان کو دکھ اور اولاد کو سکھ میں رکھا نہ ان کو خبر ہے کہ ہم کس کے واسطے یہ پال رہے ہیں نہ لڑکی کو کچھ خبر ہے اور ایک جگہ لڑکا پلا جا رہا ہے دونوں کی پرورش ہو رہی ہے کسی کو خبر نہیں یہ کیا ہو رہا ہے ۔ دونوں کی شادی یہ کوئی اتفاق نہیں یہ سوچی سمجھی ایک تدبیر ہے ۔ یہ اتفاق کہنے والا بے خبر ہے حق تعالیٰ کے یہاں کہیں اتفاق نہیں ہے سب کچھ دل میں ڈالتا ہے تم کو ہم کو سب کو وہ اپنی خاص مشیت سے چلا رہا ہے ۔ وہی ملاتا ہے وہی جدا کرتا ہے ماں کو باپ سے ملاتا ہے کس نے ملایا یہ لکھ رکھا تھا یہاں لڑکی ہوگی یہاں لڑکا ہو گا وہاں جا کر دونوں کا جوڑ ملے گا تب وہ ایک بچہ پیدا ہو گا ماں کے اندر کیا کیا کل پرزے لگائے ہیں محبت اس کے دل میں کیسی ڈال دی ہے اور کس لئے ڈالدی؟ یہ سب نظام قدرت ہے تم اتفاق کہتے ہو ماں باپ کی خدمت اس لئے فرض ہے کہ وہ سبب ہے ہماری پرورش کا مگر یہ سبب پرورش کا کس نے پیدا کیا وہی ذات حقیقی ہے وہی رب ہے سب کا تم نے دست دوست پالے نیک لوگ تو جنت میں گئے ناحق دوست

جہنم میں گئے تم اکیلے رہ گئے اب بتاؤ تمہارا دوست کون ہے تو دامن اس کا پکڑو جو نہ آگے جائے نہ پیچھے جائے تیرے ساتھ ہر وقت رہے قبر میں ساتھ حشر میں حشر میں ساتھ ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوستی رکھو گے آسمان پر جاؤ گے قارون سے دوستی کرو گے زمین میں دھنس جاؤ گے تعلق رکھو اس ذات سے جو تمہیں دیکھ رہا ہے محبت لگانی ہے تو اس سے لگاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے ۔

آج تیرے پاس مکان دکان سازو سامان بھی ہے ایک دن وہ آنے والا ہے نہ مکان ہوگا نہ دکان نہ سازو سامان اس وقت جو کام آنے والا ہے اس کے ساتھ دوستی رکھو ۔

مرزائیوں کا نظریہ ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ضروری ہے مثلاً انبیاء صدیقین وغیرہ دوسرے وسیلے ہیں ان کی بھی ناشکری نہیں ہو سکتی ماں باپ و پیر کا بھی شکر کرتے ہیں لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے ان کو رب بنا لو ان کو واسطہ کا درجہ دو مگر یقین اللہ تعالیٰ پر رکھو ۔ جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے اللہ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اسے اپنا معبود برحق اور یکتا سمجھو اور جو رسول تم کو بتائیں وہ کرو جس سے روکے اس سے رک جاؤ اور وسیلوں کی بھی تعظیم کرو جو تم کو خدا کا راستہ بتاتے ہیں مگر ان کو رب نہ بناؤ ۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ

حضرت بشر حافی تصوف کے امام تھے شروع میں رند اور عیش پرست تھے کسی نے دروازہ پر دستک دی باندی گئی اس نے کہا اس گھر کا مالک غلام ہے یا آزاد باندی نے کہا میاں وہ تو آزاد ہے سائل نے کہا بے شک وہ غلام نہیں ہے اگر غلام ہوتا تو ایسے کام نہ کرتا اس کلمہ نے چوٹ لگائی ننگے پیر بھاگے اس کو پکڑ لیا پوچھا کیا بات ہے اس نے کہا یہ عیش چند ٹکڑوں کا ہے اگر کسی کے غلام ہوتے تو یہ رنگ نہ ہوتے بس وہ قدموں پر گر پڑے اور کہا کہ تو اللہ کا بندہ ہو پھر وہ پلٹ گیا پھر انہوں نے عمر بھر جوتا نہیں پہنا لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے انہوں نے کہا مجھے ننگے پیری میں دولت ملی اس لئے اس کو کیسے چھوڑوں ۔

واسطہ کی قدر

ایک مرید تھے حضرت حاجی صاحب کے کانپور میں۔ دیکھا ایک دفعہ جوتا ٹوٹا ہوا سر پر رکھا ہے زار زار رو رہے ہیں بیٹھے، بعد پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا جی کبھی یہ جوتا سر پر رکھتا ہوں تو حالت بگڑ اور ہو جاتی ہے یہ جوتا ٹوٹا ہوا حضرت حاجی صاحب کا تھا تو کبھی واسطوں کی بھی عظمت کرنا پڑتی ہے مگر وہ صرف واسطہ ہوتا ہے مقصد نہیں ہوتا جیسے سارے بجلی کے بلب صرف ایک مرکزی پاور ہاؤس سے تعلق رکھتے ہیں لیکن روشنی بلب سے ہی ملتی ہے پاور سے ہوا اور روشنی نہیں ملتی روشنی اور ہوا کے لئے بلب اور پنکھا لانا ہی پڑے گا تو یہ واسطے ہیں یہ بھی قابل قدر ہیں لیکن حق تعالیٰ کی ذات اصل مقصود ہے۔

تعلق مع اللہ سے متعلق چند ارشادات

مخلوق سے بلا ضرورت تعلق مضر ہے

فرمایا جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلق بلا ضرورت سراسر مضر ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے، وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے، ورنہ حق خلق ادا ہوتا ہے نہ حق خالق۔

اصل دین

فرمایا دنیا محض خادم دین ہے، محبت تعلق مع اللہ، خدا کا خوف، خدا کا شوق، دنیا سے بے رغبتی یہ اصل دین ہے۔

تعلق مع اللہ

خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا چاہئے اور غیر اللہ سے تعلق کم کرنا چاہئے (ارشاد باری ہے) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔

اور تو اپنے پروردگار کا ذکر کر اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو۔

صحیح تعلق پیدا کریں

آدمی کو چاہئے کہ خدا سے صحیح تعلق پیدا کرے، پھر اللہ تعالیٰ بڑے متکبروں اور فرعونوں کی گردنیں اس کے سامنے جھکا دیتے ہیں۔

غیر اللہ کی دوستی کا آخر دشمنی ہے

غیر اللہ کی دوستی کا انجام آخر عداوت ہے جس دوستی کی بناء فاسد ہوگی آخر میں عداوت ہوگی۔

مجلس: ۵۲

اخلاص کے ثمرات

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ:

مجھے آج کے اجلاس میں جو موضوع خطاب دیا گیا ہے اس کا عنوان ہے اخلاص اور اس کے ثمرات۔ واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر کچھ معروضات پیش کرنا بہت طلب مسئلہ ہے کیونکہ اس دور میں اخلاص کا ہی فقدان ہے' ہماری روز مرہ کی مصروفیات جو بظاہر عبادت نظر آتی ہیں ان کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان میں سے اکثر کاموں میں مقصود نفع یا جلب منفعت ہے یا شہرت و ناموری اور نام و نمود کی خواہش، اپنے علم و فضل کا اظہار اور دوسرے لوگوں سے اپنی برتری کا لوہا منوانا۔

"لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ" کا صحیح مفہوم

اگر میں اپنا جائزہ لے کر دیکھوں کہ مجھ میں کس قدر اخلاص ہے تو شاید یہ کہنے کی ہمت نہ ہو لیکن قرآن حکیم نے جو لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ فرمایا ہے اس کے نتیجے میں بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم کوئی نیک عمل نہیں کرتے تو اس نیک عمل کی ترغیب کسی دوسرے کو بھی دینا صحیح نہیں ہوگا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اس کا صحیح مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔

میرے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک جامع جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ آیت دعویٰ کے متعلق ہے دعوت کے متعلق نہیں مثلاً نماز ہم صحیح نہ پڑھتے ہوں اور دعویٰ یہ کرتے ہوں کہ نماز بالکل صحیح پڑھتے ہیں۔ روزہ نماز زکوٰۃ وغیرہ کو ان کے آداب کے مطابق ادا نہ کریں

اور دعوٰی یہ کریں کہ ہم ان کو پورے طور پر صحیح ادا کرتے ہیں اس قسم کے کلام کی اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی ہے لیکن اگر ہم کوئی نیک عمل اپنے کسل یا غفلت اور کمزوری کے باعث نہیں کر سکتے تو یہ بات اس عمل کی دعوت دوسرے لوگوں کو دینے میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ دعوت دیتے وقت اپنے نفس کو بھی مخاطب کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو بھی کیونکہ دعوت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ داعی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص نماز باجماعت کے معاملے میں خود کوتاہ ہے اور نماز باجماعت کے فضائل واہمیت پر وعظ کہتا ہے تو قدرتی طور پر اس کا نفس خود بھی ندامت محسوس کریگا اور بالآخر انشاء اللہ اس کو بھی پابند بنا دے گا۔

حضرت تھانوی ﷫ جس رذیلہ کا اپنی ذات میں احساس کرتے تھے تو اس پر وعظ کہتے تھے اور اس طرح اپنے نفس کا علاج کر لیتے تھے۔

چونکہ بحمداللہ اس مجلس میں دعوٰی کی کوئی بات نہیں ہے صرف دعوت ہی کے لئے منعقد کی گئی ہے اس لئے اختصار سے چند باتیں کہنے کی ہمت کر رہا ہوں۔

اعمالِ حسنہ کی روح اخلاص ہے

قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۔

یعنی ہم جو عبادت بھی کریں اس میں ہمارا تمام تر مقصود و مطلوب اللہ کی رضا حاصل کرنا ہو۔

اس کے علاوہ اور کسی قسم کا داعیہ نام و نمود یا مالی منفعت، عزت و شہرت وغیرہ نہ ہو اگر ان میں سے کوئی چیز بھی دل میں پیدا ہوگئی تو وہ عبادت خالص نہیں رہے گی۔ الا للہ الدین الخالص ایک حدیث میں مروی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کسی عمل میں دو نیتیں کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم نے اس عمل میں میرے ساتھ غیر کو شریک کر لیا تو میں یہ غیر کو ہی دے دیتا ہوں اور منطق کا مشہور مقولہ ہے کہ نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے۔ یاد رکھئے ہر عمل کا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے

اور ایک اس کی روح ہوتی ہے۔

جسم اور روح لازم و ملزوم ہیں

قرآن حکیم نے انسانی تخلیق کے متعلق پہلے تو تدریجی تخلیق کا ذکر کیا کہ ہم نے نطفہ کو مضغہ بنایا پھر مضغہ سے ہڈیاں پیدا کیں پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔
تدریجی تخلیق کا بیان فرما کر ارشاد ہوا "ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ" اور وہ روح کی تخلیق ہے۔ روح تمام افعال کا صدور کرانے والی ہے اور جسم اس کے کہنے کے مطابق کام کرتا ہے۔ انسانی روح تو پہلے سے موجود تھی لیکن جسم میں آنے سے پہلے نہ وہ مومن تھی نہ کافر اور نہ اس کا کوئی عمل تھا۔ جب اس کا تعلق بدن کے ساتھ قائم کر دیا گیا تو کام شروع ہوا۔ نہ صرف روح سے کام چل سکتا ہے اور نہ صرف جسم سے تمام دنیا کے کارخانوں کا دارومدار اسی پر ہے۔
بجلی حاصل کرنے کے لئے پہلے بجلی کے تاروں کی فٹنگ وغیرہ کی جاتی ہے اس کے بعد بلب لگایا جاتا ہے یہاں تک تو بجلی کا ڈھانچہ تھا اب اس کے بعد پاور ہاؤس سے کرنٹ آتا ہے جو بجلی کی روح ہے تب روشنی حاصل ہوتی ہے۔

تمام اعمال کی روح اخلاص ہے

اسی طرح ہر عمل کا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک اس کی روح ہوتی ہے۔ نماز میں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہنا قیام و قعود اور رکوع و سجود وغیرہ یہ سب نماز کا ڈھانچہ ہے اور اس کی روح اخلاص ہے کہ دوران نماز غیر اللہ کا خیال نہ آنے پائے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھنے کا عمل ایک دعویٰ ہے کہ ہم نے ماسوی اللہ سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اسی کو احسان صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ تمام اعمال صالحہ کی روح اخلاص ہے اس لئے ہمیں ہر عمل کے وقت اس کا خیال رکھنا ہوگا کہ اس عمل کا ڈھانچہ بھی درست ہو اور اس میں روح بھی موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کے اعداد کا شمار نہیں ہوتا کہ کتنی نمازیں پڑھیں کس قدر روزے رکھے کتنے حج کئے بلکہ وہاں بندوں کے اعمال کا وزن

کیا جائے گا تعداد نہیں گنی جائے گی ۔ قرآن و حدیث میں آپ نے کہیں نہیں پڑھا ہوگا کہ یوم حساب میں اعمال کی گنتی کی جائے گی ۔

حسن عمل مقصود ہے نہ کہ کثرت عمل

قرآن کریم میں احسن عملاً فرمایا گیا ہے اکثر عملاً نہیں فرمایا ۔ ہر عمل میں حسن عمل کو دیکھا جائے گا کثرت عمل کو نہیں دیکھا جائے گا اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل کے وزن کے اعتبار سے جزا ملے گی اعمال میں جس قدر اخلاص ہوگا اسی قدر وہ اعمال وزنی ہوں گے کسی کا عمل دیکھنے میں معمولی ہوگا لیکن اخلاص کی بدولت اس کی جزا بہت بڑی ہوگی اور کسی کے اعمال دیکھنے میں بہت عظیم ہوں گے لیکن اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے ان کی جزا بہت معمولی ہوگی احادیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کسی صحابی کا ایک مد مال خرچ کرنا (جو ہمارے ایک سیر کے قریب ہوتا ہے) غیر صحابی کے جبل احد کے برابر خرچ سے بھی زیادہ باعث اجر ہوگا ۔ آخر اس کا سبب کیا ہے بظاہر تو یہ بے انصافی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص احد کے برابر مال خرچ کر کے بھی صحابی کے ایک سیر مال کے برابر اجر حاصل نہ کر سکے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحابی کو رسول کریم ﷺ کے شرف صحبت سے جو اخلاص عمل حاصل ہو گیا وہ غیر صحابی کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا اسی لئے اخلاص عمل کی وجہ سے صحابی کے معمولی اعمال کا وزن بڑھا ہوا ہے اور غیر صحابی میں اخلاص عمل کی کمی کی وجہ سے اس کے عمل کا درجہ گھٹا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ ابن مبارک سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (جو عمر ثانی کہلاتے ہیں) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے تو حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا کہ :

"میں بقسم کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام تو بہت بلند ہے ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک کا وہ غبار جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کے وقت اس کی ناک میں پہنچا سینکڑوں عمر بن عبدالعزیز سے بہتر ہے ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فضائل و کمالات اپنی جگہ سب مسلم ہیں لیکن وہ حضور اکرم ﷺ کی معیت کی دولت کہاں سے لا سکیں گے" ۔

اخلاص کا ثمرہ

اخلاص کے دو اثر ہوتے ہیں ایک آخرت میں وزن بڑھنے کا، دوسرے نفع ثمرہ دنیا میں مخاطب پر اثر انداز ہونے کا تجربہ شاہد ہے کہ اخلاص کے ساتھ جو بات کی جاتی ہے وہ موثر و مفید ہوتی ہے اور جو محض نمائش ہوتی ہے تو کارگر نہیں ہوتی۔ اختلاف کی صورت میں جنگ و جدال اور معرکہ آرائیوں کا بڑا سبب اخلاص ہی کی یا اس کا فقدان ہے۔ اگر بات اخلاص کے ساتھ کی جاتی ہے تو اس کا داعیہ محبت، ہمدردی اور دل سوزی کا ہوتا ہے اور اخلاص نہ ہو تو بات وہی ہوتی ہے لیکن انداز توہین آمیز ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ افتراق و انتشار اور جنگ و جدل کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

دعوت میں اخلاص ہو تو اصلاح ہو سکتی ہے

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول مذکور ہے

"الناس مبتلی ومعافی فارحموا المبتلی واحمدوا اللہ علی العافیۃ"

کچھ لوگ بیمار ہیں اور کچھ عافیت میں ہیں جو بیمار ہیں ان پر رحم کرو اور خدا تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔

یہ حکیمانہ ہدایت نامہ ہے کہ اگر کسی کو بیمار دیکھو یعنی برے اعمال میں مبتلا پاؤ تو اس کو اس بیماری اور گناہ سے نکالنے کی کوشش پوری ہمدردی، دل سوزی اور لگن کے ساتھ کرو اور ایسے طریقے سے کرو کہ مریض تنگ یا پریشان اور بیزار نہ ہو جائے بیمار اور خود کو صحت مند دیکھ کر اپنے آپ کو افضل نہ سمجھو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے محض اپنے فضل سے تمہیں اس بری عادت میں مبتلا نہیں کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر دعوت میں اخلاص ہوگا تو خوب سوچ بچار اور غور و فکر کرکے اپنی بات ایسے انداز میں پہنچانے کی سعی کرے گا جو مخاطب کے قلب پر اثر انداز ہو۔ انبیاء و رسل کا طریق اخلاص و ہمدردی کے ساتھ اصلاح کرنا ہے اور اصلاح اسی طریق کے سوا ممکن ہی نہیں ہے۔

دعوت کے تین زریں اصول

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ میرے استاد اور میرے پھوپھی زاد بھائی تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات حق نیت سے حق طریق سے کہی جائے تو ضرور موثر ہوتی ہے۔ جہاں بات موثر نہیں ہوتی وہاں ان تینوں باتوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے۔ اگر ان رعایتوں کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو انشاء اللہ موثر ہوگی۔ مخاطب اثر قبول کر کے صحیح عمل کرے گا اور اگر مخاطب عمل نہ بھی کرے گا تو کم از کم یہ فائدہ لازمی ہے کہ اس کو صحیح علم ہو جاتا ہے۔

اخلاص کا اثر

بڑے بڑے مقررین اور جادو بیان خطیب تقریریں کرتے ہیں وقتی طور پر بڑے بڑے اجتماع ان کی تقریروں کو سنتے بھی ہیں۔ لیکن اکثر تقریریں ختم ہونے کے ساتھ ہی فضاء میں تحلیل ہو جاتی ہیں اور بعض اللہ کے نیک بندے نہ تقریر کرنا جانتے ہیں نہ ان کو خطابت کے انداز آتے ہیں۔ سیدھی سادی مختصر بات کہتے ہیں اور وہ دلوں میں اتر کر ہزاروں انسانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ اخلاص عمل کے راستے میں نام و نمود۔ جذبہ شہرت اظہار علم مال منفعت وغیرہ رکاوٹ بنتے ہیں۔ لیکن اگر انسان ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نظر انداز کر دے تو یہ فوائد مع زوائد کے اللہ تعالیٰ خود بخود حاصل کرا دیتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے دنیا کو ٹھوکر مار دیتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا کو ان کے قدموں میں لا کر ڈال دیتے ہیں۔ بس اسی پر ختم کرتا ہوں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت عطا فرمائے اور ہم سے اپنے دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ لے۔

مجلس : ۵۳

اخلاصِ عمل

عبادت میں خلوص ضروری ہے

عبادات میں اخلاص کا ہونا قبولیت کے لئے شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی بھی عبادت ہو جب تک کہ خلوصِ نیت نہ ہو وہ ریاکاری میں داخل ہو جاتی ہے۔ مثلاً تلاوت کلام پاک ہی کو لے لیجئے۔ اگر قاری کا پڑھنا اس لئے ہو کہ لوگ اس کی آواز سن کر اس کی تعریف کریں تو یہ ریاکاری ہوگی لیکن اس میں بھی مختلف شکلیں ہیں چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ حرم شریف میں تلاوت فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے اور ان کو معلوم بھی نہ ہوا۔ جب تلاوت ختم کر چکے تو حضور ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا ابو موسیٰ تم نے قرآن بہت اچھا پڑھا۔ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور سن رہے ہیں تو اور اچھی طرح پڑھتا

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ابو موسیٰ ؓ نے حضور کو خوش کرنے کے لئے یہ تمنا کی۔ تو یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضور کو خوش کرنا گویا حق تعالیٰ کو خوش کرنا ہے یعنی حضور کا خوش کرنا خود اپنی جگہ عبادت ہے اس لئے ابو موسیٰ ؓ نے یہ خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اگر قاری بھی یہ خیال کرکے پڑھے کہ سامعین قرآن سن کر خوش ہوں گے تو یہ بھی اپنی جگہ عبادت ہو سکتا ہے چونکہ مومن کا خوش کرنا بھی عبادت میں داخل ہے لیکن اگر قاری کی خواہش سامعین سے عزت، دولت وغیرہ حاصل کرنا حب دنیا میں سے ہے تو پھر وہ عبادت نہ رہے گی اور اس پڑھنے کا قاری کو ثواب نہ ہوگا۔

عبادت میں دنیوی غرض اچھی نہیں

یہاں ایک واقعہ دہلی کا یاد آیا۔ شاہ اسحاق محدث بڑے بزرگوں میں سے ہیں جنھوں نے قرآن و حدیث کی بڑی خدمت کی ہے آپ کو بواسیر کا مرض تھا ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ آپ نماز تو پڑھتے ہی ہیں اگر آپ وتر کی تینوں رکعات میں سورہ اذا جاء سے سورۂ اخلاص تک علی الترتیب تینوں رکعات میں پڑھ لیا کریں تو انشاء اللہ بواسیر کی شکایت نہ ہوگی۔ آپ سن کر مسکرا دیئے کچھ عرصہ بعد وہی شخص پھر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ نے اس نسخہ پر عمل کیا یا نہیں۔ شاہ صاحب نے ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا بھائی ہم اللہ کی اور تو کوئی عبادت کرنے کے قابل نہیں لے دے کے چند رکعات نماز کی ہیں اس کو بھی ہم حب دنیا کے لالچ میں پڑھیں تو پھر کیا رہ جائے گا۔ یہ ان بزرگوں کی باتیں ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں اللہ کی راہ میں صرف کر دیں اور عمر بھر بیماری کا ساتھ رہنا گوارا کیا لیکن دنیا کا لالچ نماز کی ترتیب میں لانا گوارا نہ کیا حالانکہ اس طرح سورتیں پڑھنا ناجائز نہیں ہے لیکن آپ نے یہ غور کیا کہ کتنا اخلاص تھا ان کی نیتوں میں۔ اب یہاں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض آیات قرآنی جن کے خصوصی فائدے خود قرآن میں بھی مذکور ہیں اور احادیث میں بھی ان کا تذکرہ ہے مثلاً کسی خاص درد کے لئے کوئی خاص آیت یا دیگر کاروبار کی ترقی۔ دنیا کی پریشانیوں سے نجات کے لئے مختلف قرآن کی سورتیں بتلائی جاتی ہیں۔ قرآن کی آیتوں کو پڑھ کر دم کیا جاتا ہے تو اس کے لئے بزرگوں نے بتایا ہے کہ جو آیت پڑھ کر دم کی جائے گا اس سے شفاء اور دوسرے اجر تو اللہ پاک عطا فرمانے والے ہیں لیکن اس کے پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔ یعنی اس تلاوت کا اجر شفا تو ہو سکتا ہے عبادت نہیں ہوگی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ عبادت کو ذریعہ عبادت تو بنا سکتے ہیں ذریعہ جاہ و مال نہیں اگر ایسا کریں گے تو وہ عبادت خالص نہ رہے گی۔ اس واسطے بعض بزرگ جو خاص اوراد پڑھنے کے لئے بتلاتے ہیں ان کو اوراد سمجھ کر اور عبادت کی نیت سے پڑھنا چاہئے اس کا اجر اللہ پاک خود عطا فرمانے والے ہیں ہم کو دنیا کا اجر حاصل کرنے کی نیت سے نہیں پڑھنا چاہئے چونکہ مقصد اگر دنیا کا فائدہ ہوا تو عبادت نہ ہوئی اور عبادت جب اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہوگی تو

اللہ تو بے حساب دینے والے ہیں۔

صدقہ سے مال گھٹنے کا مطلب

اسی طرح حدیث کے الفاظ ہیں۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا بڑھتا ہے۔ اب اگر ہم یہ سوچنے بیٹھ جائیں کہ سو روپے میں سے کسی نے دس روپیہ صدقہ کر دیا تو نوے روپے رہ گئے۔ بظاہر تو وہ نوے ہیں یعنی عدد کے حساب سے وہ دیکھنے والوں کو کم لگیں گے لیکن برکت اور مطلب برآری کے لحاظ سے وہ حقیقت میں بڑھ جاتے ہیں جن کو یقین نہیں وہ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ ہم نے بیشتر لوگوں کو ایسا دیکھا ہے کہ جو صدقات کرتے رہتے ہیں ان کی ضروریات زندگی کم رقم سے پوری ہو جاتی ہیں اور برخلاف اس کے جو سود وغیرہ ناجائز طریقے سے کماتے ہیں ان کا بیشتر لوازمات زندگی پر بے جا خرچ ہو جاتا ہے کہ پہلی حالت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ رقم نکل جاتی ہے اور سکون و آرام وہ نہیں ملتا جو صدقہ کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔ صدقہ بجائے خود ایک سکون دلانے کا ذریعہ ہے انسان جب کوئی بھی رقم صدقہ کرتا ہے تو فوراً ہی اس کو ایک روحانی طمانیت میسر ہوتی ہے اور یہ قرآن میں موجود ہے اللہ پاک فرماتے ہیں سود سے اللہ پاک مال کم کرتے ہیں اور صدقہ سے زیادہ' حالانکہ جو مومن نہیں ان کے یہ بات سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی' لیکن خدا کا حکم اپنی جگہ اٹل ہے یہ اور بات ہے کہ سود سے انسان کی رقم بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے بدن پر ورم آجائے یا بادی سے پھول جائے اس کو موٹا نہیں کہتے بلکہ ورم کا آنا تو موت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ پس سود سے مال ایسا ہی بڑھتا نظر آتا ہے لیکن سود خور ہمیشہ بیماری' مقدمہ بازی' چوری اور اسی قسم کی پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے برخلاف اس کے غریب روپیہ کے اندر جو آرام و لطف حاصل کر لیتا ہے وہ کسی ایسے امیر کو دو ہزار روپے میں حاصل ہونا مشکل ہے۔

یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی ہے کہ حج اور عمرہ سے غنا بڑھتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ غنا حاصل کرنے کے لالچ میں حج اور عمرہ کیا جائے اگر ایسا کیا تو وہ اصل ثواب بھی جاتا رہے گا۔ وہ جو ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی شخص کو کیمیا کے نسخہ کی

تلاش تھی ایک شخص نے کہا نسخہ تو بہت آسان ہے مگر ایک شرط ہے۔ فلاں پہاڑی پر ایک بوٹی ہے وہ توڑ کر لے آؤ۔ لیکن بوٹی توڑتے وقت بندر کا خیال دل میں نہ آئے ورنہ کیمیا نہ بن سکے گی اس نے کہا بندر کا تو مجھے کبھی بھی خیال نہیں آیا۔ میں ضرور ایسا کر لوں گا لیکن جب کبھی بھی وہ بوٹی کے خیال سے نکلا بندر کا خیال اس کے ساتھ ہی آیا اور وہ اس خیال کو کسی طرح بھی ہٹا نہ سکا۔

مطلب یہ کہ اگر حب دنیا کا خیال عبادت میں آگیا تو پھر عبادت عبادت نہ رہے گی۔ چونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے چنانچہ جو بھی عبادت کرے صرف اللہ کے راضی کرنے کے لئے کرے۔ ہاں یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ آج تک حج یا عمرہ کرنے کی وجہ سے کوئی فقیر نہیں ہوا۔ یعنی کاروبار میں نقصان ہو جائے دوسری آفتیں ہوں ان کی وجہ سے تو مفلس ہو سکتا ہے مگر آج تک کسی نے یہ نہیں سنا کہ کوئی شخص حج کو جانے کی وجہ سے مفلس ہو گیا۔ حالانکہ حج پر جانے والے کا روپیہ گھٹنا چاہئے بلکہ بعض غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ تو ایسے ہیں جو عمر بھر رقم جمع کرتے ہیں اور پھر حج کو جاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے اس کو غنا عطا فرماتے ہیں اور اس کا نظارہ کوئی میدان عرفات میں دیکھے کہ حج کو جانے والوں میں نوے فیصدی غریب اور متوسط طبقہ ہی ہوتا ہے اگر اللہ پاک غنا عطا نہ فرمائیں تو لوگ دو دو اور تین تین دفعہ کیسے حج کو جا سکتے ہیں جبکہ امیروں کی تعداد بہت کم جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ پاک کے وعدے اور اس کے رسول ﷺ کے الفاظ اپنی جگہ اٹل ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم جو عبادت کریں خلوص نیت سے کریں اور ہر کام کے وقت اپنی نیت صحیح رکھیں کہ اللہ پاک دلوں کا حال جاننے والے ہیں۔

اخلاص کے متعلق چند ارشادات

خلوص پیدا کریں

ارشاد فرمایا کہ رات کو دین کی کتابیں پڑھنا ساری رات عبادت کرنے سے افضل ہے اس میں بھی یہی بات ہے کہ عبادت کو پڑھنے کے مقابلے میں زیادہ فضیلت دیتے ہیں کیونکہ پڑھنے والے کو کوئی ولی نہیں سمجھے گا' اور نوافل اور تہجد پڑھنے والے کو بڑا عابد اور ولی اللہ سمجھتے ہیں' تو بھی حاصل یہی ہے کہ خلوص پیدا کرنے کی فکر کرو' اعمال گنے نہیں جائیں گے تولے جائیں گے' عبادتیں کثرت سے کی ہوں گی' لیکن خلوص کم ہونے کی بناء پر ان کا وزن معمولی ہوگا' اور بعض امور ایسے ہوں گے' جو دیکھنے میں تھوڑے ہوں گے' لیکن خلوص کی بناء پر بڑے وزنی ہوں گے' دنیاوی کام بھی کرو تو اسی ذمہ داری کے ساتھ کرو' انشاء اللہ خلوص کی بناء پر یہ کام اچھا ہوگا۔

خلوص کی علامت

فرمایا کسی کام میں خلوص کی علامت یہ ہے کہ اس سے اچھا کام کرنے آجائے تو یہ کام چھوڑ دے۔

اصل مقصود

فرمایا: اصل مقصود اعمال ظاہری اور باطنی پر اخلاص کے ساتھ مداومت کرنا ہے۔

خلاصہ تصوف

اخلاص اور ہمت خلاصہ تصوف ہیں۔

فکر آخرت

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ سفر دور وپیش ہے اور زاد راہ کچھ نہیں" اس ارشاد کے بعد حاضرین مجلس کو نصیحت فرمائی۔ فرمایا کہ میں نے چلتے وقت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت مختصر سی نصیحت فرما دیجئے، آپ نے یہ حدیث نصیحتاً پڑھ کر سنائی۔

"اِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ"۔

(ترجمہ: جب آپ شام کریں تو صبح کا انتظار نہ کریں اور جب صبح کریں تو شام کا انتظار نہ کریں، اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کریں)۔

اور فرمایا کہ آخرت کی فکر کرو، موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، میں دل کے مرض میں مبتلا ہوں، جب تکلیف کی شدت ہوتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ موت کا وقت آگیا، پھر اللہ تعالیٰ تکلیف ہلکی فرما دیتا ہے، یہ سلسلہ تقریباً پانچ سال سے چل رہا ہے، اور اس اثناء میں کئی جوان چل بسے جو بالکل تندرست وتوانا تھے، بس بھئی اللہ کو اور اپنی حقیقت کو مت بھولو، آج ہم ان دونوں چیزوں کو بھول بیٹھے ہیں، پھر ایک شعر پڑھا ؎

نظر آتے ہیں جو، نہیں اپنے
جو ہے اپنا، نظر نہیں آتا

حضرت ﷫ نے اس مجلس میں خصوصیت سے ارشاد فرمایا اور مجلس میں پڑھی جانے والی ملفوظات کی کتاب کو روک کر فرمایا کہ کام تو سب ہی کرتے ہیں کوئی دنیا کا کام کرتا ہے اور کوئی دین کا، اصل بات یہ کہتا ہے کہ کام خالص دنیاوی ہو، خواہ دفتری ہو یا ملازمت ہو، اگر اسے دینی سمجھ کر انجام دے رہا ہے تو یہ سمجھو کہ وہ بڑا ولی اللہ

ہے۔ جس چیز میں جس قدر خلوص ہوگا، اسی قدر اس میں وزن ہوگا۔ نوافل اور عبادت میں تو عدم خلوص اور ریا کا احتمال زیادہ ہے لیکن جو ایسے کام ہیں جیسے دینی ملازمت، فتویٰ نویسی وغیرہ لوگ اسے دیکھ کر ولی اللہ نہیں سمجھتے۔ کسی نے رات ایک بجے تک فتویٰ لکھا، اس پر غور و خوض کیا، بڑی بڑی کتابوں کو چھانا، اب کسے معلوم ہے اور نہ اس شخص کو معلوم ہے جس کو یہ فتویٰ ملے گا، اگر کسی نے رات کو اٹھ کر دیکھ بھی لیا تو یہ دیکھ کر کہ کاغذ کالے کر رہا ہے، ولی اللہ نہیں سمجھے گا۔ غرض خلوص جس قدر ہوگا، قیمتی ہوگا۔

مثنوی کا خلاصہ

حضرت نے ۲۰ شعبان ۹۶ھ کو جبکہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہم بھی دارالعلوم کراچی میں تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں، حضرت والا نے حضرت مولانا عبدالغفور صاحب کا ایک ملفوظ سنایا کہ

"الاخلاص، ما الاخلاص، عدم رؤيته
الاخلاص في الاخلاص."

(اخلاص کیا ہے اخلاص؟ اخلاص میں اخلاص کو نہ دیکھنا یعنی محسوس نہ کرنا اخلاص ہے)

اور حضرت نے حضرت حکیم الامت تھانوی کا ایک قول نقل فرمایا کہ حضرت تھانوی ؒ نے فرمایا مکمل مثنوی کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں، توحید اور حب شیخ اور حضرت نے فرمایا کہ میرا حال اب وہی ہے جو ہمارے حضرت تھانوی نے فرمایا کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ موت محبوب ہوگئی ہے لیکن زندگی مبغوض ہوگئی ہے۔

مجلس ۵۵:

ادب اور اس کی تفصیلات

سید احمد کبیر رفاعی کے ملفوظات کچھ عرصے سے سنائے جا رہے ہیں' باتیں تو ہم آپ بھی کر لیتے ہیں مگر ان بزرگوں کے الفاظ میں جو برکت اور اثر ہے وہ عجیب و غریب ہے۔

دوستو! ادب کو مضبوطی کے ساتھ تھام رکھو' خدا کا ادب' رسول کا ادب' قرآن کا ادب وغیرہ۔

خدا کا ادب یہ ہے کہ اس سے کسی وقت غافل نہ ہو کیونکہ یہی مقصود حاصل کرنے کا دروازہ ہے۔ جو غفلت اختیار کرتا ہے گویا ترک ادب کرتا ہے اللہ جل شانہ کا جن کو اللہ کی یاد کی توفیق ہوتی ہے ان کو کسی وقت غفلت نہیں ہوتی' ایک روز میں تھانہ بھون میں حاضر تھا' حضرت کا وصال ہو چکا تھا' خواجہ صاحب سے باتیں ہو رہی تھیں' ہنسی مذاق بھی جاری تھا' پھر کھانا آ گیا' وہ بھی کھایا' باتیں ہوتی رہیں' پھر فرمایا خیال کرو ہم سب میں کون کتنی دیر غافل رہا' میں نے کہا ہم سب ہی اتنی دیر سے غافل ہیں' اس روز خواجہ صاحب کا مقام معلوم ہوا' فرمایا الحمد للہ میں ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہا ذکر ہی نہیں بلکہ مراقبہ میں رہا اور یہ سب کچھ ہو سکتا ہے بہرحال جس شخص کو خبر نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ اور کیا کیا احکام ہیں؟ یہ سب سے بڑی غفلت ہے۔ بڑی بے ادبی ہے جس مالک نے آپ کو پیدا کیا' پرورش کیا' اس کے احسانات کا کیا کہنا ہے اس سے غفلت کتنی سخت بے ادبی ہے پھر نافرمانی تو کتنا دور کر دیتی ہے اللہ کا ڈر' جاننے والوں کو ہی ہوتا ہے اور علم یہی ہے کہ اللہ کے حقوق جانے' اس کے احکام جانے اور ان پر عمل کرے۔

سب سے زیادہ نفع ادب

کسی نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا سب سے زیادہ نفع دینے والا ادب کونسا ہے؟ فرمایا دین کی سمجھ حاصل کرنا اور دنیا سے بے رغبتی کرنا کیونکہ دین کی ساری فہم ہے اور یہ کہ اللہ کی رضا معلوم کرے، اس کی ناپسند باتوں سے بچے، قرآن وحدیث سب کا خلاصہ یہی ہے کہ دین کی سمجھ مل جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ادب

پھر فرمایا: بندہ پر خدا کے حقوق پہچاننا یہ ادب ہے جس نے ادب کے ذریعہ سے اپنے نفس کو دبایا وہ اخلاص سے اللہ کی عبادت کر سکتا ہے جو کام کریگا اس میں دنیا کی کوئی غرض حائل نہ ہوگی۔ کسی کام کو کسی کی خوشی کے لئے کرنا یہ اس کا اخلاص ہے اور صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کسی کام کو کیا جائے تو وہ اس کی رضا کا ذریعہ ہے۔

مشائخ کا ادب

مشائخ کا ادب بھی ضروری ہے جو ان کے دل کو ناخوش کرتا ہے، دنیا میں بھی وہ ستایا جاتا ہے اور خود بھی ظالم ہو جاتا ہے اور دوسرے ظالم بھی اس پر مسلط ہو جاتے ہیں، ایک آدمی ظلم کرتا ہے تو سارا جہان اس کے سبب ظلم کے پنجے میں آجاتا ہے، ہر شخص کے ادب کا طریقہ معلوم کرے، اپنے بڑے کا ادب یہ ہے کہ اس کی خدمت کرو، اور برابر کا ادب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایثار وہمدردی کرو یہ نہیں کہ ہم آگے بڑھ کر اپنا مطلب حاصل کرلیں، یہ کھڑا رہ جائے یہ اس کی بے ادبی ہے، تم دوسروں کو آگے بڑھانے کی کوشش کرو تم کو اللہ آگے بڑھائیں گے۔ صحابہ کرام کے علاوہ تابعین، تبع تابعین کا یہی حال تھا کہ ایک دوسرے کو آگے بڑھاتے تھے اور یہ سب محبت کا اثر تھا، جب سے علم کتابوں میں آیا ہے جب سے یہ جمود پیدا ہو گیا ہے۔ ابراہیم نخعی اور ابراہیم تیمی یہ دونوں حضرات تبع تابعین کے اعلیٰ طبقہ میں سے ہیں، ظالم امت حجاج بن یوسف نے جس طرح ہزاروں علماء وفضلاء کو جیل خانہ میں

مہ یا دو ہزاروں کو شہید کیا کرتا تھا، ان میں ابراہیم نخعی بھی ہیں کہ حجاج کے سپاہی
آپ کی تلاش میں پھرتے تھے اور آپ اسی وجہ سے روپوش رہتے۔

ایک روز کسی مخبر نے سپاہیوں کو خبر دی کہ فلاں جگہ ابراہیم ہیں، وہاں اتفاق
سے دوسرے ابراہیم جو انہی کے ہمعصر ہیں اور ابراہیم تیمی کے نام سے موسوم ہیں
موجود تھے، سپاہی ان کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ ابراہیم کون ہیں اور کہاں ہیں؟
ابراہیم تیمی جانتے تھے کہ یہ لوگ میری تلاش میں نہیں بلکہ ابراہیم نخعی کی طلب
میں ہیں، لیکن آپ نے محض للہ ایثار سے کام لیا کہ ابراہیم نخعی کو بچا دینے کے
بجائے یہ کہہ کر خود گرفتار ہو گئے کہ میرا ہی نام ابراہیم ہے۔ اور حجاج کے حکم سے
وہاں کی جیل خانہ میں قید کر دیئے گئے جس میں نہ دھوپ سے بچنے کا سایہ تھا اور نہ
سردی سے بچنے کی کوئی صورت، پھر اس میں بھی دو دو آدمیوں کو ایک زنجیر میں جکڑا ہوا
تھا۔ حضرت ابراہیم تیمی اس قید کی شدت سے اس درجہ لاغر ہو گئے کہ ان کی
والدہ ان سے ملنے کیلئے جیل خانہ میں آئیں تو پہچان نہ سکیں، آخر کار اسی جیل خانہ
میں آپ کی وفات ہوئی۔ لوگوں نے آپ سے عرض بھی کیا کہ جب سپاہی آپ کی
طلب میں نہ تھے تو آپ بے اختیار خود کیوں گرفتار ہو گئے، فرمایا کہ میں نے مناسب نہ سمجھا
کہ ابراہیم نخعی جیسے امام وقت کو لوگ گرفتار کریں اس لئے میں نے خود ہی ان
کی جگہ اپنا نام پیش کر دیا۔ کیا ٹھکانا ہے ایثار و ہمدردی کا؟ لیکن

جہاں یورپ کے تماشوں کو تہذیب مان لیا جائے وہاں لوگ مدینہ والوں کا
اخلاق کہاں سے سیکھ سکتے ہیں، ایک ذرہ برابر ہمدردی نہیں ہوتی، کتنا بھی بڑا ڈاکٹر ہو
جائے، بڑا انجینئر بن جائے، وکیل بن جائے بھائی اور باپ کو قتل ہو جائے مگر اس
تہذیب کے دلدادہ اس کی مدد اس کا غم بھی نہیں کریں گے۔

چھوٹوں کا ادب اور تربیت کا طریقہ

اور اپنے سے چھوٹے کا ادب یہ ہے کہ اس پر شفقت کرو اور اس کی خیر خواہی
کرو، مطلب یہ نہیں ہے چھوٹے کے پیچھے پیچھے ہو جاؤ بس اس کی شفقت سمجھ کر وعظ دو
اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ اسے کھلاؤ یہ سمجھنا شفقت ہے اس لئے کہ یہاں بچپن سے

بری عادتیں پڑتی ہیں، ماں باپ ان کو نہیں روکتے، پھر وہ بچے بڑے ہو کر کیسے سدھریں؟
بعض ماں ان کے ذہن نشین ہی نہیں کیا کسی نے کہ برائی کیا ہے؟ بھلائی کیا ہے؟ ماں
باپ بچے کے خوش لباس، خوش خوراکی پر تو فکر رکھتے ہیں مگر اخلاقی مرض اس کے
دل میں سے پیدا ہوتے ہیں اس کو سنوارا نہیں جاتا۔ بعض لوگ مار پیٹ سے بچے کو
سدھارتے ہیں، جو مار پیٹ سے کسی کام پر لگایا جاتا ہے، وہ مار پیٹ سے نکلتے ہی ساری
برائیاں دوگنی چوگنی کر لیتا ہے اور سمجھا کر بچے کو راضی کرنا کچھ مشکل نہیں۔ جب اس کے
آگے اچھا ماحول بنا کر پیش کرو، ماں باپ بیوی بچے بھائی بہن کی حالت درست ہو تو اولاد
گھر میں خالص رہتی ہوئی۔ جب تم ہی نماز نہیں پڑھو گے تو بچے کا ذہن کیسے اس طرف
آئے گا۔ یہ کوئی مشکل نہیں ہے، اور ڈر یا کسی خوف سے نہیں آتا۔ نرمی سے بچے کو
بتاؤ کہ بچے کبھی برے راستے پر نہیں چلے گا۔ ماں باپ کو جھوٹ بولتا دیکھ کر بچہ جھوٹ
بولنا سیکھتا ہے ورنہ اسے جھوٹ کہاں سے آئے۔ الغرض بچوں کا ادب یہ ہے کہ ان کی
اخلاقی تربیت کی جائے۔

عارفین کا ادب

عارفین کا ادب یہ ہے کہ ان کے سامنے سر خم رکھو، ظاہرین و جدید دنیا میں
بہت ہیں عارفین کم ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو معرفت کی محبت عطا کر دے، اس کا دامن
پکڑ لو، اس کے خلاف کوئی بات نہ کرو، اس کی مخالفت سے اس کو تکدر ہوگا اور تکدر
اس کا گویا اللہ کی ناراضگی لینا ہے۔

ہر مسلمان کا ادب

ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا یہ ادب ہے عام انسانوں کا۔

نفس کا ادب

نفس کا بھی ادب ہے، وہ یہ کہ اس کے چاہنے کے خلاف کرو مگر نفس کے

ایک تو حقوق ہیں جن پر زندگی کا دارومدار ہے مثلاً کھانا، سونا، چلنا، کمانا، خرچ کرنا اور ایک نفس کے حظوظ ہیں کہ بغیر اس کے کھانا نہ کھائے گا، بغیر اس کے لذت نہ آئے گی، تو حقوق نفس ادا کرو اور حظوظ کی پروا نہ کرو بلکہ نفس کی مخالفت کرو۔

شیطان کا ادب

اور شیطان کا بھی ادب ہے وہ یہ کہ اس سے دشمنی اور عداوت کرتے رہو، یہی اس کا ادب ہے، شیطان اور اس کے بھائی کفار و مشرکین عدو اللہ ہیں ان سے عداوت رکھو، آج اپنے بھائی سے عداوت ہے مشرکین سے دوستی یہ کہاں کا انصاف ہے؟

ناشکری کا وبال

فرمایا اللہ کی نعمت کا شکر ادا نہ کرنا سلب نعمت کا سبب ہوتا ہے۔ فرمایا الحمد للہ ہم ان لوگوں میں سے ہوں جن پر نہ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ فرمایا اللہ جب کسی بندہ کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں پھر واپس نہیں لیتے، وہ ذات کریم ہے اور جس سے واپس لے لی گئی سمجھ لو اس کو نعمت ملی ہی نہیں تھی دھوکہ ہوا تھا، کسی کو دین سے رغبت ہوئی اور پھر وہ پلٹ گیا تو سمجھ لو کہ دین کی نعمت کا دھوکہ تھا اس کو ملی ہی نہیں تھی اور معلوم ہوا کہ جس نعمت کے ساتھ شکر کی توفیق نہ ہو وہ نعمت کا دھوکہ ہے نعمت نہیں ہے نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس کی قدر و منزلت پہچانے تو چھوٹی نعمت کو چھوٹا نہ سمجھو، ایک چنے کا دانہ کتنی بڑی نعمت ہے بظاہر وہ بے حقیقت ہے مگر غور کرو اس ایک دانہ کے پیدا ہونے میں آسمان، زمین، چاند، سورج، بارش، بادل سب اس کام میں لگے، چھ ماہ میں جانور انسان تمام مخلوق نے اس پر محنت کی جب یہ دانہ تیار ہو کر تمہارے منہ میں آیا ہے اپنے اعضاء پر غور کرو کیا کیا نعمتیں ملی ہیں؟ الحمد للہ کہنا صرف زبان کا شکر ہے اللہ کی نعمت کا عملی شکر یہ ہے کہ اس نعمت سے اللہ کی نافرمانی کا کام نہ لے، مثلاً اللہ نے مال دیا ہے تو ناجائز کاموں میں نہ لگائے، جائز کاموں میں لگائے

یہی شکر ہے۔ اسی طرح اولاد ایک نعمت ہے ایسی تعلیم نہ دے اس کو جس سے وہ خدا کی نافرمانی کے راستہ پر چلے یہ ناشکری ہوگی اولاد کی نعمت کی۔ اس کو نیک تعلیم دینا اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔ اللہ پر نظر رکھیں یہ اس کا شکر ہے کسی کو علم دیا اس سے جھگڑے فساد کا کام نہ لے جیسا کہ آج عام واعظین کا حال ہے۔ یہ وبال ہے علم کا۔ اور اس کا شکر یہ ہے کہ اللہ کو پہچانے اس کی رضا حاصل کرے۔ اس کے حقوق ادا کرے اس کا شکر یہ ہے کہ دل اپنے منعم کے ساتھ ادب کے ساتھ وابستہ رہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اس کی نافرمانی سے بچا جائے۔ منعم پر نظر کرے نعمت پر نظر نہ کرے۔ اس کی بڑی شان ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ میرے پاس یہ کمال ہے بلکہ سمجھے کہ یہ اس کی عطا ہے۔

چند ارشادات

ادب کی حقیقت

فرمایا تعظیم کا نام ادب نہیں۔ ادب نام ہے راحت رسانی کا۔ استادوں کا ادب باحترام نہ کرنے کی وجہ سے علم میں سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔ عادۃ اللہ یہی ہے کہ استاد خوش راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا۔

ادب کا مدار

فرمایا ادب کا مدار اس پر ہے کہ ایذا نہ ہو۔

علم نافع حاصل کرنے کے دو گر

فرمایا ادب اور تقویٰ کو زیادہ دخل ہے استفادۂ علم میں۔

مجلس ۵۰:

رجوع الی اللہ

انسان اس دنیا میں آتا ہے تو سننے‘ دیکھنے‘ سوچنے سمجھنے اور چلنے پھرنے اور انسانی مقدور کا ہر کام کرنے کی قوتیں اس کے وجود میں سموئی ہوئی آتی ہیں مگر وہ اس وقت ہر چیز سے خالی ہاتھ نظر آتا ہے۔

"وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا"

(النحل ۷۸)

(اللہ نے تمہیں شکم مادر سے یوں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے)

پھر آہستہ آہستہ ان قوتوں کا ظہور ٹھیک اس کی ضرورتوں کے مطابق ہوتا ہے۔ سب سے پہلا ہنر جو وہ سیکھتا ہے اس کا رونا ہے اسے بھوک لگتی ہے تو رو دیتا ہے اسے سردی گرمی ستاتی ہے تو رو دیتا ہے اسے کوئی دکھ درد پیش آتا ہے تو رونے لگتا ہے۔ یہی رونا اس کا سرمایہ زندگی ہے اس کے ذریعہ اس کے سب کام نکلتے ہیں۔ قدرت نے ماں اور باپ کے دلوں میں ایک غیر اختیاری تڑپ اس بے شعور کمزور بچے کی طرف ایسی لگا رکھی ہے کہ ان کے کان اس کی آواز پر لگے رہتے ہیں ان کی نگاہیں اس کے چہرے کی طرف متوجہ رہتی ہیں وہ اس کا رونا سن کر اپنی عقل اور تجربے سے بچے کے رونے کا سبب دریافت کر کے اس کی بھوک پیاس درد دکھ کا علاج کرتے ہیں وہ زبان سے نہیں کہتا کہ مجھے دودھ چاہئے یا سردی سے بچنے کیلئے گرم کپڑا چاہئے۔

آہستہ آہستہ وہ سننے‘ دیکھنے بولنے کا ہنر سیکھتا ہے پھر اٹھنے بیٹھنے‘ چلنے پھرنے کے بیشمار مراحل سے گزرتا ہوا اتنے ہنر سیکھ لیتا ہے جن سے اس کی موجودہ زندگی کی

ضروریات وابستہ ہیں۔ اب روز بروز اس کی ضروریات بڑھتی ہیں اور اسی پیمانے پر اس کی ہوش و عقل اور مشغولی و گویائی اور میدان زندگی میں دوڑ دھوپ کی طاقتیں بڑھتی رہتی ہیں، وہ بچپن کے گہوارے سے گھر میں اور پھر کوچہ و بازار میں چلنے پھرنے لگتا ہے۔

اب اس کے ماں باپ اس کی جسمانی غذا اور نشوونما کے سامان کے ساتھ روحانی غذا اور ذہنی نشوونما کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں جس کے لئے وہ تعلیم گاہوں اور استادوں کے سپرد ہوتا ہے۔

ابھی تک یہ اپنے بھلے برے کو نہیں جانتا، اس کا ذہن اپنے ماضی و مستقبل سے بے نیاز ہے اس کی ساری ضرورتیں دوسروں کے کندھے پر ہیں۔

طفلی و آغوش مادر خوش بہارے بودہ است

تا بپائے خود رواں گشتیم سرگرداں شدیم

لیکن اب یہ دور ختم ہوتا ہے، ایک طرف جسمانی طاقتیں ترقی کر کے جوانی کی امنگوں میں تبدیل ہوتی ہیں۔ کھیل کھلونے کی جگہ زیب و زینت کی خواہش لے لیتی ہے۔ "انما الحیوۃ الدنیا لھو ولعب و زینۃ" (دنیا کی زندگی کھیل کود ہے اور زینت) لیکن اس کے ساتھ ہی عقل و ہوش کی توانائی تعلیم و تربیت کے سایہ میں پروان چڑھتی ہے کچھ ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں جو اس کی آزاد خواہشات کے لئے زنجیر بن جاتی ہیں۔

اسیر پنجہ عہد شباب کر کے مجھے کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے

اب یہ دیکھنے کے قابل جوان ہے، ہر علم و فن اور صنعت و حرفت کی قابلیت کا حامل ہے کھلونوں اور گھروندوں کے بجائے اچھے مکان اچھے لباس، بلند سوسائٹی کی فکر ہے، پچھلے دور طفولیت میں جن چیزوں کو اپنی زندگی کا مایہ ناز سمجھتا اور اس کے حاصل ہونے پر بے حد مسرور بلکہ مغرور ہو جایا کرتا تھا اب ان چیزوں سے اس کو وحشت ہے گھن آتا ہے ان میں مشغول ہونے والوں کی بے عقلی پر ہنستا ہے، اب اس کی مستور طاقتوں نے پر پرزے نکالے ہیں، اس کی دوڑ دھوپ کیلئے عرصہ زمین بھی تنگ ہو رہا ہے، وہ ہوا و فضا میں تیرتا ہے اس کو چاند اور مریخ پر پہنچنے کی فکر ہے۔

مال و دولت کی بہتات اور اقتدار کی ہوس نے وہ نشہ پلایا ہے کہ راحت و آرام جو قلبی سکون سے وابستہ ہے یہ مسکین اس کے تصور سے بھی نا آشنا ہو گیا ہے۔

منتظر رہتے ہیں پانے کے آرام ہوس
شوق کچھ ہوش خرد افزا نہ رہا

غرض دنیا میں پھیلا، پنپ کر جا و بے جا ہر جگہ جوں جوں اس میدان میں بڑھتا گیا تو اسے یہی نظر آتا گیا کہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" ۔ ہوس کا میدان بے حد و بے انتہا اور تو اور خواہش کا دل مکمل ہو کر بھی محدود ۔ سارے سامان عیش و عشرت، کوٹھی، بنگلے، مل اور کارخانے، بینک بیلنس اور مال و دولت کی فراوانی سب کچھ حاصل ہے مگر اس کے قلب کو سکون نہیں اس کی نگاہیں ہل من مزید کی تلاش میں کھوئی ہیں ابھی اس مسکین کو یہ خبر نہیں کہ اس کی یہ سب چاہتیں کبھی بجھنے والی نہیں۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد
ہرچہ گیرید مختصر گیرید

آخر اسی بھول بھلیاں میں دور شباب ختم ہونے لگتا ہے جوانی کی ترنگیں سرد ہونے لگتی ہیں ۔ بیماریاں گھیر جاتی ہیں الغرض بستر میں بھی رات کو نیند نہیں آتی ۔ اتنی محبوب چیزیں اب نظروں میں مبغوض ہونے لگتی ہیں۔

ومن صحب الدنيا طويلا تقلبت
على عينه حتى يرى صدقها كذبا

جو شخص دنیا میں زیادہ رہتا ہے تو دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے الٹ پلٹ جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے اچھے کو برا سمجھنے لگتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس کو بڑھاپے میں بھی زندگی و عشرت کدوں کے قابل نہیں رہا مگر دل میں وہی ہوس چسکیاں لیتی رہتی ہے۔

تن پیر گشت و آرزوی دل جوان ہنوز

حکیم الحکماء ﷺ نے سچ فرمایا: یشیب ابن آدم ویشب معه خصلتان

بے یعنی انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو خصلتیں جوان رہتی ہیں ایک مال کی محبت دوسرے جاہ و اقتدار کی خواہش ۔

اور پھر فرمایا

"ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ."

یعنی آدم کے بیٹے کا پیٹ قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی

آں شنیدستی کہ در صحرائے غور
رخت سالارے فتادہ از ستور
گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاک گور

بہرحال اب قوی کا انحطاط آنکھ ہاتھ پاؤں کی طاقت جواب دے رہی ہے شنوائی اور

اگر چشم و گوش ست گردست و پائے
زمین باز مانند یک یک بجائے

اب مال و دولت کا مصرف خلوت کدہ کا عشوہ و ناز لذیذ غذائیں ' رنگ برنگ کے کھانے اور ناشتے نہیں رہے بلکہ ڈاکٹر اور ان کی لیبارٹریاں رہ گئی ہیں ۔

ہر عضو کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر موجود ہیں ایکسرے اور ایکسرے ہیں کی بہترین مشینیں موجود ہیں 'صبح شام ہر عضو کا جائزہ لیا جا رہا ہے 'مشرق و مغرب سے دوائیں اور غذائیں آ رہی ہیں ہر ہر عضو کی سلامتی کی بے مثال تدبیریں کی جا رہی ہیں ۔

مگر سرکار کو چند تولے یخنی کا پانی بھی اب ہضم نہیں ہوتا نیند نہ آنے کی شکایت ہے خواب آور گولیاں موجود ہیں مگر اب وہ بھی کام نہیں کرتیں 'احباب حشم اور خدم کا جمگھٹ بھی کھڑا ہے ۔ ڈاکٹر بھی مشغول تدبیر ہیں مگر سرکار جس منزل کی طرف جا رہے ہیں وہ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے وہ کسی مذہب مشرب سے تعلق رکھتے ہوں کوئی نظریہ و فلسفہ رکھتے ہوں سائنس کی انتہائی معراج کو پہنچے ہوئے ہوں ' مگر جو منزل سامنے آ رہی ہے اس سے کسی کو نہ انکار ہو سکتا ہے 'نہ اس سے فرار ممکن

ہے۔ آخر وقت آ گیا اور منزل قریب آ پہنچی۔

حد شمر کو پہنچا ہے اب گور جنازہ
ہو بحر محبت کا کنارہ نظر آیا

زندگی کا یہ دور بھی ختم ہوا اور اب ٹھیک اسی طرح کہ بچپن کی مرغوبات جوانی کے دور میں مضحکہ خیز نظر آتے تھے اس نئے دور میں پہنچ کر جوانی اور بڑھاپے کے مزے مرغوبات بھی معیوب اور مضحکہ خیز بن گئے ہیں اور اب ایک بالکل نئے سفر کا آغاز ہے۔

ازل سے چلتے پھرتے گور تک پہنچا ہوں مشکل سے
مسافر ہوں کہاں جانا ہے ناواقف ہوں منزل سے

غیر اختیاری رجوع الی اللہ

جو ہر پیدا ہونے والے اور زمین پر چلنے والے کے لئے ناگزیر اور ناقابل انکار ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان سمجھے یا نہ سمجھے اور مانے یا نہ مانے مگر یہ حقیقت اس کے سامنے آکر رہتی ہے کہ وہ ایک دائم السفر مسافر ہے، جتنی ساری زندگی اسی سفر کے مراحل تھے وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے اور موت تک ہر گھڑی اور ہر آن سفر میں تھا، وہ وطن میں اور اپنے گھر میں بیٹھا ہوا بھی سفر کی منزلیں طے کر رہا تھا اس کا ہر سانس اس کے سفر کا ایک قدم تھا۔

ہے دم کی آمد و رفت اپنی سالک
طے کر رہے ہیں رستہ بیٹھے ہوئے کہاں کا

وہ کیسے چلے - سوتے جاگتے ہر حال میں اس منزل کی طرف چل رہا تھا جہاں پہنچ کر اب وہ بچپنا ہر گز خواب نظر آتا ہے۔

رہا مرنے کی تیاری میں مصروف
مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا

ہر انسان کے لئے یہاں تک کا سفر آنکھوں سے نظر آتا ہے جس سے نہ کوئی بڑے سے بڑا صاحب اقتدار بادشاہ یا امیر مستثنیٰ ہے نہ کوئی بڑے سے بڑا رسول و پیغمبر،

اور یہ بھی ہر انسان کا آنکھوں دیکھا حال ہے کہ وہ جس طرح دنیا میں ہر چیز سے خالی آیا تھا اسی طرح تہی دست رخصت ہوتا ہے۔

"وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ." (۹۴ الانعام ۶)

(تم ہمارے پاس اکیلے ہی آ گئے جیسے کہ اول تمہیں اکیلا پیدا کیا تھا اور دنیا کی جو چیزیں تمہیں دی گئی تھیں وہ وہیں چھوڑ آئے)۔

اگلی منزل

"وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ."

(ڈرو اس دن سے جس میں تم اللہ کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) (البقرۃ ۲۸۱)

یہاں تک تو وہ ناقابل انکار سفر تھا جس پر دنیا کا ہر مذہب و مشرب اور ہر نظریہ و فلسفہ متفق ہے۔ مگر غور کرو تو انسان کا حال اپنے ہر دور میں یہ رہا ہے کہ وہ جس دور میں ہوتا ہے اسی میں ایسا مگن رہتا ہے کہ وہ بعد میں آنے والے ہر دور سے جاہل یا بے خبر بلکہ عملاً منکر نظر آتا ہے۔ جس طرح شکم مادر میں وہ اسی جگہ کو اپنا جائے قرار اور اسی گندی غذا کو اپنی دائمی غذا سمجھ کر مطمئن و مسرور تھا اگر وہاں اس کو بتایا جاتا کہ تجھے اس سے بڑے مکان اور زمین میں جانا ہے، اور ایسی ایسی غذائیں اور ہوائیں ملتی ہیں جو دنیا میں موجود ہیں، تو ظاہر ہے کہ اس کے پاس ان سب چیزوں کے انکار اور ناقابل تصور ہونے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ پھر بچپن کے دور میں جو چیزیں اس کے زیر استعمال رہیں اور جو اس کی ضروریات زندگی تھیں اگر اس کو بتلا دیا جاتا کہ آنے والے دور میں اس سے بڑا میدان اور اس سے بہتر غذائیں اور سامان ملے گا تو وہ اس سے بھی ایسا ہی بے خبر اور منکر ہوگا جیسے شکم مادر میں اس موجودہ دور کی چیزوں سے جاہل و غافل تھا۔ اسی طرح جب وہ اس دور میں قدم رکھ کر ان تمام چیزوں سے آشنا ہوگا مگر ابھی جوانی کی خصوصیات سے بے خبر ہے اس وقت اس کو اگر کوئی اگلے دور میں ملنے والی عیش و عشرت اور حسن و جمال کے کرشمے اس کو پیش کرے تو وہ ان کو

بھی پچھلے دور ماننے سے انکار ہی تو ہر ہر کا شیوہ پچھلے ہر دور میں اگلے دور کی چیزوں سے
رہتا چلا آیا ہے۔ لیکن جب وہ دور اپنے ساز و سامان کے ساتھ اپنے سامنے آ گیا تو
سب چیزوں کا یقین آ جاتا ہے۔

اب زندگی کے یہ سارے دور ختم ہو کر بڑھاپے اور موت کے بعد کیا ہوتا
ہے۔ مٹی ہو کر معاملہ ختم ہو گیا یا آگے بھی کچھ اور ہے؟

اس وقت یہ سوال جس شخص کے سامنے ہے وہ کوئی شیر خوار بچہ نہیں کوئی
کھیل کھلونوں میں بسر کرنے والا لڑکا نہیں وہ عقل و ہوش اور علم و فضل والا دانشمند
ہے۔

مگر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ جس طرح اس کے عقل و ہوش اور علم
و معلومات ابتداءِ ولادت سے تدریجی ترقی ہو کر یہاں تک پہنچے ہیں اب بھی اس کے
عقل و ہوش صرف اپنے موجودہ دور ہی کے معلومات تک محدود ہیں موت کے بعد
آنے والے دور سے وہ اب بھی ایسے ہی بے خبر ہیں جیسے تمام پچھلے ادوار زندگی میں
آنے والے دور سے بے خبر تھے اور اس کے معاملے میں اس کے عقل و ہوش اب
بھی بالغ نہیں ہوئے۔

خلق اطفال‌اند جز مرد خدا
نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

اور موت کے بعد کا یہ آخری دور پچھلے دور سے اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے
کہ پچھلے ہر دور میں آنے والے دور سے بے خبری یا اس کا انکار اس کو آنے والے
دور کی نعمتوں اور راحتوں سے محروم کرنے والا نہ تھا وہ نعمتیں اس دور میں پہنچ کر
بہرحال اس کو مل جاتی تھیں مگر یہ آخری دور ایسا نہیں، یہ انسانی سفر کی آخری منزل
ہے یہاں پہنچ کر یا ہمیشہ کا آرام و راحت ہے یا ہمیشہ کی تکلیف و مصیبت۔ اس دور کی
تمام راحتیں اس سے پہلے ادوار زندگی میں کچھ کام کرنے پر موقوف ہیں، جو اس دور
زندگی سے ناآشنا یا منکر ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے لئے کوئی کام بھی نہ کرے گا اور
اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ آنے والے دور کی نعمتوں راحتوں سے محروم ہو گا
بلکہ ناقابل برداشت مصائب اور آلام سے سابقہ پڑے گا۔

اس لئے انسان کے پیدا کرنے والے مالک اور پالنے والے رحیم و کریم نے اس آخری منزل کے حالات سے واقف کرنے اور اس منزل کے لئے مفید اور مضر چیزوں سے آگاہ کرنے کے لئے اپنے انبیاء بھیجے اپنی کتابیں نازل فرمائیں جو عہد آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء کے عہد تک مختلف قطعوں' مختلف زبانوں' مختلف زمانوں میں ہونے کے باوجود یک زبان ہو کر اس کے داعی ہیں کہ وہ انسانوں کو بتائیں کہ یہ سفر موت پر ختم نہیں ہو جاتا یہ تیری آخری منزل نہیں' موت کے بعد ایک دوسری زندگی اور دوسرا عالم آنے والا ہے جس میں دنیا کی زندگی کے ہر اچھے برے کام کا حساب ہوگا اور اس پر جزاء و سزا ہوگی اچھے اور برے کاموں کی تشریح بھی انہیں حضرات انبیاء نے کھول کھول کر بیان کر دی اور پھر قدم قدم پر انسان کو اس پر متنبہ کیا کہ وہ دنیا کی چہل پہل میں لگ کر کہیں' اس آخری منزل اور آخری دن کو نہ بھول جائے۔

ہمہ اندر زمن ترا زیں ست
کہ تو طفلی و خانہ رنگین ست

قرآن حکیم نے اس مضمون کو بار بار دہرایا کہیں ارشاد فرمایا

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کے پاس واپس جاؤ گے' پھر ہر انسان کو پورا پورا دیا جائے گا وہ جو اس نے کیا تھا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

اور کہیں فرمایا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا۔

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں باپ اپنے بیٹے کا بدلہ نہ دے سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا بدلہ بن سکے گا۔

اور فرمایا

وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ اور انسان دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔

غرض سارا قرآن کریم اس تعلیم و تلقین اور وعظ و تنبیہ سے بھرا ہوا ہے' اسی طرح رسول کریم ﷺ نے اپنے ہر قول و عمل سے اسی دن کی تیاری پر آمادہ فرمایا ہے۔ سعید ہیں وہ روحیں جو اپنے غیر اختیاری رجوع الی اللہ کی ساتھ اختیاری طور پر دل سے اللہ جل شانہ کی طرف رجوع ہوں اور کسی وقت اس کی یاد سے غافل نہ ہوں کہ درحقیقت دنیا و آخرت میں قلب و روح کا سکون صرف اسی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ خبردار صرف اللہ کی یاد سے ہی دلوں کا اطمینان حاصل ہو سکتا ہے

ایک حدیث میں ارشاد ہے

لا تزال قدما ابن آدم حتی یسأل عن خمس عن عمره فیما افناه وعن شبابه فیما ابلاه وعن ماله من این اکتسبه واین انفقه وعن علمه ماذا عمل به.

ابن آدم کے قدم اس وقت تک زائل نہ ہوں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو جائے ایک اس کی عمر کا کہ کاہے میں فنا کی' اور اس کی جوانی کا کہ اسے کس چیز میں بوڑھا کیا اور اس کے مال کا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس کے علم کا کہ اس پر کیا عمل کیا۔

اس حدیث میں آنے والی منزل میں جو امتحان ہونے والا ہے اس کا پرچہ سوالات خود (آؤٹ) ظاہر کر دیا ہے۔ بڑا محروم و بدنصیب ہے وہ شخص جو اس امتحان کی تیاری نہ کر پائے۔

اختیاری رجوع الی اللہ

رجوع الی اللہ جو اس مقالہ کا عنوان ہے اس کا ایک پہلو تو وہ ہے جو ابھی بیان ہوا کہ کوئی انسان جانے یا نہ جانے اور مانے یا نہ مانے وہ بہرحال ہر وقت ہر آن اللہ

کی طرف لوٹنے اور سفر کرنے میں مشغول ہے اور اس کا یہ سفر موت پر نہیں بلکہ قیامت کے حساب وکتاب پر ختم ہوگا۔

اس کا دوسرا پہلو جو مقالہ کا مقصود الذکر ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے موجودہ ادوار زندگی میں اپنے اس غیر اختیاری رجوع کو جانے اور پہچانے اور صرف بدن سے نہیں بلکہ دل سے اللہ کی طرف رجوع ہو، وہ اس کا یقین کرے کہ میں ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں وہ میرے تمام کھلے اور چھپے اعمال و افعال سے میرے دل میں آنے والے خیالات سے پورا پورا واقف ہے۔

ھو معکم اینما کنتم: اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

مسکن قلب مضطر ہے تری یاد
دوام درد دل اسے چارہ گر دے

مجلس ۵۷:

اصلاح نفس کیلئے دو کام کی باتیں

اصل ضرورت اصلاح نفس کی ہے

دین داری کے لئے بڑی ضرورت ہے اصلاح نفس کی آج لوگ اس کے لئے صرف اتنی کوشش کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے مرید بن جائیں لیکن یہ نہ سمجھئے کہ مرید ہونا مقصد نہیں بلکہ اصلاح نفس مقصد ہے۔ اصل مقصد کو چھوڑ کر ذریعہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں حالانکہ پیر کے ہاتھ پر بیعت ہونا ذریعہ ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کو اسی ذریعہ سے اصلاح ملے شیخ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ معلوم کرنا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہیں یا ناراض ہیں تو وہ یہ دیکھے کہ دین اور دنیا کے کاموں سے جو وقت فرصت کا اس کو ملتا ہے اس وقت کو کن کاموں میں گزارتا ہے؟

کامیابی حاصل کرنے کے دو گر

دنیا میں جتنے انسان ہیں اتنی ہی تعداد اللہ تک پہنچنے کے راستوں کی ہے یعنی اللہ تک پہنچنے کی بھی بے شمار راستے ہیں ہر شخص الگ الگ راستوں سے اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے یہ خیال نہ کرے کہ تصوف تو صرف خاص آدمیوں کا راستہ ہے ہر شخص اپنی ہمت کے بقدر کامیاب ہو سکتا ہے۔ ایک بزرگ کے پاس ایک طالب علم آیا اور کہا کہ حضرت میرے دل میں خواہش ہے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں اور تصوف کی لذت حاصل کروں لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ تصوف کے راستے میں بڑے مجاہدے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور میں اپنے اندر اس کی قوت نہیں پاتا اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ مجاہدات کا راستہ اختیار کروں اس لئے کہ علم دین

حاصل کرنے میں مشغول ہوں وہ اس سے فرصت نہیں پاتا۔ بزرگ ہنسے اور فرمایا اچھا کوئی مشکل کام نہیں بتائیں گے دو جملے کہتا ہوں۔ ان کو پڑھو تو کامیاب ہو جاؤ گے پہلی بات یہ کہ فضول باتوں سے بچو دوسرے یہ کہ تقویٰ اختیار کرو۔

دیکھا آپ نے ان دو جملوں میں ساری دنیا اور آخرت کی بھلائی پوشیدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان غور کرے اور فضول باتوں سے بچے تو سارے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ مثلاً کہنے میں کوئی فضول بات نہ ہو بلکہ ہر بات کہنے میں یہ دیکھے کہ دین کا کوئی فائدہ ہو یا دنیا کا کوئی فائدہ ہو تو بولے ورنہ فضول کلام نہ کرے۔ بیٹھنے میں ایسی مجلسوں میں بیٹھے جو کارآمد ہوں جن باتوں سے کوئی فائدہ نہ ہو وہ ترک کردے۔ کھانے میں وہ چیز کھائے جس سے کوئی فائدہ ہو فضول کھانے بھی چھوڑ دے۔ ہر کام میں یہ دیکھے کہ اس میں کوئی فائدہ ہے یا نہیں جو کام بے فائدہ ہو اسے چھوڑ دے۔

بیکار گفتگو سے بچیں

آج ہر ایک کا سارا وقت محض اخبار پڑھنے یا بیکار کی گفتگو کرنے میں گزر جاتا ہے حالانکہ اخبار پڑھنا گناہ نہیں صرف خبریں دیکھنا ہو یا تجارتی کوئی مقصد ہو تو اخبار پڑھے بعض لوگوں کو اخبار دیکھنا بھی ایک بیماری کی طرح لازمی بن کر رہ گیا ہے اور بیکار گفتگو تو عام ہے جہاں دو چار آدمی جمع ہوں گے ادھر ادھر کی بے معنی گفتگو شروع ہو جائے گی جس میں یا تو کسی کی برائی بھلائی ہوگی یا محض وقت گزارنا ہوگا ایسے خالی وقت میں جب کوئی کام نہ ہو اپنے اوپر غور کرنے کی ضرورت ہے اور جس نے اپنے اوپر غور کیا اور سمجھ لیا کہ کل مالک یوم جزاء کے سامنے کھڑا ہونا ہے اس کے لئے میں نے کیا تیاری کی؟ تو نہ صرف بدگوئی اور برے اعمال سے بچے گا بلکہ آخرت کا کچھ سامان کرے گا دوسری بات جس میں تقویٰ اختیار کرنے کو کہا ہے یہ تمام اعمال حسنہ کی جڑ ہے۔ فرائض و واجبات اختیار کرو ممنوع اور حرام چیزوں سے بچو آخرت کی فکر کرو خدا کا خوف کرو یہی تقویٰ ہے۔ جو انسان کی کامیابی کے لئے بس یہی دو نسخے کافی ہیں یہ ایسے سبق ہیں کہ انسان پہلے دن سے لیکر آخر دم تک انہیں پکڑ کر صراط مستقیم پر چل سکتا ہے۔

دو نعمتیں

حدیث شریف میں آتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دو چیزیں نعمت ہیں جن کی موجودگی میں انسان ان کی قدر نہیں کرتا اور ان نعمتوں کے جانے کے بعد ان کی قدر ہوتی ہے وہ ہیں صحت اور فراغت۔ صحت کی قدر جب ہوتی ہے جب بیماری آتی ہے اور فراغت کی قدر جب ہوتی ہے جب انسان عمل کے قابل نہیں رہتا اور دونوں کی قدر یہ ہے کہ محاسبہ کرے اپنے اعمال کا اور فکر کرے آخرت کی۔

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو

نبی کریم ﷺ نے فرمایا پانچ چیزیں غنیمت سمجھو پانچ چیزوں سے پہلے۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ صحت کو بیماری سے پہلے۔ زندگی کو موت سے پہلے۔ غناء کو فقر سے پہلے اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے جوانی کو اس لئے غنیمت فرمایا کہ جوانی میں انسان کے پاس قوت ہوتی ہے 'ارادہ ہوتا ہے' طاقت ہوتی ہے ہر کام کر سکتا ہے' چنانچہ اس میں جتنے بھی نیک اعمال اکٹھے ہو سکیں کرے۔ پھر جب بڑھاپا آجاتا ہے تو ارادے بھی پست ہو جاتے ہیں اور قوتیں بھی جواب دے دیتے ہیں اگر چاہے تب بھی کوئی کام نہیں کر سکتا اور پھر افسوس کرتا ہے جوانی پر اور اس پر بھی اگر کوئی وقت مقرر کرلے یعنی یہ سمجھ لے کہ جوانی تو دس پندرہ سال رہے گی ابھی سے کیا فکر کریں؟ تو صحت کا تو کوئی اعتبار نہیں ہر شخص کو کسی نہ کسی بیماری سے تو دو چار ہونا ہی پڑتا ہے اس وقت نیک اعمال کی طاقت کہاں ہوتی اس وقت تو صحت کے لئے ہی دعائیں مانگنی پڑتی ہیں اور اعمال کی طاقت کہاں؟ اور مشغولیت دراصل ایک عذاب ہے جس میں آج ہم مبتلا ہیں آج کا فیشن ہی ہمارے لئے مشغولیت کا عذاب بنا ہوا ہے آج کے نوجوانوں کو بننے اور سنورنے میں ہی گھنٹوں صرف ہو جاتے ہیں فضولیات کو ضروریات بنا چھوڑا ہے بلکہ اپنے اوپر لادلیا ہے۔ کئی مجلسوں میں بات کام کی دس منٹ کی ہوتی ہے اس کا اہتمام اور فضولیات گھنٹوں کی ہوتی ہیں۔

شریعت کی نظر میں مالدار

اور غنی کو اس وجہ سے غنیمت جانو کہ مال بھی چلتی پھرتی چھاؤں ہے آج ہے کل نہیں جو کرنسی آخرت کی خرید کر جمع کرا دو گے کل آخرت میں وہ جمع کیا ہوا مل جائے گا۔ آج ہم غنی اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس بہت دولت ہو مل ہوں یا سوز ہوں بلکہ غنی ہر وہ شخص ہے جو شریعت کی رو سے صاحب نصاب ہو' حاصل یہ کہ پیسہ پر بھروسہ نہ کرے' نہ معلوم کب ختم ہو جائے اور یہ ساری چیزیں ایک دو سرے کے بعد آتی ضروری ہیں اب کوئی یہ کہے کہ فلاں شخص تو شروع سے مالدار تھا اور مرتے دم تک مالدار رہا اس پر فقر کب آیا تو سمجھو اس بات کو کہ آخر میں مرتے وقت تو اس سے سب مال چھن گیا اور فقیر ہو کر ہی دنیا سے رخصت ہوا کیا مال وہ لے گیا! اپنے ساتھ صرف وہ مال جس کو اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے جمع کرا دیا وہی اس کے کام آئے گا۔

اصل فقیر

آج ہم فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس مال نہ ہو' اللہ کے سچے نبی ﷺ نے فرمایا کہ فقیر وہ ہے جو دنیا سے جاتے وقت بہت اعمال اور نیکیاں ساتھ لے گیا لیکن حقوق کی پرواہ نہ کی اور قیامت میں جب میزان کا وقت آیا تو اس کے حقداروں نے اللہ پاک سے درخواست کی کہ ہمارے حقوق دلوائے جائیں' اب وہاں روپیہ پیسہ تو موجود نہ ہو گا چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اس کی نمازیں لے لو۔ پھر بھی وہ لوگ آئیں گے جن کا اس نے حق مارا تھا' جن کی غیبت کی تھی اور ان کے حقوق کے بدلے میں اللہ پاک اس شخص کے روزے' نوافل' عمرے اور حج دلوائیں گے پھر وہ بالکل نیکیوں سے خالی ہو جائے گا اور حق دار جب اور آئیں گے تو حکم ہو گا اب نیکیاں اس کے پاس ختم ہو گئیں اب اپنے گناہ اس پر ڈال دو اور وہ شخص جو نیکیوں کا انبار لگا گیا تھا اب گناہوں سے لد جائے گا۔ فرمایا غریب وہ شخص ہے۔

زندگی غنیمت ہے

اور زندگی کو غنیمت سمجھنا موت سے پہلے تو ظاہر ہے کہ یہ مزرا عمل کا میدان زندگی میں ہی ہوگا اور آج تو وہ زندگی مشینی ہے ہر کام بٹن دبا کر مشین سے کیا جاتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام کا کام بھی مشینی ہو گیا ہے چنانچہ موت بھی آج مشینی طور پر آتی ہے آدمی ابھی ابھی بات کر رہا ہے ابھی ابھی کام کر رہا ہے' ابھی ابھی سفر کر رہا ہے اور آن کی آن میں حرکت قلب بند ہو جاتی ہے' جب تک سانس ہے کچھ کر لو پھر تمنا رہ جائے گی کہ ہم کو بھی وقت ملتا تو اعمال کا ذخیرہ کر لیتے اور کچھ نہیں ہو سکتا تو اپنے خالی اوقات ہی کو ذکر الٰہی میں صرف کر دو' لایعنی باتوں ہی سے بچ جاؤ' آخرت کی فکر کرو' اللہ پاک ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔

مجلس ۵۸:

علماء دیوبند کی فنائیت اور دنیا سے بے رغبتی

ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک رومی بزرگ "خلیل پاشا" نامی تھے پہلے ترکی سلطنت کی طرف سے متبوح کے گورنر رہے اور پھر عہدہ چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی' ان کی درویشی کا بھی ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ ان کے والد بڑے بزرگ اور کامل شیخ تھے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں بھی کبھی کبھی حاضر ہوتے تھے' ایک روز حضرت حاجی صاحب سے شکایت کی کہ میرا بیٹا دنیا دار ہو گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ غم نہ کرو' وہ بھی آپ جیسا ہی ہو جائے گا' چنانچہ تھوڑے عرصے میں خود بخود ان کا دل دنیا سے اٹھ گیا' گورنری چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی اور عبادت میں مشغول ہو گئے' میری ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم خلیل پاشا سے کیوں نہیں ملے؟ میں نے کہا کہ حضرت حاجی صاحب کے ہوتے ہوئے میں نے کسی بزرگ سے ملنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ مثال بھی خواب ہی میں بیان کی کہ مقصود بیت اللہ کے پاس حاضری ہے۔ جو شخص ایک راستے سے وہاں پہنچ جائے' اس کے ذمے نہیں کہ پھر لوٹ کر جائے اور دوسرے راستے سے پہنچے' وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔

صبح کو میں نے وہ خواب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ ان کی زیارت ضرور کرو' میں نے کہا کہ اب حضرت کے حکم سے ضرور جاؤں گا' چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو خلیل پاشا نے فرمایا کہ میں تین زبانیں جانتا ہوں' ترکی' عربی' فارسی' اب میں آپ سے کس زبان میں بات کروں؟ میں نے عرض کیا کہ میں ترکی زبان کو نہ تو سمجھ سکتا ہوں' نہ بول سکتا ہوں' عربی کو سمجھ لیتا ہوں' بولنے کی عادت نہیں' فارسی کو سمجھ بھی لیتا ہوں اور بول بھی سکتا ہوں' انہوں نے بڑی بشاشت کے ساتھ فارسی میں گفتگو فرمائی' بہت سی باتیں ہوئیں' ان میں سے

ایک یہ بھی تھی۔

غازی پاشا نے فرمایا کہ میں عرب وعجم کے بہت سے علماء سے ملا ہوں مگر ہندوستان کے علماء سے بہتر علماء کہیں نہیں پائے۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے ان میں کونسا ایسا وصف پایا ہے؟ فرمایا کہ وہ محبت دنیا نہیں اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں لگے ہیں۔

تشریح: بس حقیقت یہ ہے کہ یہ بات ہمارے اکابرین دارالعلوم کے طبقے میں مخصوص تھی جو دنیا کے علماء اور درویشوں میں سب سے زیادہ امتیاز اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا' وہ یہ کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو فنا کر دینا اور کچھ نہ سمجھنا اور دنیا کی محبت چھوڑ دینا اور خاص طور پر جاہ کی محبت چھوڑ دینا۔ اس لئے کہ مال کی محبت چھوڑنا تو آسان ہے لیکن جاہ کی محبت چھوٹ جائے آدمی کے دل میں اپنی بڑائی اور اس بڑائی کی محبت دل میں نہ رہے' یہ چیز صرف اپنے بزرگوں میں دیکھی' یہ بات کہیں اور نظر نہیں آئی۔

حاجی صاحب کے سلسلہ کی علامت فنا ہے

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ کے متعلقین اور ان کے مریدین کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے یہ چیز عطا فرمائی ہے' یعنی فنا اس لئے ان کے اندر حب جاہ نہیں ہوتا اور جس میں یہ چیز نہیں تو سمجھ لو کہ اس کا اس سلسلے سے تعلق یا تو صحیح نہیں ہے یا وہ تعلق بہت کمزور ہے اور جو اس سلسلے سے صحیح طور پر وابستہ ہے اس کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ اس میں تکبر نہیں ہوگا' تعلی نہیں ہوگی' دعویٰ نہیں ہوگا' اپنے کو اونچا سمجھنے کا کہیں کوئی شائبہ نہیں ہوگا۔

حضرت شیخ الہند کی فنائیت

واقعہ یاد آیا' دیوبند میں ایک شادی کی تقریب تھی اور وہ ایسی تقریب تھی جو

علماء کی شان کے خلاف سمجھی جاتی تھی حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ بھی اس تقریب میں تشریف فرما تھے' کچھ لوگوں نے آکر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے' آپ اس کو روکتے نہیں؟ اس تقریب میں دوسرے بہت سے علماء بھی تھے جو سب کے سب حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے۔ چنانچہ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اتنے بڑے بڑے علماء بیٹھے ہیں۔ جب یہ بولتے نہیں تو میں کیا بولوں۔ گویا کہ آپ اپنے آپ کو یہ سمجھتے تھے کہ میں کچھ نہیں ہوں' حالانکہ مسلم طور پر سب کے بڑے آپ ہی تھے۔

فنائیت کا دوسرا عجیب واقعہ

مدینہ منورہ کے مہاجر اور میرے ایک ہم سبق دوست مولوی سیف الدین یوپی کے رہنے والے تھے اور پھر وہ یہاں سے عراق چلے گئے ایک زمانہ دراز تک عراق میں رہے اور پھر وہاں سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے وہاں گمنامی کے ساتھ پڑ گئے۔ تیس پینتیس سال سے مدینہ طیبہ میں ہیں جب میں آخری مرتبہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا تھا اس وقت وہ حیات تھے اور ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ خدا کرے کہ اب بھی حیات ہوں ان کی عمر میری عمر جیسی تھی۔ انہوں نے مجھے دیوبند میں ایک واقعہ سنایا تھا لیکن وہ ایسا عجیب و غریب واقعہ تھا کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں اس میں کوئی مبالغہ تو نہیں ہے میری یاد میں تو کوئی غلطی نہیں ہو گئی۔ چنانچہ اب کی مرتبہ جب مدینہ طیبہ میری حاضری ہوئی تو ان سے ملاقات کے وقت میں نے ان سے کہا کہ بھائی تمہاری روایت سے میں نے یہ واقعہ سنا تھا' میں آگے اس کو بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں' اس لئے کہ مجھے اس میں شبہ ہوا ہے کہ کہیں غلطی تو نہیں ہو گئی' یا کوئی مبالغہ تو نہیں ہو گیا اس لئے وہ پورا واقعہ دوبارہ سنا دو' چنانچہ انہوں نے پھر وہ واقعہ سنایا۔

یہ مولانا معین الدین صاحب اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ جو اجمیر کے بہت بڑے عالم ہیں جن کا مدرسہ بھی مدرسہ معینیہ کے نام سے قائم ہے' اجمیر ہی کے رہنے والے تھے' بڑے علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا مگر دیوبند کے بزرگوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا تھا اور ان کی تعلیم کا سلسلہ دوسرا تھا۔ ایک مرتبہ ان کو خیال ہوا کہ یہ

دیوبند کے مولوی دنیا میں بہت مشہور ہیں۔ چلو ان کو دیکھ کر آئیں کہ کیسے ہوتے ہیں چنانچہ صرف اس مقصد کے لئے سفر کیا۔ دیوبند کے مولوی دیکھیں کہ وہ کیسے ہوتے ہیں چنانچہ ریل گاڑی میں سفر کر کے دیوبند کے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ اب کسی کو خبر نہیں کہ یہ آرہے ہیں اور نہ انہوں نے کبھی دیوبند دیکھا تھا۔ چنانچہ اپنا سامان اٹھا کر اسٹیشن سے باہر آگئے اور ایک تانگے والے سے کہا کہ بھائی یہاں کا جو سب سے بڑا عالم ہو مجھے وہاں لے جاؤ۔ تانگے والے نے کہا کہ ایک صاحب دیوبند میں جو بڑے مولوی صاحب کہلاتے ہیں اسی نام سے مشہور ہیں ان کا مکان بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ یعنی بڑے مولوی صاحب کا مکان۔ انہوں نے فرمایا کہ بس مجھے انہی کے گھر پہنچا دو۔ وہ بڑے مولوی صاحب تھے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ۔

مجھے یاد ہے کہ بچپن میں ہم سب انہیں "بڑے مولوی صاحب" کہا کرتے تھے اس سے زیادہ شیخ یا کوئی لقب نہیں تھا۔ دیوبند کے تانگے والے سب ان کو اسی نام سے جانتے تھے۔ جس کو جانا ہوتا بس وہ یہ کہہ دیتا کہ بڑے مولوی صاحب کے گھر پہنچا دو۔ اور مدرسے میں اسی نام سے جانے جاتے تھے نہ مولانا نہ شیخ وغیرہ کوئی دوسرا لقب نہیں تھا آج کل کے القاب تو حقیقت یہ ہے کہ جب ہمارے اندر کچھ نہ رہا تو ہمارے القاب لمبے چوڑے ہوگئے۔

بہرحال! تانگے والے نے ان کو "بڑے مولوی صاحب" کے گھر پہنچا دیا۔ یہ وہاں اتر گئے وہاں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ گرمی کی وجہ سے تہبند باندھے ہوئے کھڑا ہے اور کرتا اتارے ہوئے ہے ننگا بدن ہے وہ یہ سمجھے کہ یہ "بڑے مولوی صاحب" کا کوئی نوکر ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان سے کہا کہ میرا یہ سامان رکھو اور بڑے مولوی صاحب کو میرے آنے کی اطلاع کر دو۔ میں ملنے کے لئے آیا ہوں۔ وہ خود حضرت شیخ الہند تھے۔ آپ سمجھ گئے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ بہت اچھا آپ تشریف لائیے۔ چنانچہ ان کو اندر بٹھایا۔ گرمی کا زمانہ تھا اس لئے پنکھا جھلنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈا پانی پلایا۔ انہوں نے پھر کہا کہ میں بڑے مولوی صاحب سے ملنے کے لئے آیا ہوں ان کو اطلاع کر دو۔ جواب میں فرمایا کہ گرمی کا موسم ہے۔ آپ تھوڑا سا آرام فرمالیں۔ میں ابھی اطلاع کر دیتا ہوں۔ اب حضرت والا گھر کے اندر سے ٹھنڈا

پانی اور شربت لے کر آئے اور آکر فرمایا کہ ہاں بڑے مولوی صاحب کو اطلاع ہو گئی ہے انشاء اللہ آپ کی ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ پھر جب کھانے کا وقت آیا تو کھانا خود لا کر کھلا دیا۔ جب کھانا بھی کھا لیا تو پھر پوچھا کہ بڑے مولوی صاحب کہاں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ فکر نہ کریں ملاقات ہو جائے گی۔

گرمی کا موسم تھا اس لئے کھانا کھلا کر بستر پر لٹایا اور خود پنکھا جھلنا شروع کر دیا' وہ بیچارے تھکے ماندے تھے انہیں نیند آ گئی' حضرت والا دیر تک پنکھا جھلتے رہے' جب ظہر کی اذان ہوئی تو اس وقت ان کی آنکھ کھلی تو اب وہ بہت پریشان ہوئے اس لئے کہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ بڑے مولوی صاحب سے ملاقات کر کے ظہر کے بعد کی گاڑی سے واپس ہو جائیں گے' اب وہ ناراض ہو گئے کہ تمہیں اتنی دیر سے کہہ رہے ہیں کہ بڑے مولوی صاحب کو خبر کر دو' تم نے ان کو اب تک اطلاع نہیں کی۔ مجھے تو اب واپس جانا ہے اب حضرت نے فرمایا کہ یہاں کوئی بڑے مولوی صاحب تو رہتے نہیں ہیں البتہ "بندہ محمود" تو میرا ہی نام ہے تب حقیقت کھلی اور وہ پیروں میں پڑ گئے' فرمایا کہ آپ نے غضب کر دیا' پہلے سے نہیں بتایا۔

بہرحال! پہلے پہل دیوبند کا ایک ہی مولوی دیکھا جو اس شان کا دیکھا! چنانچہ پھر عمر بھر یہ کہتے تھے کہ علماء دیوبند تو واقعی علماء دیوبند ہیں۔

حضرت تھانوی کی فنائیت

حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند کا جو خاص امتیاز تھا وہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو مٹانا' اپنے کو کچھ نہ سمجھنا۔ جب میں تھانہ بھون میں حاضر ہوا۔ حضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک شان جلال اور ایک رعب اور وجاہت عطا فرمائی تھی' چہرہ مبارک بڑا وجیہ تھا اگر وہ اپنی وجاہت کو چھپانا بھی چاہیں تو نہیں چھپا سکتے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود طالب علموں اور دوسرے لوگوں میں ملے جلے رہتے تھے ایک مرتبہ میں نے مغرب کے بعد آپ کو دیکھا کہ ایک صاحب کرتا اتارے ہوئے صرف پاجامہ پہنے ہوئے حوض کے پاس چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں میں ادھر ادھر گھوم رہا ہوں اور مجھے پتہ بھی نہیں کہ یہ حضرت والا لیٹے ہوئے ہیں اور پاس میں طلبہ بھی لیٹے ہوئے ہیں' بعد میں

فنائیت اور دنیا سے بے رغبتی سے متعلق چند ارشادات

اپنی اصلاح کی فکر

چھوٹے میں بالوکوں کو اور مخلوق کی اصلاح کو بس یہ نیت کرو کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں کیسا کمال کہاں کی مشیخت۔

فنا کی حقیقت

فرمایا فنا کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اپنے ارادہ اور تجویز کو فنا کر دے یعنی اپنے ارادہ اور تجویز کو ارادہ و تجویز حق کے تابع کر دے۔ اور فنا ارادہ سے مطلق ارادہ کا فنا کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس ارادہ کا فنا کرنا مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو یعنی جو ارادہ حق کے خلاف اور تجویز حق کے مزاحم ہو۔

طریق باطن کی تعریف

فرمایا طریق باطن ذوق و شوق کا نام نہیں بلکہ مداومت ذکر اور اطاعت احکام اور ملکات باطنیہ مثلاً توکل و رضاء و شکر وغیرہ کا نام ہے۔

مقصود رضائے حق ہے

فرمایا جو کام کرو رضاء حق کے ساتھ کرو ورنہ ترک کر دو۔ بقول حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ثمرات مقصود نہیں صرف رضاء حق مطلوب ہے نہ مدرسہ مقصود ہے نہ طلباء کی کثرت مطلوب ہے نہ عمارت مقصود ہے صرف رضاء حق مطلوب ہے اگر رضاء حق کے ساتھ یہ کام چلتے رہیں تو چلاؤ اور حسب ہمت و طاقت

بس میں کام کرتے رہو' جو کام طاقت سے زیادہ ہو اس کو الگ کر دو۔

پھر فرمایا ثمرات مقصود نہیں صرف رضائے حق مقصود ہے' ثمرہ پر نظر نہ کرو۔ اسی طرح ذکر و شغل میں لگو تو رضائے حق پر نظر رکھو' لذت و شوق وغیرہ کو مطلوب نہ سمجھو' اگر قبض ہو تو خوش رہو' بسط ہو تو خوش رہو' کیفیات نہ ہوں تو خوش رہو' کیفیات ہوں تو خوش رہو۔

گمنامی

فرمایا ایسی گمنامی کے ساتھ زندگی بسر ہو کہ کام تو سب ہوں مگر کسی کو خبر نہ ہو۔

خشوع و تواضع کے آثار

فرمایا خشوع و تواضع کے آثار یہ ہیں جب چلے گردن جھکا کر چلے' بات چیت میں' معاملات میں سختی نہ کرے' غصہ اور غضب میں آپے سے باہر نہ ہو اور بدلہ لینے کی فکر میں نہ رہے۔

بڑا بننے کا طریقہ

فرمایا' بڑا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بنے۔

اتفاق کا مدار

فرمایا اتفاق و اتحاد کا مدار اعمال صالحہ اور تواضع پر ہے۔

حاصل نہ ہونے کا احساس ہی سب کچھ ہے

فرمایا' حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس کو تمام عمر کام کرکے

ساری عمر میں یہ بات حاصل ہو جائے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا، اس کو سب کچھ
حاصل ہو گیا، مبارک ہے وہ شخص جو عمر بھر اسی رنج و غم میں لگا رہے کہ میری حالت
اچھی ہے یا بری؟ ...... صاحبو! طلب ہی مطلوب ہے بس عمر بھر طلب ہی میں رہو،
وصولِ مطلوب نہیں کیونکہ وہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ نہ یہ کہ تو فارغ و کامل
سمجھ لیا اور یہی حالت پر مطمئن ہو بے فکر ہو گیا، تو برباد ہو گیا، مگر اس کے ساتھ یہ بھی
سمجھے کہ اس وقت جو کچھ میری حالت ہے جیسی کچھ بھی ہے یہ سب خدا کا فضل ہے،
تاکہ تواضع و شکر دونوں جمع ہو جائیں۔

تواضع کا طریقہ

فرمایا محققین کا قول ہے کہ تم یہ سمجھ کر تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت
کا حق یہ ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے اور اپنے
آپ کو لاشیٔ محض سمجھے، اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار
کرے گا تو ہم اس کو رفعت عطا کریں گے، لیکن تم رفعت کی نیت سے تواضع اختیار نہ
کرو گو ایک گونہ رفعت اس طرح بھی حاصل ہو جائے گی کیونکہ تواضع میں خاصیت
ہے گو کسی نیت سے ہو قلوب کو کشش کرتی ہے، مگر اس صورت میں قرب و رضاء
حق حاصل نہ ہوگی۔

طلباء دین کو نصیحت

فرمایا لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرز گفتگو سے عزت طلب کرنا انسان کا
کام نہیں، یہ تو نہایت بھدا پن ہے، اے طلباء مدارس! تمہارا فخر یہی ہے کہ کہ جس
جماعت میں تمہارا شمار ہے تم اسی کی اصطلاح اور وضع اور طرز کو اختیار کرو، تمہاری
عزت اسی میں ہے، اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ ہوئی تو کیا ہوا ہے۔ خالق کے
یہاں تو ضرور عزت ہوگی، تم کو تو ایسی تواضع اور پستی اختیار کرنی چاہئے کہ تمام دنیا
پستی و تواضع میں تمہاری شاگرد ہو جائے اور تم اس شعر کے مصداق ہو جاؤ اور ہمگی

وہیں یوں کہا ہے ؎

افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ ز من شمع ز من گل ز من آموخت

غرض تم ایسے متواضع ہو جاؤ کہ ہر چیز میں تمہاری ہی تواضع کا اثر ظاہر ہو، تم کو ظاہری منصب عزت کی ضرورت نہیں، انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہو گو ظاہر میں فقیر ہو ؎

مبیں حقیر گدایان عشق را ایں قوم
شہان بے کمر و خسروان بے کلاہ اند

ایک جگہ اپنی گدائی پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

تم کسی کی تحقیر کی پروا نہ کرو، اگر کوئی تمہارے لباس پر طعن کرے کرنے دو، کوئی تمہاری طرز میں عیب نکالے نکالنے دو، تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کافی ہے، تم ان کو راضی کرنے کی فکر کرو، یاد رکھو عشق میں تو ملامت ہوا ہی کرتی ہے، تم اللہ تعالیٰ کے عاشق بننا چاہتے ہو تو ملامت سننے کے لئے تیار ہو جاؤ!!

اپنے لئے کوئی خاص وضع نہ بناؤ جو میسر ہے پہنو، شال دے شال اوڑھو، کمبل دے کمبل اوڑھو، اور ہر حال میں خوش رہو، مگر حدود شریعت سے باہر نہ جاؤ، تم اپنے کو مٹا دو، گمنام کر دو، سب سے الگ ہو جاؤ تو پھر تمہاری محبوبیت کی یہ شان ہوگی کہ تم چھپ نہ سکو گے اور تمام مخلوق میں تمہارا آوازہ ہو گا جیسے حافظ نے اپنے کو مٹا دیا تو اس کا نام اس قدر مشہور ہوا کہ مخلوق کی زبان زد ہے۔

مقام کی تعریف

پہلا مطلب ذکر کہ غفلت میں وقت کم گزرے دوسرے دوام طاعت کہ نافرمانی اللہ تعالیٰ کی بالکل نہ ہو، حقیقت میں حاصل کرنے کی یہی دو چیزیں ہیں اور ان کے حاصل کرنے کے لئے مجاہدات اور معالجات اختیار کئے جاتے ہیں جس پر حسب سنت اللہ تعالیٰ

وہ مقصود مرتب ہو جاتا ہے۔ شروع میں قدرے تکلف ہوتا ہے بعد میں چندے (جس کی مدت متعین نہیں استعداد پر ہے) مثل امر طبعی کے ہو جاتا ہے گو کبھی کبھی ضد کا تقاضا بھی ہوتا ہے مگر ادنٰی توجہ سے وہ ضد مغلوب ہو جاتی ہے۔ اس رسوخ و ثبات کو "مقام" کہتے ہیں۔ یہ فی نفسہ غیر اختیاری ہے لیکن باعتبار اسباب کے اختیاری ہے۔

عبدیت کی تعریف

فرمایا عبدیت نام ہے (اس کا) کہ (بندہ) احکام شرعیہ کا اتباع کرے اور مصالح کی پرواہ نہ کرے (مثلاً) انجن کو کیا حق ہے؟ کہ راستہ میں ڈرائیور کے ٹھہرانے کے بعد نہ ٹھہرے بلکہ اس کو ڈرائیور کے ٹھہرانے کے بعد فوراً ٹھہر جانا چاہئے۔

مجلس : ۵۹

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج و مذاق

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا - میں نے قرآن شریف بچپن میں حفظ کیا - یہاں جب آیا ہوں اس وقت عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ اس وقت سے تمام اہل قصبہ ہندو مسلمان سب کو مجھ سے محبت رہی ہے اور اس زمانے میں مشہور رہا کہ عداوت کسی کو نہیں رہی بلکہ زمانہ تحریک خلافت میں قریب قریب سب نے زمانے میں مخالفت کی لیکن زبان پر واقعہ کی حقیقت سب نے کہا۔

تشریح: یہ سب محبوب اللہ ہونا ہے۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے اچھے نیک بندے کے لئے سارے انسانوں کے دلوں میں محبت ڈال دی جاتی ہے، خواہ وہ فاسق ہو، فاجر ہو، کوئی ہو۔ اگر بچپن سے نیک ہو تو بچپن سے یہی معاملہ ہوتا ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ آج کل اول تو بارہ سال تک تعلیم بھی نہیں شروع کراتے اور یہ زمانہ کھیل کود، شوخی اور شرارت کا زمانہ ہوتا ہے اور اس زمانے میں کون کس کو نیک اور بڑا سمجھتا ہے؟ لیکن اس وقت بھی سب آپ کو نیک اور بڑا سمجھتے تھے اور پھر اس وقت تحریک خلافت اور کانگریس کے عروج کا زمانہ بھی آیا۔ ترکی خلافت ختم ہو گئی اور اس وقت انگریزوں کے خلاف مسلمانوں نے ایک تحریک چلائی اور یہ بہت بڑی اور سخت تحریک انگریزوں کے خلاف تھی۔ اس تحریک میں ہندو اور مسلمان مل گئے اور اتحاد کے ملنے کی وجہ سے بڑی خرابیاں پیدا ہو گئیں اور ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے لگائے جانے لگے اور ہندوؤں کے ساتھ تعلقات اور روابط بڑھ گئے یہاں تک کہ بعض مسلمانوں نے ہندوؤں کی طرح قشقے لگا لئے۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہ سب انتہائی ناگوار گزرے۔ اس لئے آپ نے کانگریس سے موافقت نہیں کی اور اس وقت بڑے بڑے ہندوستان کے جید بڑے علماء کرام حضرت والا سے اس کا اختلاف رکھتے تھے حتیٰ کہ قصبہ کے لوگوں میں بھی اس کے لئے کو اختلاف ضرور تھا۔ لیکن محبت میں کمی نہیں تھی۔ قصبہ کے سارے لوگ حضرت والا سے محبت رکھتے تھے۔ یہ صورت محبوب اللہ ہونے کی ہے۔

متفرقات

جھگڑے میں بزرگوں کا تحفظ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے جھگڑے کی باتوں میں کبھی اپنے بزرگوں کا نام نہیں لیا۔ کبھی اپنی تسلی کے لئے تو پوچھ لیا۔ لیکن کام اپنی قوت پر کیا اور اپنی طرف ہی منسوب کیا۔

تشریح: آج لوگ یہ کرتے ہیں کہ قصہ تو اپنا ہے اور نام بزرگوں کا لگا کر اپنی جان بچانا چاہتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے یہ کہا ہے۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف شخص مخالفت میں ان بزرگوں کو بھی برا بھلا کہے گا۔ اس لئے حضرت والا ﷺ فرماتے ہیں کہ جھگڑے کے مواقع میں میں نے اپنے بزرگوں کا نام کبھی نہیں لیا تاکہ اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ اعتراض مجھ پر ہی کرے۔ اپنے بزرگوں پر اعتراض کرادوں یہ مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

بزرگوں سے محبت نہ ہونے کی دلیل

ہمیشہ یہی خیال رہا کہ اپنے بزرگوں کو کیوں برا کہا جائے۔ جو کچھ برائی آئے وہ اپنے اوپر ہی آئے مگر آج لوگ بزرگوں کو بھی تختہ مشق بناتے ہیں یہ عدم محبت کی صاف دلیل ہے۔

تشریح: اصل بات یہ ہے کہ اپنے بزرگوں سے تعلق اور محبت نہیں ہے، جو اصل بنیاد تھی اس واسطے جب اپنے اوپر کوئی آنچ آئی دیکھی۔ فوراً بزرگوں کا نام لے لیا کہ فلاں بزرگ نے یہ کہا ہے۔

سختی اور مضبوطی میں فرق

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جو صاحب مجھ کو نرمی

کرنے کے لئے بڑے رہتے ہیں دوسرے جلسے میں ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے کس قدر
نرمی سے برتاؤ کیا اور اس نرمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخاطب کی طرف سے اذیت بڑھتی رہی
اور جب ہار کر آخر میں سختی کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اذیت ختم ہوگئی۔ دور بیٹھ کر
رائے دینا بہت آسان ہے۔ جب اپنے اوپر آکر پڑتی ہے تب پتہ چلتا ہے۔ میں بہت
برداشت کرتا ہوں اور سیدھا کرنا مقصود اس لئے نہیں ہوتا کہ میں بالکل سختی نہیں کرتا۔
اس لئے سختی معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ سختی نہیں بلکہ مضبوطی ہے۔ میں اس پر ایک
مثال دیا کرتا ہوں کہ ریشم کا رسہ کہ نرم تو اس قدر کہ جس طرف چاہو موڑ توڑ لو۔
جیسا چاہے گرہ لگالو۔ مگر مضبوط اس قدر کہ ہاتھی کو بھی اس سے باندھ دیں تو جنبش
نہیں کر سکتا۔

تشریح۔ حضرت والا رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ لوگوں نے دو چیزوں کو خلط ملط کر دیا ہے
اور ان کو مخلوط سمجھ لیا ہے۔ ایک ہے سختی اور درشتی وہ اور چیز ہے اور مذموم اور
بری ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ مضبوطی اور چیز ہے سختی اور درشتی
کے مقابلے میں "لین الکلام" آیا ہے۔ حدیث میں نرم کلام کرنے کی بڑی تاکید آئی
ہے اور حضور ﷺ نے حدیث میں جن درجات کا ذکر فرمایا ہے جو انسان کو گناہوں
سے پاک کر دیتے ہیں۔ وہ چند چیزیں ہیں۔ ان میں ایک "صلوٰۃ باللیل والناس
نیام" یعنی آخر رات کی تہجد کی نماز ہے اور ان میں "لین الکلام" کا لفظ بھی ہے۔ اپنے
کلام کو نرم رکھو کسی سے درشت بات نہ کرو اس طرح بات نہ کرو کہ جس سے اس
کا دل ٹوٹے اور اس کو ناگوار ہو۔ اس کی تعریف تمام انبیاء کرام نے فرمائی ہے اور تمام
بزرگوں نے اس کا ذکر فرمایا ہے تو وہ سختی درشتی اور سختی جو منع ہے اس سے حضور
اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے اور قرآن و حدیث ایسے ارشادات سے بھرے ہوئے ہیں
اور صحابہ و تابعین اور بزرگان دین کا ہمیشہ معمول رہا ہے کہ دلخراش الفاظ سے بچیں۔
لیکن مضبوطی الگ چیز ہے یعنی اپنے اصول پر قائم رہنا ایک چیز ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص
کسی سے اصول کے خلاف کام کرانے پر مجبور کرے تو انبیاء علیہم السلام اور بزرگان
دین اپنے اصولوں پر ہمیشہ نہایت مضبوطی سے قائم رہے۔ حضرت والا اس کی مثال دیا
کرتے تھے کہ جیسے اگر کوئی شخص ریشم سے بنا رسہ ہو تو وہ ہے تو نرم لیکن

خرف چاہو اس کو موڑ لو۔ لیکن مضبوط اتنا ہے کہ اگر ہاتھی کو بھی باندھ دو اس سے تو ہل نہ سکے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میں اپنے اصول پر پابند رہتا ہوں ان کے خلاف کسی کے تابع ہو کر نہیں چلتا۔ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ مجھے اپنے ان اصولوں سے ہٹا دے تو میں اس کو کبھی گوارا نہیں کرتا۔ باقی سختی اور درشتی میرے اندر نہیں ہے۔

مثال دینے کا فن

سختی اور چیز ہے اور مضبوطی اور چیز ہے۔ اس میں لوگوں کو فرق معلوم نہیں۔ وہ فرق اس مثال سے واضح ہو گیا۔ امثلہ توضیح کے لئے ہوتی ہیں اور یہی امثلہ ان حضرات پر جن کے سپرد ارشاد خلق ہوتا ہے۔ کھول دی جاتی ہیں جن سے دقیق اور غامض مضامین عام فہم اور سہل ہو جاتے ہیں۔

تشریح: قرآن عظیم کے علوم کے بہت عنوانات ہیں۔ ان میں سے ایک عنوان تمثیل کا بھی ہے۔ قرآن مجید مثالیں دیتا ہے۔ علماء نے فرمایا کہ علم تمثیل خود ایک بہت اہم علم ہے۔ اس کے ذریعہ معقولات کو محسوسات کے انداز میں سمجھا دیا جاتا ہے جو بات عام آدمی نہیں سمجھ سکتے امثال کے ذریعے اس کا سمجھنا آسان ہوتا ہے اور یہی طریقہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں اختیار کیا اور پھر یہ چیز انبیاء علیہم السلام کو بھی عطا ہوئی۔ انبیاء علیہم السلام نے جو تمثیلیں بیان کیں وہ سب سے زیادہ بے نظیر ہیں اس کے بعد اللہ کے نیک بندوں اور بعد کے مصنفین نے بیان کیں۔ حضرت والا ؒ نے فرمایا کہ ان مصنفین میں سے دو کے نام یہ ہیں۔

ایک مولانا رومی اور ایک امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ان دونوں کو تمثیل کا فن عطا فرمایا تھا۔ جب مثال دیتے ہیں تو ایسی مثال دیتے ہیں کہ گتھیاں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

مجلس ۹۰

امن اور سکون کا راستہ

اللہ تعالیٰ کی محبت کا مدار

آج ہمارے دلوں میں جو دنیا کی باتیں گھس آئیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل غیر اللہ کی محبت سے بھرے ہیں اس دل میں سیکڑوں تمنائیں، آرزوئیں اور ارمان بیٹھے ہیں جو شخص دنیا دار ہے اور دنیا کے مال و دولت کے چکر میں پھنسا ہوا ہے جتنی دنیا وہ اس نے حاصل کی ہے اتنی ہی زیادہ اس کی تمنائیں بڑھ گئی ہیں۔ آپ کسی ۵۰۰ روپیہ تنخواہ پانے والے سے پوچھو کیسی گزر رہی ہے؟ وہ کہے گا گزر تو ہوتی ہے لیکن اگر ۱۰۰۰ روپیہ ہو جائے تو با فراغت گزار سکوں گا۔ اس کی تمنائیں ۱۰۰۰ روپیہ ہو جانے تک محدود ہیں لیکن بڑھتے بڑھتے اگر ایک آدمی ایک ہزار روپیہ کمانے پر آ جائے تو اس کی خواہشیں دو ہزار تک جا پہنچیں گی۔ غرض اپنے ہی تمام معاملات کو دیکھ لو، حوائج ضروریہ کو دیکھ لو، کپڑے اور مکان کو دیکھ لو جس طرف نظر جاتی ہے لامحدود تمنائیں دل کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، مکان کی محبت، بچوں کی محبت، روپیہ کی محبت، ہزاروں محبتوں نے دل پر قبضہ کر رکھا ہے تو خدا کی محبت دل میں کیسے آئے۔

غیر اللہ کی یاد سے دل کو خالی رکھو

ایک دفعہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی انگلی میں کوئی معمولی پھانس لگ گئی اتفاق سے اس انگلی میں قلم تھا جس سے کچھ لکھ رہے تھے۔ وہ قلم زمین پر رکھ کر پھانس نکالتے، پھر لکھنے میں محو ہو جاتے۔ آخر پھانس نکل گئی تو فرمایا اس بدن کی حماقت دیکھو اور اس پھانس کی حقیقت دیکھو جس کا وزن ایک رتی کے سو حصے کے برابر بھی نہ

ہوگا جیسے بدن کو کسی غیر شے کی مداخلت اپنے اندر برداشت نہیں۔ پھر خدا کی یاد اس دل میں کیسے آسکتی ہے جہاں سینکڑوں یادوں نے دل کو گھیر رکھا ہو اگر ہم خدا کی یاد سے دل کو آباد نہیں رکھ سکتے تو کم از کم غیراللہ کی یاد سے خالی رکھنا تو ہمارے اختیار میں ہے اگر ہم اس دل کو خالی رکھیں گے تو کبھی نہ کبھی تو خدا کی یاد دل میں گھر کر ہی لے گی۔

اللہ تعالیٰ کی یاد دنیا سے بے تعلق میں ہے

میں کبھی کبھی حضرت مولانا کے ساتھ ہم سفر بھی ہو جاتا حالانکہ وہ کسی کے ساتھ سفر بھی پسند نہ فرماتے تھے کثر تنہا سفر کرتے۔ اتفاق سے ایک روز ان کے ہمراہ جو رہا تھا چلتے چلتے ایک جگہ رک گئے اور جیب سے ایک کاغذ پنسل نکالا اور کچھ لکھ کر پھر جیب میں ڈال دیا۔ پھر فرمایا تم کو معلوم ہے میں نے کیا لکھا؟ مجھے مسجد کا ایک کام یاد آیا تھا۔ میں نے سوچا اگر میں اس کو ذہن میں رکھتا ہوں تو سارے سفر میں اس کا دھیان رہے گا اس لئے دل کا بوجھ کاغذ پر ڈال دیا۔ پھر فرمایا ہمیشہ دل کو غیراللہ سے خالی رکھو دیکھا آپ نے۔ حالانکہ وہ کام بھی مسجد کا تھا۔ ظاہر ہے کہ رفاہ عام کا اس سے تعلق ہوگا۔ لیکن اللہ والے اللہ کی یاد کے سوا کوئی چیز بھی ذہن میں رکھنا گوارا نہیں کرتے اور جب قلبی کیفیت یہ ہو جاتی ہے تو پھر دنیا کی چیزوں کی محبت بھی کم ہو جاتی ہے چنانچہ جب ہم انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگان دین کی سیرت طیبہ پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جس دل میں خدا کی یاد گھر کر لے اس دل میں کوئی اور محبت آہی نہیں سکتی بلکہ دنیا سے بے تعلق کا دارومدار ہی اللہ کی یاد میں ہے۔

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

پس جو شخص دنیا کی محبت اپنے دل سے ہٹانا چاہے اس کو چاہئے کہ خدا کی یاد میں مشغول ہو جائے یہ ایک مشغولیت سینکڑوں مشاغل سے نجات دیتی ہے۔ صحابہ کرام کا ذکر الٰہی میں مشغول رہنا اور دنیا سے بے تعلق ہو جانا سب کو معلوم ہے۔ ان

جیسے درجات تو دنیا کا کوئی فرد بھی حاصل نہیں کر سکتا لیکن ان جیسے اعمال کی کوشش کرنا باعث فلاح دارین ہے اور کوشش ہر وقت ہر دور میں ہر شخص کر سکتا ہے۔ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار دہلی میں ہے ان کا یہ دستور تھا کہ جمعہ کے دن اپنے گھر میں جھاڑو دے دیا کرتے تھے مطلب صفائی کا نہیں بلکہ جو چیز بھی استعمال کی گھر میں ہوتی کپڑا، برتن، پیسہ، اوڑھنا بچھونا، لوٹا، بدھنا، فرش ہر چیز یہاں تک کہ جھاڑو بھی اپنے گھر میں نہ رکھتے تھے اور پھر ایسا ہی خدا ان کو دیتا تھا یعنی جمعہ کی نماز کے بعد سے ان کے معتقدین ان کی خدمت میں ہدیے لانا شروع کر دیتے اور پھر اگلے جمعہ تک وہ سب صدقہ ہو جاتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ انفاق

خود حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دستور تھا کہ جو رقم آپ کے پاس اپنی ذاتی صرف کی ہوتی اس کے تین حصے کرتے، ایک حصہ سب سے پہلے صدقہ ہو جاتا، باقی میں سے پھر تین حصے کرتے اور اس میں سے ایک حصہ اپنے تصرف میں لاتے تھے، باقی گھر بھیج دیتے اور یہ عمل کوئی مشکل نہیں ہے انسان اگر اپنی خواہشات کو کنٹرول کرے اور حاجت ضروریہ پوری کرنا شروع کرے تو بہت جلد اس کا نفس اس کے قابو میں آ سکتا ہے نفس کو قابو میں کرنا اور اس کو خدا کی اطاعت میں لگانا اور طریقہ رسول ﷺ سے زندگی گزارنا ہی کامیابی ہے دین اور دنیا دونوں جگہ کی۔ پھر ایسے لوگوں کو خدا کی مدد حاصل ہوتی ہے اور اس کے رسول ﷺ خوش ہوتے ہیں ان کو رسول پاک کی زیارت نصیب ہوتی بلکہ حضور ﷺ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ حضور پاک ﷺ کے دربار میں جا کر اللہ والے سلام کرتے ہیں تو جواب ملتا ہے اور اس قسم کے بیشتر واقعات ہم نے کتابوں میں پڑھے ہیں۔

زبان جوڑنے کا واقعہ

اسی قسم کا ایک واقعہ ہے کہ یمن کے ایک عالم تھے جو ہر سال حج بیت اللہ کو آتے اور ہر سال ایک قصیدہ لکھ کر لاتے اور حضور کے دربار میں کھڑے ہو کر سناتے

زور بھی نہیں بلکہ قصیدہ میں حضور کے ساتھ حضرات شیخین کو یعنی حضرت ابوبکر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی خطاب فرمانے اتفاق سے ایک شیعہ بھی وہاں موجود تھا اس کو یہ قصیدہ صحابہ کرام کی شان میں کب گوارا ہوتا چنانچہ قصیدہ کے بعد وہ ان عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو دعوت کے بہانہ اپنے گھر لے گیا وہاں جاکر اس بے ہودہ نے ان کے ساتھ یہ زیادتی کی کہ ان کی زبان کاٹ ڈالی کہ اب کیسے ذکر صحابہ کر سکے گا۔ وہ عالم مطلق پریشان نہ ہوئے بلکہ وہ کٹی ہوئی زبان کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے ہوئے وہاں سے آگئے اور دربار پاک میں اس کو دکھایا منہ سے کچھ بول نہ سکتے تھے اسی حالت میں گھر واپس چلے گئے اللہ والوں کو ایسی حالت میں بھی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا چنانچہ نیند آگئی تو خواب میں حضور ﷺ تشریف لائے اور وہ ٹکڑا اپنے ہاتھ سے ان کی زبان میں جوڑ دیا جب آنکھ کھلی تو دیکھا زبان بالکل صحیح سالم اور کوئی خراش تک نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ فصیح ہوگئی۔

روضہ اقدس سے سلام کا جواب

ایک ملنے والے بزرگ کا ابھی حال ہی میں انتقال ہوا ہے وہ ملیر کالونی میں دفن ہیں۔ فرماتے ہیں میں ایک دفعہ دربار نبوی ﷺ میں حاضر تھا رات کا وقت تھا لوگ جا چکے تھے ایک افریقی شخص لمبا چغہ پہنے داخل ہوا اور دربار کے پاس آکر کہا السلام علیک یا رسول اللہ تو دربار کے اندر سے آواز آئی وعلیک السلام۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں خود میں نے اپنے کانوں سے حضور ﷺ کی آواز سنی۔

بدعتی پیر کا سلام

ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے ان کے ایک مرید حج اور زیارت کو جارہے تھے خود شیخ نہ جاسکے تو مرید سے فرمایا حضور ﷺ سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ چنانچہ مرید جب دربار میں حاضر ہوئے تو اپنے پیر کا سلام پیش کیا۔ وہاں سے جواب ملا۔ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ چنانچہ مرید جب واپس ہوئے تو پوچھا ہمارا سلام بھی کہا تھا۔

طرز اختیار کیا' سارے کام کئے اور لیکن راز یہ ہے کہ قوم کی اصلاح انہی لوگوں
سے ہو سکتی ہے جن میں تقدس ہو' جن میں تقویٰ' طہارت' ذکر اللہ اور عبادت ہو اور
ان تقدس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور قوم ان
کی بات مانتی ہے ۔ یہ بات انہوں نے بہت تجربہ کی بات کہی ہے ۔ جہاں کہیں لوگوں کی
اصلاح ہوئی ہے وہ انہی لوگوں کے ذریعہ سے ہوئی ہے' جن کا اپنا عمل صحیح ہو' ورنہ
چاہے کتنا بڑا محقق عالم آدمی ہو ۔ کتنی بڑی لمبی چوڑی تقریریں کرتا ہو' وہ سب ہوا میں
اڑ جاتی ہیں اس کا اثر کچھ نہیں ہوتا۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے' بڑے
عجیب اور مخلص آدمی تھے' لیکن خطابت ان کی ایسی تھی کہ دشمنوں کو رام کر دے ۔ ان
کی خطابت کا یہ اثر تھا کہ کبھی ناکام واپس نہیں جاتے تھے اگر مجمع کو رلانا چاہیں تو
سارے مجمع کو رلا دیں' میں ایک مرتبہ ڈیرہ غازی خان گیا ۔ ایک صاحب کے مکان
میں قیام کیا' وہ صاحب شاہ صاحب کے مرید تھے ان صاحب نے فرمایا کہ جب وہ
آتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ دنیا میں کوئی نہیں ہے اور جب وہ چلے
جاتے ہیں تو اس کے بعد وہ بات نہیں رہتی بہرحال خطابت کا اثر وقتی ہوتا ہے اور اس
سلسلے میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے عجیب و غریب قصے ہیں البتہ ان
میں بزرگوں سے تعلق کا بھی ایک خاص رنگ تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص کمال عطا
فرمایا تھا ۔ اتنے بڑے خطیب ہونے کے باوجود بزرگوں کے ساتھ تعلق اور عقیدت اور
محبت بھی تھی' میرا جب بھی ملتان جانا ہوا تو کبھی ان سے ملاقات کے لئے نہیں جانا
پڑا ۔ بلکہ وہ خود ہی ملاقات کے لئے تشریف لے آتے اور اپنے بزرگوں کا بڑا احترام
کرتے تھے ۔

بہرحال' جہاں تک خطابت کا تعلق ہے' اس کا اثر تھوڑی دیر رہتا تھا اور ان
کے ذاتی تقدس کا جو اثر تھا وہ باقی رہتا تھا اور عام طور پر یہی دیکھا ہے کہ لمبی چوڑی
تقریر سے سننے والوں کی زندگی میں کوئی انقلاب نہیں آتا اور یہ جو مقدس بزرگ
ہوتے ہیں' جن کے اپنے اعمال صحیح اور سنت کے مطابق ہوتے ہیں ان کی چھوٹی سی
بات دلوں پر اثر کر جاتی ہے اور بعض اوقات زندگیوں کو بدل ڈالتی ہے ۔

مہمان کا اکرام اور دینی مضرت سے احتیاط

ارشاد فرمایا کہ مسٹر گاندھی بھی میرے پاس آئیں تو ان کا بھی اکرام کروں گا۔ مگر ایک شرط یہ لگاؤں گا کہ اپنے خیالات کی تقریر کرنے کا یہاں موقع نہ دیا جائے گا۔

تشریح: اس لئے کہ مہمان کا اکرام بھی ہے اور اپنے آپ کو مضرت سے بچانا بھی ہے۔

کفر و اسلام سے مرکب سیاست

سیاسی تدابیر جو خلاف شرع ہوں مسلمان کے لئے مفید نہیں ہوتی۔ کفار کے لئے مفید ہوں تو اس سے دھوکہ نہ کھائے۔

ارشاد فرمایا کہ جو سیاسی تدابیر کفر اور اسلام سے مرکب ہوں، جب اس کو کفار اختیار کرتے ہیں تو وہ اسلام سے قریب ہو جاتے ہیں اس لئے کامیاب ہو جاتے ہیں۔

تشریح: یعنی کفار اگر ایسی تدبیر اختیار کریں جو کفر اور اسلام سے مرکب ہو اور اس میں کچھ دین کا جزو ہو اور کچھ بے دینی کا جزو ہو تو کفار اس میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اس صورت میں کفار اپنے کچھ کفر کو چھوڑ کر اسلام کی طرف آ گئے اور اس میں تھوڑی سی اسلام کی برکت شامل ہو گئی۔ اور جب مسلمان ان تدابیر کو اختیار کریں تو وہ کفر سے قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے ناکام ہوتے ہیں۔ مسلمان قوم کا ایک خاص مزاج ہے ان کو کفار کے مزاج پر قیاس کرنا ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ بوجھ بجھکڑ کا قیاس مشہور ہے۔

گاؤں کا ایک آدمی کھجور کے درخت پر چڑھ گیا جب وہاں سے اترنا چاہا تو گرنے کا خطرہ ہوا۔ شور مچایا کہ لوگو میری جان بچاؤ اور کسی طرح یہاں سے اتارو۔ لوگ جمع ہو کر اپنے بوجھ بجھکڑ کے پاس گئے اور اس سے تدبیر پوچھی اس نے کہا کہ ایک مضبوط لمبا رسا لاؤ اور درخت کے اوپر پھینک دو اور اس شخص سے کہو کہ اپنی کمر پر باندھ لے پھر تم سب مل کر جھٹکا دو، وہ نیچے آ جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے وہاں سب

عقل مند لوگ ہی جمع تھے' چنانچہ انہوں نے اس کے کہنے پر پورا عمل کیا اور کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا انسان ایک منٹ میں نیچے آگیا' مگر ہڈی پسلی کوئی سالم نہ رہی اور دم توڑ دیا۔ یہ لوگ اپنے مرشد بوجھ بجھکڑ کے پاس دوڑے اور کہا کہ وہ تو مر گیا۔ بوجھ بجھکڑ صاحب نے فرمایا کہ میں اس کو کیا کروں' اس کی موت ہی آگئی تھی۔ اسے کون بچا سکتا تھا۔ ورنہ میری تدبیر تو بالکل سلامتی کی یقینی تھی۔ میں نے اس تدبیر کو کنویں میں گرے ہوئے بہت سے لوگوں پر استعمال کرکے ان کی جان بچائی ہے۔ بوجھ بجھکڑ نے کنویں کی گہرائی کو کھجور کی بلندی پر قیاس کر لیا اور قیاس کا نتیجہ سامنے آگیا۔

اسی طرح مسلمان اللہ کے نزدیک بلندی پر ہیں۔ کفار پستی میں ہیں ان کی نجات کے لئے ایک ہی تدبیر مفید ہونا ضروری نہیں۔

سلیقہ مندی مطلوب و محمود ہے

فرمایا کہ ہمارے ماموں صاحب جو نیک آدمی ہیں۔ مگر آزاد منش اس لئے بہت سی چیزوں میں مجھے ان سے اختلاف رہتا تھا۔ وہ آیات و روایات سے اپنے ذہن کے مطابق استدلال کیا کرتے تھے جو میرے نزدیک قواعد شرعیہ پر منطبق نہیں تھے۔ مگر ان کا ایک استدلال مجھے پسند آیا انہوں نے فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کی زرہ اور جنگ کے لئے لوہے کا لباس بنانے کا طریقہ سکھلایا گیا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ

یعنی زرہ میں آہنی کڑیاں ایک انداز کی ہونی چاہئیں۔ کیونکہ اگر کڑیاں چھوٹی بڑی ہو جائیں تو گو اس سے جنگی مقصد میں تو فرق نہیں آتا مگر نظری تنظیم کے خلاف ہے' اور ایک طرح کا حسن اس سے مختل ہو جاتا ہے۔

تشریح: یہ تعلیم بتا دیا کہ زرہ کی کڑیاں یکساں ہونی چاہئیں' اگر یکساں نہ ہوتیں جب بھی کام ہو جاتا مگر قرآن کریم نے "قَدِّرْ فِي السَّرْدِ" کہہ کر بتایا کہ جب ہمارے ہو

تو سامنے سے ہٹاؤ۔

اپنے بزرگوں پر اعتقاد کی وجہ

ارشاد فرمایا کہ میں جو اپنے بزرگوں کا معتقد ہوں، اس کی بناء یہ نہیں کہ میں ان کو سب سے بڑا عالم سمجھتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک یہ احتمال موجود ہے کہ دنیا میں ان سے بھی بڑے علماء موجود ہیں، میرے اعتقاد کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ والے تھے، دنیا دار نہ تھے، دنیا میں رہے۔ مگر ان کو دنیا کی ہوا نہیں لگی تھی دنیا کے مال و جاہ کی خواہش سے بالکل الگ تھلگ تھے۔ ان کا جو کام تھا وہ دین کی راہ پر اور دین کا تقاضہ تھا، خواہ اس میں اپنے ذاتی مصالح برباد ہو جائیں۔

تشریح: واقعۃً یہ اپنے ان بزرگوں کا مشاہدہ تھا، جو اب آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا ہے ایک وقت وہ تھا جب سارے بزرگوں کا ایک ہی رنگ تھا، ان کو اپنے نفس کے بارے میں کبھی یہ وہم و گمان بھی نہیں گزرتا تھا کہ وہ بڑے عالم ہیں، بڑے بزرگ ہیں جس کو بھی دیکھو وہ سب کچھ جانتا ہے مگر اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے جہاں تک دنیا کو دیکھا بڑے بڑے علماء دیکھے درویش بھی دیکھے صحیح معنی میں حقیقی طور پر کامل لوگوں کو دیکھا۔ مگر جو شان اپنے بزرگوں میں دیکھی کہ سب کچھ ہیں، پھر بھی کچھ نہیں، اپنے آپ کو مٹائے ہوئے ہیں۔ یہ مٹانے کی شان ان بزرگوں میں خصوصیت کے ساتھ تھی، جو اب فنا ہو گئی ہے۔

فکر اصلاح کیجئے

بہر حال محض باتیں سننا مقصود نہیں، اپنے نفس کی اصلاح میں لگ جانا چاہئے، اپنے عیوب کو سوچو، فکر کرو، محاسبہ کرو کہ کیا ہیں اور کیا کوتاہی ہے۔ ہر شخص اپنا اپنا محاسبہ کرے۔ کوتاہی کو دیکھے پھر اس کے علاج کی فکر میں لگے اور صرف اپنی فکر نہیں بلکہ اپنی اولاد اور گھر والوں کی بھی فکر کرنی چاہئے۔ ان سب باتوں کے سننے سنانے اور بزرگوں

کی صحبت کا اصل فائدہ یہ ہے جب ہمارے دل میں یہ تڑپ پیدا ہو جائے کہ ہم اپنے محاسبہ خود کرنے لگیں کہ ہم سے کیا کیا غلطیاں ہوتی ہیں۔ کیا کیا کوتاہیاں ہمارے اندر ہیں۔ ان کا علاج کیسے ہو؟ مجاہدوں سے علاج ہوتا ہے۔ جو شخص کرے گا مجاہدہ کرے گا فکر کرے تو انشاء اللہ نفس قابو میں آ جائے گا۔

چند ارشادات

اصل آدمی

حضرت نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب ؒ کی دارالعلوم کراچی تشریف آوری کے موقع پر اپنی قیام گاہ پر بجماعت استراحت حضرت شیخ ؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے ہم ہیں ویسے تم ہو، ہاں ایک فرق ہے وہ یہ کہ ہم نے آدمی دیکھے ہیں اور تم نے آدمی نہیں دیکھے ہیں، کوئی نقل ہمیں آدمی کے روپ میں دھوکہ نہیں دے سکتا، ایک تم ہو کہ تم نے آدمی دیکھے نہیں اس لئے تم دھوکہ کھا جاؤ گے اور پہچان نہ سکو گے کہ یہ آدمی ہے یا نقل۔ حضرت شیخ ؒ نے تائید میں فرمایا کہ صحیح فرمایا اور حضرت ؒ نے حضرت شیخ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ان لوگوں نے کتاب والوں کو پڑھا تھا اور ہم نے صرف کتابیں پڑھی ہیں۔ حضرت مفتی صاحب ؒ نہایت تواضع کے ساتھ بار بار حضرت شیخ ؒ کا تشریف لانے پر شکریہ ادا کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ مجھے عرصہ سے آپ کی زیارت کی تمنا تھی اللہ تعالیٰ نے آج پوری کر دی۔ اس دوران میں حضرت رو رہے تھے، عجیب عالم تھا، دونوں حضرات آمنے سامنے گاؤ تکیے کے ساتھ سہارا لئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد دونوں حضرات کی تنہائی میں بات چیت ہوئی، پھر حضرت شیخ ؒ دارالافتاء میں تشریف لے گئے۔

نعمتیں

فرمایا جوانی میں جو صحت اور قوت ہوتی ہے وہ اور بے فکری اور فراغت بڑی نعمتیں ہیں۔

عافیت بڑی نعمت ہے

فرمایا عافیت بڑی نعمت ہے' اس سے دین میں مدد ملتی ہے' باقی زیادہ تمول (مالداری) تو (خدا سے) بھلا ہی دیتا ہے' عذاب ہے' ہروقت ہزاروں فکریں پھر بدون عافیت سب ہیچ ہے۔

برکت اعمال

فرمایا اعمال کی برکت سے دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے' فرمایا' نامحرم عورت کی آواز سننے سے بچنا چاہئے' خصوصاً رونے سے' فرمایا اعمال کے خواص ہیں اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔

دعا قبول ہوتی ہے

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک جلدی نہ کرے۔

تکرار عمل کا فائدہ

فرمایا' تکرار عمل سے ہر عمل صعب (مشکل) سہل ہو جاتا ہے۔

فضول خرچی سے بچئے

فرمایا' اپنے فضول اخراجات کو موقوف کرو' بس ضروری خرچوں میں وہی آمدنی خرچ کرو۔

فضولیات میں مشغول ہونا

فرمایا جو شخص فضولیات میں مشغول ہو گا' عادۃً وہ ضروریات میں ضرور کوتاہی

کریگا اور فرمایا جتنے بھی مباحات ہیں اُن سب کی کثرت مضر ہے ۔

بلا ضرورت اچھی باتیں بھی مضر ہیں

فرمایا اگر اچھی اچھی باتیں بھی بلا ضرورت کی جائیں تو ان کا بھی یہ اثر ہوتا ہے کہ دل بے رونق ہو جاتا ہے ۔

قلب بڑا مفتی ہے

فرمایا قلب بڑا مفتی ہے، جب خوف ہوتا ہے تو سب تدبیریں اداءِ حقوق کی سوجھنے لگتی ہیں ۔

اخلاقیات

معیار قساوت

فرمایا تاثر عقلی یا اعتقادی و عملی کا فقدان قساوت (دل کا سخت ہو جانا) ہے۔

نادانی کی محبت

فرمایا، نادانی کی محبت ماں کی محبت ہے کہ بچہ کو جاہل رکھتی ہے۔

بے تکلفی کی علامت

فرمایا، بے تکلفی کی علامت یہ ہے کہ ہم پیر پھیلا کر اس کے کندھے پر بھی رکھ دیں تو بھی کسی جانب انقباض نہ ہو۔

مخلوق کا برا کہنا

فرمایا مخلوق کے برا کہنے کا کیا خیال؟ حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صرف رکھنا چاہیے۔

کردار کی درستی

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم اگر اپنی اصلاح کر لیں تو تمام دنیا سدھر سکتی ہے اور بغیر کسی ظاہری تبلیغ کے بھی بہت کچھ سدھر سکتی ہے۔ ہمارے اسلاف نے الفاظ سے زیادہ کردار سے اسلام کی تبلیغ کی ہے"۔

انسان کی سعادت وفضیلت

"عیش پرستی اور اس کے لئے طرح طرح کی ایجادات کو سرمایہ فضل وکمال سمجھنا اس شخص کا کام ہے جو حقیقی فضل وکمال سے محروم ہو کیونکہ انسان کی سعادت

وفضیلت صرف اس میں ہے کہ اپنے مالک کے حق کو پہچانے۔ اس کی یاد اور اطاعت وعبادت میں اپنے اوقات مشغول رکھے' دنیاوی سامان صرف اس قدر جمع کرے جس کے بغیر کام نہیں چلتا۔

بد دینی کا اثر

فرمایا بد دین آدمی اگر کسی اور کی بات کی نقل بھی کرے مثلاً بد دین نحوی کوئی کتاب لکھے گو اس میں کوئی مسئلہ بد دینی کا نہیں ہے مگر اس کے دیکھنے سے بد دینی کا اثر دل میں پیدا ہوگا۔

پاکستان بننے پر کیا کرنا تھا؟

اللہ پاک نے پاکستان بنوا دیا۔ کوئی حالات تو ایسے سامنے نہ تھے۔ کچھ اللہ کے بندوں کی آواز اللہ پاک نے سن لی اور ایک قطعہ زمین کا دے دیا۔ خواب تو یہ دیکھا تھا کہ اسلامی سلطنت بن جائے گی اور اس ملک کو دنیا کا دارالامان سمجھا جائے گا۔ ہوا یہ کہ جتنے دنیا بھر کے گناہ ہیں۔ اس میں پوری قوم جس کو جتنا موقع ملا اندھے بن کر چڑ گئے۔ دیندار طبقہ جو کہلاتا ہے وہ بھی اس سے نہ بچ سکے یعنی علماء اور دیندار بھی حسب طاقت ان بیماریوں میں پڑ گئے۔ جنہوں نے مال و دولت نہ کمایا۔ وہ اپنی بڑائی اور نفس کی بیماریوں سے مستثنیٰ نہیں' سب ایک کشتی میں سوار ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ہم اپنے کو سنوارتے کم از کم قدم تو اصلاح کی طرف ہوتا۔ بلکہ نظر یہ آیا کہ ہر شخص اصلاح کے میدان سے پیچھے ہٹ کر برسوں دور جا رہا ہے۔ آج ہم کافروں پر الزام لگاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم سب مجرم ہیں اللہ کے۔ اور ان باطنی بیماریوں میں مبتلا ہیں بلکہ دن بدن اضافہ ہے۔ شہوانی گناہوں سے صرف دفاتر' دوکانیں' بازار نہیں۔ بلکہ مسجدیں' خانقاہیں بھی خالی نہیں اور جاہی بیماری نے صرف ممبر اور سیاست ہی نہیں دین کو بھی اکھاڑہ بنا لیا ہے اور دیندار علماء بھی اس جاہ کے چکر میں ہیں۔

نزہۃ البساتین

نزہۃ البساتین ایک کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ روض الریاحین ہے اس کو پڑھنا چاہیے فوری طور پر حالات میں تبدیلی ہوتی ہے خوشگوار اثر ہوتا ہے (اس کتاب میں اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی سچی ۵۰۰ حکایات ہیں اور دارالاشاعت [illegible] روڈ کراچی [illegible] سے شائع ہوئی ہے)۔

مجلس : ۶۲

دارالعلوم دیوبند اور اس کا مزاج و مذاق

دارالعلوم دیوبند برصغیر کی وہ عظیم علمی درس گاہ ہے جس نے گزشتہ صدی میں عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیتیں پیدا کیں اور ملت کی فکری اور علمی رہنمائی کر کے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کا سبب

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ وہ کیوں قائم ہوا اور اس نے کیا خدمات انجام دیں؟ ان سوالات کا صحیح جواب معلوم کرنے کیلئے آج سے تقریباً ایک صدی پہلے کے حالات پر ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے کیونکہ یہی حالات دارالعلوم دیوبند کے قیام کا سبب بنے اور اس درس گاہ کو اسی وقت ٹھیک ٹھیک سمجھا جا سکتا ہے جبکہ اس کے قیام کا پورا پس منظر سامنے ہو۔

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کو مغربی تسلط سے نکالنے کی آخری کوشش تھی اور اس تحریک نے انگریز حکمرانوں پر کم از کم یہ بات ضرور واضح کر دی تھی کہ مسلمان ایسی قوم ہے جو کسی بھی حالت میں غلامی پر قانع نہیں ہو سکتی' چنانچہ اس مرحلہ پر انگریز نے اپنی پالیسی میں تبدیلی کی اور وہی انگریز جس نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا کر اور سینکڑوں کو تختہ دار پر کھینچ کر ہندوستان میں' بچے کھچے جامے تھے اب ہندوستانی عوام کا خیر خواہ بن کر ان کے سامنے آیا' مقصد یہ تھا کہ جو قوم زور اور زبردستی سے قابو میں نہیں آ سکی اس کے ذہن کو رفتہ رفتہ ایسا بدلا جائے کہ وہ ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کو فراموش کر بیٹھے' وہ اپنی دینی روایات' تہذیبی اقدار اور تابناک ماضی سے دھیرے دھیرے بے خبر ہوتی چلی جائے'

یہاں تک کہ ایک عرصے کے بعد اسے یہ یاد ہی نہ رہے کہ
وہ کیا کر دوں تھا تو جس کا یہ اک ٹوٹا ہوا تار

اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ موثر حربہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں کچھ ایسی انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں جن کے ذریعہ ان کے ذہنوں پر مغرب کی ہمہ جہتی بالادستی کا سکہ بٹھایا جا سکے اور وہ اس بالادستی سے مرعوب ہو کر اپنے ذہن سے سوچنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔ چنانچہ لارڈ میکالے نے ہندوستانی باشندوں کے لئے ایک نئے تعلیمی نظام کی سفارش کی اور اس غرض کے لئے ایک طویل یادداشت مرتب کی جس میں اسلامی اور مشرقی علوم کا پوری ڈھٹائی کے ساتھ مذاق اڑایا۔ مسلمان علماء پر بے جا الزامات لگائے اور آخر میں صاف صاف لکھا کہ:

"ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں، ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطہ نظر سے انگریز"۔

مسلمانوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے انہیں ہمیشہ کے لئے انگریز کا غلام بنا دینے کی یہ سازش درحقیقت ہندوستان پر اپنے اس اقتدار کو سنبھالا دینے کے لئے تیار کی گئی تھی جو آزادی کی مختلف تحریکوں کی بناء پر ہر وقت ڈانواں ڈول رہتا تھا اور جس کی حفاظت کے لئے توپ و تفنگ کی طاقتیں ناکام ہو چکی تھیں۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے ایک چھوٹے سے شعر میں اس سنگین انگریز سازش کو بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

توپ کھسکی پروفیسر آئے
جب بسولہ ہٹا تو رندا ہے

اہل بصیرت علماء کی دور اندیشی

لیکن مسلمانوں میں سے اہل بصیرت علماء اس خطرناک سازش کے دور رس

اثرات سے غافل نہ تھے، وہ جانتے تھے کہ اگر اس مرحلہ پر مسلمانوں کے دین وایمان
کی حفاظت کے لئے کوئی موثر قدم نہ اٹھایا گیا تو کچھ عرصے کے بعد یہ قوم ایک علیحدہ
قوم کی حیثیت سے اپنا وجود ہی کھو بیٹھے گی اور چند نسلوں کے بعد ان میں شاید یہ بات
جاننے والا بھی کوئی نہ رہے کہ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کی بنیادی خصوصیات
کیا ہیں؟

اب تک اس دور کے اہل بصیرت علماء اس کوشش میں مصروف تھے کہ
ہندوستان سے انگریز کے سیاسی اقتدار کو ختم کیا جائے اور اس مقصد کے لئے آزادی
کی مختلف تحریکوں کے ذریعہ وہ انگریزوں کے خلاف نبرد آزما ہو چکے تھے، لیکن جب
اس خاموش مگر سنگین سازش کا انکشاف ہوا تو انہوں نے بھی اپنی پالیسی میں فوراً
تبدیلی کر کے سیاست کی راہ سے انگریز کے براہ راست مقابلے کو فوراً چھوڑ دیا، اس
تعلیمی نظام کی ہلاکت آفرینیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کا ایک ہی راستہ تھا اور وہ
یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے خود ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں جن میں وہ
اسلام کو اپنی صحیح شکل وصورت کے ساتھ محفوظ رکھ سکیں۔ چنانچہ ان حضرات نے
سیاست کو بالکلیہ خیرباد کہہ کر اپنی ساری توانائیاں اسی کام میں صرف کر دیں، حضرت
مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت
حاجی سید عابد حسین صاحب یہ وہ حضرات تھے۔ جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد میں
نمایاں حصہ لیا تھا اور یوپی کے ایک چھوٹے سے خطے میں باقاعدہ اسلامی حکومت بھی
قائم کر لی تھی اور اسی کے صلے میں انہیں عرصہ دراز تک حکومت کا معتوب بھی
رہنا پڑا، لیکن جب تعلیمی نظام کا یہ منصوبہ سامنے آیا تو ان حضرات نے سیاست کے
کوچے کو بالکلیہ ترک کر کے دیوبند کے مقام پر ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی اور
اسی درس گاہ کا نام آج "دارالعلوم دیوبند" ہے۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان میں کسی دینی درس گاہ کو قائم کرنا موت کے
مصائب کو دعوت دینے کے مترادف تھا، دہلی میں جہاں سلطان محمد تغلق کے دور میں
ایک ہزار مدارس قائم تھے، انگریزی تسلط کے بعد ایک بھی مدرسہ باقی نہ رہا تھا، علماء
بھی جہاد میں حصہ لینے کے جرم میں یا پھانسی پر چڑھا دیئے گئے تھے یا انہیں کالا پانی

بھیج دیا گیا تھا۔ باقی ماندہ حضرات منتشر اور اپنے اپنے حالات میں گرفتار تھے اس لئے ان حضرات نے اس درس گاہ کے لئے کسی شہر کے بجائے قصبہ دیوبند کو پسند کیا اور کچھ علماء کو جمع کرکے اس سلسلہ خیر کا آغاز کر دیا۔

دارالعلوم دیوبند کا بنیادی مقصد اسلام کی حفاظت

اس درسگاہ کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام اور اسلامی علوم کو مٹانے کی جو کوششیں لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے ذریعہ کی جا رہی ہے اسے ناکام بنا کر اسلامی علوم کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کی جائے اور ایسے جاں نثار علماء کی ایک کھیپ تیار کر دی جائے جو سخت سے سخت حالات میں دین کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں بلکہ اسے دوسروں تک پھیلا اور پہنچا سکیں اور اس طرح عام مسلمان الحاد اور بے دینی کے ان فتنوں سے باخبر ہو سکیں جو مغربی طرز فکر اپنے ساتھ لائے گا تاکہ جب بھی مسلمان کو مغرب کے سیاسی اقتدار سے آزادی نصیب ہو تو انہیں اسلامی نظام زندگی قائم کرنے کے لئے اسلام کی ہدایت جوں کی توں محفوظ مل جائیں اور وہ ان کی بنیاد پر اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکیں۔

سن تاسیس اور جگہ کا انتخاب

چنانچہ مورخہ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو نہایت سادگی کے ساتھ اس عظیم دینی درس گاہ کا آغاز کیا گیا اس درس گاہ کے بانیوں کا مقصد چونکہ دین کی پرخلوص خدمت تھی اس لئے اس کے قیام کے لئے نہ اخبار و اشتہار کا اہتمام ہوا نہ اس مقصد کے لئے کوئی باضابطہ بورڈ قائم کیا گیا۔ نہ شہرت اور نام و نمود کے دوسرے طریقے اختیار کئے گئے بس اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے دیوبند کے چھوٹے سے قصبہ کی ایک چھوٹی سے مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے تھے ایک انار کے درخت کے نیچے آب حیات کا یہ چشمہ جاری کر دیا" اس عظیم الشان تعلیمی منصوبے کو عملاً شروع کرنے والے صرف دو افراد تھے۔ ایک استاد ایک شاگرد دونوں کا نام محمود

تھا۔ استاد حضرت ملا محمود دیوبندی تھے جنہیں مدرس کی حیثیت میں میرٹھ سے بلایا گیا تھا اور شاگرد دیوبند کے ایک نوجوان محمود الحسن تھے جو بعد میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب ﷫ کے نام سے معروف ہوئے اور جنہوں نے اپنی ریشمی رومال کی تحریک کے ذریعہ انگریزی حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ ڈال دیا۔

دارالعلوم کی ابتداء ایک انار کے درخت کے سایہ میں ہوئی تھی کسے معلوم تھا کہ یہ دو افراد جو اتنی مسکنت اور گمنامی کے ساتھ یہاں ایک چشمہ فیض جاری کر رہے ہیں بالآخر برصغیر کی تاریخ کا رخ موڑ کر رکھ دیں گے لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی سادہ سی درسگاہ سے علم و فضل کے ایسے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا۔ درسگاہیں دنیا میں بہت سی قائم ہوئی ہیں' دینی درس گاہوں کا بھی کسی دور میں فقدان نہیں ہوا لیکن اللہ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور جو امتیاز بخشا وہ بہت کم علمی اداروں کے حصے میں آتا ہے۔ یہاں مجھے مختصراً اسی امتیاز کو واضح کرنا ہے۔

خصوصیات دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض ایک درس گاہ کا نہیں ایک خاص نظریے اور ایک خاص طرز عمل کا نام ہے۔ اس درس گاہ کی بنیاد ہی چونکہ اس لئے رکھی گئی تھی کہ اس کے ذریعہ اسلام اور اسلامی علوم کو اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ رکھا جائے اس لئے اس کا مسلک یہ رہا ہے کہ دین صرف کتابی حروف و نقوش کا نام نہیں ہے اور نہ دین محض کتابوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اللہ نے ہمیشہ کتاب کے ساتھ رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنے عمل سے کتاب کی تفسیر کرے۔ چنانچہ ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ دنیا میں رسول بھیجے گئے مگر کتاب نہیں آئی لیکن ایسی مثال کوئی ایک بھی نہیں ہے کہ صرف کتاب بھیج دی گئی ہو اور اس کے ساتھ رسول کوئی نہ آیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بتلاتی ہے کہ دین کو سمجھنے سمجھانے اور پھیلانے پہنچانے کا راستہ صرف کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ اشخاص بھی ہیں جو کتاب کا عملی پیکر بن کر اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں لہٰذا دین کو سمجھنے کے لئے کتاب اللہ اور

رسول اللہ، لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن کریم کو آنحضرت ﷺ کی تفسیر و تشریح کی روشنی میں اور سنت رسول اللہ ﷺ کو صحابہ، تابعین اور دوسرے بزرگان دین کے متواتر عمل کی روشنی میں ہی ٹھیک ٹھیک سمجھا جاسکتا ہے اس کے بغیر دین کی تعبیر و تشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف جاتی ہے۔

ہاں دین کے ان سرچشموں میں مراتب کا فرق ضرور ہے، جو مقام اللہ تعالیٰ کا ہے وہ کسی نبی کو حاصل نہیں ہو سکتا، جو مرتبہ ایک نبی کا ہے وہ کسی صحابی کو نہیں مل سکتا اور جو درجہ ایک صحابی کو حاصل ہے کوئی بڑے سے بڑا ولی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بس فرق مراتب کے ساتھ دین کے ان سرچشموں میں سے ہر ایک کے حقوق و حدود کی رعایت دارالعلوم دیوبند کا وہ خصوصی مزاج ہے جس نے اسے دوسرے اداروں سے امتیاز عطا کیا ہے اور جس کی بناء پر اس کا مسلک مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ایک ایسی راہ اعتدال کی حیثیت رکھتا ہے جو افراط و تفریط سے بچتی ہوئی کتاب و سنت تک پہنچتی ہے۔

اور جب دارالعلوم دیوبند کا اساسی نظریہ یہ ٹھہرا کہ دین کتاب اللہ اور رجال اللہ کے مجموعہ کا نام ہے تو یہیں سے اس کا ایک دوسرا عملی امتیاز ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دارالعلوم اپنے عہد شباب میں محض ایک علمی درس گاہ نہیں تھی جس میں طلباء کو صرف کتابوں کے حروف و نقوش اور صرف علم کا ظاہری خول دیا جاتا ہو بلکہ یہ ساتھ ساتھ ایک عملی تربیت گاہ بھی تھی، جہاں علم کے ظاہری بدن میں عمل صالح اور اخلاق و تقدس کی روح بھری جاتی تھی، یہاں سے فارغ ہو کر نکلنے والے صرف ظاہری علوم ہی سے آراستہ نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ عملی اعتبار سے بھی سچے اور پکے مسلمان ہوتے تھے جن کی ہر ہر نقل و حرکت اسلام کی نمائندگی کرتی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کا منفرد دور

میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یاسین صاحب ؒ دارالعلوم کے قرن اول کے طلباء میں سے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے

جب اس کے ایک چپراسی سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر ہر شخص ولی کامل تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم وفنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن سے گونجتا تھا۔ چنانچہ اس دور میں جو شخصیتیں دارالعلوم دیوبند سے تیار ہوئیں انہوں نے عبادات ' معاملات ' اخلاق ' معاشرت ' سیاست اور اجتماعی امور میں ایسے ایسے تابناک کردار پیش کئے ہیں کہ آج اس کی نظیر ملنا مشکل ہے 'ان میں سے ہر شخص اسلام کی مجسم تبلیغ تھا' وہ جہاں بیٹھ گیا' ایک جہاں کو سچا مسلمان بنا کر اٹھا' علم اگر روح عمل سے خالی ہو تو عموماً انسان میں خود پسندی اور پندار پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن دارالعلوم دیوبند کا علم چونکہ روکھا پھیکا علم نہ تھا' بلکہ اس میں اخلاق وعمل اور عشق ومحبت کا سوز وساز بھی شامل تھا۔ اس لئے اس کی تیسری خصوصیت یہ رہی ہے کہ اس کا پورا ماحول تواضع اور سادگی اور بے تکلفی کا ماحول تھا وہاں ہر شخص علم وعمل کا آفتاب ہونے کے باوجود عبدیت اور تواضع کا پیکر تھا اس جماعت کے افراد ایک طرف عملی وقار استغناء اور خودداری کے حامل تھے اور دوسری طرف فروتنی' خاکساری اور ایثار وزہد کے جذبات سے معمور۔

علماء دیوبند کے کارنامے اور ان کی سادگی

دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر علم وفن میں یگانۂ روزگار تھے 'ان کی تصانیف آج بھی ان کے علوم کی شاہد ہیں' لیکن سادگی کا عالم یہ تھا کہ ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے دیکھنے والا پتہ بھی نہ لگا سکتا تھا کہ یہ وہی مولانا محمد قاسم ہیں جنہوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں غیر مسلموں اور مخالفوں سے بھی اپنے علم وفضل کا لوہا منوایا ہے۔ حضرت مولانا سید احمد دہلوی دارالعلوم کے قرن اول کے اساتذہ میں سے تھے اور فلسفہ ریاضی ' ہیئت اور دیگر عقلی علوم میں اس وقت ان کا ثانی نہیں تھا' انہوں نے ساری عمر دیوبند کے قصبہ میں گذاری اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ دیوبند میں ان کی ذاتی جائیداد تو کیا رہنے کا مکان بھی اپنا نہیں تھا۔ تعظیمی القاب کے تکلفات تو بہت بعد میں پیدا ہوئے 'حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب جو دارالعلوم کے پہلے طالب

علم تھے اور بعد میں علم وسیاست دونوں میدانوں میں عالمگیر شہرت حاصل کی جب وہ دارالعلوم کے صدر مدرس ہوئے تو انہیں صرف "بڑے مولوی صاحب" کہا جاتا تھا۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دارالعلوم کے مفتی اعظم تھے لیکن مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ محلے کی بیواؤں یتیموں اور بے کس افراد کا سودا سلف خود اپنے ہاتھوں سے لاکر انہیں پہنچایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین (جو حضرت میاں صاحب کے نام سے معروف ہیں) حدیث کے اونچے درجے کے اساتذہ میں تھے' لیکن آخر عمر تک ایک کچے مکان میں مقیم رہے اور صرف اس لئے پختہ مکان نہیں بنوایا کہ محلہ غریبوں کا تھا اور جب تک سب کے مکان پختہ نہ بن جائیں اپنا مکان پکا کرانے کو دل نہیں مانتا تھا۔

حکیم الامت کا نظم وضبط

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں آج دنیا اس صدی کے عظیم راہنما کی حیثیت سے جانتی ہے اور جنہوں نے ایک ہزار سے زیادہ تصانیف چھوڑی ہیں۔ ایک امیر گھرانے کے چشم وچراغ تھے' لیکن دارالعلوم میں طالب علمی کی زندگی اس طرح بسر کی کہ مدرسہ کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں رہتے اور طالب علمی ہی کے زمانے میں اوقات کے نظم وضبط کا عالم یہ تھا کہ ان کی مصروفیات کو دیکھ کر وقت معلوم کیا جاسکتا تھا' زمانہ امتحان کا ہو یا عام تعلیم کا ہمیشہ عشاء کے بعد سو جاتے اور آخر شب میں تہجد کے لئے بیدار ہوتے۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔ اس علمی ادارے کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے مسلک اعتدال کی طرف دعوت اور دوسروں پر تنقید کے سلسلے میں پیغمبرانہ اسلوب تبلیغ اختیار کیا جس میں مخالف کو زیر کرنے کے بجائے اس کی دینی خیر خواہی کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے' دارالعلوم دیوبند نے حق کے معاملے میں مداہنت کو کبھی گوارا نہیں کیا اور جس بات کو حق سمجھا اس کا برملا اظہار بھی کیا لیکن اس اظہار میں حکمت اور نرمی کا پہلو ہمیشہ مدنظر رکھا گیا۔

مقصد دارالعلوم دین کی حفاظت

دارالعلوم دیوبند کا اصل مقصد چونکہ دین کی حفاظت تھا اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہو سکتا تھا جب تک ایک جماعت دوسرے ہر کام کو چھوڑ کر صرف اسی کی نہ ہو رہے اس لئے انہوں نے دنیوی مناصب اور عہدوں سے قطع نظر کر کے اور خود پیٹ پر پتھر باندھ کر اس خدمت کو انجام دیا لیکن عام مسلمانوں کی مادی ترقی کی فکر انہیں ہمیشہ دامن گیر رہی اور انہوں نے ہر اس پرخلوص تحریک کے ساتھ مقدور بھر تعاون کیا جو دین کو محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی فلاح اور مادی ترقی کا مقصد لے کر آگے بڑھی ہاں جس جگہ مادی ترقی کے شوق میں انہیں دین پامال ہوتا نظر آیا وہاں وہ دین کی حفاظت کے لئے سد سکندر بن گئے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دو سو سال تک انگریز اور ہندو کی دوہری چکی میں پسنے کے باوجود اللہ کے فضل وکرم سے آج دین اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے۔ برصغیر میں دین کو سمجھنے والے اس کی دعوت دینے والے اور اس پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والے موجود ہیں اور عام مسلمان بھی مغربی افکار کے بے پناہ سیلاب کے باوجود نظری طور پر آج بھی مسلمان ہیں اور اسلام پر فخر کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور عظیم شخصیتیں

دارالعلوم دیوبند نے جتنی عظیم شخصیتیں پیدا کیں اتنی شخصیتیں کم ہی کسی علمی درسگاہ کے حصے میں آتی ہیں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی اور نہ جانے علم و عمل کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب اس درس گاہ سے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ہر شخص ایک مستقل جماعت کی حیثیت رکھتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند درحقیقت انہی شخصیتوں اور انہی طرز فکر اور طرز عمل کا نام

ہے جس کی مختصر تشریح اوپر پیش کی گئی۔

میں نے اپنی آنکھ دارالعلوم دیوبند ہی کے پرنور صحن میں کھولی اور تریپن سال اس مادر علمی کی آغوش میں گذارے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے انوار و فیوض کا ہر شعبہ ایک ضخیم تصنیف چاہتا ہے اور آج جب کوئی شخص مجھ سے یہ پوچھتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کے امتیازی خصائص کیا ہیں؟ تو میں اس شعر کے سوا ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دے پاتا کہ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد؟

اسلام کے قرنِ اول میں تعلیم کا نصاب اور نظام

نظامِ تعلیم

قرآن کریم نے تعلیم کو یہ اہمیت دی ہے کہ رسول کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی تعلیم کو قرار دیا اور اسی لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا "انما بعثت معلما" یعنی مجھے تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے قرآنی ارشادات کے باعث ایک طرف تو ہر مرد و عورت پر علم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا' دوسری طرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہر مسلمان پر ڈال کر ایک حیثیت سے اس کا اعلان کر دیا کہ ہر مسلمان کو اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے معلم ہونا چاہئے۔ ارشاد قرآنی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

یعنی تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے (تمہارا کام ہی یہ ہے کہ) لوگوں کو نیک کاموں کے لئے کہا کرتے اور برے کاموں سے روکتے ہو۔

ارشاد رسول ﷺ ہے

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔

یعنی تم میں ہر شخص نگران ہے اور جس کی نگرانی اس کے سپرد کی گئی ہے اس کا وہ مسئول ہے۔

پھر خصوصیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت ہمیشہ موجود رہنی چاہئے جس کا کام ہی تعلیم و تبلیغ ہو۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

یعنی مسلمانوں میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت دے اور برائیوں سے روکے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

لَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ۔

یعنی ایسا کیوں نہیں ہوا کہ مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت اس کام کے لئے نکل کھڑی ہوتی کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کرے۔

قرآن کریم کے ارشادات مذکورہ نے تعلیم کا ایک ایسا فطری آسان اور سستا نظام وضع فرمایا کہ اس کے ذریعہ تعلیم غیر شعوری طور پر جبری اور مفت ہوگئی اور ضروری معلومات کی حد تک مسلمانوں کا ہر گھر ایک پرائمری مدرسہ اور ہر خاص و عام مسلمان اس کا معلم بن گیا۔ بچہ کے لئے آغوش مادر سب سے پہلا مدرسہ ہوگیا جہاں سے وہ غیر شعوری طور پر بہت سا علم، اخلاق، عادات لے کر نکلتا ہے اور جب تک مسلمانوں نے اس ہدایت پر عمل کیا ان کا بچہ کسی مکتب و مدرسہ میں جانے سے پہلے اتنا علم حاصل کر لیتا تھا جو آجکل کے پرائمری مدرسہ میں بھی حاصل ہونا مشکل ہے۔ صحابہ کرام جو رسول اللہ ﷺ کے بلا واسطہ شاگرد ہیں ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ حکم ملا تھا کہ

بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً۔

یعنی میری تعلیم دنیا کو پہنچا دو (جس کو جتنی حاصل ہو) اگرچہ وہ ایک چھوٹا سا حصہ ہو۔

ان حضرات نے اس حکم نبوی کو مقصد زندگی بنا لیا اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر جس کے پاس جتنا علم رسول کریم ﷺ سے حاصل کیا ہوا تھا وہ اس کو خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ایک امانت سمجھ کر عام مسلمانوں تک پہنچانے کو اپنا فرض سمجھتا اور پہنچاتا

تھا۔ حضرت معاذ ؓ کا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ ایک حدیث بیان کرنے سے
رہ گئی تھی جب ان کی وفات کا وقت آیا تو لوگوں کو جمع کر کے وہ حدیث سنائی اور فرمایا
کہ یہ کام میں نے اس لئے کیا ہے کہ اس امانت کو اپنے سینہ میں لئے ہوئے دنیا سے
رخصت ہو جاؤں تو گناہ گار ہوں گا۔ تعلیم و تبلیغ کا یہ عام طریقہ تو ہر صحابی کا شعار
لازم تھا ہی اس کے ساتھ ان حضرات میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جنھوں نے رسول
کریم ﷺ کے نقش قدم پر اپنا مقصد زندگی صرف تعلیم و تبلیغ ہی کو بنا لیا تھا۔ یہ علماء
صحابہ اور فقہاء صحابہ کہلاتے ہیں یہ حضرات جس خطہ میں بھی بیٹھ گئے وہ علوم عالیہ کا
ایک بڑا مدرسہ یا کالج بن گیا' اور اطراف سے طلباء علم جوق در جوق وہاں جمع ہو کر
ان سے مستفید ہوئے اور عالم بن کر اپنے اپنے اطراف میں پہنچے۔ اس طرح دنیا میں
علوم اسلامیہ کی تعلیم عام ہوتی چلی گئی۔

نصاب تعلیم

اسلامی تعلیم جس میں انسان کے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اور عائلی خانگی
زندگی سے لے کر ملکی اور سیاسی زندگی تک اس کی ہر انفرادی اور اجتماعی ضرورت کے
لئے مکمل ہدایات موجود ہیں اس کے محور دو ہیں قرآن' سنت' اسلام کے قرن اول
میں مسلمان ہونے والے حضرات عموماً عرب تھے جو قرآن و سنت کی زبان (عربی)
سمجھنے پر براہ راست قادر تھے۔ ان کو صرف و نحو' معانی' بیان' ادب عربی وغیرہ علوم
آلیہ پڑھنے سیکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ان کی معاشی اور سیاسی ضرورتیں بھی مختصر
تھیں اس لئے ان کا نصاب درس براہ راست کتاب و سنت تھا۔

ابتدائی دور میں یہ دونوں چیزیں بھی کتابی صورت میں مدون نہ تھیں۔ اس
لئے تعلیم زبانی ہوتی تھی البتہ قرآن کی آیات کو لکھنے لکھوانے کا اہتمام تھا۔ بترتیب
نزول جو آیت نازل ہوتی لکھ لی جاتی تھی۔

بعض حضرات کچھ کچھ حدیثیں بھی لکھ لیا کرتے تھے مگر نزول قرآن کے زمانہ
میں حدیث لکھنے کو التباس کے خطرہ کی بناء پر پسند نہ کیا جاتا تھا۔ بہرحال تعلیم کا مدار
کتاب پڑھانے کے بجائے زبانی تعلیم پر تھا۔ خلافت راشدہ کے عہد میں قرآن کتابی

صورت میں لکھ کر دنیا میں پھیلایا گیا اور اس کے متصل بعد پہلی صدی ہجری ہی میں سنت کی تدوین کا کام افضل التابعین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جماعت صحابہ کی مدد سے شروع کیا۔ آپ نے پوری اسلامی قلمرو میں احکام بھیج دیئے کہ جہاں کہیں بھی کوئی صحابی موجود ہے اور ان کے پاس رسول کریم ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث ہے یا کسی کے پاس حدیث رسول ﷺ لکھی ہوئی موجود ہے ان کو جمع کر لیا جائے۔ اطراف دنیا میں پھیلے ہوئے صحابہ و تابعین نے اس حکم کی تعمیل میں ایک بہت بڑا ذخیرہ حدیث کا جمع کر کے بھیج دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صحابہ کرام کے مشورے سے اس کی پوری تحقیق اور چھان بین کی اور اشتباہ کے مواقع پر باقاعدہ شہادتیں لے کر ان احادیث کو جمع کر دیا جن پر ان کو شہادتیں مل گئیں اور پورا وثوق و اعتماد ہو گیا۔

تدوین حدیث کی صورت کا اجمالی تذکرہ تو صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور اس کی تفصیلات کچھ ابن عبدالبر نے "جامع بیان العلم" میں لکھی ہیں۔ کچھ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور مسند عمر بن عبدالعزیزؒ میں مذکور ہیں۔ دنیوی فنون' حساب' ریاضی صنعت وغیرہ جس کو جتنی ضرورت پڑتی رہی' اپنی اپنی جگہ سیکھتا رہا۔ بعض صحابہ کرام مختلف زبانوں سے واقف تھے۔ بعض صحابہ کتابت کے ماہر تھے۔ بہت سے حضرات مختلف صنعتیں جانتے تھے۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ "البدایہ والنہایہ" میں غزوۂ حنین کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ دو صحابی حضرت عروہ ابن مسعود اور غیلان ابن سلمہ اس جہاد میں اس لئے شریک نہیں ہو سکے کہ وہ مقام جرش میں آلات جنگ' دبابات' منجنیق' ضبور کی صنعت سیکھ رہے تھے۔ منجنیق اس وقت قلعہ شکن توپ کی جگہ اور دبابہ ضبور ٹینک کی جگہ استعمال ہوا کرتے تھے۔

(البدایہ ص: ۳۴۵ ج: ۴)

خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے علم و تعلیم کا اصل محور تو کتاب و سنت کو قرار دیا اور جنگی سیاسی اور عمرانی ضرورتوں کے لئے جتنی جتنی ضرورت سامنے آتی رہی وہ عام دنیا کے لوگوں کی طرح ان کو بھی سیکھتے رہے۔

عرب میں لکھنے کا رواج بہت کم تھا۔ پوری امت ہی امیین کہلاتی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے کتابت کو دینی اور تعلیمی ضرورتوں کے لئے اہم سمجھ کر اس کی تعلیم کا خود

یہ اہتمام فرمایا کہ جنگ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا تجویز ہوا تو ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کتابت جانتے تھے آپ ﷺ نے ان کا فدیہ یہی قرار دے دیا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں۔

صحابہ کرام ؓ دنیا کے اطراف میں پہنچے تو تعلیم کے اسی سادہ اور فطری اصول کو رواج دیا کہ ابتدائی احکام و ضروریات تک ہر مسلمان مرد و عورت کو واقف کرکے ایک خانگی معلم اور ان کے گھر کو ایک ابتدائی (پرائمری) مدرسہ بنا دیا اور علماء صحابہ ؓ جس جگہ بیٹھ گئے وہ علوم عالیہ کا ایک مدرسہ بن گیا۔

اس دور میں مدرسوں کے لئے مستقل مکان اور نظام کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ عموماً مسجد سے یہ کام لیا گیا یا خود علماء کے مکانوں کی ڈیوڑھیاں مدرسہ کا کام دیتی رہیں۔

رسول کریم ﷺ کے فیض نظر سے صحابہ کرام ؓ کو حق تعالیٰ نے وہ کشش اور جاذبیت عطا فرمائی تھی کہ جتنے ملک ان کے ہاتھوں فتح ہوئے اگرچہ ان کی پہلی زبانیں، رومی، بربری، فارسی، وغیرہ تھیں مگر ملک فتح ہوتے ہی ان میں بغیر کسی جبر یا اکراہ کے عربی زبان کا اس قدر رواج بڑھا کہ بہت تھوڑی مدت میں ان ملکوں کی زبان ہی عربی ہو گئی۔ مصر، شام اور عراق سے لیکر خراسان تک تمام ملکوں میں عربی بولی جانے لگی۔

(اقتضاء الصراط المستقیم – ابن تیمیہ)

اس لئے عالمگیر فتوحات کے بعد نصاب درس میں کسی خاص ترمیم کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور حسب دستور ابتدائی تعلیم کچھ اپنے گھروں میں کچھ مسجدوں میں ہوتی رہی جس مسجد میں کوئی بڑا عالم بیٹھ گیا وہ علوم عالیہ کا مدرسہ بن گیا۔ گویا اس وقت کا ہر عالم ایک مستقل مدرسہ یا کالج تھا۔

تبع تابعین کے دور میں جبکہ عجم میں اسلام پھیلنے کے سبب عربی زبان کو تا سیکھنے کے لئے جس سے قرآن سمجھا جا سکے صرف و نحو کے فنون ایجاد ہوئے۔ ادب عربی کو سیکھنے کی ضرورت پڑی۔ دنیاوی ضروریات میں بھی بہت سی نئی چیزوں کا اضافہ ہوا۔ اس کے مناسب نئی نئی کتابیں تصنیف ہوئیں اور حسب حال نصاب تعلیم میں جدید

چیزوں کے اضافہ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور تعلیم کتابی صورت میں آگئی۔ کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کا رواج عام ہو گیا۔ اسی دور میں مدارس کے لئے جداگانہ عمارتوں اور مستقل نظام کی بھی ابتداء ہوئی۔ یہ ایک سرسری جائزہ ہے قرن اول میں اسلامی تعلیم اس کے نصاب و نظام کا۔

ہندوستان میں اسلام اور تعلیم

ہندوستان میں اسلام انفرادی صورت سے تو مختلف گوشوں میں آچکا تھا مگر اجتماعی صورت سے فاتحانہ انداز میں سب سے پہلے پہلی صدی ہجری کے آخر میں محمد بن قاسم ثقفی کے ذریعہ پہنچا جس کے تحت پورے سندھ میں جو اس وقت صوبہ گجرات اور پنجاب پر مشتمل ایک بڑا ملک تھا اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ اسلامی تعلیم پورے ملک میں جاری ہوئی۔ اس وقت کے نصاب تعلیم کا کوئی تفصیلی نقشہ تو نہیں ملتا مگر سندھ کے علماء و مشائخ کے حالات سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں ادب عربی، حدیث، فقہ پر تعلیم کا خاص زور رہا۔

یہ سندھ کی اسلامی سلطنت ایک خاص صوبہ میں تھی اور وہ بھی محمد بن قاسم کے بعد منقض ہونی شروع ہو گئی۔ پورے ہندوستان میں اسلامی دور کا آغاز ۴۰۰ھ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ہوا اور تقریباً آٹھ سو برس تک آب و تاب کے ساتھ باقی رہا۔

اس آٹھ سو سالہ تاریخ میں حکومت اگرچہ مختلف ہاتھوں میں آتی بدلتی رہی لیکن ایک قدر مشترک سب میں قائم رہا کہ اسلامی تعلیم کو روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ علماء و مشائخ اور عام مسلمان تعلیم کو دین کا اہم فریضہ سمجھ کر اس کی ادائیگی میں اخلاص کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ دوسری طرف عام سلاطین علم دوست ہوئے۔ ان کے دربار علماء و مشائخ سے معمور رہے۔ دینی ضروریات میں علماء کی رائے کو حق تقدم حاصل رہا اور ان میں بہت سے حضرات خود بھی عالم ہوئے۔ محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، شمس الدین التمش، عالمگیر وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم علماء کی صف میں بھی خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

ان تمام سلاطین نے اور ان کے اثر سے دوسرے امراء و حکام نے جابجا خود بھی مدرسے بنائے اور جو علماء بطور خود درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے ان کے لئے حکومت کی طرف سے وظائف اور مدد معاش مقرر ہوئے تاکہ وہ اپنے معاش کی فکر سے فارغ ہو کر دین کی نشر و اشاعت میں پوری تندہی کے ساتھ مشغول رہیں۔ نظام تعلیم کا مرکز اس دور میں بھی عموماً مساجد ہی رہی ہیں۔ البتہ مسجدوں کے ساتھ بقدر ضرورت درس گاہیں اور طلباء کی اقامت گاہیں بنائی گئیں محمود غزنوی جب ۴۰۹ھ میں فتح قنوج سے واپس غزنی پہنچے تو غزنی میں ایک جامع مسجد اور اس کے ساتھ مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ (تاریخ فرشتہ جلد محمود غزنوی)

محمد قاسم فرشتہ نے اس مدرسہ کی بناء کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ:

"بمقتضائ "الناس علی دین ملوکہم" ہر یکے از امراء و اعیان دولت بہ بنائے مسجد و مدارس و رباطات و خوانق مبادرت نمودہ"۔

محمود غزنوی کے لڑکے شہاب الدین مسعود کا دور پہلے سے زیادہ علمی اور تعلیمی رہا۔ تاریخ فرشتہ میں انکا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"در اوائل سلطنت او در ممالک محروسہ چنداں مدارس و مساجد بناء نمود کہ زبان از تعداد آں عاجز و قاصر است"

پھر شہاب الدین غوری نے اجمیر میں، قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، علاؤ الدین خلجی وغیرہ نے دہلی میں بہت سے مدرسے قائم کئے۔

مصر کے مشہور مورخ مقریزی نے اپنی کتاب "خطط" میں محمد تغلق کے دور کا حال لکھا ہے کہ دہلی کا رقبہ چالیس میل مربع ہے اور ایک ہزار مدارس اس میں قائم ہیں۔

یہاں مدارس کی تاریخ لکھنا مقصود نہیں بلکہ علم و تعلیم کے ساتھ ہندوستان کے عوام اور سلاطین دونوں کے شغف کا ایک اجمالی خاکہ سامنے لانا ہے اور اس میں اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دور میں ان کا نصاب تعلیم معلوم کیا جائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے قدیم مورخوں نے شاہی درباروں اور ان کی نقل و حرکت ہی کو قوم کی تاریخ کا انداز دیا اور اسی کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ علمی

اصلاحی ، ثقافتی چیزیں کہیں کہیں ضمناً تذکرہ میں آگئی ہیں ۔ انہیں سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان تمام ادوار میں نصاب تعلیم کیا رہا اور اس میں کیا کیا تغیرات ہوتے رہے ایک چیز تو تمام ادوار میں مشترک رہی کہ علوم قرآن و حدیث ، فقہ ، اصول فقہ ، صرف ، نحو ، ادب ہماری تعلیم کا اصل اصول رہا۔ اس کے ساتھ وقتی ، ملکی ، سیاسی ضروریات کے لئے جن علوم و فنون کی ضرورت ہر دور میں محسوس کی گئی اس کا اضافہ نصاب تعلیم میں ہوتا رہا۔

سلطان مسعود غزنوی ؒ کے عہد میں ابو ریحان بیرونی جو دنیا میں آج بھی بے نظیر ماہر ریاضیات مانا گیا ہے اور روس نے خلائی سفروں اور سیاروں کے سفر میں اسی کے نظریات سے کام لیا ہے۔ اس نے سلطان مسعود کے نام پر ریاضی کی مشہور کتاب قانون مسعودی تصنیف کرکے دربار سے بڑا انعام حاصل کیا۔ قاضی ابو محمد ناصحی نے فقہ مسعودی کے نام سے فقہ حنفی پر کتاب لکھی۔ (تاریخ فرشتہ)

سلطان ہمایوں کو علم ہیئت و جغرافیہ سے خاص شغف تھا ان فنون میں اس کی اپنی تصنیف بھی ہے اور آج جو کرے اور اصطرلاب عموماً مدارس میں پائے جاتے ہیں ابتداءً اس کا رواج ہمایوں ہی کے عہد سے شروع ہوا۔ (تاریخ فرشتہ)

غزنوی اور غوری دور حکومت سے سکندر لودھی کے زمانہ تک منطق فلسفہ کا رواج ہندوستان کے مدارس میں زیادہ نہ تھا۔ زیادہ تر زور صرف و نحو ، فقہ ، اصول فقہ پر رہا جاتا تھا۔

سکندر لودھی کے زمانہ میں ملتان کی طرف سے کچھ علماء معقولات اس طرف آئے اور منطق و فلسفہ کا رواج بڑھا۔ یہاں تک کہ یہی فنون معیار فضیلت بن گئے۔ سید شریف اور تفتازانی وغیرہ کی تصانیف نصاب درس میں شامل کی گئیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلے وہ شخص ہیں جو سفر کر کے عرب پہنچے اور تین سال قیام کر کے علم حدیث حاصل کیا اور یہ تحفہ ہندوستان کے لئے لائے۔ بارھویں صدی ہجری میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے علم حدیث کو خاص طور پر فروغ دیا اور اس وقت اسلامی مدارس کا نصاب تقریباً ہر حیثیت سے جامع اور مکمل ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب نے الجزء اللطیف کے حوالے سے ان کی اپنی درسیات کا پتہ

حسبِ ذیل تھا۔

نحو میں	کافیہ۔ شرح جامی۔
منطق میں	شرح شمسیہ۔ شرح مطالع۔
فلسفہ میں	شرح ہدایۃ الحکمۃ۔
کلام میں	شرح عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی۔ شرح مواقف۔
فقہ میں	شرح وقایہ۔ ہدایہ کامل
اصول فقہ میں	حسامی اور کسی قدر توضیح تلویح۔
بلاغت میں	مختصر المعانی و مطول
ہیئت و حساب میں	بعض رسائل مختصرہ۔
طب میں	موجز القانون۔
حدیث میں	مشکوٰۃ المصابیح کل۔ شمائل ترمذی کل۔ کسی قدر صحیح بخاری۔
تفسیر میں	مدارک۔ بیضاوی
تصوف و سلوک میں	عوارف۔ شرح رباعیات جامی۔
	شرح لمعات۔ مقدمہ نقد النصوص۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ کتابیں اپنے وطن میں پڑھیں اس کے بعد عرب تشریف لے گئے وہاں کئی سال رہ کر شیخ ابو طاہر مدنی سے فن حدیث کی تکمیل کر کے واپس آئے۔ ہندوستان میں صحاح ستہ کے درس و تدریس کا رواج اسی وقت سے ہوا۔ (ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں)

ہندوستان میں نصاب تعلیم کا آخری دور وہ ہے جو بارہویں صدی میں ملا نظام الدین سہالوی کے نام سے منسوب ہو کر درس نظامی کہلایا اور اسی وقت سے آج تک تمام مدارس اسلامیہ میں یہی نصاب رائج ہے۔ ملا نظام الدین سہالوی ؒ سلطان عالمگیر کے عہد کے ایک بڑے ماہر عالم اور مقدس بزرگ ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے لئے عالمگیر نے جو علماء کی ایک جماعت (بورڈ) کا انتخاب فرمایا تھا اس میں ملا نظام الدین کا نام سرفہرست آتا ہے۔ ان کے نصاب درس کا جو نقشہ

-مولانا عبدالحیٔ ناظم ندوۃ العلماء کے حوالہ سے رسالہ "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" میں مرقوم ہے - وہ یہ ہے -

صرف : میزان - منشعب - پنج گنج - زبدہ - دستور المبتدی - صرف میر- بعد میں علم الصیغہ - فصول اکبری - شافیہ کلاس میں اضافہ ہوا -

نحو : نحو میر - مائتہ عامل - شرح مائتہ عامل - ہدایۃ النحو - کافیہ - شرح جامی -

بلاغت : مختصر المعانی کامل - مطول تا ما انا قلت -

ادب : نفحۃ الیمن - سبعہ معلقہ - دیوان متنبی - مقامات حریری - حماسہ -

فقہ : شرح وقایہ اولین - ہدایہ اخیرین - بعد میں منیۃ المصلی یا نور الایضاح کا اور قدوری کنز کا اضافہ ہوا -

اصول فقہ : نور الانوار - توضیح تلویح - مسلم الثبوت -

منطق : صغری - کبری - ایسا غوجی - قال اقول - میزان منطق - تہذیب - شرح تہذیب قطبی - میر قطبی - ملا حسن - حمد اللہ - قاضی - میر زاہد رسالہ - حاشیہ غلام یحیٰی - ملا جلال - بحر العلوم شرح سلم - ملا مبین شرح سلم -

فلسفہ : میبذی - صدرا - شمس بازغہ -

کلام : شرح عقائد نسفی - خیالی - میر زاہد امور عامہ -

ریاضی : تحریر اقلیدس مقالہ اولی - خلاصۃ الحساب - تصریح - شرح چغمینی -

فرائض : شریفیہ شرح سراجیہ -

مناظرہ : رشیدیہ -

تفسیر : جلالین - بیضاوی تا سورہ بقرہ -

اصول حدیث : شرح نخبۃ الفکر -

حدیث: بخاری۔ مسلم۔ موطا۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔

یہ نصاب ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا نصاب ہے۔ اس سے پہلے ابتدائی (پرائمری) تعلیم کا نصاب جداگانہ ہے۔ جو اس وقت کے تمام مکاتیب و مدارس میں رائج اور قصبات و دیہات تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں قرآن مجید ناظرہ اور حفظ کے بعد اردو نوشت و خواند اور فارسی زبان اور ابتدائی حساب پر زور دیا جاتا تھا۔ پھر فارسی ادب میں "گلستان"۔ "بوستان"۔ اخلاق محسنی۔ اخلاق جلالی۔ رقعات عالمگیری۔ انشاء ہر منہ فارسی وغیرہ ایسی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ جن سے بچہ ضروریات دین سے اور اسلامی اخلاق و تہذیب سے بھی واقف ہو جائے اور حساب و مضمون نویسی میں اس درجہ کو پہنچ جائے کہ اس کو خواندہ آدمی کہا جا سکے۔

درس نظامی کا یہ پورا نقشہ اس وقت کے تمام مدارس میں رائج ہوا۔ اس درس کے فاضل جس طرح علوم دینیہ کے ماہر ہوتے تھے اسی طرح دفتری ضروریات اور ملکی خدمات کے انجام دینے میں بھی ماہر سمجھے جاتے تھے۔ خاص خاص فنون میں مہارت حسب ضرورت بعد میں حاصل کر لی جاتی تھی۔ اس وقت تک علوم دینیہ و دنیویہ کی کوئی تفریق نہ اس ملک میں تھی اور نہ دوسرے ممالک میں نصاب درس کچھ ایسا مقبول ہوا کہ اطراف ملک میں اس کے پڑھنے والے ہزاروں علماء و فضلاء تمام ملک میں فاضل و ماہر سمجھے گئے۔ ہزاروں علماء صلحا، اتقیا، محدثین، مفسرین، فقہاء، ادباء اور ماہر معقولات اس سے پیدا ہوئے۔

انگریزی عہد کی ابتداء میں بھی یہی صورت حال چلتی رہی مگر انقلاب ۱۸۵۷ء میں جبکہ تمام اسلامی شعائر مجروح اور مدارس معطل اور علماء منتشر ہو گئے۔ یہ سارا نظام درہم برہم ہو جانے کے بعد انگریزی نصاب تعلیم ملک میں رائج ہوا تو اس میں اسلامی عقائد، احکام اور تہذیب کا کوئی حصہ نہ تھا۔ علماء دین جو بچے کھچے مختلف اطراف میں باقی تھے وہ بھی منتشر تھے۔ اسلامی تعلیم کا کوئی نظام کہیں باقی نہ رہا۔ اس وقت ملت کا درد رکھنے والے چند مقدس علماء نے یہ محسوس کیا کہ اگر اسی طرح علم دین اور اس کی تعلیم سے بیگانگی رہی تو اس ملک میں اسلام کی بقا ناممکن ہو جائے گی۔ اس پر نظر کر کے تیرھویں صدی کے آخر ۱۲۸۳ھ میں دیوبند ضلع سہارنپور میں ایک

مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کا بنیادی مقصد حکومت کے عہدوں اور مناصب سے قطع نظر کرکے دین اور علم دین کا تحفظ اور اس کے صحیح خدوخال کو برقرار رکھنا تھا تاکہ جب کبھی اسلامی تعلیم و احکام کے رواج دینے کا موقع ہاتھ آئے تو یہ متاع گرانمایہ ہمارے ہاتھوں میں ہو۔ اس مدرسہ میں وہی درس نظامی جاری کیا گیا جو پہلے سے تمام مدارس میں جاری تھا۔ وقتی ضرورتوں کے پیش نظر مختلف اوقات میں اس میں کچھ کمی بیشی بھی ہوتی رہی۔ مگر اصل نصاب محفوظ رکھا گیا۔ بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر سینکڑوں مدارس ملک میں قائم ہوئے اور یہی نصاب درس ان میں جاری ہوا۔ اور بحمداللہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا کہ علم دین کو اپنی اصلی حالت میں محفوظ کر دیا۔

پاکستان بننے کے بعد کچھ مدارس تو یہاں پہلے سے اسی درس نظامی پر قائم تھے اور بہت سے نئے مدارس کا افتتاح ہوا۔ ان میں بھی یہی درس نظامی معمولی ترمیم کے ساتھ آج تک رائج ہے۔

ایک لمحہ فکریہ

درس نظامی کے ابتدائی عہد میں جو فارسی زبان اور علوم منطق، فلسفہ، ریاضی، حساب وغیرہ کو اعلیٰ پیمانہ پر رکھا گیا تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ فنون نہ ذاتی دینی علوم تھے نہ قرآن و سنت اور علوم دینیہ کا سمجھنا ان پر موقوف تھا۔ سکندر لودھی کے زمانہ سے پہلے ان میں سے بعض چیزوں کا تو رواج ہی نہ تھا۔ اور ریاضی حساب وغیرہ جو رائج تھے وہ بھی اس لئے نہیں کہ قرآن و سنت یا دین کا سمجھنا ان پر موقوف تھا۔ بلکہ صرف اس لئے کہ ایک عالم دین ملکی سیاسی اور دفتری معلومات میں بھی قابل و ماہر تعلیم یافتہ انسان سمجھا جائے فارسی زبان ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی زبان نہ تھی۔ مگر سلطنت کی دفتری زبان بن گئی تھی۔ اس لئے تمام علمائے عصر اس میں بھی وہ مہارت پیدا کرتے تھے کہ اس میدان میں بھی وہ کسی سے پیچھے نظر نہ آئیں اور اسی وجہ سے اس درس کا فاضل حکومت میں بھی ہر عہدہ و منصب کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ تعلیم میں علوم دینیہ اور دنیویہ کی کوئی تفریق نہ تھی۔ یہ تفریق صرف انگریزی

عہد کے آثار باقیہ میں سے ہے کہ حکومت سے مایوس ہو کر علماء کو دینی علوم کی حفاظت کے لئے جداگانہ نظام چلانا پڑا جس کے نتیجے میں دیوبند اور اس کے ملحق مدارس قائم ہوئے۔

پاکستان بننے کے بعد

یہ بات قابل غور ہے کہ ایک اسلامی حکومت میں دوئی اور تفریق کیوں پیدا ہوئی لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ درس نظامی جو اب تک ہمارے مدارس میں رائج ہے۔ علوم دینیہ کی حفاظت واشاعت کے لئے تو بلاشبہ کافی ہے مگر ملکی۔ دفتری ضروریات آج بالکل بدل ہوئی ہیں ان میں ہماری قدیم منطق وفلسفہ اور قدیم ریاضی اور فارسی زبان کام نہیں رہتی۔ آج فارسی زبان کی جگہ انگریزی نے لے لی ہے اور قدیم معقولات کی جگہ نئی سائنس اور فلسفہ نے نیز دوسرے علوم جدیدہ نے لے لی ہے اگر ہمارے حققین اپنے زمانہ کی ضروریات کے پیش نظر فارسی زبان کو اپنا سکتے ہیں، یونانی منطق وفلسفہ اور ریاضی کی تعلیم کو نصاب کا ایک بڑا جزو بنا سکتے ہیں تو ان کا اتباع آج اس میں نہیں کہ ہم اس وقت بھی وہی منسوخ شدہ سکے لے کر بازاروں میں پھریں بلکہ وقت کی ضروریات کے مطابق انگریزی زبان اور فنون جدیدہ کو پڑھنا پڑھانا وہی درجہ رکھے گا جو اس زمانہ میں فارسی زبان اور یونانی فلسفہ کا مقام تھا۔ اگر آج اس حقیقت کو سمجھ کر ہمارے علماء فارسی زبان کی جگہ انگریزی کو اور یونانی فلسفہ کی جگہ جدید سائنس اور فلسفہ کو دے دیں تو اس میں نہ علوم دینیہ کی تعلیم میں کوئی غلط تصرف ہے اور نہ یہ اسوۂ اسلاف ہی سے مختلف ہے۔ البتہ یہ بات مسلم ہے کہ آج فارسی زبان اور قدیم منطق وفلسفہ کو یکسر چھوڑ بیٹھنا بھی ہمارے لئے بہت سے علمی ذخائر سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے۔ کیونکہ بہت سے علوم وفنون اور بہترین تصانیف فارسی زبان میں ہیں اور چونکہ یونانی منطق وفلسفہ کی اصطلاحات اور ان کی تحقیقات علم دین کے پڑھنے پڑھانے والوں کی زبان پر چھائی ہوئی تھیں تو ان کی تصانیف میں بھی وہی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ آج ان کی بہت سی تصانیف بھی قدیم منطق وفلسفہ کے جانے بغیر نہیں سمجھی جا سکتیں۔ اس لئے ہم پر دہرا بوجھ پڑ گیا کہ فارسی

زبان اور قدیم منطق وفلسفہ کو بھی کسی نہ کسی درجے میں باقی رکھیں اور جدید فنون عصریہ اور مروجہ زبان بھی سیکھیں۔

ایک افسوسناک تجربہ

ہم سے پہلے مسلمانوں نے وقت کی ضرورت سمجھ کر قدیم فلسفہ اور منطق ریاضی وغیرہ اور فارسی زبان کو اپنایا۔ اس کا تجربہ تو یہ ہوا کہ اس زبان اور فنون نے مسلمانوں کے عقائد، اعمال، اخلاق، معاشرت پر کوئی غلط اثر نہیں ڈالا بلکہ ان میں جو غلط اور مضر اثرات تھے ان کی بھی اصلاح ہوتی چلی گئی۔ فارسی زبان عربی کے بعد دوسری اسلامی زبان بن گئی یونانی فلسفہ اور منطق ریاضی وغیرہ اسلامی علوم کا ضمیمہ بن گئے۔ مگر انگریزی زبان اور اس کے ذریعہ آئے ہوئے علوم وفنون کا معاملہ اس کے بالکل مختلف نظر آیا۔ وقت کی ضرورت دیکھ کر بعض دینی اداروں نے قدیم علوم اسلامیہ کے ساتھ انگریزی اور علوم عصریہ کا امتزاج کیا۔ مگر کہیں تو یہ کام چلا ہی نہیں اور کہیں چلا تو اس طرح چلا کہ وہاں کے طلبہ میں علوم عصریہ اور انگریزی زبان سے تو کچھ واقفیت ہو گئی لیکن اسلامی علوم میں مہارت کا فقدان ہی محسوس ہوتا رہا۔ اس کے علاوہ ان طلباء کے عقائد، اعمال، معاشرت پر بھی مغربیت غالب آگئی۔ جس نے اسلامی تعلیم کا مقصد ہی فوت کر دیا۔ اس طرح کے تجربات دیکھ کر بہت سے محتاط حضرات نے انگریزی زبان اور اس کے فنون کو ترک کر دینے ہی کو "سلامت بر کنار است" قرار دے دیا۔ لیکن ضرورت اس کی تھی کہ حالات اور معاملات کا تجزیہ کر کے دیکھا جاتا کہ قدیم علوم فلسفہ اور فارسی زبان کیوں ہمارے اعمال واخلاق پر اثر انداز نہیں ہوئی اور انگریزی زبان اور موجودہ فنون عصریہ کیوں ہمارے عقائد سے لے کر اعمال واخلاق تک سب کو یورپ کا تابع بنا دیتے ہیں اس تجزیے سے جو اسباب مضرت کے ثابت ہوتے ان سے اجتناب کیا جاتا اور جو مفید کام ہیں ان کو سرے سے نظر انداز نہ کیا جاتا۔

معمولی غور وفکر سے فرق کی دو وجوہ سمجھ میں آتی ہیں ایک یہ کہ فارسی زبان اور یونانی علوم کو ہم نے اس حال میں لیا۔ جبکہ دنیا پر غالب حکومت ہماری تھی۔

ہمارے ذہن دوسروں سے مرعوب و مغلوب نہ تھے۔ ان تمام چیزوں کو وقت کی ضرورت سمجھ کر لیا اور اپنے عقائد و تعلیمات کا تابع بنا کر رکھا۔ اصل علوم دینیہ پر برتری اور تفوق کا وسوسہ بھی کسی کو نہ آتا تھا۔

دوسرے یہ کہ تعلیم دینے والے ان فنون کے بھی وہی حضرات تھے جو علوم کتاب و سنت کے ماہر عقائد میں پختہ، تقویٰ و طہارت، عبادت و زہادت سے آراستہ تھے۔ ان کی صحبت اور تعلیم نے طلباء کو ان عجمی اثرات سے محفوظ رکھا جو ہر فن اور ہر زبان کے ساتھ طبعی طور پر آیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس ہم نے انگریزی زبان اور اس میں آئے ہوئے علوم فنون کو ایسے زمانہ میں لیا جبکہ دنیا کی حکومت وقیادت انہیں لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ جن کی طرف سے یہ زبان اور فنون آئے تھے۔ ہم نے اس کو اپنے آقاؤں کی زبان اور ان کا دیا ہوا تحفہ سمجھ کر احساس کمتری کے ساتھ قبول کیا۔ انگریزی حرف لکھنے پڑھنے اور بولنے میں اپنی عزت اور فخر محسوس کیا۔ ان فنون کے جاننے کو ہی ایسا سرمایہ سعادت سمجھا کہ اپنے علوم فنون سے یکسر غافل وجاہل ہوتے چلے گئے۔

دوسری طرف اس زبان اور فنون کی تعلیم کے اساتذہ بھی ہمیں یورپ ہی سے درآمد کرنے پڑے۔ اپنے استادوں کے عقائد، اعمال، اخلاق معاشرت سبھی سے متاثر ہونا ایک فطری امر تھا جو پیش آکر رہا اور جب مسلمانوں میں اپنی بدقسمتی سے اس زبان اور فنون جدیدہ کی ترقی کا وقت آیا تو یہ محسوس ہوا کہ وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھے نہ ان کو اپنے اصلی علوم کتاب و سنت سے کوئی حق واسطہ رہا نہ اسلامی عقائد و عبادات اور اخلاق و معاشرت سے کوئی تعلق رہا۔

یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے انگریزی زبان اور فنون جدیدہ نے ہمیں اور چاہے کچھ بھی بنا دیا ہو مگر مسلمان نہیں بننے دیا۔

میری نظر میں اگر دونوں مضر اسباب سے مکمل پرہیز کرتے ہوئے انگریزی زبان اور عصری علوم وفنون کو پوری کوشش اور توجہ سے حاصل کیا جائے تو وہ پچھلے فلسفہ و منطق سے زیادہ اسلامی عقائد اور اسلامی علوم کے خادم نظر آئیں گے۔

ضرورت اس کی ہے کہ اصل کو اصل سمجھا جائے اور تابع کو تابع اور تابع کو اس

کہ اپنے ہر وجہ سے تہ بہ تہ رہا جو نہ اس کے حاصل کرنے کو بنیادی ضرورت سمجھا جائے سرمایہ فکر و تصورات بنایا جائے۔ نیز علوم کے حاصل کرنے کے لئے اساتذہ ایسے میسر کئے جائیں جو اپنے عقائد، کردار، معاشرت اور عبادت و تعلقات کی رو سے پکے مسلمان اور اسلامی تعلیمات سے متصف ہوں۔ نیز پوری صلاحیت رکھتے ہوں۔ تو پھر نہ انگریزی زبان میں کوئی زہر ہے نہ فلسفہ جدید اور سائنس جدید میں۔

اس وقت اس موضوع پر کوئی مستقل اور مکمل تحقیق کرنا مقصد نہیں۔ وقتی طور پر ناچیزانہ انداز میں جو کچھ سامنے آیا حوالہ قلم کیا ہے۔

مجلس : ٦٤

طلباء کو نصیحتیں

مجلس کا مقصد اور غرض و غایت

شروع سال میں ایک دو مجلسیں ہوئیں جن میں میں نے اس مجلس کی ضرورت کا اظہار آپ لوگوں کے سامنے کیا تھا۔ اس مجلس کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں، جو پڑھتے پڑھاتے ہیں، اپنے گھروں کو چھوڑ کر آئے ہیں، اس کی غرض و غایت کیا ہے اور اس غرض کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے، جو طریقہ کار آپ لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ اس کے لئے کافی ہے یا اس سے کچھ اور آگے کام کرنا ہے، اس کے اظہار کے لئے میں نے یہ ہفتہ واری مجلس رکھی ہے۔

اس وقت طبیعت میں کچھ سکون تھا، دو ہفتے تک یہ سلسلہ چلا، اس کے بعد پھر عید الاضحیٰ کا زمانہ آ گیا، آپ لوگ بھی کہیں منتشر ہو گئے، دو تین ہفتے اس میں گزر گئے۔ عید الاضحیٰ کی دس تاریخ کو (مسکراتے ہوئے فرمایا) خدا جانے تم ہی لوگوں نے کوسا ہو گا کہ یہ روز کی سمع خراشی بند کر لے۔

میری ٹانگوں میں درد ہوا اور شدید بیماری پیش آئی اور اس وقت بھی معذور ہوں، دوسرے آدمی پر سوار ہو کر آیا ہوں، اب تک ہمت بات کرنے اور بولنے کی نہیں تھی، دو مہینے سے زیادہ ہو گئے۔

مجلس جاری رہنے کی وصیت

بہرحال ضرورت سمجھ کر، آج میں پھر اس کا آغاز کر رہا ہوں، اور اب میرا خیال ہے اور میں نے آپ اساتذہ سے بھی کہا ہے کہ یہ مجلس ہفتہ واری ہونا ہی چاہئے، میں اگر کسی وقت شریک نہ ہو سکوں یا میں نہ آ سکوں تو آپ کے اساتذہ میں

کوئی استاذ کوئی کتاب پڑھ کر سنائیں گے' کوئی زبانی کچھ کہیں گے' تو مقصد یہ ہے کہ ہفتہ واری مذاکرہ ہونا بہت ضروری ہے۔

نصیحت کا مقصد اور اس کا اثر

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تجربہ شاہد ہے کہ مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ اس کو کوئی بات یاد دلائی جاتی ہے تو وہ بات اثر ڈالتی ہے فَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ تذکیر اگر ہوتی رہے گی تو نفع بھی دے گی انشاء اللہ۔

اگرچہ کیفیت کچھ اس طرح بن گئی ہے اس زمانہ میں العیاذ باللہ العلی العظیم کہ عوام کو جب ڈرایا جاتا ہے اللہ کے عذاب سے' آخرت کے عذاب سے' وہ بیچارے کانپ اٹھتے ہیں' ان میں زیادہ تاثر معلوم ہوتا ہے' اور ہمارا لکھا پڑھا طبقہ جو مولوی کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے اس میں' میں وہ بات بہت کم پاتا ہوں' ان کو کہا جائے تو یوں کہتے ہیں کہ یہ باتیں ہماری پہلے سے سنی سنائی باتیں ہیں' ہم نے بھی پڑھی ہیں' بہرحال ان پر اس کا اثر بہت کم ہوتا ہے۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود' الحمدللہ (اثر) ہوتا ہے اور ہو گا ضرور' کم ہو یا زیادہ ہو مگر ہوتا ہے اور کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تمام مدارس میں یہ تذکیر کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ جس مدرسہ کی ہم سب شاخ کہلاتے ہیں وہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے' ام المدارس جس کو کہنا چاہیے' اس وقت ہندوستان پاکستان میں جتنے مدرسے ہیں وہ سب فروع ہیں دارالعلوم دیوبند کی۔

دارالعلوم دیوبند کو جن بنیادوں پر قائم کیا بزرگوں نے' اور جس طرح سے بڑھا اور چلا اور اس کے فوائد پہنچے' وہ چیزیں سامنے رکھنے کی ضرورت ہے اب مدرسوں میں تقریباً ۳۰' ۴۰ سال کا عرصہ ہو رہا ہے' یہ مدرسے ہمارے بانجھ ہو گئے ہیں' آدمی نہیں پیدا ہوتا۔

آدمی کیسے بنتا ہے

تم کھوٹے آدمی تو بہتیرے پیدا ہوتے ہیں۔ سارے آدمی آدمی ہی نظر آتے ہیں۔ کیوں بھائی! آدمی نہیں بنتا؟ آدمی کیسے بنا کرتا ہے؟ ایک بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں:

دیدم کہ شیخ با چراغ   ہمیں گشت گرد شہر

تم نے سنا ہے؟ اردو بھی نہیں جانتے، فارسی بھی نہیں جانتے۔ ایک بڑی مصیبت تو یہ آگئی ہے کہ کسی چیز کی اعتبار باقی نہیں رہی۔ فارسی، اردو، حساب کتاب یہ چیزیں بچپن میں سیکھنے کی ہوتی تھیں۔ قرآن شریف، تجوید، ان سب چیزوں سے فارغ ہو کر عربی کی تعلیم ہوا کرتی تھی۔

اب چلے آتے ہیں مدرسہ میں مولوی بننے کے لئے، نہ فارسی آتی ہے نہ اردو آتی ہے، نہ حساب کتاب آتا ہے نہ تجوید نہ قرآن۔

حتیٰ کہ اپنی زبان بھی ان کو نہیں آتی۔ کوئی پشتو جانتا ہے، کوئی بلوچی جانتا ہے اور کوئی سندھی بولتا ہے لیکن غور کروگے تو دیکھو گے کہ یہ اپنی زبان میں بھی صحیح تقریر نہیں کرسکتے۔ اردو تو کیا بولتے۔

آدمی کی تلاش

خیر کیا کریں مصائب ہیں، حوادث ہیں، اسی میں گزر رہے ہیں۔ بھئی! یہ بات بیچ میں اس لئے آگئی کہ فارسی شعر سنانے کا خیال آیا تو سمجھ میں نہیں آیا کہ کس قوم کو سناؤں فارسی؟ ان میں فارسی جاننے والے ہیں کتنے؟

دیدم کہ شیخ با چراغ   ہمیں گشت گرد شہر

کہتے ہیں کہ رات میں۔ نے دیکھا کہ ایک بزرگ شہر کے گرد پھر رہے تھے چراغ لئے ہوئے ہاتھ میں کیوں پھر رہے تھے؟

کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست

کیوں پھر رہے تھے؟ کہتے ہیں اس لئے پھر رہا تھا کہ ساری دنیا میں گدھے

گھومتے ہیں' آدمی کو ڈھونڈتا ہوں آدمی نہیں ملتے' مجھے اس کی آرزو ہے کہ میں
انسان کو دیکھوں کوئی انسان ملے' یہ سب گدھے گھوڑے ہیں آدمی کی شکل میں پھرتے
ہیں' آدمی نہیں ملتا۔

گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما

جواب میں کسی نے کہا کہ میاں آدمی تلاش کرتے ہو؟ آدمی کا تو قحط ہو گیا
ہے وہ ہے ہی نہیں۔ "جستہ ایم" ہم بہت ڈھونڈ چکے ہیں' نہیں ملتا آدمی۔

گفتم کہ یافت می نشود آنم آرزوست

انہوں نے کہا کہ میں کیا کروں تمنا تو اسی کی ہے جو نہیں ملتا ہے دنیا میں' آدمی تو
وہ ہے جو ملتا ہی نہیں دنیا میں۔

حقیقتِ انسانیت کیا ہے؟

عالمگیر نے اپنے صاحبزادہ کو خط لکھا' اس خط میں ایک شعر تھا۔

کہ آں چیز کہ مردم بسیار است و نیست

ساری دنیا میں جنس انسان ایسی ہے کہ ہیں بہت سارے مگر پھر بھی نہیں ہیں
صورت شکل کے اعتبار سے انسان ہیں' آنکھ' ناک' کان سارے انسانوں جیسے ہیں مگر
حقیقت انسانیت غائب ہے۔

تم کہو گے کہ حقیقت انسانیت کیا ہوتی ہے؟ وہ پوچھو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ
فرماتے ہیں کہ

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست

افسوس ہے کہ سارے شعر فارسی کے یاد آ رہے ہیں۔ تم نے آدمی جس کو
سمجھ رکھا ہے کہ دو آنکھیں ہوں' دو کان ہوں' ایک ناک لمبی سی ہو سامنے اور گوشت
پوست چڑھا ہوا اس کا نام آدمی رکھا ہوا ہے' لیکن اس کا نام آدمی نہیں ہے۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست   آدمیت جز رضائے دوست نیست

جو اپنے رب کو نہ پہچانے' اپنے بنانے والے پالنے والے اپنے پیدا کرنے

والے کو نہ پہچانے وہ آدمی نہیں ہے' وہ گدھا گھوڑا ہو سکتا ہے' آدمی نہیں ہو سکتا۔

آدمی وہ ہے جو یہ پہچانے کہ مجھے کس نے پیدا کیا ہے' اپنے رب کو پہچانے اور جب وہ رب کو پہچانے گا تو اس کو راضی کرنے کی بھی فکر کرے گا' تو اس لئے فرمایا کہ آدمیت جز رضائے دوست نیست' یعنی! آدمی تو وہ ہوتا ہے کہ اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں لگا رہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آدمی بنتے تھے کیسے؟ آدمیوں کی صحبت میں رہنے سے بنتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی خصوصیت

جس کی ہم نقل اتارتے ہیں وہ دارالعلوم دیوبند ہے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اس پر تھی کہ وہاں کے مدرسین' ملازمین' دربان سے لیکر مہتمم تک سب کے سب اولیاء اللہ اور صاحب نسبت تھے۔

میرے والد ماجد ﷫ دارالعلوم دیوبند کے ہم قرن تھے' جس سال دارالعلوم دیوبند تعمیر ہوا' اسی سال ان کی ولادت ہوئی وہ فرماتے تھے کہ میں نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے کہ دارالعلوم دیوبند دن میں تو مدرسہ نظر آتا تھا اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتی تھی جگہ جگہ سے آخر رات میں قرآن کریم پڑھنے کی آوازیں آرہی ہیں' تہجد کے لئے کھڑے ہیں خواہ طلبہ ہوں یا مدرس ہوں' جگہ جگہ سے قرآن کی تلاوت کی آوازیں آرہی ہیں۔

آج دارالعلوم دیوبند کو قائم ہوئے سو سال سے زائد ہو گئے ہیں' الحمدللہ اس کا اثر اور اس کا فیض پوری دنیا میں پھیلا' عرب و عجم میں' اس کی بنیاد صرف یہ کتابیں نہیں تھیں' اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ سے تعلق تھا۔

علم دین کی فضیلت

میں نے پچھلی مجلس میں یہ بتلایا تھا کہ علم بڑی نافع چیز ہے اور اس کے برابر کوئی متاع و سرمایہ نہیں' اس کے فضائل سے احادیث بھری ہوئی ہیں اور اقوال تو بہت

زیادہ ہیں' سب بزرگ' تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ فقہ کی کتاب کا مطالعہ رات کی تہجد کی نماز سے افضل ہے' یہ ساری چیزیں اس لئے ہیں کہ علم بڑی افضل چیز ہے اور اس کے لئے جتنی جدوجہد کی جائے یہ بہت بڑی نعمت ہے' ساری عبادات سے افضل ہے۔

علم نافع

سوچنے کی بات ہے کہ جبکہ وہ علم' علم نافع ہو' اس کا حاصل کرنا سب سے بڑی عبادت ہے' اور سب نفلی عبادتوں سے افضل ہے' اگر وہ علم نافع نہیں تو حدیث شریف میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ.

حضور اکرم ﷺ نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جو نفع سے خالی ہو' وہ علم جو خدا کی معرفت سے خالی ہو' وہ علم جو اتباع شریعت سے خالی ہو' وہ علم پناہ مانگنے کی چیز ہے' وہ علم کوئی نفع کی چیز نہیں' پناہ مانگنے کی چیز ہے وہ علم جہنم میں لے جائے گا وہ راستہ جنت کا نہیں ہے

علم تو ایک بہت نعمت ہے اور شرط یہی ہے کہ وہ علم نافع ہو اور علم نافع وہ ہے کہ جس کے ساتھ ساتھ اس پر عمل ہو' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور سرور کائنات ﷺ سے قرآن پڑھا اور اس طرح پڑھا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران آٹھ سال میں پڑھی ہے۔

تم یہ چاہتے ہو کہ سارے علوم و فنون حاصل کر کے آٹھ سال پڑھ کے مولانا (مولوی) بن جاؤ' سورہ بقرہ' سورہ آل عمران آٹھ سال میں پڑھی ہے ابن عمرؓ جیسے صحابی نے اور صحابہ کرام نے کہا کہ تعلمنا العلم و العمل ہم نے حضور اکرم ﷺ سے صرف علم نہیں سیکھا کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام ہے بلکہ عمل بھی سیکھا ہے۔

زندگی میں انقلاب

اور مشکوٰۃ ہم نے پڑھی ہے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، دو حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے مفتی ہیں دارالعلوم دیوبند کے، جو باقاعدہ مفتی رہے ہیں، میرے استاذ ہیں کئی کتابیں پڑھیں ان سے، افتوٰی بھی ان سے سیکھا ہے۔ جب ان کی خدمت میں مشکوٰۃ پڑھنا شروع کی ہے تو ہمارے قلب کے احوال بدلنے شروع ہو گئے اور ہماری زندگی میں انقلاب آنا شروع ہو گیا، اتنا یاد ہے ہمیں، تو یہ ٹھیک ہے فقہ کے مسائل تو ہم نے پہلے بھی پڑھے تھے کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے اور نماز کس طرح پڑھا کرتے ہیں۔

کتاب میں "باب صفة الصلوٰة" میں پڑھتے آئے تھے، بچپن سے ہدایہ تک، لیکن عمل کی توفیق حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر اور خدمت میں رہنے سے آئی، مشکوٰۃ پڑھنے کے زمانہ میں انقلاب آیا جو دلوں نے محسوس کیا۔

بھئی! اصل بنیادی چیز یہی ہے کہ ایک طرف کتابی علم، وہ بڑی پابندی سے بڑے اہتمام سے اس کے پڑھنے کا اہتمام تھا، غیر حاضری کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، دینی کتابوں میں رات دن مشغول رہتے تھے۔

مدرسے کیوں بانجھ ہو گئے؟

دوسری طرف صحبت تھی بزرگوں کی، جس سے اس پر عمل کرنے کی توفیق ہوا کرتی تھی افسوس کی بات یہ ہے کہ اب یہ دونوں ہی چیزیں رخصت ہو گئیں اس لئے اب میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تیس چالیس سال ہو گئے تقریباً دیکھتے ہوئے، میں نے ساری عمر ہی اس پڑھنے پڑھانے میں گزاری ہے اور تیس چالیس سال ہو گئے کہ مدرسے بانجھ ہو گئے ہیں اور بانجھ ہونے کی دو وجہ ہیں۔

(۱) اول تو اس ظاہری علم کے اندر بھی، اس کو حاصل کرنے کی طرف پوری توجہ نہیں رہی، بچے کی کتابیں پڑھ کر نہیں آتے، عمر تباہ و برباد کر کے، جب زمانہ بچے کی کتابیں پڑھنے کا تھا وہ ختم کر کے۔ نہ فارسی نہ اردو، نہ حساب نہ کتاب نہ قرآن نہ تجوید آتے ہیں مولوی بننے کو، مولوی بننے سے رہے، پڑھنے پڑھانے پر مشغول نہیں

رہی' محنت نہیں رہی۔ غیر حاضریاں ہیں' مطالعہ نہیں ہے' سبق میں حاضری پابندی سے نہیں ہے' جو ظاہری سبب تھا' ظاہری علم حاصل کرنے کا وہ بھی نہیں ہے' ایک طرف یہ گھاٹا آیا۔ علم ظاہر کے ذریعہ سے کچھ آگے کو ہدایت کا راستہ تھا' وہ بھی نہیں آیا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ وہ صحبت' وہ مجلسیں بھی نہیں رہیں۔

آپ کہو گے کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ ہم مفتی عزیز الرحمن صاحب کہاں سے لائیں' حضرت شیخ الہند کہاں سے لائیں' حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ یہ آنے سے رہے' اب وہ کہاں؟

ابلیس کی تلبیس

مگر اس کا بھی جواب خوب سمجھ لو کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے اور ابلیس کی تلبیس ہے کہ آدمی اس فکر میں رہتا ہے کہ کبھی آفتاب نکلے گا تو جب ہی روشنی حاصل کروں گا' اور جب ہی کام کریں گے' ارے میاں! چاند کی روشنی بھی نکلی ہوئی تو آدمی کام کرے گا رات میں' اگر اس میں کوئی کام رات میں کرنے کا ہے۔ جو چاند کی روشنی کو روشنی نہ سمجھے' ستاروں کی روشنی کو روشنی نہ سمجھے' اس میں کام نہ نکالے' آفتاب نکلنے کا انتظار کرے تو وہ ہمیشہ محروم رہے گا۔

ایک بات' دوسری بات یہ کہ سلسلہ تو یوں ہی تنزل کا ہمیشہ سے چلا آیا ہے' صحابہ کرامؓ کا زمانہ خیر القرون تھا۔ "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" تو ثم ثم آیا ہے' اس کے بعد تنزل ہی ہوتا چلا گیا۔

اب اگر کوئی یہ ڈھونڈے کہ صحابہ کرامؓ کے پیمانہ پر کوئی بزرگ ملے گا تو اس سے فیض حاصل کریں گے یا تابعین کے زمانہ کے یا اولیاء اللہ' امام غزالی اور امام رازی کے زمانہ کے تو وہ یوں ہی محروم رہے گا ہمیشہ۔

متقی لوگوں کی آمد کا وعدہ

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اس کے زمانہ کے مناسب حال اچھے بندے پیدا

گئے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے قیامت تک۔ حدیث شریف میں وعدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ان اللہ یغرس لھذا الدین غرسا۔ اللہ تعالیٰ اس دین کے واسطے درخت لگاتے رہتے ہیں۔

ہر زمانہ میں، ہر وقت میں اللہ کے نیک بندے، متقی بندے، جن کی صحبت نصیب ہوگی، ان کی صحبت سے فائدہ پہنچے گا، ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ غزالی جیسے، رازی جیسے نہیں ہوتے، شبلی جیسے نہیں ہوتے، صحابہ، تابعین جیسے نہیں ہوتے مگر کسی درجے کے ہوتے۔

موجودہ اساتذہ کافی ہیں

جیسے ہم ہیں ویسے ہمارے مصلح بھی ہیں، تو یہ سمجھ کر کہ آج وہ بزرگ نہیں ہیں تو ہم کہاں جائیں، یہ تلبیس ہے ابلیس کی، دھوکہ ہے شیطان کا، جیسے تم ہو، تمہاری اصلاح کے لئے، تمہارے جو موجودہ اساتذہ ہیں اصلاح کے لئے وہ بھی کافی ہیں، ان شاء اللہ جن کی طرف رجوع کرو گے، محنت کرو گے ان شاء اللہ فائدہ پہنچے گا۔

تو بھائی! دونوں چیزیں غائب ہو گئیں جس کی وجہ سے آج ہمارے مدرسے بانجھ ہو گئے، نہ علم میں محنت رہی اور نہ وہ صحبتیں رہیں اور جو صحبتیں موجود ہیں ان کی طرف التفات نہیں، کوئی ان کی طرف توجہ نہیں۔

اس واسطے میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں کہتا رہتا ہوں، تم لوگ سمجھتے ہوگے کہ ہمارا وقت ضائع کر رہا ہے، اس وقت میں بیٹھ کر اپنی کوئی کتاب دیکھتے، اس واسطے بھی اس کو سب سے زیادہ بے ضرورت چیز سمجھ لیا گیا ہے۔

میں نے اسی واسطے اس کا آغاز کیا، باوجود اس کے کہ طبیعت بھی اس قابل نہیں تھی کہ یہاں تک آسکوں اور بولنے کی بھی ہمت نہیں تھی، مگر میں نے اس کا آغاز اس لئے کیا ہے کہ مجلس آگے تک جاری رہے۔

آخری مجلس، آخری وصیت

اور اگر کسی وقت میں حاضر نہ ہو سکوں تو، میرا تو بھی خدا جانے کتنے دن کا

میں ہے۔

اگر عربی زبان پر قدرت نہیں ہے تو حضرت ﷺ نے (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ) اردو میں ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے "رحمۃ المتعلمین" کے نام سے' یہ کتاب کتب خانہ میں ملتی ہے' وہ بھی کوئی بہت قیمت کی کتاب نہیں ہے' اور اگر قیمت اتنی بھاری معلوم ہو تو مدرسہ میں بھی اس کے نسخے موجود ہیں دیکھ سکتے ہو' اس میں طالب علمی کے آداب سکھائے گئے ہیں۔

مجلس مذاکرہ تو ہفتہ وار ہوگی' لیکن اس کو کم از کم سال بھر ضرور پڑھنا چاہئے کہ ہمیں طلب علمی کے زمانہ میں کیا کرنا چاہئے' کس طرح سے ہمیں زندگی گزارنی چاہئے' ہمیں کس طرح رہنا ہے' یہ دونوں کتابیں یا دونوں میں سے ایک کم از کم اس کا ہر شخص کو مطالعہ کرنا چاہئے۔

علم مقصود کی فکر

میں یہ عرض کر رہا ہوں بھائی کہ علم نافع کے کچھ آثار ہیں' جن کتابوں کا میں نے نام لیا ہے' ان میں یہ بہت اچھی طرح واضح کیا ہے' اگر وہ آثار تمہارے اندر تمہیں نظر آتے تو تمہیں فکر کرلینی چاہئے کہ ہم غلط راستے پر جارہے ہیں' یا ان میں جو مقصود تھا حاصل نہیں ہو رہا تو علم مقصود کے حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

یعنی وہ علم جبکہ نافع نہ ہو یعنی جو عمل سے خالی ہو اللہ کی خشیت سے خالی ہو' اللہ کے خوف سے خالی ہو' وہ علم پناہ مانگنے کی چیز ہے وہ علم جہنم میں لیجانے والی چیز ہے۔

جہنم کا افتتاح

وہ جو میں نے حدیث نقل کی تھی شروع مجلس میں کہ تین آدمی ہوں گے جن سے جہنم کا افتتاح کیا جائے گا' دنیا میں کرتے ہونا' دوکان کا افتتاح ہوتا ہے' دوکانوں کا مکانوں کا افتتاح کرتے ہونا جہنم کا افتتاح جن سے کیا جائے گا وہ تین آدمی ہوں گے۔

ان میں سرفہرست وہ عالم ہوگا جس کو تم نے علم دیا تھا، کہا جائے گا کہ اس کو بھی جہنم میں ڈال دو۔ وہ کہے گا یا اللہ میں نے آپ کے لئے آدھی عمر تک تو مدرسے میں جا کر روٹیاں کھائی ہیں، پھر عمر تو گزاری ہیں اور کتابیں پڑھی تھیں، فلاں فلاں استاد سے پڑھا تھا، اتنے دن میں نے فتوے لکھے تھے، اتنے کام کئے تھے۔

حکم ہوگا کہ ہاں تم نے یہ سب کچھ کیا تھا اور یہ اس لئے کیا تھا۔ "لیقال فلان عالم" ہمارے لئے کچھ نہیں کیا تھا، خدا کے لئے کچھ نہیں کیا تھا، اس لئے کیا تھا کہ لوگ تمہیں عالم کہیں "فقد قیل" تمہارا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا، تم نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ لوگ تمہیں عالم کہیں، تمہیں تعظیم و تکریم سے نوازیں، وہ بات ہم نے دیدی، جو تم چاہتے تھے، اب کیا چاہتے ہو؟ اب تمہارے پاس کیا ہے؟

سب سے پہلے جو جہنم میں ڈالا جائے گا وہ یہ عالم ہوگا، کہتے ہو کہ فرشتے ہمارے پیچھے پھرتے ہیں بلکہ سب سے پہلے جہنم میں جاؤ گے۔

بھائی سوچو، غور کرو، یہ وقت غور کرنے کی چیز ہے۔

آخری آرزو

بھئی! آج میں نے اس مجلس کا غیر مربوط طریقے سے افتتاح کیا، دل میرا یہ چاہتا ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس میں کچھ بھی حصہ لیتا رہوں، اب کسی کام سے دلچسپی نہیں، اس سے دلچسپی مجھے ضرور ہے، یوں دل چاہتا ہے کہ کسی کے کان میں کوئی نیک کلمہ پڑ جائے، شاید کسی اللہ کے بندے کو کوئی فائدہ پہنچ جائے، اس لئے جب تک میں زندہ ہوں اس مجلس میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہوں۔

کسی وقت میں بیمار ہوں، نہ آسکوں تو اس مجلس کو جاری رکھو اور اس کو اپنے مقاصد میں سب سے اونچا مقصد سمجھو۔

مجلس : ۶۵

متفرق ارشادات

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ درس میں طلبہ سے فرماتے تھے کہ "جاہلو! اس فن میں دنیا تو کبھی تھی ہی نہیں ایک دین تھا مگر وہ تم نے نہ لیا"۔

امام غزالی کا واقعہ

احمد غزالی اور محمد غزالی دونوں بھائیوں کو ان کی بیوہ ماں نے صرف اس لئے مدرسہ نظامیہ بغداد میں داخل کیا تھا کہ ان کی پرورش ہو جائے گی مگر بعد میں وہ "حجۃ الاسلام" بنے، وزیراعظم نے مدرسہ کے طلباء کا جائزہ لیا اور ہر ایک سے پوچھا کہ علم دین حاصل کرنے سے ان کا مقصد کیا ہے؟ ہر ایک نے کہا کہ میں فلاں عہدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں، دل برداشتہ ہو کر اس نے سوچا کہ مدرسہ بند کر دے، آگے چلا تو امام غزالی جو اس وقت طالب علم تھے مطالعہ کرتے ہوئے نظر آئے ان سے تعلیم کا مقصد پوچھا تو امام غزالی نے فرمایا۔

"ہم نے عقل سے پہچانا کہ ہم کو ایک پیدا کرنے والا ہے اور عقل سے ہی یہ سمجھا کہ اس ہستی کا احسان مند ہو کر اس کی اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے اور اطاعت کا طریقہ معلوم کرنے کا ذریعہ رسالت اور وحی ہے لہٰذا ہمارے تحصیل علم کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی پسندیدہ اشیاء پر عمل کریں اور ناپسندیدہ افعال سے پرہیز کریں"۔

غالباً حضرت سفیان ثوری کا ارشاد ہے کہ

طَلَبْنَا الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللهِ فَأَبَى أَنْ يَكُونَ إِلَّا لِلهِ.

ترجمہ: ہم نے علم حاصل تو غیر اللہ (دنیا) کے لئے کیا تھا لیکن علم نے

غیر اللہ کے لئے ہونے سے انکار کر دیا۔ یعنی علم کی برکت سے ہماری نیت بھی درست ہو گئی۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

"تحصیل علم میں اگر نیت صحیح بھی نہ ہو تب بھی علم کو چھوڑنا نہیں چاہئے کیونکہ علم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیت بھی صحیح ہو جاتی ہے"۔

امام محمدؒ کے متعلق خواب

امام محمد بن حسنؒ کو (جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگرد رشید ہیں) ان کی وفات کے بعد خواب میں کسی نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ اے محمد اگر میرا تم پر احسان کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو تجھے علم نہ دیتا۔

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی امام کا قول نقل کیا ہے کہ:

اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ كُلَّكَ.

یعنی علم تم کو اپنا کچھ حصہ نہیں دے گا جب تک کہ تم اس کو اپنا سب کچھ نہ دیدو۔

ایک طالب علم کا واقعہ

ہمارے بزرگ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب دہلی میں پڑھتے تھے اس وقت ان کے ایک ساتھی کا واقعہ ہے کہ مطالعہ کے لئے روشنی کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے وہ حلوائی کی دکان کے سامنے کھڑے ہو کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔

مولانا عبد الحئیؒ صاحب کا واقعہ

مولانا عبد الحئی صاحب لکھنوی کے والد مولانا عبد الحلیم صاحب نے اپنے بیٹے کے علمی شغف کا امتحان لیا کہ جب بیٹے نے نوکر سے پانی مانگا تو اشارہ کر دیا کہ حقہ کا پیالہ آگے کر دو، صاحبزادے مطالعہ میں ایسے منہمک تھے کہ دیکھے بغیر ہی اسے

پینے لگے تو آپ نے پیالہ ان سے ہٹا دیا۔

طالب علم کو ہر منافی علم کام سے پرہیز کرنا چاہئے' اس وقت جس فن میں خامی رہ جاتی ہے وہ عموماً کبھی دور نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا مدنی نے اسی جگہ اسی موضوع پر اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ:

"ادوات علم کا ادب اسباب حصول علم میں سے ہے"۔

یعنی علم جن جن ذرائع سے حاصل ہوتا ہے ان سب کا ادب کرنا چاہئے۔ اس سے علم میں برکت ہوتی ہے۔

حصول علم کے اسباب میں سے ایک اہم چیز تقویٰ ہے' شغل کے لئے تو وقت کی ضرورت ہوتی ہے مگر تقویٰ کے لئے وقت کی بھی ضرورت نہیں۔

مسلک دیوبند کیا ہے؟

آپ حضرات کو ابھی اس نعمت خداوندی کی قدر نہیں ہے کہ اس نے آپ کا تعلیمی رشتہ دارالعلوم دیوبند سے منسلک کر دیا' جب اس "بسم اللہ کے گنبد" سے آپ باہر نکلیں گے اور کتاب و سنت اور فقہی مسائل ہی کی تعبیر میں آپ کو افراط و تفریط کا ایک بھیانک منظر سامنے آ جائے گا اس وقت معلوم ہو گا کہ دیوبند اور اس کا معتدل مسلک کیسی عظیم نعمت ہے۔

میں بھی طالب علمی کے زمانہ میں آپ کی طرح محض اپنے والد مرحوم کے حکم کی تعمیل میں دارالعلوم سے متعلق ہوا اور مسلک دیوبند بھی تقلیداً اختیار کیا' لیکن دنیا کے نشیب و فراز اور سرد و گرم چکھنے اور فرقہ وارانہ مباحث سے گذرنے کے بعد اپنی تحقیق سے اس مسلک اعتدال کی خوبیاں مستحضر ہوئیں۔ وطن کے اعتبار سے تو میں دیوبندی فطرۃً تھا اور مسلک کے اعتبار سے تقلیداً' لیکن طویل غور و فکر' بحث و تمحیص اور تجربہ کے بعد مسلک دیوبند کا محض تقلید سے نہیں بلکہ بصیرت سے پابند ہوں۔

آخر میں ایک مختصر جملہ اس کے متعلق بھی سن لیجئے کہ دیوبند کوئی نیا گھڑا مذہب نہیں' بلکہ قرآن و سنت کی صحیح تعبیر و تعمیل کا اور رفض و خروج' اعتزال و ظاہریت' تقلید و عدم تقلید' بزرگان سلف کے اتباع و انکار کے مختلف مسلکوں میں

سے ایک نہایت معتدل مسلک کا نام دیوبند ہے' جس میں "تقلید" اور "تنقید" کو اپنی اپنی حد میں اختیار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس روح دیوبند کو ہمیشہ دیوبند میں باقی رکھے اور مجھے اور آپ سب کو دیوبند کے سچے خادموں میں محشور فرمائے۔ آمین!

طلباء کیلئے مفید دستور العمل

فرمایا' طالب علم تین باتوں کا لحاظ رکھے اور ہمیشہ کے لئے ان پر دوام رکھے' انشاء اللہ تعالیٰ اس کی استعداد اچھی ہو جائے گی۔

۱۔ سبق سے پہلے مطالعہ کرے۔

۲۔ سبق سمجھ کر پڑھے' بدون سمجھے آگے نہ چلے۔

۳۔ سبق پڑھنے کے بعد ایک بار اس کی تقریر کر لیا کرے خواہ تنہا یا جماعت کے ساتھ۔

طلباء اپنی اصلاح کرائیں

فرمایا' طالب علموں کو ذکر میں مشغول تو نہ ہونا چاہئے مگر اعمال کی اصلاح اور اخلاق کی اصلاح چاہئے۔

امتحان میں کامیابی کا عمل

فرمایا ذہن کی درستگی کے لئے ہر نماز کے بعد "یا علیم" اکیس مرتبہ پڑھ لیا کریں (اور نیز امتحان میں کامیابی کیلئے) امتحان کے روز (یا علیم) کثرت سے پڑھو۔

عظمت علم

سلاطین اسلام کے دل میں علم وفضل کی کیا عزت تھی؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔ کہ ایک مرتبہ ثابت بن قرہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے المعتضد (ایک خلیفہ کا نام ہے) کے باغ میں چہل قدمی میں مصروف تھا کہ ایک دم اس نے

ہاتھ کھینچ لیا' جب جبیت نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو خلیفہ نے جواب دیا کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے اوپر تھا حالانکہ عالم کا ہاتھ سب سے اوپر ہونا چاہئے۔

عالم دین کے اوصاف

بعد المغرب مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن مبارک ﷫ سے دریافت کیا۔

"العالم ما هو؟ قال العالم، العامل، راغب الى

الآخرة، زاهد في الدنيا۔"

(عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا عالم وہ ہے جو باعمل ہو' آخرت کی طرف راغب ہو اور دنیا سے بے رغبت ہو۔)

مقصد اور خاص تفقہ فی الدین ہے 'اصل مقصد کتابیں پڑھنا اور رٹنا نہیں ہے۔

علماء میں استغنا چاہئے

فرمایا' اہل علم میں استغنا ہونا چاہئے "اظہار حاجت" میں ذلت ہے' پھٹے پرانے کپڑوں میں سونا کھانے میں ذلت نہیں' اور استغنا میں دین کا اعزاز ہے اگر یہ نیت ہو تو ثواب بھی ہو گا۔ دنیا داروں کے پاس نہ جائے۔ غریب کے پاس جانے میں ذلت نہیں۔

بہترین فقیہ

فرمایا زرین کا یہ قول مجھے بہت پسند ہے' نہایت اچھا ہے وہ فقیہ آدمی کہ جب اس کی طرف احتیاج ظاہر کی جائے تو نفع پہنچائے اور اگر بے پروائی برتی جائے تو اپنے آپ کو یکسو کر لے۔

علماء کے بارے میں غلط فہمی

"یہ کہنا کہ علماء وقت کے تقاضوں سے بے خبر ہیں یا وہ ان تقاضوں کی طرف توجہ نہیں دینا چاہتے 'محقق اور اہل بصیرت علماء امت کے حالات اور تصانیف سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ جس کا بڑا سبب بہت ہی ادھوری تعلیم والوں کا اہل علم کے نام سے معروف ہو جانا اور ناواقف عوام کا دین کے تمام معاملات میں ان پر اعتماد کر لینا ہے"۔ (ادارۂ تحقیقات اسلامی "البلاغ" اکتوبر ۱۹۶۸ء ص ۰)

ذلت کی حقیقت

فرمایا: ذلت کی حقیقت "عرض حاجت" (کسی پر اپنی حاجت پیش کرنا) ہے' بوجھ اٹھانا اور گاڑھا پہننا وغیرہ ذلت نہیں۔

اساتذہ کو نصیحت

اساتذہ کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ شاید میں آنے والے سال تک حیات نہ رہوں' معلوم نہیں میں کہاں ہوں گا اور تم کہاں ہو گے' اس لئے تم سے یہ بات عرض کر رہا ہوں' کہ جو آپ حضرات نے طریقہ تقاریر لکھوانے کا بنا رکھا ہے اگر اسے شروع سال سے آخر تک چلا سکتے ہوں تو بہت ہی نافع ہے' لیکن عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسا ہوتا نہیں ہے بلکہ اساتذہ اپنا تمام زور کتاب الطہارۃ اور زیادہ سے زیادہ کتاب الصلوٰۃ پر خرچ کر دیتے ہیں' اس کے بعد نہ استاد کو کچھ معلوم ہوتا ہے کہ کیا پڑھا رہا ہوں' اور نہ طالب علموں کو معلوم ہوتا ہے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں' بس ورق گردانی ہو رہی ہے کہ کسی طرح کتاب ختم ہو جائے' بچے بھی ہیں سمجھے اور ہم بھی سمجھے' اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کتاب الطہارۃ' کتاب الصلوٰۃ اور کچھ تھوڑا سا کتاب الصوم کا محقق بن کر رہ جاتا ہے' اس کے سوا اس کو کچھ نہیں آتا۔

حالانکہ ہمارا یہ مقصد نہیں اور نہ سرکار دو عالم ﷺ کے ارشادات کا یہ مقصد

ے اصل مقصد انسان بنانا ہے اور یہ مقصد بالکل متروک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کتب ادب اور تاریخ اور کتاب الادب جیسے ابواب کی طالب علم کو ہوا تک نہیں لگتی ہے' وہ ان باتوں سے بالکل خالی الذہن ہوتا ہے۔

میرے عزیزو اور بزرگو! یہ اجمالی معروضات اور نقصان وہ ہے' تاہل ترک بلکہ واجب الترک ہے اور طریقہ یہ ہے جو سلف سے چلا آرہا ہے کہ حدیث کا ترجمہ اور مفہوم طالب علم کے سمجھ میں آجائے' انشاءاللہ یہ مفید اور نافع ہوگا بلکہ نافع رہا ہے' پھر حضرت والا نے مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند سے اپنی مشکوۃ پڑھنے اور ان کے پڑھانے کا طریقہ بیان فرمایا کہ وہ مرقاۃ اپنے سامنے رکھتے تھے' اس کے حاشیہ پر مشکوۃ تھی' اسی میں پڑھاتے تھے' کوئی بات سمجھانے کی ہوتی مرقاۃ کی عبارت پڑھ کر بیان فرمادی' چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں مشکوۃ کی حدیث تک یاد ہو گئیں' اور الحمدللہ بعض احادیث اب تک یاد ہیں' اگر ہم بھی اسی طرح پڑھاتے جیسا اب پڑھا رہے ہو تو سارے مسائل پڑھانے کی کیا ضرورت ہے' شروع و آخر سے پڑھا کر ختم بیوی جائے اور یہ روایت کو جو چکر چل رہا ہے' معلوم نہیں کس نے نکالا ہے' کہ رواج اسباق ہو رہے ہیں' سب فضول سی بات ہے۔ خدا کے لئے کچھ سوچو' سمجھو' ہمارا مقصد زندگی اور درس و تدریس کا مقصد ملازمت نہیں ہے میں کسی ایک کو نہیں کہہ رہا ہوں سب اس میں شریک ہیں اور ہم تو سب بھول بھال گیا' ماشاءاللہ آپ حضرات کا علم تازہ ہے' پڑھانے میں شروع سال سے لیکر سال کے آخر تک یکسانیت ہو' جو وقت شروع سال میں تھا' آخر میں اسی کا خیال رکھو' یہ نہ ہو کہ سال کے آخر میں رات کو بھی اسباق ہو رہے ہیں' دن کو بھی سبق ہو رہا ہے' طلبہ بھی پریشان ہیں' اساتذہ بھی کتاب ختم کرانے کی فکر میں ہیں۔

اور اس بات کا خاص خیال رکھو کہ مدرسہ کے اوقات کی پوری پابندی ہو کہ ادھر گھنٹہ بجا اور ادھر درسگاہ میں قدم رکھا اس سے بڑی برکت ہوگی اور یہ بات اپنے ہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تجربہ شاہد ہے اور ایسا ہوتا چلا آیا ہے' گھنٹہ لگنے کے نہ پانچ منٹ بعد شروع کرو اور نہ گھنٹہ لگنے سے پانچ منٹ پہلے ختم کرو' یہ چند باتیں کہی تھیں' اپنے لئے اور دارالعلوم و اساتذہ کیلئے دعا کریں۔

مجلس : ۶۶

تفکر اہم عبادت ہے

جو خدا سے غافل ہو نہ اس کی عقل صحیح ہو سکتی ہے نہ اس کی تقریر میں اثر ہوتا ہے' آج کل عقل مند وہ کہلاتا ہے جو روٹی اور پیٹ کی بات کرے لیکن شریعت میں عقل مند اس کو کہتے ہیں جو انجام سے باخبر ہو' بھائی جو چوری کرتا ہے اگر کوئی اس کے انجام پر نظر کرے کہ پکڑا جائے گا جوتے لگیں گے تو کون اس کو اچھا کہے' یا عاقل آج کل وہ لوگ ہیں جو چاند پر راکٹ بھیج رہے ہیں مگر مرنے کے بعد ان کا کیا ہو گا موت کے بعد کے انجام سے بے خبر ہیں وہ سب غافل ہیں؟ جب دل کا آئینہ غفلت کی گرد سے دھندلا ہو جاتا ہے تو وہ انسان اللہ کے دھیان سے دور ہو تا جاتا ہے اسلام کی روشنی اس کی نہیں پہنچ سکتی' مشاہدہ ہے کہ آج کل تقریر کر کے مجمع کو مسحور کر لیتے ہیں مگر فائدہ اس سے کسی کو پہنچے یہ نہیں ہوتا اور اللہ والے ایک حرف کہہ دیتے ہیں تو سننے والے پر اثر کرتا ہے آفتاب باوجود کمال روشنی کے کسی اندھے کو کیا نفع دے گا جس کی آنکھیں ہوں اس کو سورج کی روشنی راہ دکھاتی ہے اور نفع دیتی ہے اسی طرح جس کا دل اللہ کی یاد سے اندھا ہو اس کی سمجھ میں کیا آئے گا لہٰذا دل کی آنکھ کو جلدی کھولو کہ موت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہم سب موت کے راستہ میں چل رہے ہیں اور عنقریب قبر کے گڑھے میں گرنے والے ہیں اپنا مقصد بنایا کہ دولت حاصل کریں' چلے فیکٹری کی طرف' دھیان نہیں چھوٹے پروگرام پر ہے' حقیقت کیا ہے کہ موت کے راستہ کی طرف چل رہے ہیں ہر قدم پر عمر کے سانس ختم ہو رہے ہیں یہی حقیقت ساری حیات کی جڑ ہے ہر قدم ہر سانس موت کی طرف سفر ہے تم ہر وقت ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کی طرف منتقل ہو رہے ہو وہ منزل نگاہ سے غائب ہے سامنے نہیں ہے مگر جب وہاں پہنچ جائیں گے تو آنکھ کھل جائے گی۔

تمناؤں کا سمندر

عزیزو! آرزوؤں کا ایک سمندر ہے جس میں نفس کی کشتی چھوڑ رکھی ہے حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ایک لمبا خط کھینچا اس پر چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچ فرمایا یہ لمبا خط انسان کی آرزوئیں ہیں یہ چھوٹا خط اس کی اجل ہے جب وقت آجائے گا ساری آرزوئیں ختم ہمارے خیالات رات دن ضروریات پوری کرنے میں لگے ہوئے ہیں بس خواہشات پورا کرنے کی فکر ہے حالانکہ حوادث زمانہ ہم کو خبر دے رہے ہیں کان ہو تو کوئی اس آواز کو سنے جو قبر سے روزانہ آتی ہے کہ غافل کہاں جا رہے ہو میں تنہائی کی جگہ ہوں کچھ فکر یہاں کی کر لے مگر ہم اس بدن کی تکالیف دور کرنے میں لگے ہیں اور موت کی چکی برابر چل رہی ہے جو دانہ اس کی تہ میں آگیا اس کو پناہ نہیں مل سکتی تو فلک گردش میں ہیں اور تو چکیاں چل رہی ہیں ایک دانے کے لئے۔

موت سے فرار ممکن نہیں

جدید قدیم کسی سائنس میں موت سے فرار کا کوئی نسخہ نہیں ہے اللہ کے قبضہ میں یہ سب کچھ ہے مرنے میں ایک جاہل اور ایک دولت مند برابر ہیں بلکہ فقیر کا مرنا آسان اور دولت مند کا مرنا بھی مشکل ہوتا ہے بہت سی تدابیر ہوتی ہیں اور جتنی تدابیر ہوتی ہیں اتنی ہی تکالیف غریب کو آتی ہیں اور غریب کو بیماری آتی بھی کم ہے جاتی بھی جلدی ہے امیر کو بیماری آتی بھی جلدی ہے اور جاتی بھی کم ہے عموماً جو ڈاکٹر کسی خاص مرض کا ماہر ہو اسی مرض میں وہ مرتا ہے اپنے دکھ کو دور کرنے کی کوئی تدبیر ان کے پاس نہیں ہوتی۔

تقدیر کے سامنے سب مجبور ہیں موت کا وقت ایک معین ہے تدبیر سے دل تو بہلتا ہے مگر بچ نہیں سکتا حاصل یہ ہے کہ موت سے بچنے کا تو کوئی نسخہ آج تک نہیں ملا تو جب یہ لازمی شے ہے تو اس کے لئے ہم نے کیا سامان کیا ہے؟

اے عقلمند تو کب تک اپنے نفس کو تجارت کے راستے نکال کر ہلاکت کے

راستے پر ڈالتا رہے گا کب تک طاعات کے میدان سے ہٹ کر گناہوں کی ظلمتوں میں بھٹکتا رہے گا تیری عمر بہت تھوڑی ہے اور پرکھنے والا بہت بصیرت والا ہے وہاں مصنوعی چیز کو اچھا بنا کر پیش نہیں کر سکو گے تمہاری دنیا اور اس کا ساز و سامان وہاں کام نہ آئے گا کوئی کھوٹ اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

اے آدمی تیرے سانس سب گنے ہوئے ہیں جس نے پیدا کیا اس کے یہاں سب لکھے ہوئے ہیں تو ان کو فضول اور بے شمار مت سمجھ وہاں تعداد سانسوں کی مقرر ہے جب یہ پورے ہوں گے تو اس دن کی رات نہیں آئے گی اور یا ایسی رات آئے گی جس کا دن نہیں آئے گا یہ قریب ہی ہونے والا ہے۔

پہلا عمل تفکر

آپ ﷺ کا سب سے پہلا عمل تفکر تھا وحی آنے سے قبل بھی آپ ﷺ انجام کی سوچ میں مستغرق رہتے تھے اللہ پاک کی نعمتوں میں اپنے نفس میں اور نفس کے باہر کی نعمتوں میں غور کرنے کے لئے جابجا قرآن میں ارشاد ہے۔

گلستان میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

اللہ پاک صحیح تفکر عطا فرمائے ہر چیز آئینہ ہے جمال حق کا قرآن میں ارشاد ہے زمین میں آیات ہیں فکر کرنے والوں کے لئے اور تمہارے وجود کو دیکھو اس میں کیسی مشینیں ہزاروں پرزوں سے ملکر بنی ہیں ایسی نرم و نازک رگیں کہ کوئی سائنس ایسی چیز ایجاد نہیں کر سکتی ' آنکھ ایک انچ کے اندر ہے لاکھوں رگیں اس میں ہیں کہ ذرا ادھر سے ادھر ہو جائے سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا دو ہڈیوں کے بیچ میں حلقہ بنا کر سائبان لگا کر خود بخود بند ہونے والا ' ہمیشہ اور وہ حفاظت کرنے والا پیوند لگایا ہے پھر روشنی ایسی کہ ساری دنیا کو دیکھو اگر آنکھ کی نعمت پر غور کرو تو دنوں گزر جائیں اس کی نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا پھر بھی ایسی کہ امیر و غریب بڑا اور بچہ انسان جانور کو ایک نہیں دو دو ہر ایک کو عطا کی ہیں۔

کروڑوں چہرے ایک انداز کے پیدا ہو رہے ہیں مگر اتنا تفاوت کہ ایک دوسرے

سے نہیں مل سکتا ایک کی آواز دوسرے سے نہیں ملتی ایک انگوٹھے کا نشان اربوں انسانوں کا ایک دوسرے سے نہیں ملتا اس آدھے انچ کے انگوٹھے کی لکیروں میں اتنا فرق یہ کون کر سکتا ہے۔

ایک گھڑی کا تفکر

ایک گھڑی کا تفکر ہزار سال کی نفل عبادتوں سے بہتر ہے تفکر سے خدا کے شکر کی توفیق ہوتی ہے جو ان نصیحتوں پر غور کرے گا وہ ضرور اپنے محسن کو پہچانے گا غضب تو یہ ہے کہ اس کی قدرت پر غور کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی جتنی نعمتیں آج کل زیادہ ملتی جاتی ہیں اتنے ہی اللہ سے غافل ہوتے جاتے ہیں تقاضا عقل کا تو یہ تھا کہ جتنے راز کھلتے اتنا ہی زیادہ اللہ سے تعلق ہوتا۔ پیٹرول، سوئی گیس اور جو چیزیں آج زمین سے نکل رہی ہیں پہلے تو نہ تھیں پھر ان سے کتنے فوائد ہیں، قدرت کے ہی تو یہ اسرار ہیں سائنس نے یہ پیدا نہیں کئے خدا نے ہی یہ پیدا کئے پھر اس کے شکر گزار نہیں امریکہ کے پاس سب کچھ ہے مگر عرب کے تیل کے محتاج ہیں اگر سائنس میں پیٹرول پیدا کرنے کی قدرت ہوتی تو امریکہ اپنے پاس سب پیدا کر لیتا، سائنس کا کام صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز میں جو طریقہ استعمال ہے وہ سکھا دے پیدا کرنا تو اللہ کا کام ہے۔ اور سائنسی ترقیات سے اللہ کی نعمتوں کی قدر زیادہ ہونا چاہئے مگر انسان کی غفلت عقل پہ پردہ ڈال رہتی ہے غور کرتا تو رسائی ہوتی جس مالک نے ہم کو دیا ہے وہ ضرور اس کا حساب لے گا آج ہم ہنستے پھرتے ہیں ایک جماعت سے جس کو قبر کا گڑھا روز آخرت کا خیال سامنے ہو اس کو ہنسنے کی فرصت کہاں اس پر تو غم غالب رہے گا جو انجام سوچے گا اس پر غم ہی غالب ہو گا دنیا میں خوش وہ رہ سکتا ہے جو پاگل ہو یا غافل ہو جس کے پاس علم بھی اور خبر بھی ہو انجام کی وہ کیسے دنیا میں عیش کر سکتا ہے۔ آج دنیا نے کھیل کو ہی اپنا مقصد حیات بنا لیا ہے عقل کا صحیح راستہ یہ ہے کہ کوئی وقت نکال کر اپنے وجود کی نعمتیں اپنے ماحول کی نعمتیں یہ سب سوچا کرے تو عبادت کی توفیق پیدا ہو گی ایک بوڑھی بے کس تھی دکھ درد کا دیکھنے والا کوئی نہ تھا اس کو اگر صبر کرنے کو کہا جاتا تو کیسے مانتی اس سے کہا گیا تیرے پاس کیا ہے، بولی کچھ نہیں

پوچھا تیرے پاس دو آنکھیں نہیں؟ ہاتھ نہیں؟ پیر نہیں؟ دل زبان نہیں؟ سینکڑوں نعمتیں جلدی جلدی شمار کرائیں پھر پوچھا جن کے پاس یہ سب کچھ نہیں وہ قابل رحم ہیں۔ تو بولی واہ واہ میرے پاس تو رب کی بہت نعمتیں ہیں بس اس لئے رونا بند کر دیا اور شاکر بن گئی عبرت حاصل کرو جس مالک نے مجھے اپنا بنایا وہ کیا مجھے یونہی چھوڑ دے گا ان نعمتوں کا حساب نہ ہوگا ان نعمتوں کی فکر سے جو جذبہ شکر کا پیدا ہو وہ سب سے بڑی طاعت ہے۔ مولیٰ توفیق دینے والے ہیں۔

متفرق ارشادات

ولی کی پہچان

فرمایا' ولی کی پہچان ایک یہ ہے کہ اس میں دوام طاعت اور کثرت ذکر ہو اور کسی شیخ کے پاس رہ کر اس سے علاج سیکھا ہو ایسے شخص کو مصلح کہتے ہیں۔

حکیم ہونے کا معیار

فرمایا شاہ ولی اللہ نے حکیم کا معیار یہ لکھا ہے کہ صوفی بھی ہو فقیہ بھی ہو اور محدث بھی ہو۔

خوشگوار دنیا

فرمایا خوشگوار دنیا دین ہی کے ساتھ میسر ہوتی ہے' مسلمانوں کو تو شریعت سے الگ ہو کر دنیاوی ترقی نصیب ہو ہی نہیں سکتی۔

مذاہب اربعہ کی معتبر کتابیں

مذاہب اربعہ معلوم کرنے کے لئے میزان' عبدالوہاب شعرانی کی معتبر کتاب ہے 'البدایہ والنہایہ میں اور مذاہب اربعہ میں اسی سے حوالے نقل کئے ہیں۔

حسن اسلام

فرمایا' اسلام کا ایک حسن یہ ہے کہ اس کو اپنی اشاعت کے لئے نہ زر کی ضرورت ہے اور نہ زور کی۔

عقل و ایمان

فرمایا' بڑے کی چیز تو عقل و ایمان ہے۔

دین سے عقل صحیح ہوتی ہے

فرمایا' جو دین کا پابند نہیں ہوتا' اس کی دنیا کی سمجھ بھی خراب ہو جاتی ہے اور جو شخص دیندار ہوتا ہے گو تجربہ دنیا کا نہ ہو لیکن دنیاوی امور میں بھی اس کی سمجھ سلیم ہو جاتی ہے' حلال روزی میں بھی یہی اثر ہے' برخلاف اس کے حرام روزی سے فہم مسخ ہو جاتی ہے۔

عزت بڑھنا

فرمایا قرض خط سے اور عزت بڑھ جاتی ہے۔

کسی کو حقیر نہ سمجھے

فرمایا' بزرگوں کا نمونہ بننے ہی میں دین کی حفاظت ہے اور دنیا کی عزت ہے' بزرگ کی شان کمال یہ ہے کہ کسی کو حقیر نہ سمجھے۔

اکابر کی سادگی

حضرت حکیم الامت کے ملفوظات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کی ایک زمانہ میں دس روپیہ ماہانہ تنخواہ تھی۔ کتابیں تصحیح کرنے کا کام تھا۔ بزرگوں کو یہ حال تھا کہ دیکھنے والوں کو یہ نہ معلوم ہو کہ بہت بڑے آدمی ہیں ان کے کپڑے بھی دیکھ کر کوئی ان کو عالم یا مولوی نہیں سمجھتا تھا۔ اب تو علماء کے لباس بہت ممتاز ہوتے ہیں۔

آپ ایک مرتبہ اسٹیشن پر تھانہ بھون کسی کام سے گئے تھے۔ وہاں کوئی بڑے درجہ کی گاڑی سے اترے۔ کوئی قلی موجود نہ تھا۔ حضرت کو دیکھ کر کوئی معمولی آدمی خیال کیا۔ آواز دی ادھر آؤ سامان اٹھاؤ۔ آپ نے سر پر سامان اٹھا لیا اور ساتھ ساتھ شہر کی طرف چلے۔ بستی میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کی تعظیم کی۔ دریافت کرنے پر قصہ معلوم ہوا تو اس نے معافی مانگی۔ اس رنگ کے یہ بزرگ تھے۔

حضرت شیخ الہند کا ارشاد

فرمایا حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ عمر بھر پڑھنے پڑھانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم جہل مرکب سے جہل بسیط میں آ گئے۔

فرمایا، تم بھی کسی الجھن میں مت پڑو، جہاں الجھن دیکھو ایک دم اس کام کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ انسان سے دق نہیں تو نفسانیت آ ہی جاتی ہے یکسوئی قابل قدر چیز ہے ان قصوں جھگڑوں سے ایک بہت بڑی چیز برباد ہو جاتی ہے جس کی ہمیشہ اہل اللہ و حامیان حق سلف صالحین نے حفاظت کی ہے وہ یکسوئی ہے، ہر کام میں مقصود رضائے حق و قرب حق پیش نظر رہے۔

کام کرنے کا بہترین طریقہ

فرمایا، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ غیر اختیاری کاموں کے پیچھے پڑنے سے وقت خراب ہوتا ہے اور کام نہیں ہوتا اور ہو بھی جائے تو وہ غیر اختیاری ہوتا ہے۔

فرمایا، روپیہ کی ذات سے خفا ہونا مرض ہے۔

عملیات کا اثر

فرمایا عملیات کا اثر زیادہ تر قوت خیالیہ کا ثمرہ ہے

مقبول کوشش

کلام پاک میں ہے جو ارادہ کرے کوشش کرے آخرت کی اور کوشش اس

کے مناسب کرے اور ایمان بھی ہو ان کی کوشش اللہ کے یہاں مقبول ہے۔
یہاں پہلی شرط ایمان ہے' دوسری ارادہ' تیسری کوشش جو اس کے مناسب ہو۔ اب ایک تو وہ شخص ہے جس کا ارادہ ہی آخرت کا نہیں یہ لوگ پنج سورتے لگاتے ہیں اس لئے کہ برکت ہو' مقصد اللہ کی رضا نہیں بلکہ دنیا حاصل کرنا ہے تو دنیا ان کو مل جائے گی۔
سورۂ مزمل' سورۂ یٰس کے فضائل اپنی جگہ مکمل درست ہیں۔ مگر دنیا کے فوائد حاصل کرنے کی نیت ہو تو وہ صرف دنیا ہے اس میں آخرت کا کوئی حصہ نہیں۔ ہاں! یہ نیت کرو کہ سورۂ یٰس قلب قرآن ہے آخرت کے حصول کا ذریعہ ہے اور پھر تیسرے درجہ میں دنیا کے فوائد بھی ہیں۔

حاجات بر آنے کا ذریعہ

فرمایا' دنیا اور دین کی حاجتوں کے بر آنے کا ذریعہ استغفار ہے۔

قول یحییٰ بن معاذ

فرمایا حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ دنیا دار الحزن ہے' دار المحن' محن و قید خانہ ہے' غم کی وادی ہے۔ شیطان کی دوکان ہے ۔

اف للدنیا وایامها فانها للحزن مخلوقه

همومها لا تنقضی ساعة عن ملك فيها او سوقه.

(ترجمہ) دنیا اور ایام دنیا میں افسوس ہے کہ وہ حزن و غم کے لئے بنائی گئی ہے' اس کا غم ایک گھڑی کے لئے ختم نہیں ہوتا خواہ اس میں بادشاہ ہو یا بازاری آدمی۔

قول شیخ ابوالحسن شاذلی

فرمایا شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جان لو اگر حق تعالیٰ کوئی چیز عطا نہیں فرماتے تو ان کا یہ نہ دینا بخل کی وجہ سے نہیں بلکہ عین رحمت ہے' ان کا نہ دینا

ہی رہتا ہے لیکن نہ دیکھنے میں رہتا وہی سمجھتا ہے جو صدیق ہے ۔

دین و دنیا کے ثمرہ کا فرق

فرمایا: دین میں محنت کم ہے اور ثمرہ زیادہ ہے، برخلاف اس کے دنیا میں محنت زیادہ اور ثمرہ کم۔

اب تک دنیا پر کتنا عرصہ گزرا ہے

فرمایا: اہل تاریخ کے نزدیک آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک سات ہزار سال ہو گئے ہیں۔

جامع ارشاد

فرمایا: آرام سے رہیں، حرام سے ڈریں۔

تعصب اور تصلب میں فرق

فرمایا: تعصب اور تصلب میں فرق یہ ہے کہ تعصب کے معنی ہیں بے جا حمایت کرنا اور تصلب کے معنی ہیں پختگی کے ساتھ مذہب پر جما رہنا، اول ممنوع ہے اور ثانی مامور بہ ہے۔

چاپلوسی کرنا

فرمایا: تملق (خوشامد و چاپلوسی) کی بدنامی سے تکبر کی بدنامی بہتر ہے۔

وجاہت اور رعایت میں فرق

وجاہت اور چیز ہے، رعایت اور چیز ہے۔ استاد ہو کر شاگرد سے دبے، خود ذلیل ہو کر

بیوی سے رہے بے غیرت ہے' بالی رعایت اور چیز ہے اس کو محبت و شفقت کہتے ہیں۔

لہو و لعب میں فرق

فرمایا' لعب کہتے ہیں لغو اور عبث فعل کو اور لہو کہتے ہیں غفلت میں ڈالنے والی بات کو۔

خیر محض

فرمایا' جس حالت سے دین کا ضرر نہ ہو وہ خیر محض ہے۔

چالاکی کی تعریف

فرمایا' چالاکی تو وہ ہے جس کو کوئی سمجھ نہ سکے ورنہ تو وہ پھوہڑ پن ہے جب پتہ لگ گیا تو ہوشیاری اور چالاکی ہی کیا ہوئی؟

پریشانی خیالات کا نام خواب نہیں

فرمایا' پریشانی خیالات کا نام خواب رکھ لیا ہے پھر ان کی تعبیر ہی کیا۔

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

عافیت کے دو گر

فرمایا' ۱۔ کسی کی گواہی نہ دو۔ ۲۔ کسی کے معاملہ میں فیصلہ کنندہ نہ ہو۔

مطلب و اغراض معیار محبت نہیں

فرمایا' کسی کے اعتقاد اور محبت کا اعتبار صرف مطلب اور اغراض تک سب کچھ

ہے اور ان کے خلاف کوئی بات پیش آجاوے اسی وقت اڑا اور اعتقاد و محبت سب ختم ہو جاوے ۔

بہادر رحمدل ہوتا ہے

فرمایا تجربہ ہے کہ شجاع یعنی قوی دل ہمیشہ رحمدل ہوتا ہے ' سنگدلی اکثر بزدلوں میں ہوتی ہے ' عورتیں مردوں سے زیادہ رحمدل نہیں ہیں بلکہ ضعیف القلب (کمزور دل والی) ہیں اور مرد متشدد نہیں ہیں بلکہ قوی القلب (مضبوط دل والے) ہیں ۔

صحیح متحدہ قومیت

اسلام کی اصلی دعوت حقیقت میں ایک اصلی اور صحیح متحدہ قومیت ہے جو وطنی اور لسانی بنیادوں پر نہیں بلکہ اصول صحیحہ اور عقائد حقہ پر مبنی ہو جس میں خدا اور اس کے رسولوں کی مخالفت کا گزر نہ ہو ۔

مہنگا سودا

"آزادی رائے" یا "ریسرچ" اور تحقیق کے حسین عنوانات کے فریب میں آکر اگر ہم نے اسلاف کے اعتماد اور عظمت و محبت کو ضائع کر دیا تو یقین کیجئے کہ یہ تجارت ہمارے لئے بڑا مہنگا سودا ہو گا ۔ تحقیق ہمارے ہاتھ نہ آئے گی اور اسلاف کی ڈگر ہم سے چھوٹ جائے گی ۔

بدبختی کی علامت

نئی تعلیم نے "آزادی رائے" کا خوبصورت عنوان دے کر ہماری جس متاع گرانمایہ پر پہلی ضرب لگائی وہ اسلاف کی عظمت اور ان پر اعتماد ہے جس کے نتیجہ میں دین کے مسلمات اور مجمع علیہ مسائل بھی تشکیکات کا کھلونا بن گئے ۔ ہم ریسرچ اور

تحقیق کے نام پر ان بزرگوں کا اعتماد کھو کر شکوک واوہام کی راہوں میں بھٹکنے لگے ان مسائل میں اسلاف امت کا خود اختلاف ہے۔ ان میں آپ جس کو علم و تقویٰ کی رو سے زیادہ افضل سمجھیں اس کے قول و عمل کو اختیار کر سکتے ہیں مگر پھر بھی اس سے مختلف رائے رکھنے والے بزرگوں کی شان میں ادنیٰ سے ادنیٰ بے ادبی بھی بدبختی کی علامت ہے۔

حقیقت پسندی

عقل کی بات تو یہ ہے کہ انسان کو نہ قدامت پسند ہونا چاہیے نہ جدت پسند بلکہ حقیقت پسند ہونا چاہیے جو چیزیں پرانی اچھی ہیں ان کو اختیار کرے جو چیزیں نئی اچھی اور نافع و مفید ہیں ان کو اختیار کرے۔

شریعت اسلام ان ایجادات و مصنوعات میں صرف یہ چاہتی ہے کہ انسان خدا کی ان نعمتوں سے اسی کی دی ہوئی عقل کے ذریعے نئی نئی ایجادیں کریں۔ معاشی آسانیاں حاصل کریں مگر دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی نافرمانیوں میں استعمال نہ کریں' دوسرے عطا کرنے والے منعم حقیقی کو نہ بھولیں"۔

لطیفہ غیبی کی حقیقت

فرمایا' لطیفہ غیبی سے مراد کوئی لطیف جسم ہے خواہ وہ فرشتہ ہو یا روح ہو یا اللہ تعالیٰ کی کوئی اور مخلوق ہو۔

حضرت خضر علیہ السلام کی تسلی

فرمایا حضور اقدس ﷺ کے وصال میں حضرت خضر علیہ السلام نے صحابہ کو اس طرح تسلی فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہر مصیبت سے تسلی ہے اور ہر فوت ہونے والے کا عوض ہے' بس اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید رکھو کیونکہ پورا محروم تو

وہی ۔ ہے جو ثواب ۔ سے محروم رہے اور مسلمان تو کسی مصیبت میں ثواب سے محروم نہیں رہتے۔ فرمایا کوئی مصیبت اپنی ذات میں مصیبت نہیں بلکہ محل کے اعتبار سے مصیبت ہے ۔

صحابی بننے کی دو شرطیں

فرمایا حضور ﷺ ابھی متمثل ہو سکتے ہیں مگر اس وقت ملاقات کرنے والا صحابی نہیں ہوگا کیونکہ صحابی بننے کیلئے دو چیزیں شرط ہیں ایک تو جسم ناسوتی میں حضور ﷺ کی زیارت کرے اور یہ جسم مثالی ہے' دوسرے اتحاد زمانہ تحقق ہو ۔

حضرت حوا کی قبر

فرمایا حضرت حوا علیہا السلام کی قبر مکہ میں پہاڑ ابو قبیس کے پاس ہے ۔

بابرکت گھوڑا

فرمایا حدیث کا مضمون ہے کہ بہترین گھوڑا سیاہ رنگ والا ہے جس کی پیشانی میں سفید ٹیکہ ہو اور اوپر کے ہونٹ میں سفیدی ہو ۔ اس کے بعد اس گھوڑے کا درجہ ہے جس کی پیشانی میں سفید ٹیکہ ہو اور پیر سفید ہوں مگر داہنا ہاتھ سارے بدن کے رنگ کا ہو ۔

حوض کوثر کی تعریف

فرمایا حوض کوثر کے پانی کی یہ تعریف ہے کہ جس نے ایک مرتبہ (اس کا) پانی پی لیا اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی' عمر بھر کے لئے پیاس کی کلفت رفع ہو جائے گی' اور لطف اس قدر ہوگا کہ بدون پیاس کے بھی اس کی طرف رغبت ہوگی اور اس کا مزہ حاصل ہوگا ۔

جہنم میں قیام کی ادنیٰ مدت

فرمایا' جہنم میں جو شخص داخل ہوگا' ادنیٰ مدت اس کے لبث (ٹھہرنے) کی سات ہزار سال ہوگی۔

بغیر متن کے قرآن کریم کا ترجمہ چھاپنا درست نہیں

فرمایا: چراغ نور کے نام سے قرآن مجید کا ترجمہ بغیر متن کے طبع ہوا ہے' اس طرح سے ترجمہ ہی ترجمہ چھاپنا ناجائز ہے۔

بیوی زیادہ حسین نہ ہو

فرمایا' آج کل لوگ منکوحہ میں حسن وجمال کو دیکھتے ہیں' حالانکہ راحت اور فتنوں سے حفاظت آج کل اسی میں ہے کہ بیوی زیادہ حسین وجمیل نہ ہو' حسن وجمال کی کیا قدر نہیں کی جاتی ہے' عرض کرنے پر فرمایا: حسن وجمال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے' لیکن اس میں احتمال فتنہ کا غالب ہے۔

بواسیر کا علاج

فرمایا' اکتالیس بار الحمد شریف پانی پر دم کرکے پینے سے بواسیر کو فائدہ ہوگا' انشاء اللہ تعالیٰ۔

مجلس : ۶۷

حضرت مفتی اعظم کی آخری مجلس عام

مجدد الملت، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے چشمۂ فیوضات علوم و معارف اور حکمت و دانش سے سرشار و سیراب ہونے والے خوش نصیب علماء و فضلاء اور صلحاء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کو حق تعالیٰ جل شانہ نے بڑی امتیازی شان عطا فرمائی تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مربیانہ مشفقانہ اور بیدار مغز فیضان نظر اور خصوصی توجہات و عنایات سے مستفیض و مستفید ہونے والی اس جلیل القدر ہستی کی عظمت و جلالت بزرگی و وجاہت اور خداداد ہیبت سے کسی حق پرست، حق شناس، ذی شعور انسان کو انکار کی مجال نہیں۔

حضرت مفتی اعظم (پاکستان) مرحوم نے اپنے عظیم المرتبت شیخ طریقت اور مربی فیض مرتبت کے عطا کردہ منصب کا تاحیات کما حقہ حق ادا فرمایا۔ درس و تدریس ہو، تصنیف و تالیف ہو، تحقیق و تخلیق ہو، تربیت سالکین ہو، فتاویٰ نویسی ہو، ارشادات و ملفوظات کے ذریعہ فیضان عام ہو، غرض یہ کہ زندگی مستعار کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کا فیض عام عوام الناس تک نہ پہنچا ہو، مجالس ملفوظات وارشادات کا اہتمام بھی حضرت مفتی صاحب مرحوم نے بہت ہی انصرام و انتظام اور رعایت عام کے ساتھ زندگی کے آخری لمحے تک خوب ہی دلنشین انداز میں ادا فرمایا۔ مجالس میں حاضری دینے والوں پر مختلف علوم و معارف و معرفت کے خم کے خم لنڈھاتے رہے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم جہاں کہیں بھی رہے، جہاں جہاں ٹھہرے اور جہاں جہاں تشریف فرما ہوئے آں مرحوم کا صحبت عالیہ اور مجالس عرفانیہ کا چشمۂ فیض سدا جاری رہا۔

زبانی ارشادات سے نوازنا

جن دنوں بیماری کی شدت پر ہوتی ان دنوں بھی بندہ نوازی و دلداری کا یہ عالم دیکھا کہ شدید ترین مشتاقانِ زیارت دیدار کے بغیر مصافحہ کئے بغیر لوٹ جاتے تھے ہوں سلامتی کی دعائیں دیتے اور سے لیتے والا آحسان عالیہ اور دربار اشرفیہ کے درویش کھلا رہا۔ دلجوئی، دلنوازی اور خورد نوازی میں تو واقعی حضرت مفتی صاحب اپنی مثال آپ تھے۔ جو ایک مجلس کے آگے ان کا دور جو بیٹھ چکا رہا اور کسی کو آپ مرحوم نے اپنے فیض عام سے کبھی بھی محروم نہ رہنے دیا۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

آج مفتی صاحب مرحوم کی مسند ارشاد و تلقین اور منصب موعظت و نصیحت خالی دیکھ دیکھ کر دل میں درد و غم ہر روز سوا ہوتا ہے۔ اور حضرت مفتی صاحب مرحوم کی یاد آتی ہے تو ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی جاتی ہے اور یہی معلوم و محسوس ہوتا رہتا ہے ہے

جو جن سے جیتا دو بھر رہے ہیں
وہ آرہے ہیں وہ جا رہے ہیں۔

اس بے پناہ درد اور شدید صدمہ سے بحر دل حزیں کا تقاضا ہوا کہ حضرت مفتی صاحب کی مبارک زندگی کی آخری یادگاری مجلس کے لوازمات کا ذکر یہیں اپنی بے مائیگی اور کوتاہ نظری کے باوجود نفع عام کی خاطر کر دیا جائے۔

اے بارگاہ عالی مقام!

قبول کن ز راہ دلنوازی

کہ من نیاز دارے بجز تو دارم

حاضرین کو آرام گاہ میں بلوانا

۲ اکتوبر بروز اتوار صبح تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حضرت مفتی صاحب ؒ نے مشتاقانِ زیارت اور طالبانِ علم و معرفت کو اپنی قیام گاہ اور خاص کمرۂ استراحت میں بلوا بھیجا۔ گزشتہ رمضان شریف کا صرف پہلا اتوار ایسا گزرا تھا کہ حضرت مفتی اعظم

مفتیؒ نے دارالافتاء کے وسیع کمرے میں مجلس میں تشریف لا کر علوم و معارف کی بارش برسائی۔ حسب معمول ملفوظات اشرفیہ پڑھے گئے اور جگہ جگہ ان مرحوم تشریح و وضاحت فرماتے رہے پڑھنے والے نے رکنا چاہا تو مفتی صاحب نے فرمایا۔ اچھا بھئی تھوڑا سا اور پڑھ لو ابھی وقت ہے۔ پھر اور دیر ہوئی چاہی تو ایک مرتبہ بھائی مولانا محمد تقی صاحب نے مجھے اشارہ کر کے فرمایا کہ میں مفتی عبدالرؤف صاحب (قاری ملفوظات) کو رکنے کے لئے کہہ دوں۔ تھوڑی سی دیر اور گذری تھی کہ حضرت مفتی صاحب کے دہن مبارک سے یہ الفاظ نکلے اچھا بھئی اب دعا کر لو چنانچہ کافی الحاح اور خشوع و خضوع کے ساتھ حضرت نے کافی دیر تک دعا فرمائی اور پھر فاروق صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب سہارے کے ساتھ جائے استراحت پر تشریف لے گئے۔ اس اتوار کے بعد حضرت کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی اور بقیہ رمضان شریف کے اتواروں میں بس یہی ہوا کہ مفتی صاحب کے خصوصی کمرہ میں لوگ سلام علیکم کرکے اور زیارت کر کے واپس آجاتے حتیٰ کہ عیدالفطر بھی اسی کیفیت کے ساتھ گذر گئی کہ اس دن بھی اتفاقاً اتوار کا ہی دن تھا۔ پھر بعد میں ۳ اکتوبر والا ماہ شوال کا پہلا اتوار تھا کہ حضرت مولانا مفتی صاحب نے سب لوگوں کو بلا ہی نہ لیا بلکہ خلاف معمول بیٹھ کتاب کے ملفوظات عالیہ سے حاضرین مجلس کو بڑی فرحت و انبساط کے ساتھ نوازنا بھی شروع کر دیا۔ دوران مجلس کچھ صاحبان برابر آتے رہے اور محفل حسنی اور بڑھتی چلی گئی۔ کبھی کبھی حضرت مفتی صاحب رک جاتے اور فرماتے کہ ہاں بھئی ذرا آگے ہو جاؤ لوگ سرکتے گئے حاضرین مجلس بڑھتے گئے حتیٰ کہ تمام فرش کرسیاں تخت آدمیوں سے بھر گئے کمرہ کھچا کھچ بھر گیا جہاں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی پھر کچھ حضرات کمرے کے دروازے کے بالکل قریب بھی بیٹھ گئے اور حضرت مفتی صاحب کے ارشادات عالیہ و ملفوظات طیبہ سے مستفیض و مستفید ہوتے رہے۔ دوران مجلس چہرے پر کمزوری اور نقاہت کے آثار بار بار محسوس ہو رہے تھے مگر اللہ کا تعلق چہرے پر [illegible] گھنٹے تک مسلسل ہوتا رہا۔

آپ پر حضرت تھانوی کی شفقتیں

حضرت مفتی صاحب نے بطور خاص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ﷺ کی شفقتوں اور عنایتوں کے ذکر سے کلام کی ابتداء فرمائی۔ کچھ حضرات اور آگئے تو فرمایا کہ حضرت (تھانوی) کی شفقتوں پر بات آئی تھی۔ حضرت والا کے ہاں ظہر سے عصر تک مجلس عام ہوتی تھی اس میں عام اجازت تھی سبھی بیٹھتے تھے لیکن ایک صبح کی مجلس خاص ہوتی تھی الحمدللہ میرے ساتھ کچھ خصوصیت بھی تھی جس زمانہ میں احکام القرآن کا کام میرے سپرد تھا تحریر کا وقت ایسا تھا کہ وہی مجلس خاص کا بھی وقت تھا میں نے حضرت سے عرض کیا کہ میں تو تصنیفی کام کے سبب اس مجلس سے محروم رہ جاتا ہوں جب کہ جی بہت چاہتا ہے کہ شرکت کروں اور آپ کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوں۔ خیر میں کام ختم کر کے ایسے وقت پہنچ جاتا کہ کبھی مجلس جاری ہوتی اکثر دیکھا کہ حضرت میرے پہنچنے کے بعد مجلس کو اور طول دے دیتے۔ بعض وقت ۱۵۔۲۰ منٹ اور کبھی آدھ گھنٹہ تاخیر تک تشریف فرما رہتے اور ملفوظات جاری رہتے۔ ایک روز مجھے پہنچنے میں بہت دیر ہو گئی مگر حضرت نے مجلس ختم نہیں کی بلکہ جب مجھے دیکھا تو مصرع پڑھا۔

عید ہوئی روزِ تھی مگر شام کو

دوران مجلس ایک صاحب نے مفتی صاحب مرحوم سے سوال کیا کہ حضرت دوسرا مصرعہ اس کا کیا تھا تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ بس یہی ایک مصرع حضرت نے پڑھا تھا اور یہی مجھے یاد ہے۔

جانشینی کا منصب عطا فرمانا

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب گویا ہوئے کہ ایک دن علماء کا مجمع تھا اور صبح کی مجلس خاص میں یہ سب حضرات بھی موجود تھے۔ میرے استاد حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب ﷺ بھی تشریف لائے ہوئے تھے اور شریک مجلس تھے۔ اتفاق یہ کہ ۸۔۹ بجے ہی کا وقت ان دنوں میرے لئے ضروریات سے

فراغت کا ہوتا تھا۔ میں جلدی جلدی فارغ ہو کر آیا تو مجمع جم چکا تھا حتیٰ کہ علماء کے لئے بھی کچھ بھی خالی نہ تھی صرف حضرت کا مصلیٰ خالی باقی تھا۔ مجھے حضرت نے دیکھا تو وہیں مصلیٰ پر آ کر بیٹھ جانے کے لئے کہا میں ذرا جھجکا تو فرمایا کہ نہیں نہیں یہیں آ جاؤ پھر ایک قصہ بھی سناؤں گا چنانچہ میں حضرت کے ارشاد کے مطابق مصلیٰ پر جا بیٹھا تو حضرت نے عالمگیر اور دارا شکوہ سے متعلق تخت نشینی کا قصہ یوں سنایا کہ دارا شکوہ ایک بزرگ کے پاس گئے انہوں نے اسے اپنی مسند پر بٹھانا چاہا تو اس نے تکلف کیا اور نہ بیٹھا پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے ان بزرگ سے درخواست کی کہ حضرت دعا کیجئے کہ مجھے تخت سلطنت مل جائے۔ بزرگ نے کہا کہ ہم تو تمہیں تخت دے رہے تھے لیکن تم ہی نہ بیٹھے پھر اتفاقاً کچھ دن بعد حضرت عالمگیرؒ بھی انہیں بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب ان کو انہوں نے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا تو یہ فوراً بیٹھ گئے۔ بعد میں انہوں نے بھی دعا کی درخواست کی کہ مجھے تخت سلطنت مل جائے بزرگ نے فرمایا کہ بھائی تخت تو تمہیں مل گیا (چونکہ یہ ان کے کہنے پر ان کی مسند پر آ کر بیٹھ چکے تھے) اور یہ بزرگ تکوینی امور کے حامل ابدال میں سے تھے۔ اب تاج کا مسئلہ باقی ہے اور تمہارے فلاں خادم کے سپرد ہے جو تمہیں وضو کرواتا ہے۔

چنانچہ حضرت عالمگیر خوشی خوشی گھر پہنچے اور چونکہ یہ بڑے عاقل اور دانا تھے اس لئے انہوں نے یہ ترکیب کی کہ یوں تو کہا نہیں کہ مجھے تاج سلطنت دے دو بلکہ یہ کیا کہ وضو کے وقت اپنا صافا اتار کر انہیں پکڑا دیا اور وضو ختم کرکے کہا کہ صافا اپنے ہاتھ سے ہمارے سر پر رکھ دو۔ وہ بزرگ ذرا جھجکے مگر مخدوم کا حکم بھی نہ توڑ سکے لیکن اتنا ضرور کہا کہ خدا ستیاناس کرے اس کا کہ اس (یعنی مسند پر بٹھانے والے بزرگ) نے میرا راز فاش کر دیا اور فوراً صافا عالمگیر کے سر پر رکھ دیا۔ چنانچہ بعد میں عالمگیر تاج و تخت کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔

ہمارے استاد حضرت میاں صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے انہوں نے خاص طور پر بعد میں مبارکباد دی تھی کہ حضرت نے آج تمہیں بہت بڑے منصب سے نوازا اور تمہاری بڑی عزت افزائی کی اسی طرح اور دوسرے شرکائے مجلس نے بھی

مجھے بعد میں محسوس ہوا۔ میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے اوپر بزرگوں کی شفقتیں تو بے حد ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ میں دیوبند میں بیمار پڑ گیا اور تھانہ بھون حاضری میں تاخیر ہو گئی۔ جب میں اچھا ہونے کے بعد اپنے معمول کے مطابق پہنچا تو حضرت نے فرمایا "اس مرتبہ تو انتظار میں گھلا دیا"۔ یہ حضرت کی بے پناہ شفقت اور بے حد عنایت کی بات تھی اور حضرتؒ کی توجہ تھی اس کا ثبوت تھا ورنہ حضرت کے یہاں انتظار کس کا؟ ہمارے پاس تو حضرت کی عنایات اور توجہات کے سوا اور کوئی سرمایہ ہے ہی نہیں۔

احکام القرآن کی تالیف

دارالعلوم دیوبند کی ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد جب یکسو ہو کر تھانہ بھون پہنچا۔ تو حضرت بہت خوش ہوئے پھر مجھ سے کہا کہ یہاں تصنیف و تالیف کے کام میں لگنا ہے اور خاص طور پر پہلے "احکام القرآن" کا کام تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ جو تنخواہ تمہیں دارالعلوم سے ملتی تھی میں کسی طرح تمہیں اس سے زیادہ پیش کر دوں۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ میرے پاس الحمدللہ اتنی رقم موجود ہے کہ میں بڑے اطمینان سے اور فراغت کے ساتھ ایک سال تک اپنے خرچے پورے کر سکتا ہوں۔ ایک سال تک کسی سرمایہ کی ضرورت نہیں۔ بس جی چاہتا ہے کہ خدمت کروں حضرت نے قبول فرما لیا مگر کہا کہ اچھا اگر ہم کچھ دیا کریں تو اسے قبول کر لیا کرو' (حضرت مفتی صاحب نے تفصیل بھی بتائی تھی کہ احکام القرآن کی دو منزلیں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کے ذمہ تھیں' دو میرے ذمہ لگائیں ایک حضرت مولانا محمد ادریس صاحب مرحوم کے اور دو حضرت مفتی جمیل احمد صاحب کے ذمہ الحمدللہ میری اور مولانا ادریس صاحب کی جلدیں تو مکمل ہو گئی تھیں' مولانا ظفر احمد صاحب کی ایک منزل ہو گئی باقی ایک ہے اور مفتی جمیل احمد صاحب کا کچھ کام باقی ہے) اس کے بعد مفتی صاحب نے شیخؒ کے متعلق فرمایا کہ ہمیں تو بڑے سیلاب نے کاغذ کالے کرنے پر لگا دیا تھا اس ہی میں لگے رہے۔ پھر جب کام شروع کیا تو کبھی پانچ کا نوٹ آتا کبھی دس روپے کا نوٹ آتا۔ مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کی معرفت بھیجے

آتے اور ایک پرچہ حضرت کا روپوں کے ساتھ ہوتا کہ یہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے اسے قبول کر لو۔ معلوم ہوتا تھا کہ فی گھنٹہ کام کا حساب بھی حضرت لگاتے اور اس کے مطابق رقم مولوی شبیر احمد صاحب مرحوم کی معرفت پرچے کے ساتھ بھیجا کرتے۔ بس حضرت نے جس کام میں لگا دیا تھا الحمدللہ ساری عمر اسی میں لگے رہے اور زندگی ورقے کالے کرنے ہی میں گذر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کو ایسا مقام دیا تھا کہ کوئی نامکمل نہیں رہا۔ "احکام القرآن" کے لئے بھی امید ہے کہ انشاءاللہ کبھی نہ کبھی پورا ہو جائے گا اور کوئی نہ کوئی پورا کر دے گا۔ میں نے مولانا ظفر احمد صاحب سے عرض کیا تھا، مگر بیماریوں نے انہیں بھی مہلت نہ دی۔ حضرت کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق عطا فرمائیں گے۔

بڑا ہدیہ قبول کرنے سے معذرت

حضرت مفتی صاحب ﷺ نے حضرت تھانوی ﷺ کے دربار عالیہ کا ایک واقعہ بھی نقل فرمایا کہ ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں ۵۰۰۰۰ (پچاس ہزار روپے) کی پیش کش کی اور کہا کہ آپ حج کیلئے تشریف لیجائیں اور اس رقم کو استعمال فرمائیں اور اپنے ساتھ جس جس کو چاہیں لے جائیں۔ حضرت نے فرمایا اتنا بڑا ہدیہ قبول کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔ پھر یہ کہ آپ سے بے تکلفی بھی نہیں اس لئے میں قبول کرنے سے معذور ہوں اور بھائی جو خدمت میں یہاں کر رہا ہوں وہ بھی تو سرکار ہی کی خدمت کر رہا ہوں۔ اگر میں سفر میں رہوں گا تو شاید یہ کام یہاں سا چھوٹ جائے جو زیادہ ضروری ہے۔ وہاں حرم شریف کی زیارت تو ہو جائے گی مگر یہ سلسلہ شاید ٹوٹ جاوے اور ضروری کام باقی رہ جائے گا۔ ع

ساقی دری ہمہ پیا چاہیے۔

اس لئے میں معذور ہوں۔

بعض اعتبار سے عمرہ نفلی حج سے بہتر ہے

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ حج فرض والوں کو تو حج کے واسطے جانا ہی چاہئے' وہاں مرد و زن کا اختلاط بڑا سخت ہو گیا ہے حنفیہ کے نزدیک تو ایسے اختلاط کے ساتھ نماز ہی نہیں ہوتی۔ ہم لوگ دوسرے ائمہ کے فتووں کے مطابق جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں جس آدمی کے ذمہ حج نہیں وہ تو بس عمرہ ہی کرلے تو اچھا ہے' واقعہ بھی ایک سنایا تھا کہ ایک اللہ والے 'حج کے لئے چلے تو سفر میں ان کی ایک جگہ فرض نماز چھوٹ گئی تو وہ راستے ہی سے واپس لوٹ آئے کہ ایسے 'حج کو نہ جانا ہی بہتر ہے کہ جس کے لئے فرض نماز قضا ہو جائے چنانچہ حج کو نہیں گئے۔

آزمائش میں مبتلا کرنا بھی قرب کا ذریعہ ہے

اسی مجلس کے دوران سلسلہ گفتگو میں فرمایا حق تعالیٰ کی بڑی بے نیاز بارگاہ ہے ان پر کسی کا کوئی قانون وضابطہ تو چلتا نہیں' وہ حاکم مطلق ہیں ایسے ایسے پیغمبر بھی گذرے ہیں کہ ساری عمر میں ان کو ایک ہی امتی ملا اور کوئی ایمان قبول نہ کر سکا ایسے بھی نبی ہوئے کہ ان کے نہ ماننے والوں نے ان پر آرے چلا دیئے۔ حق تعالیٰ ضابطوں سے بے نیاز ہے۔ وہ دشمن کو پال دیں اور دوست کو قتل کرا دیں ان کے سامنے کسی کو بولنے کی مجال نہیں' پھر حضرت مفتی صاحب نے مولانائے روم کی تعریف وتوصیف فرماتے ہوئے یہ دو اشعار بڑے درد اور سوز کے ساتھ پڑھے۔ پہلے شعر کو تو مفتی صاحب دو مرتبہ پڑھے بغیر نہ رہ سکے

ما پروریم دشمن و مائی کشیم دوست
کس را چرا و چوں نہ رسد در قضائے ما

یہ بھی فرمایا کہ اپنے بہت سے نیک بندوں کو وہ آزمائشوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اللہ والوں کے لئے بھی آزمائش وتکلیف کوئی نئی بات نہیں' یہ بھوک کی آزمائش اور بھوکا رہنا بھی اللہ کے خاص بندوں کا کام ہے۔ وہ تو درد ان کو دیتے ہیں جنہیں اپنا بناتے ہیں بس۔

آخری دعا

بس انہیں الفاظ کے بعد حضرت مفتی صاحب ﷫ نے فرمایا کہ اچھا بھائی اب دعا کرلو چنانچہ خاصی دیر تک مفتی صاحب نے بڑی دلسوزی اور آرام کے ساتھ دعا فرمائی اور اس طرح مجلس برخاست ہوئی۔ حاضرین میں سے کچھ مصافحہ کرتے تھے اور کچھ آرام وراحت کی خاطر بغیر مصافحہ کے بھی نکلتے جاتے تھے یہ ناچیز بھی پہلے تو کھڑا کھڑا کچھ دیر تک مزید زیارت کرتا رہا اور پھر ذرا بھیڑ ہوئی تو مفتی صاحب کی خدمت میں آداب بجا لایا سلام مسنون پیش کیا جواب سے نوازا گیا، مصافحہ کا آخری موقعہ بھی نصیب ہوا اور حسب عادت مفتی صاحب نے میرے والد ماجد جناب حافظ عرفان احمد صاحب مدظلہم کی خیریت دریافت فرمائی اور مزید فرمایا کہ بھائی میرا سلام بھی والد صاحب تک ضرور پہنچا دینا۔ یہ مفتی صاحب مرحوم کی خاص عادت تھی کہ ابا جی محترم کا حال مجھے دیکھتے ہی فوراً پوچھا کرتے بعد اپنا سلام آں معظم ومحترم تک پہنچانے کی ہمیشہ تاکید فرماتے۔ یہ حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہ کی حیات فانی کا آخری سلام تھا جو ہم باپ بیٹوں کو نصیب ہو سکا۔ ع

مجھے تحریر کوتاہ باید والسلام

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب ﷫ پر بے حساب رحمتیں نازل فرمائے اور ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

وصلی اللہ تعالی علی النبی الکریم محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

بندہ عبدالرؤف سکھروی غفرلہ
۱۸ رمضان المبارک لیلۃ الخمیس
بوقت پونے بارہ بجے ۱۴۱۹ھ

علم اور اہل علم

۱۔ فرمایا کہ "فتویٰ کا خاص ذوق اور ملکہ ہوتا ہے جو مفتی میں ہونا ضروری ہے اور وہ فقہی ہی کتابیں پڑھنے کے باوجود اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک برسہا برس کسی ماہر مفتی کے زیر ہدایت فتویٰ لکھنے کا کام نہ کیا ہو"۔

۲۔ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے ہمیں دورۂ حدیث ہی کے سال میں اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل ہو جانے کو بھی منتہا ئے مقصود نہ سمجھنا فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد انسان میں قوت مطالعہ پیدا ہو جاتی ہے اور علم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب یہ فارغ ہونے والے کا کام ہے کہ وہ علم کی چند کلیوں پر قناعت کرنے کے بجائے اس دروازہ میں داخل ہو اور اس قوت مطالعہ کو کام میں لا کر علم میں وسعت و گہرائی پیدا کرے"۔

۳۔ فرمایا کہ فقہاء کرام نے محقق ابن ہمام اور شاہ ولی اللہ جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا تو بعد کے علماء کا معاملہ تو ان کے مقابلے میں بہت اہون ہے چنانچہ اگر کبھی آپ (مفتی اعظمؒ) کا ذہن کسی ایسی رائے کی طرف مائل ہوتا جو معروف فقہی نظریے سے مختلف ہوتی تو آپ اس تلاش میں رہتے کہ یا تو فقہاء متقدمین میں کسی کا قول اس کے موافق مل جائے یا معاصر علماء اس رائے پر مطمئن ہو جائیں اور جب تک یہ نہ ہوتا اس وقت تک آپ عموماً اس رائے کے مطابق فتویٰ نہ دیتے تھے"۔

۴۔ فرمایا کہ محض فقہی کتابوں کے جزئیات یاد کر لینے سے انسان فقیہ یا مفتی نہیں بنتا میں نے ایسے بہت سے حضرات دیکھے ہیں جنہیں فقہی جزئیات ہی نہیں ان کی عبارتیں بھی ازبر تھیں لیکن ان میں فتویٰ کی صلاحیت نظر نہیں آئی۔ وجہ یہ ہے کہ درحقیقت فقہ کے معنی "سمجھ" کے ہیں اور فقیہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرما دی ہو اور یہ سمجھ محض وسعت مطالعہ یا فقہی جزئیات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے کسی ماہر فقیہ کی صحبت اور اس سے تربیت لینے کی ضرورت

ہے۔

۵۔ فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ تقلید شخصی کوئی شرعی حکم نہیں ہے بلکہ ایک انتظامی فتویٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین برحق ہیں اور ہر ایک کے پاس اپنے موقف کے لئے وزنی دلائل موجود ہیں لیکن اگر ہر شخص کو یہ کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جب جس امام کے مسلک کو چاہے اختیار کر لے تو ہر شخص اپنی آسانی کی خاطر آج ایک مسلک پر عمل کرے گا کل دوسرے مسلک پر اور اس طرح اتباع خداوندی کے بجائے اتباع نفس کا دروازہ کھل جائے گا۔

۶۔ فرمایا کہ فتویٰ نویسی ایک مستقل فن ہے جس طرح مفتی کو بہت سی باتوں کی رعایت رکھنی پڑتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلے مفتی کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ مستفتی کا سوال قابل جواب ہے یا نہیں اور بعض اوقات سوال کے انداز سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا مقصد عمل کرنا یا علم میں اضافہ کرنا نہیں بلکہ اپنے کسی مخالف کو زیر کرنا ہے یا حالات ایسے ہیں کہ اس سوال کے جواب سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے ایسی صورت میں استفتاء کے جواب سے گریز کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ فرمایا کہ فتویٰ میں مسئلے کا مختصر حکم اور اس کے مفصل دلائل بالکل ممتاز ہونے چاہئیں تاکہ جو شخص صرف حکم معلوم کرنا چاہتا ہو وہ بآسانی حکم معلوم کر لے، اور جس شخص کو دلائل سے دلچسپی ہو وہ دلائل بھی پڑھے۔ فتویٰ میں عام آدمی کے لئے تو صرف حکم ہوتا ہے اور دلائل اہل علم کے لئے ہوتے ہیں۔

۸۔ فرمایا کہ درس حدیث میں "روایۃ" اور "درایۃ" کی تفریق عہد حاضر کی بدعت ہے اسلاف میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا ہے کہ بعض ابواب پر بحث کے دوران انتہا درجے کی تحقیق کا مظاہرہ کیا جائے اور بعض کو تشریح مفہوم کے قابل بھی نہ سمجھا جائے۔ اس کے بجائے درس حدیث شروع سال سے اس معتدل انداز پر ہونا چاہئے کہ تمام ابواب کے تحت ضروری معلومات طالب علم کے سامنے آجائیں اور درس حدیث کا اصل فائدہ حاصل ہو۔

۹۔ فرمایا کہ درس حدیث میں جو فقہی اختلافات اور ان کے مفصل دلائل بیان کئے جاتے ہیں ان کا مقصد جہاں اپنے مسلک کے دلائل کی وضاحت اور شبہات کا

ازالہ ہوتا ہے 'وہاں اصل مقصد طالب علم میں تحقیق ونظر کی صلاحیت پیدا کرنا ہے تاکہ اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ حدیث سے مسائل واحکام کا استخراج 'متعارض احادیث میں تطبیق اور احادیث میں صحیح وسقم کی تحقیق کن اصولوں کے تحت کس طرح کی جاتی ہے۔ چنانچہ جب سال بھر تک اس قسم کے مباحث طالب علم کے سامنے آتے رہتے ہیں تو اس سے ایک مزاج پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ آئندہ اپنی بساط کے مطابق تحقیق کام کر سکتا ہے۔ لہذا ان مباحث کے دوران استاد کو چاہیے کہ وہ یہ دیکھتا رہے کہ طالب علم میں یہ مزاج پیدا ہوا یا نہیں؟ استاد کی تقریر کے ایک ایک لفظ کو یاد رکھنا طالب علم کی کامیابی کے لئے ضروری نہیں لیکن جن اصولوں کے تحت یہ مباحث ہوتے ہیں ان کا محفوظ ہو جانا ضروری ہے۔

۱۰۔ فرمایا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ حافظ ابن حجر ہوں یا علامہ عینی یہ سب حضرات صدیوں پہلے جنت میں اپنے قصے کا فیصلہ کر چکے ہیں 'ان کی شان میں کوئی نامناسب بات کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔

۱۱۔ فرمایا کہ ائمہ مجتہدین کا اختلاف تو ہوا ہی اس مقام پر ہے جہاں دلائل کی رو سے دونوں راہوں کی گنجائش موجود تھی 'لہذا یہ ثابت کرنے کی فکر کہ دوسرا مسلک بلا دلیل ہے 'بڑی نادانی کی بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دلائل دونوں کی طرف موجود ہیں 'اور کسی ایک مجتہد کی تقلید تو کی ہی اس مقام پر جاتی ہے جہاں دلائل متعارض ہوں 'اس لئے اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ یہ شافعیہ 'حنابلہ یا مالکیہ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے تو یہ واقعہ کے عین مطابق ہوگا 'کیونکہ اگر کسی مسلک پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہ حضرات اسے اختیار ہی کیوں فرماتے۔

۱۲۔ فرمایا کہ میں نے ۱۳۷۵ھ میں جو پہلا حج کیا تو وہاں حرم مکہ میں حدیث کے مختلف درس ہوا کرتے تھے 'ان میں شرکت کی تو ان کا طریقہ بہت پسند آیا کہ وہ حدیث میں تاویلات کرنے کے بجائے ایک ہی باب کی مختلف احادیث آئیں تو حدیث کے تحت فرماتے فیہ حجۃ السادۃ الشافعیۃ پھر اس کے مخالف دوسری حدیث آتی ہو تو فرماتے فیہ حجۃ السادۃ الحنفیۃ۔

۱۳۔ فرمایا کہ قرآن کریم کی محض تلاوت بھی بلاشبہ بہت موجب اجر ہے لیکن

ایک عالم کو چاہئے کہ وہ کچھ وقت تدبر قرآن کے لئے بھی نکالا کرے۔ قرآن کریم کا
کوئی لفظ حشو یا زائد نہیں ہے لہٰذا اگر غور کیا جائے تو اس کے ہر لفظ سے کسی نئے
فائدے کی طرف رہنمائی مل سکتی ہے۔

۱۴۔ فرمایا کہ باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت و تبلیغ ہی کی ایک قسم
ہے۔ لہٰذا اس میں بھی حکمت، موعظہ حسنہ اور مجادلہ بالتی ھی احسن کے اصولوں پر
عمل ضروری ہے آج کل دوسروں کی تردید میں طعن و تشنیع، طنز و تعریض اور فقرے
کسنے کا جو انداز عام ہو گیا ہے اس سے اپنے ہم خیال لوگوں سے داد تو وصول ہو جاتی
ہے لیکن اس سے مخالفین کے دل میں ضد اور عناد پیدا ہو جاتا ہے اور کسی کا ذہن
بدلنے میں مدد نہیں ملتی۔

۱۵۔ فرمایا کہ یوں تو انسان کو اپنے ہر قول و فعل میں محتاط ہونا چاہئے لیکن
خاص طور پر جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ یہ سوچ کر لکھو کہ اسے
عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرو جسے شرعی
اصولوں کے مطابق ثابت کرنے کے لئے کافی مواد موجود نہ ہو۔

۱۶۔ فرمایا کہ اکابر علماء دیوبند کا طریقہ یہی رہا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے
وابستہ رہنے کی حالت میں انہوں نے عملی سیاست میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا، لیکن
جب حضرت شیخ الہند آزادی ہند کے سلسلے میں تحریکات خلافت میں بھی موثر حصہ لینے
لگے تو دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو گئے۔

۱۷۔ فرمایا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اسمبلی میں تقریر کرتے
ہوئے فرمایا تھا کہ ارباب اقتدار اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیں کہ "ملا" اقتدار
چاہتا ہے، میں واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم کبھی اقتدار میں آنا نہیں چاہتے،
لیکن ارباب اقتدار کو تھوڑا سا ملا بنانا ضرور چاہتے ہیں۔

۱۸۔ فرمایا کہ اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کے لئے کافی ہوتا تو شیطان بھی
بہت بڑا عالم ہے، اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں
وہ بھی بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ
ایسے علم کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے، اسی

فرمایا کہ مولویوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو تقریر کرنی آتی ہو۔ فرمایا کہ ایک اچھا واعظ اور مقرر بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہر واعظ قرآن حکیم کی اس آیت کو ملحوظ رکھے۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔"

۲۵۔ طلبہ سے فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد کھیل وغیرہ یعنی ورزش کا اہتمام کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو چہل قدمی ہی کی جائے۔ اس سے انشاءاللہ صحت اچھی رہے گی اور پڑھائی وغیرہ میں دل لگے گا اور انسان دلجمعی کے ساتھ رات کے وقت مطالعہ کر سکے گا۔ فرمایا کہ چہل قدمی کے لئے بازار و مارکیٹ یا پارکوں کا اہتمام نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس میں بہت بڑی خرابی ہے اول یہ کہ بازار وغیرہ جا کر انسان خواہ مخواہ کے گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے اور بازاروں اور پارکوں وغیرہ سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اہل علم کو ایسے مقامات پر خواہ مخواہ جانا مناسب نہیں۔ ہاں بقدر ضرورت اگر کسی کام سے جائے تو چاہئے کہ فوراً لوٹ آئے۔

۲۶۔ فرمایا عزیزو! ایک عرصہ سے مدارس عربیہ کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے مدارس میں روحانیت کی کمی واقع ہونی شروع ہوئی۔ مگر تعلیمی استعداد پھر بھی اچھی تھی۔ مگر اب یہ افتاد پڑی ہے کہ روحانیت و کمال کے ساتھ ساتھ تعلیمی استعداد بھی گرتی جا رہی ہے اور اب مدارس بالکل بانجھ ہو گئے ہیں کہ اب بہت ہی کم اللہ والے علماء فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔

۲۷۔ فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا علم ہمیشہ باقی اور تازہ رہے اور اس میں دن رات اضافہ ہو تو تم کو چاہئے کہ اپنے اندر لگن پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ فرمایا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی پیر کامل اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کی جائے اور اس سے اپنی اصلاح باطن کروائیں۔

۲۸۔ فرمایا کہ جہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے اور پھر امام مالک ؒ کا مقولہ سنایا کہ وہ فرمایا کرتے "علموا اصحابکم قول لا ادری" اپنے ساتھیوں کو لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنا بھی سکھاؤ۔

۲۹۔ فرمایا کہ دینی خدمت کے میرے سامنے اور بھی طریقے اور راستے تھے

لیکن میں نے فتویٰ کی خدمت کو اپنا مقصد زندگی سوچ سمجھ کر بنایا اس لئے کہ اس کا نفع نقد ہے اور دوسرے طریقوں میں ایسا نہیں۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص صرف تصنیف و تالیف کو اپنا مقصد زندگی بنائے اور کتابیں لکھا کرے تو اس کا نفع مصنف کو اسی وقت حاصل ہوگا جب کوئی اس کی کتاب کو پڑھے گا اور اس پر عمل کرے گا اور معلوم نہیں کہ ایسا ہوگا بھی یا نہیں۔

۴۰۔ فرمایا کہ مفتی کو ہمیشہ اس امر کا خصوصی طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ اس کے فتویٰ سے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ نہایت سوچ سمجھ کر لکھنا چاہئے۔ کتب کی طرف مراجعت کے ساتھ ساتھ موقع اور محل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ فقہاء نے فرمایا ہے من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔

۴۱۔ فرمایا کہ مفتی کو چاہئے کہ جن مسائل کا تعلق اپنی ذات سے ہو ان مسائل میں دوسرے علماء سے استفسار کرے اپنے نفس پر اعتماد نہ کرے کیونکہ نفس کے کید خفی کا اندیشہ ہے۔

۴۲۔ فرمایا کہ میری زیادہ تر یہ خواہش رہتی ہے کہ مدرسہ میں چند اللہ والے جمع ہو جائیں اگرچہ زیادہ محقق نہ ہوں۔ جس مدرس کا مقصود تنخواہ لینا ہو اس کو حضرت تھانوی اپنی اصطلاح میں پیشہ ور مولوی فرمایا کرتے تھے۔

۴۳۔ ایک دفعہ فرمایا کہ بعض مدرسین مدرسہ سے تنخواہ تو پوری وصول کر لیتے ہیں مگر مدرسہ کی طرف سے جو کام ان کے ذمہ ہوتا ہے اس کو پورا نہیں کرتے۔ کبھی سبق میں دیر سے پہنچتے ہیں کبھی بلاوجہ سبق کا ناغہ کر دیتے ہیں۔ کبھی سبق میں بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرتے ہیں۔ جس سے سبق کی کمیت اور کیفیت کا نقصان ہو جاتا ہے۔ یہ سب باتیں امانت و دیانت کے خلاف ہیں۔ خیانت اور تطفیف میں داخل ہیں۔

۴۴۔ فرمایا کہ مدرسہ کی ضروریات کی اہل خیر کو عمومی اطلاع دے دی جایا کرے یا ان مخصوص حضرات کو اطلاع کر دی جائے جو ایسے مواقع خیر کے منتظر رہتے ہیں۔ مگر چندہ کرنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے اہل علم کی بے وقعتی ہو۔

۳۵۔ فرمایا کہ میرے خیال میں مولوی وہ ہے جس میں اس قدر استعداد ہو کہ ہدایہ کی چاروں جلدوں میں جو جگہ اس کو بتلائی جائے اس کو حل کر کے سمجھ اور پڑھا سکے۔

۳۶۔ فرمایا کہ بقسم کہتا ہوں کہ میں نے ایک عالم بھی ایسا نہیں دیکھا کہ جس نے اللہ کے لئے پڑھا اور پڑھایا ہو اور اللہ نے اس کو عزت و راحت کی زندگی عطا نہ کی ہو۔ اگر عالم ہو کر کوئی رسوا ہو تو اپنی بدعملی سے ہوا۔

۳۷۔ فرمایا کہ طلباء کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے اور اس دور میں سہل پسندی اور کاہلی سے کام لے کر اپنی عمر کے قیمتی حصے کو برباد کر دیتے ہیں۔ یاد رکھو! ایک ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے اس کو یوں ہی نہ گزارو۔

۳۸۔ فرمایا کہ جو استاد کسی مدرسے میں پڑھا رہا ہے اسے وہاں پڑھانے کے دوران اپنے مدرسے میں آنے کی دعوت دینا اصول کے خلاف ہے۔ اول تو اس میں تسوم علی سوم اخیہ کا گناہ ہے دوسرے ایک مدرسے کو اجاڑ کر دوسرا مدرسہ آباد کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی صاحب اس مدرسے سے الگ ہو گئے ہیں یا الگ ہونے کا ارادہ ہے تو ان سے زیادہ سے زیادہ جو بات فرماتے وہ یہ تھی کہ اگر آپ اس مدرسے کو چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو دارالعلوم حاضر ہے۔

۳۹۔ فرمایا کہ حضرت نانوتوی کی وصیت کے مطابق جب تک دینی مدارس توکل، استغناء اور للہیت پر کاربند رہیں گے ان کا کام ان شاء اللہ بابرکت ہوگا اور اہل علم سے دنیا کو فائدہ پہنچے گا لیکن جب اہل علم بھی توکل، استغناء سے محروم ہو جائیں اور اہل ثروت کی ثروت پر ان کی نگاہ جانے لگے تو ان کی تعلیم و تبلیغ بھی انوار و برکات سے خالی ہو جائے گی۔

۴۰۔ حضرت والا صاحب (حضرت مفتی اعظم) نے تمام منتظمین کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہم نے دارالعلوم کی شکل میں کوئی دکان نہیں کھولی بلکہ خدمت دین کا ایک ادارہ قائم کیا ہے جب تک آپ حضرات اس ادارے کو صحیح اصولوں پر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلا سکیں چلائیں اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ

اسے صحیح اصولوں پر چلانا ممکن نہ رہے تو میرے نزدیک اسے بند کر دینا بہتر ہے' بہ نسبت اس کے کہ اس غلط اصولوں پر چلایا جائے۔

۴۱۔ فلسفہ اور عقلیات کی حقیقت اور اس کے "بائے چوبیں" کی ناپائیداری حضرت والا صاحب پر روز روشن کی طرح واضح تھی لیکن جب بھی آپ کے سامنے یہ تجویز پیش ہوئی کہ معقولات کو درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت والا صاحب اس کی سخت مخالفت فرماتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تفسیر' حدیث' فقہ' اصول فقہ اور عقائد پر لکھی ہوئی متقدمین کی کتابیں معقولات کی اصطلاحوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور اگر قدیم منطق و فلسفہ کو بالکل ہی نکال دیا جائے تو اسلاف کی ان کتابوں سے خاطر خواہ استفادے کی راہ مسدود ہو جاتی ہے جو ہمارا گرانقدر علمی سرمایہ ہے۔ اس کے علاوہ منطق و فلسفہ کی تعلیم سے ذہن و فکر کو جلا ملتی ہے اور ذہن مسائل کو مرتب طریقے سے سوچنے کا عادی بن جاتا ہے اور اس طرح یہ علوم تفسیر' حدیث' فقہ اور اصول فقہ کے مسائل کو سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں۔ حضرت والا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان علوم کی اصل حقیقت کو ذہن نشین کر کے کوئی شخص اس نیت سے ان علوم کو پڑھے پڑھائے کہ ان سے دینی علوم کی تحصیل میں مدد ملے گی تو ان علوم کی تحصیل بھی عبادت بن جائے گی' اور درس نظامی کے مرتبین نے اسی وجہ سے ان کو داخل درس کیا تھا اور حضرت شیخ الہند فرمایا کرتے تھے کہ اگر نیت بخیر ہو تو ہمارے نزدیک بخاری پڑھانے والے اور قطبی پڑھانے والے میں کوئی فرق نہیں' دونوں اپنی اپنی جگہ خدمت انجام دے رہے ہیں' اور دونوں کی خدمت موجب اجر و ثواب ہے۔

۴۲۔ فرمایا مدرس لمبی چوڑی تقریر کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے سبق کا حق ادا کر دیا کتاب سمجھا دی اور میرا حق ادا ہو گیا اور اسی طرح طالب علم سمجھتے ہیں کہ اب امتحان میں پاس ہو جائیں گے یا مدرس بن جائیں گے یہ کوئی نہیں ہے زیادہ ضروری یہ امر ہے کہ مدرس اور طالب علم جو کچھ پڑھتے پڑھاتے جائیں ان پر عمل بھی کرتے جائیں اگر عمل کر لیا تو واقعی کتاب کا حق ادا کر لیا۔ اس لئے عمل کرنے اور کرانے کی نیت سے پڑھنا پڑھانا چاہئے۔

۴۳۔ ایک مرتبہ طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں اپنی اسی سالہ زندگی کا نچوڑ اور حاصل آپ کو بتلاتا ہوں اس کو توجہ سے سنو! یہ خلاصہ ساری دنیا دیکھ کر اور دنیا داروں اور دینداروں کا تجربہ کر کے اور زندگی کے تمام اتار چڑھاؤ دیکھ کر بیان کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ آپ جس کام میں لگے ہیں (یعنی تعلیم و تعلم) اگر یہ خلوص کے ساتھ محض حق تعالیٰ شانہ کی رضا کے لئے ہے تب تو یہ ایسا عظیم الشان کام ہے کہ دنیا کا کوئی کام اس کے برابر نہیں یہ سب سے بہتر اور افضل ہے اور اگر خدانخواستہ مقصود اس سے رضائے الٰہی نہیں دنیا کمانا پیش نظر ہے جیسا کہ آج کل یہ کام صرف ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے تو میرے عزیزو! پھر دنیا میں اس سے بدتر کوئی کام نہیں۔ (العیاذ باللہ)

۴۴۔ فرمایا کہ میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا، جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھا دے اسی سے کام چلا لیتا ہوں آدمی مدرس ہو مستقیم ہو۔ صالح ہو مفسد نہ ہو۔ بس یہ کافی ہے اگر محقق ہو اور مفسد ہو تو مدرسہ اور طلبہ کا علم و عمل سب تباہ ہو جائے گا۔

۴۵۔ فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ تھا کہ مہتمم سے لیکر دربان اور چپراسی تک ہر شخص صاحب نسبت تھا۔

۴۶۔ ختم بخاری شریف پر فرمایا آج ہمیں اپنے پورے سال کی محنت کا نتیجہ دیکھنا ہے اور سال بھر جو چکی پیسی اس کے بارے میں غور کرنا ہے کہ حاصل کیا ہوا اور اس موقع پر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کا ارشاد "جعجعة ولا طحين" نقل فرمایا کرتے تھے یعنی چکی تو چلائی اب یہ دیکھو کہ آٹا بھی ہے یا نہیں، فرماتے تھے کہ سال بھر کی محنت سے چند آدمی تیار ہوتے ہیں لیکن ان کو جو سند دی جائے گی دنیا میں اس کی دو پیسے کی بھی قیمت نہیں اس کے علاوہ کالج و یونیورسٹی میں کوئی ملازمت نہیں مل سکتی اور درحقیقت ہمارے مدرسوں سے فارغ ہونے والوں کو چاہئے بھی یہی کہ مدرسوں ہی میں زندگیاں گزار دیں دوسری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ اللہ کے یہاں علوم قرآن و حدیث کی قدر ہے بس ہمیں وہی چاہئے، اہل دنیا کی ملازمت کی ہمیں ضرورت ہی کیا۔

(بشکریہ ماہنامہ البلاغ شوال ۱۴۱۲ھ)

مآثر حضرت عارفیؒ

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہ
کے مختصر حالات، سیرت اور ارشادات کا تذکرہ

مفتی محمد تقی عثمانی

ادارۃ المعارف کراچی

حیاتِ مفتیٔ اعظم

فقیہ العصر مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ
کی مختصر و جامع سوانح

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

...یہ تیرے پُراسرار بندے!

جہادِ افغانستان کا منظر، پس منظر، چھاپہ مار جنگ کی آپ بیتی اور آنکھوں دیکھی تفصیلات، دُنیا کی ایک عظیم طاقت پر مٹھی بھر نہتے مجاہدین کی فتح کے ایمان افروز واقعات، جہاد کے بارے میں قرآن و سنت کی تعلیمات، میدانِ کارزار میں اُن کے معجزنما کرشمے اور موجودہ دُنیا پر اس کے عجیب و غریب اثرات

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب

ادارۃ المعارف کراچی

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

تصانیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

تفسیر معارف القرآن کامل ۸ جلدیں
اسلام کا نظام اراضی
آلات جدیدہ کے شرعی مسائل
ایمان و کفر قرآن کی روشنی میں
احکام و تاریخ قربانی
احکام دعا
اوزان شرعیہ
احکام و خواص بسم اللہ
احکام حج
آداب النبی
آداب المساجد
انسانی اعضاء کی پیوندکاری
اسلام کا نظام تقسیم دولت
اسلام اور موسیقی
اسلامی ذبیحہ
بیمہ زندگی
پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ
پیغمبر امن و سلامت
تصویر کے شرعی احکام
جواہر الفقہ کامل ۳ جلد
جہاد
ختم نبوت
خطبات جمعہ و عیدین
دو شہید

ذوالنون مصری
ذکر اللہ اور فضائل درود و سلام
رویت ہلال
رفیق سفر
سنت و بدعت
سیرت خاتم الانبیاء
شہادت کائنات
شب برأت
شہید کربلا
ضبط ولادت
علمی کشکول
علامات قیامت اور نزول مسیح
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کامل ۲ جلدیں
قرآن میں نظام زکوٰۃ
موت کے وقت شیطانی دھوکہ مسافر آخرت
مجالس حکیم الامت
مسئلہ سود
مقام صحابہ
میرے والد ماجد
مکاتیب حکیم الامت
مصیبت کے بعد راحت
نجات المسلمین
نقوش و تاثرات
وحدت امت

فون
۰۳۱۹۷۲۳

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

پوسٹ کوڈ
۷۵۱۸۰